قرآن و حدیث، انبیائے کرام علیہم السلام، صحابہ کرام علیہم الرضوان، اہل بیت اطہار
بزرگان دین، اولیائے کرام اور مسلمان حکمرانوں کے ایمان افروز، باطل سوز،
وجد آفرین، اور انتہائی دلنشین ۲۰۰

حسین و جمیل واقعات

تصنیف لطیف

الحافظ القاری مولانا غلام حسن قادری

مفتی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور

ناشر

اکبر بک سیلرز لاہور

قرآن و حدیث، انبیائے کرام علیہم السلام، صحابہ کرام علیہم الرضوان، اہل بیت اطہار
بزرگان دین، اولیائے کرام اور مسلمان حکمرانوں کے ایمان افروز، باطل سوز،
وجد آفرین، اور انتہائی دلنشین ۲۰۰

حسین و جمیل واقعات

تصنیف لطیف

الحافظ القاری مولانا غلام حسن قادری
مفتی دار العلوم حزب الاحناف لاہور

ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر ۴۰۔ اردو بازار لاہور Ph: 37352022

نام کتاب .... حسین وجمیل واقعات
مؤلف .... الحافظ القاری مفتی غلام حسن قادری
مفتی دار العلوم حزب الاحناف لاہور
پروف ریڈنگ .... پیر طریقت حضرت مولانا قاری محمد اصغر نورانی
خصوصی دعا .... پیر سیّد طاہر حسین شاہ کاظمی، پاک پتن شریف
حسبِ فرمائش .... پیر حافظ محمد عثمان نوشاہی قادری، رہنما سنی تحریک، لاہور
الحافظ القاری محمد اختر سیالوی، گڑھی شاہو لاہور
تحریک وتشویق .... حضرت مولانا قاری خدا بخش بصری
حضرت مولانا قاری ریاض احمد فاروقی
حضرت مولانا محمد عبد الرشید قادری عطاری
صفحات 656
تعداد 600
کمپوزنگ .... آصف حفیظ
اشاعت .... مئی 2014ء
ناشر .... محمد اکبر قادری
قیمت .... 450 روپے

ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر
40 اردو بازار لاہور

فہرست

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

الانتساب

محبوبِ سبحانی ٗقطبِ ربانی ٗقندیلِ نورانی ٗشہباز لامکانی ٗغوث صمدانی ٗ
شیرِ یزدانی ٗحضور پیرانِ پیر دستگیر میراں محی الدین
ابو محمد الشیخ السید عبدالقادر جیلانی الحسنی والحسینی رضی اللہ عنہ
غوثِ اعظم درمیاں اولیاء (رضی اللہ عنہم)
چوں محمد درمیاں انبیاء (علیہم السلام)
کے مقدس نام کی طرف منسوب کررہا ہوں جن کا قدم تمام ولیوں کی گردن پر ہے۔
قدمی ھٰذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ ۔
سروں پہ جسے رکھتے ہیں تاج والے
تمہارا قدم ہے وہ یاغوثِ اعظم

الاهداء

وارثِ علم لدنی فاتح قادیانیت تاجدارِ گولڑا

حضرت سیّدنا پیر

مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کی بارگاہِ ناز میں

تعارف

مستند اور باحوالہ واقعات کا جو سلسلہ بابرکت واقعات سے شروع ہوا اس سلسلۂ الذہب کی یہ (حسین وجمیل واقعات) پانچویں کڑی ہے اس کے ساتھ ہی ہزار واقعات مکمل ہو جائیں گے۔ یہی میری تمنا تھی کہ اپنے قارئین کو مستند اور باحوالہ ایک ہزار واقعات دوں لیکن ذرا ٹھہریئے ہزار سے مراد نمبرنگ والے واقعات ہیں ورنہ تو ایک ایک نمبر اور سرخی کے تحت اس واقعہ سے متعلقہ واقعات کی تعداد دس دس پندرہ پندرہ بلکہ ایک مقام پہ پچاس تک بھی ہو گئی تھی تو اس لحاظ سے ہزار نہیں بلکہ ہزاروں بن جاتے ہیں۔ تاہم ان میں غزوات میں مجاہدینِ اسلام کے واقعات شامل نہیں ہیں اسی طرح خلفائے راشدین اور بعد والے مسلمان حکمرانوں کے سارے واقعات نہیں شامل کیے گئے اسی طرح حکایاتِ رومی وحکایات سعدی وغیرہ سمیت کئی کتب ایسی جن کو ہاتھ تک نہیں لگایا گیا' کہیں کوئی حوالہ اگر ان کتب کا آیا ہے تو کسی اور کتاب سے لیا گیا ہے' ورنہ تو یہ سلسلہ سینکڑوں جلدوں پر محیط ہو جاتا مگر یاد رہے کہ یہ سلسلہ ابھی رُکا نہیں ان شاء اللہ کچھ مزید چلے گا۔ کتنا چلے گا واللہ ورسولہ اعلم جل جلالہ و ﷺ اور کیوں نہ چلے کہ

میں قادری ہوں شکر ہے ربِ قدیر کا
دامن ہے میرے ہاتھ میں پیرانِ پیر کا
اے ساقی تیری خیر تیرے میکدے کی خیر
فیضان بٹ رہا ہے میرے روشن ضمیر کا
خیرات میں ملا تو درِ مصطفیٰ ملا
کشکول بھر گیا نبھی تو فقیر کا

مشکل پڑی تو سید کونین آ گئے

رُتبہ ہے باکمال میرے دستگیر کا

یہ اشعار حال ہی میں ایک محفل کے اندر ایک سیدزادے نے پڑھے جو مجھے بہت پسند آئے تو میں نے ارادہ کرلیا کہ ان اشعار کو اپنی کسی کتاب کی زینت بناؤں گا۔اشعار بھی حسین' پڑھنے والا سید طاہر حسین اور کتاب حسین وجمیل واقعات۔

غلام حسین قادری

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ السَّمِیْعِ الْبَصِیْرِ الْخَالِقِ الْمُخْتَارِ الْغَنِیِّ الْقَدِیْرِ فَلَا اَعْوَانَ لَہٗ وَلَا اَنْصَارَ اَلْطِیْفِ الْخَبِیْرِ بِحَوَادِثِ الَّیْلِ وَالنَّہَارِ مَا کَانَ لِلنَّاسِ الْخِیْرَۃُ وَرَبُّکَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَیَخْتَارُ فَسُبْحَانَ مَنْ نَوَّرَ قُلُوْبَ اَوْلِیَائِہٖ بِالْاَنْوَارِ وَکَشَفَ لَھُمْ مَّا خَفِیَ عَنْ غَیْرِھِمْ وَاَزَالَ الْاَسْتَادَ اَحْمَدُہٗ سُبْحَانَہٗ عَلٰی نِعَمٍ تَتْرٰی مِنْ غَیْرِ انْفِصَالٍ وَاَشْکُرُہٗ عَلٰی جِبْرِیْلِ الْاِحْسَانِ وَالْاَفْضَالِ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ ھُوَ الْمُتَّصِفُ بِکُلِّ کَمَالٍ اَدَّخِرُھَا لِھَوْلِ السُّؤَالِ وَاَرْجُوْبِھَا النَّجَاۃَ مِنْ دَارِالْھَوْنِ وَالنَّکَالِ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا مُحَمَّدٍ عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ الْمَخْصُوْصُ بِاَشْرَفِ مَقَامَاتِ الْاِرْسَالِ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ خَیْرِ صَحْبٍ وَّاَفْضَلِ آلٍ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدِيْ

يَا رَسُوْلَ اللّٰه

نسیم

وَعَلٰی اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا سَيِّدِيْ يَا حَبِيْبَ اللّٰه

(۱)

وہ مقامات جہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں

☆......حضرت سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی کریم ﷺ نے "مسجد فتح" میں پیر، منگل اور بدھ کے دن دعا فرمائی اور بدھ کے دن دو نمازوں کے درمیان آپ ﷺ کی دعا مقبول ہوئی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وَلَمْ يَنْزِلْ بِیْ أَمْرٌ مُهِمٌّ غَائِظٌ اِلَّا تَوَخَّيْتُ تِلْكَ السَّاعَةَ فَدَعَوْتُ اللّٰهَ فِيْهِ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ يَوْمَ الْأَرْبَعَاءِ فِیْ تِلْكَ السَّاعَةِ اِلَّا عَرَفْتُ الْاِجَابَةَ.

"مجھے جب بھی کوئی مشکل درپیش ہوتی تو میں اس وقت کا انتظار کرتا اور بدھ کے روز دو نمازوں کے درمیان اسی لحات میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا تو مجھے یقین ہو جاتا کہ میری دعا قبول ہو گئی ہے۔" (الادب المفرد للبخاری، باب الدعاء عند الاستخارۃ ۲۹۳، ص ۲۴۳، رقم ۷۰۴)

☆......حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **مَا بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ مُلْتَزَمٌ مَا يَدْعُوْ بِهٖ صَاحِبُ عَاهَةٍ اِلَّا بَرَءَ.**

"رکن (حجر اسود) اور مقام (ابراہیم) کے درمیان "ملتزم" ہے اس جگہ جو بھی پریشان حال دعا کرے تو اسے پریشانی سے نجات مل جاتی ہے۔"

(معجم الکبیر للطبرانی، ج ۱۱ ص ۳۲۱، رقم ۱۱۸۷۳، مجمع الزوائد مع بغیۃ الرائد للہیثمی، ج ۳ ص ۵۵۰، رقم ۵۵۱۶)

☆......حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **اَلْمُلْتَزَمُ بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْبَابِ لَا يَسْأَلُ اللّٰهَ أَحَدٌ فِيْهِ شَيْئًا اِلَّا أَعْطَاهُ.**

''رُکن (حجرِ اسود) اور باب (کعبہ) کے درمیان ''ملتزم'' کا مقام ہے اس جگہ پر جو بھی اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا سوال کرے تو وہ اسے عطا فرماتا ہے۔''

اسے امام سعید بن منصور اور امام بیہقی علیہم الرحمہ نے روایت کیا ہے۔

☆......حضرت سیدنا ربیعہ بن وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ثَلَاثُ مَوَاطِنَ لَا تُرَدُّ فِيهَا دَعْوَةُ عَبْدٍ: رَجُلٌ يَكُونُ فِي الْبَرِيَّةِ حَيْثُ لَا يَرَاهُ إِلَّا اللهُ وَرَجُلٌ يَكُونُ مَعَهُ فِئَةٌ فَيَفِرُّ عَنْهُ أَصْحَابُهُ فَيَثْبُتُ وَرَجُلٌ يَقُومُ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ۔

''تین مقامات ایسے ہیں جہاں مانگی ہوئی دعائیں رد نہیں کی جاتیں:

(۱) وہ بندہ جو کسی ایسی جگہ ہو جہاں اللہ تعالیٰ کے علاوہ دیکھنے والا اور کوئی نہ ہو۔

(۲) وہ بندہ جو اپنی جماعت کے ساتھ (جہاد میں برسرِ پیکار) ہو پھر اس کے ساتھی اسے تنہا چھوڑ جائیں لیکن یہ ثابت قدم رہے۔

(۳) وہ بندہ جو رات کے آخری حصے میں کھڑا (ہو کر نماز ادا) کرے۔

(معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم، ج ۲، ص ۱۱۰۲، رقم ۲۷۷۹، کنز العمال للمتقی، ج ۲، ص ۱۵۹، رقم ۳۳۳۶، فیض القدیر للمناوی، ج ۳، ص ۳۲۲، رقم ۳۵۱۳)

(۲)

جنت کے موتی

بیان کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک عبادت گزار تھا جس پر معیشتِ زندگانی تنگ ہو گئی تھی۔ پس ایک دن وہ ایک میدان کی جانب جا نکلا اور وہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے لگا۔ وہ دعا کرتا تھا کہ اسے کچھ عطا کیا جائے۔ ایک دن اس نے ندائے غیب سنی:

''اے عابد! اپنا ہاتھ پھیلا اور لے۔''

چنانچہ اس نے اپنا ہاتھ پھیلایا اور اس پر دو موتی تاروں کی طرح چمکتے ہوئے رکھے گئے' وہ ان کو لے کر اپنے گھر واپس آیا اور اپنی بیوی سے کہا:

ہم محتاجی سے امن میں ہو گئے اس کے بعد اس عابد نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ وہ جنت میں ہے اور اس میں ایک محل ہے۔ پس اس سے کہا گیا: ''یہ تیرا محل ہے اس کے بعد اس نے آمنے سامنے دو تخت دیکھے کہ ان میں سے ایک سرخ سونے کا ہے اور دوسرا چاندی کا ہے اور دونوں کی چھت موتیوں کی ہے۔''

اور اس سے کہا گیا: ''ان دونوں میں سے ایک تیرے بیٹھنے کی جگہ ہے اور دوسرا تیری بیوی کی نشست گاہ ہے اس کے بعد اس نے انکی چھت کی طرف نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہے کہ اس میں ایک جگہ دو موتیوں کے بقدر خالی ہے۔'' پس اس نے پوچھا: ''یہ جگہ کیوں خالی ہے؟''

جواب ملا کہ یہ جگہ پہلے خالی نہیں تھی لیکن تو نے دنیا ہی میں ان دو موتیوں کے لیے جلدی کی یہ انہیں موتیوں کی جگہ ہے۔''

اس کے بعد وہ روتا ہوا نیند سے بیدار ہوا اور اپنی بیوی کو اس کی خبر کی۔ پس بیوی نے

اس سے کہا: ''تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہو یہاں تک کہ وہ ان موتیوں کو ان کی جگہ واپس کردے۔''

چنانچہ وہ پھر اسی میدان میں گیا اور وہ دونوں موتی اپنی ہتھیلی پر رکھ کر اللہ سے دعا کرنے لگا کہ وہ ان کو ان کی جگہ واپس کردے آخر کار ایک دن وہ موتی اس کی ہتھیلی سے غائب ہو گئے اور آواز آئی کہ ہم نے ان موتیوں کو ان کی جگہ واپس کردیا۔ پس اس نے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اس کی حمد وثنا کی۔ (قلیوبی)

(۳)

سلطان المشائخ اور مولانا ضیاء الدین سنامی

مولانا ضیاء الدین سنامی نصاب الاحتساب کے مصنف تھے اور شدت سے احکامِ شرعی پر عامل تھے۔ کہتے ہیں کہ شیخ شرف الدین بوعلی قلندر کی مونچھیں بہت بڑھی ہوئی تھیں۔ کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ ان سے مونچھوں کے کٹوانے کی فرمائش کرتا۔ مولانا صاحب کو پتہ چلا تو قینچی لے کر پہنچے اور اپنے ہاتھ سے قلندر صاحب کی مونچھیں کاٹ دیں۔ یہی مولانا صاحب سماع کی بناء پر حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء پر معترض تھے لیکن ان کے زہد وتقویٰ اور دیانت داری کی وجہ سے حضرت سلطان المشائخ ہمیشہ ان کا ادب کرتے تھے جب وہ مرض الموت میں مبتلا تھے تو حضرت شیخ عیادت کے لیے گئے۔ مولانا صاحب نے اپنی پگڑی سلطان المشائخ کے پاؤں میں ڈال دی اور اپنی درشتی اور سخت گیری کی معافی چاہی۔ سلطان المشائخ سمجھتے تھے کہ خواجہ صاحب کی یہ سختی کسی ذاتی عناد اور عداوت کی وجہ سے نہ تھی بلکہ محض غیرتِ شرعی اور ''اَلْحُبُّ لِلّٰهِ وَالْبُغْضُ لِلّٰهِ'' کے لیے تھی۔ یہ پگڑی کوئی معمولی پگڑی نہ تھی' ایک باغیرت عالم باعمل اور شریعتِ مصطفوی کے ایک خادم اور عاشق کی پگڑی تھی۔ سلطان المشائخ نے وہ پگڑی اُٹھا کر کمال محبت سے اپنی آنکھوں سے لگائی اور جب خواجہ ضیاء الدین وفات پاگئے تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور کہنے لگے:

''یک ذات بود حامی شریعت حیف کہ آں نیز نماند''

(ایک ہی آدمی شریعت کا حامی تھا' افسوس وہ بھی نہ رہا)

(تاریخ مشائخ چشت: ۱/۳۲۳ طبع دہلی شیخ محمد اکرام' آب کوثر ص ۱۷۶)

(۴)

بزرگی علم سے ہے

خلیفہ بغداد ہارون رشید نے ایک مرتبہ مشہور عالمِ حدیث ابومعاویہ محمد بن ضریر کی دعوت کی، وہ آنکھوں سے معذور تھے جب لوٹا اور چلمچی ہاتھ دُھلانے کے لیے لائی گئی تو خلیفہ نے چلمچی تو خدمت گار کو دی اور خود لوٹا ہاتھ میں لے کر حضرت ممدوح کا ہاتھ دُھلانے لگا اور کہا:

''اے ابومعاویہ! آپ نے پہچانا کہ کون آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈال رہا ہے؟''

آپ نے فرمایا: ''نہیں!''

خلیفہ نے کہا: ''ہارون! یہ سن کر ابومعاویہ کے دل سے یہ دعا نکلی کہ جیسی آپ نے علم کی عزت کی ایسی ہی اللہ تعالیٰ آپ کی عزت فرمائے۔''

ہارون رشید نے کہا: ''اے ابومعاویہ! بس آپ کی اسی دعا کو حاصل کرنے کے لیے میں نے یہ کیا تھا۔'' (حیات اعلیٰ حضرت ج ا ص ۲۱۶)

☆ امام لغت محمد بن عباد بہت ہی جید عالم تھے لیکن شکل وصورت کے لحاظ سے بہت ہی غیر وجیہہ اور انتہائی بدشکل تھے۔ یہ خلیفہ بغداد ہارون رشید کے دربار میں پہنچے تو خلیفہ نے ان کا انتہائی اعزاز واکرام کیا یہاں تک کہ اپنے ہاتھوں سے ان کے سر پر عمامہ باندھنے لگا۔ خلیفہ کی ایک لونڈی یہ منظر دیکھ کر مسکرانے لگی: خلیفہ نے پوچھا: ''تو ہنس کیوں رہی ہے؟''

محمد بن عباد فوراً بول اُٹھے: ''امیر المومنین میں آپ کو بتاتا ہوں۔ یہ میری بدصورتی اور آپ کے اس اعزاز واکرام پر ہنس رہی ہے۔''

یہ سن کر خلیفہ مامون نے کہا: ''اے نادان لونڈی! تو تعجب مت کر تجھے کیا خبر کہ اس پگڑی کے نیچے ایک مجسم بزرگی ہے۔'' کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

وَهَلْ يَنْفَعُ الْفِتْيَانَ حُسْنُ وُجُوْهِهِمْ
اِذَا كَانَتِ الْاَعْرَاضُ غَيْرَ حِسَانٍ
فَلَا تَجْعَلِ الْحُسْنَ الدَّلِيْلَ عَلَى الْفَتٰى
فَمَا كُلُّ مَصْقُوْلِ الْحَدِيْدِ يَمَانِىْ

''اگر آبرو میں کوئی حسن وخوبی نہ ہو تو جوانوں کے چہروں کی خوب صورتی سے کیا فائدہ؟ خوب صورتی کسی جوان کے کمال کی دلیل نہیں کیونکہ ہر صیقل کیا ہوا لوہا یمنی تلوار نہیں ہوتا۔ خلیفہ مامون کی یہ حقیقت افروز گفتگو سن کر پورے دربار پر سکتہ طاری ہو گیا اور لونڈی شرم وغیرت سے پانی پانی ہو گئی۔''

(مستطرف ج۱ص۱۱۶)

مذکورہ بالا دونوں حکایات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قوم مسلم کا ستارۂ اقبال جب انتہائی عروج کی منزل میں تھا اور ساری دنیا میں اس قوم کی عظمت وشوکت کا ڈنکا بجتا تھا اور اقوامِ عالم کے دل ودماغ پر قوم مسلم کی برتری اور شاہانہ شان وشوکت کا سکہ بیٹھا ہوا تھا اس وقت عوام تو عوام امراء تو امراء بادشاہوں کے دلوں میں بھی علمائے دین کی عزت وعظمت گھر کی ہوئی تھی اور علمائے کرام کی خدمت کو اپنے لیے سرمایہ افتخار وعظمت تصور کرتے تھے اور ان باخدا بزرگوں کی دعاؤں سے اپنی جھولی کو گوہرِ مراد سے بھرتے تھے مگر آج اسی قوم مسلم کا یہ حال ہے کہ مکان میں ہوں یا دُکان میں، ہوٹل میں ہوں یا بازار میں ہر جگہ علمائے دین کی تذلیل وتحقیر ان کا محبوب ترین مشغلہ اور علماء کے ساتھ استہزاء اور بے ادبی ان کی ضروریاتِ زندگی میں داخل ہو گیا ہے اور درحقیقت اسی انقلاب کی یہ نحوست ہے کہ آج قوم مسلم کے سر پر ذلت ونکبت کا عفریت ہلاکت کا بھوت بن کر سوار ہو گیا ہے اور یہ قوم ذلت وخواری کے ایسے عمیق غار میں گرتی چلی جا رہی ہے جہاں عزت وعظمت کے آفتاب کی شعاعیں بھی نہیں پہنچ سکتیں اس غضبِ خداوندی کو قیامت انگیز سانحہ نہ کہا جائے کہ قوم مسلم کے وہ جاہل،

بدعمل، بدکردار، سودخور شرابی کبابی جن کے بدن کا رونگٹا رونگٹا پاپ کا ہمالیہ بنا ہوا ہے محض اس لیے کہ وہ سیٹھ کہلانے لگے۔ علمائے ملت کو جو اس دَور میں بھی علوم واعمال صالحہ کی دولت سے ایک حد تک مالا مال ہیں، اتنا ذلیل وحقیر سمجھتے ہیں کہ ان بزرگوں کو اپنی مسند پر بٹھانا گوارا نہیں کرتے بلکہ ملنا بھی پسند نہیں کرتے۔

ہاں البتہ تجربہ شاہد ہے کہ یہی سیٹھ صاحبان معمولی معمولی غیر مسلم اور ملحد قسم کے لیڈروں اور سینما کے ایکٹروں اور ایکٹرسوں سے ملاقات کرنے اور ان کی تعظیم وتکریم کو اپنے لیے معراج سربلندی تصور کرتے ہیں۔ مسلمانوں کا یہ طرزِ عمل اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ ان کے دِلوں سے اللہ ورسول کی عظمت اور دینِ اسلام کی عزت رخصت ہو چکی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ جس کے دل میں اللہ ورسول کی عظمت ہوگی وہ یقیناً دین کی شمع کا پروانہ ہوگا اور جو دین دار ہوگا وہ بلاشبہ علمائے دین کا اکرام واحترام بھی کرے گا کیونکہ یہ ہستیاں دینِ اسلام کا سرچشمہ ہدایت ہیں اور انہیں بزرگوں کا سینہ علوم قرآن وحدیث کا خزینہ اور مسائل دین کا گنجینہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو کسی عالمِ دین کی قدر ومنزلت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو معزز اور صاحبِ وقار بنائے گا جو کسی عالمِ دین کی توہین کرے گا' اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل وخوار کرے گا مگر افسوس صد افسوس کہ آج مسلمانوں کو نہ اپنا ماضی یاد رہا نہ ان کو اپنے مستقبل کی فکر ہے نہ انہیں اپنی ذلت وخواری کا احساس ہے نہ اعزاز واکرام کا ذوق افسوس!

غضب ہے بولہبی ظلمتوں کے طوفاں میں
نگاہ ''مصطفوی خط و خال'' بھول گئی

(روحانی حکایات)

(۵)

جذبۂ شہادت

حضرت سیدنا قاسم بن عثمان جوعی علیہ الرحمہ سے منقول ہے:

''میں نے ایک شخص کو طواف کرتے ہوئے دیکھا اس کی زبان پر بس یہی دعا جاری تھی: ''اے میرے پاک پروردگار! تو ہی محتاجوں کی حاجتیں پوری فرماتا ہے' لوگوں کی حاجتیں تو نے پوری کر دیں' میری حاجت ابھی تک پوری نہیں ہوئی۔''

وہ شخص بار بار یہی کہہ رہا تھا اس کے علاوہ کچھ اور نہ کہتا۔ میں نے پوچھا:

''بھائی! تم اس کے علاوہ کوئی اور دعا کیوں نہیں مانگتے؟''

کہا: ''میں تمہیں سارا واقعہ بتاتا ہوں۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہم سات مجاہد مختلف شہروں سے جمع ہو کر ایک غزوہ میں شریک ہوئے' دشمن ہمیں قید کر کے اپنے سردار کے پاس لے گئے' وہ ہمیں شہید کرنے ایک ویران سی جگہ لے گئے' میری نظر آسمان کی طرف اُٹھی تو دیکھا کہ سات دروازے کھلے ہوئے ہیں اور ہر دروازے پر ایک حور کھڑی ہے جب ہم سات مجاہدوں میں سے ایک کو دشمنوں نے شہید کر دیا تو میں نے دیکھا کہ آسمان سے ایک حور اپنے ہاتھوں میں رومال لیے زمین کی طرف اُتری پھر دوسرے مجاہد کو بھی شہید کر دیا گیا اب دوسری حور اسی طرح ہاتھوں میں رومال لیے زمین کی طرف اُتری۔ الغرض میرے چھ رفقاء کو باری باری اسی طرح شہید کیا گیا جب بھی کوئی مجاہد شہید ہوتا تو فوراً ایک حور ہاتھوں میں رومال لیے زمین کی طرف اُترتی۔ بالآخر میرا نمبر بھی آ گیا اب صرف ایک دروازہ کھلا تھا اور اس پر ایک حور باقی تھی جب مجھے شہید کیا جانے لگا تو بعض لوگوں نے فدیہ دے کر مجھے

چھڑوالیا اس حور کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا:

''اے محروم! تجھے کس چیز نے پیچھے رکھا؟''

اتنا کہہ کر اس نے دروازہ بند کر دیا۔ اے میرے بھائی! میں اس وقت سے آج تک اس فضیلت کے نہ ملنے پر افسردہ و غمگین ہوں۔''

حضرت سیدنا قاسم جوعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں اس شخص کو ان سب سے افضل سمجھتا ہوں کیونکہ اس نے وہ چیز دیکھ لی جو انہوں نے نہ دیکھی اب یہ حسرت زدہ چھوڑ دیا گیا تا کہ اس نعمت کے حصول کی خاطر عمل کرتا رہے۔'' (عیون الحکایات)

ان اللہ جمیل یحب الجمال

(۶)

آتا ہے فقیروں پہ انہیں پیار کچھ ایسا

غریبوں، مسکینوں اور کم حیثیت لوگوں کے ساتھ مل کر کھانا پینا تو بہت دُور کی بات ہے، بڑے لوگ ان کے ساتھ راہ و رسم بڑھانے، اُٹھنے بیٹھنے اور میل جول کو بھی ہتک تصور کرتے ہیں مگر صوفیاء نے دولت مندوں اور امراء کے مقابلے میں چھوٹے لوگوں کو ہمیشہ ترجیح دی۔ ان کی اتنی عزت افزائی فرماتے کہ ان کے غربت و افلاس کے زخم مندمل ہو جاتے اور ان کے زخمی دِلوں پر ایک پھایا سا لگ جاتا۔ حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریا ملتانی علیہ الرحمہ کے ساتھ ایک دفعہ فقراء کی ایک بہت بڑی جماعت کھانے میں شریک تھی۔ آپ نے ازراہِ شفقت ہر درویش کے ساتھ ایک لقمہ کھایا، ایک درویش کو دیکھا کہ روٹی شوربے میں بھگو کر کھا رہا ہے اس کی عزت افزائی اور تمام حاضرین کی اخلاقی تربیت کے لیے فرمایا:

"سبحان اللہ! ان سب فقیروں میں یہ فقیر کھانا خوب جانتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ثرید کو کھانوں پر وہی فضیلت ہے جو مجھ کو تمام انبیاء علیہم السلام اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو تمام عورتوں پر ہے۔"

(اعجاز الحق قدوسی: تذکرہ صوفیائے پنجاب، ص ۱۲۲، بحوالہ سیر العارفین و فوائد الفوائد)

☆ حضرت شیخ سماء الدین فاسق کو امر معروف کے اظہار کے بغیر نہایت شیریں الفاظ سے فسق و فجور کے راستے سے ہٹا کر نیکی اور اعتقاد کے سجادے پر لے آتے۔ ایک دن سلطان بہلول لودھی کے فرمان نویس شہاب خان کا لڑکا جس کا نام محمد تھا، ان کی مجلس میں آیا۔ ایک روایت میں ہے کہ شراب پیئے ہوئے مستی کے عالم میں آیا اور یہ درویش جمالی

(مرتب) بھی موجود تھا۔ میں نے چاہا کہ اس کو مجلس سے باہر کر دیا جائے۔ حضرت شیخ سماء الدین نور باطن سے فقیر جمالی کے اس ارادے سے واقف ہو گئے۔ فوراً میری طرف رُخ کیا اور خواجہ حافظ کا یہ شعر ارشاد فرمایا:

همہ کس طالب یار اند چہ ہشیار چہ ست
همہ جا خانہ عشق است چہ مسجد چہ کنشت

شیخ نے خواجہ حافظ کا یہ شعر کمال محبت اور دل کی اتھاہ گہرائیوں سے پڑھا تھا۔ ظاہر ہے جو بات خلوص کے ساتھ دل سے نکلتی ہے اثر دکھائے بغیر نہیں رہ سکتی۔

اس شعر کے سنتے ہی شیخ محمد مذکور پر جو ایک فاسق شخص تھا' حالت طاری ہو گئی فوراً اس نے زمین پر سر رکھ دیا' توبہ کی اور حضرت کا مرید ہو گیا اس کے بعد سے جب تک زندہ رہا' گناہ کے پاس نہ پھٹکا اس نے نیکی کا طریقہ اختیار کر لیا اور وہ مقبولانِ حق سے ہوا۔ شیخ کے حسنِ اخلاق نے اس شرابی آدمی کو ہمیشہ کے لیے راہِ راست پر ڈال دیا اگر کوئی خشک ملا ہوتا تو لٹھ لے کے اس کے پیچھے پڑ جاتا اور وہ دین کے طرف آنے کے بجائے الٹا دین سے متنفر ہو جاتا۔ (سیر العارفین "مترجم" ص ۲۵۲)

☆...... حضرت شیخ الاسلام الحاج الحافظ خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت مولانا فخر جہاں رحمۃ اللہ علیہ چند غلاموں کے ساتھ باہر تشریف لے گئے' کچھ ہندو برہمن بیٹھے دیکھے' ان میں سے ایک بالکل علیحدہ بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے ساتھیوں سے فرمایا: "تم ٹھہرو میں اس برہمن سے مل کر آتا ہوں۔"

چنانچہ وہاں کھڑے کھڑے ہی آپ کا لباس تبدیل ہو گیا اور ہیئت بھی ہندو جیسی ہو گئی۔ جنجو بھی پہنا ہوا ظاہر ہو گیا اس اکیلے برہمن کے پاس جا کر فرمایا: "مجھے اشنان کا طریقہ سمجھا دیں۔"

اس نے سمجھا کہ ہمارا اپنا ہی کوئی ہندو مجھ سے اشنان سیکھنے آیا ہے اس لیے ہاتھ منہ دھونے اور غسل وغیرہ کی صورت بتائی وہاں سے اُٹھتے وقت آپ نے پانچ روپے اس کو دیئے اس بے چارے کے پاس بہت تھوڑے گاہک آتے تھے۔ وہ بہت خوش ہوا کیونکہ

دوسروں کو ایک ٹکہ روزانہ ملتا تھا اس کو پانچ روپے مل گئے اسی طرح دوسرے دن تشریف لے گئے اور اُٹھتے وقت دس روپے اس کے پاس رکھ دیئے اور پھر تیسرے دن پندرہ روپے جب رکھ کر اُٹھے تو ہندو سمجھ گیا کہ کوئی حکمت ہے۔ وہ آپ کے پیچھے ہولیا جب آپ کے ساتھیوں میں پہنچا تو مولانا فخر جہاں رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ یہ دیکھ کر برہمن قدموں میں گر گیا اور عرض کی: "حضور (حضور) جو مجھے یاد تھا' میں نے آپ کو بتا دیا اب جو آپ کو یاد ہے' مجھے فرما دیویں۔"

آپ نے اسے مشرف بہ اسلام فرما کر غلاموں میں شامل فرمالیا۔ بعد میں یہ آیت تلاوت فرمائی: اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۔

(انوار قمریہ' ص ۲۲۵ طبع اول)

☆......اکثر ایسا ہوا کہ لوگ آپ کے کتب خانے سے کتابیں چرا کر لے گئے' کوئی اجنبی شخص ان کو فروخت کرنے کے لیے بھی حضرت ہی کی خدمت میں آ گیا تو کبھی آپ نے اس سے یہ نہیں پوچھا کہ کتاب تمہیں کہاں سے ملی۔ ایک مرتبہ ایک شخص آپ کے کپڑے اور چاقو وغیرہ چرا کر لے گیا۔ چور کا پتہ چل گیا لیکن آپ نے اس کے منہ پر قطعاً اس کا اظہار نہیں فرمایا۔ کشمیر کے صوبے دار بلند خان نے آپ کی خدمت میں ایک ہزار روپے بطورِ نذر بھیجے' لانے والے نے صرف کر لیے' بلند خان کو معلوم ہو گیا اس سے پہلے کہ صوبہ دار اس کو سزا دے' آپ نے لکھ دیا کہ اسی کی قسمت کے تھے اس سے کچھ نہ کہنا:

قسمت او بود ہیچ نگوئید"

ایک مرتبہ نواب خیر النساء بیگم ہمشیرہ شاہ عالم نے کچھ ظروف نقرئی اور بارہ سو روپے آپ کی خدمت میں روانہ کیے۔ ملازم نے آپ کو اطلاع بھی نہ کی اور اپنے پاس رکھ لیے۔ کچھ مدت کے بعد بیگم کو شبہ ہوا اور ملازم سے رسید طلب کی۔ ملازم سخت حیران و پریشان ہوا۔ شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی چاہی۔ آپ نے فوراً سید احمد کو حکم دیا کہ جو کچھ سامان یہ شخص بیان کرے وہ لکھ دو اس کے بعد مہر لگا کر اس کو دے دی۔ اخلاق کی یہ بلندیاں لوگوں کے دلوں پر اثر کرتی تھیں اور اکثر ان کی زندگی میں حیرت انگیز انقلاب پیدا

ہو جاتا تھا۔ (تاریخ مشائخ چشت۔ ص ۴۸۸، ۴۸۹ بحوالہ مناقب فخریہ)

گر کر قدموں پہ قربان ہو گئے

☆...... خواجہ محمد قمر الدین سیالوی کے استاذ المکرّم مولانا اجمیری نے فرمایا:

''مولانا فخر جہان صاحب کی ایک کرامت میں بھی خوب جانتا ہوں' وہ یہ کہ اس وقت شیعہ لوگ بھی بہت تھے جو آپ کے غلاموں سے کثرت سے حسد کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ آپ کے غلام کم ہو جائیں اور لوگ آپ سے متنفر ہوں اس وجہ سے انہوں نے ایک طوائف کو تیار کیا کہ جب آپ عصر کی نماز کے لیے شاہی مسجد میں تشریف لے جائیں تو یہ کھوٹہ روپیہ ان کے سامنے آ کر پیش کرنا اور کہنا: ''مولانا یہ روپیہ جو آپ نے مجھے رات کو دیا تھا' کھوٹا ہے۔ کم از کم دیکھ کر تو دیتے۔''

شیعہ لوگوں نے یہ موقع اس لیے مقرر کیا تھا کہ اس وقت شاہی مسجد کے آس پاس والے بازار اور سیڑھیاں آپ کی زیارت کے لیے بھرتی تھیں لہٰذا یہ طوائف دیکھ کر اور اس کا یہ بہتان سن کر لوگ متنفر ہو جائیں گے اس طوائف کو بہت سی رقم دے کر تیار کیا گیا تھا چنانچہ جب فاحشہ عورت نے اتنے بڑے ہجوم میں کھوٹا روپیہ نکال کر مذکورہ الفاظ کہے تو آپ نے اپنی جیب سے ایک روپیہ نکال کر فرمایا: ''یہ کھرا لیلے' رات تھی معلوم نہیں ہوا۔''

آپ کا یہ فرمانا تھا کہ وہ فاحشہ عورت آپ کے قدموں پر گر گئی' معافی مانگی اور بتا دیا: ''مجھے تو ان لوگوں نے بہکایا تھا۔ آپ کی غلام بن گئی' آپ نے فرمایا:

لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ .

''اللہ کے بندے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔''

(انوار قمریہ' ص ۲۲۳' طبع اول)

☆...... ایک افغانی خانقاہ میں آیا اور آپ پر حملہ کیا۔ خدام نے اس کے ہاتھ پکڑ لیے' آپ نے ہاتھ چھوڑ دینے کا حکم دیا اور اپنا سر زمین پر رکھ کر فرمایا:

ما حاضریم ہرچہ بخاطر شما است بکنید

''ہم حاضر ہیں جو کچھ تمہارے جی میں ہے کرو۔''

اس وقت تو وہ شخص شرمندہ ہو کر چلا گیا تھوڑی دیر بعد دو آدمیوں کے ساتھ آیا اس کو دیکھتے ہی آپ تعظیم کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''صاحب بخیر وعافیت؟''

ان الفاظ کا زبان سے نکلنا تھا کہ اخلاق کا وہ ہتھیار جو پہلی بار اچٹتا ہوا لگا تھا' اپنا کام کر گیا اور ان لوگوں نے ''سنگ ہائے حویلی'' پر اپنا سر اور پیر کوٹ کوٹ کر معافی مانگی۔

(تاریخ مشائخ چشت: ج ۵' ص ۲۰۳۔۲۰۴ بحوالہ مناقب فخریہ)

☆...... جناب خلیق احمد نظامی نے ''مناقب حافظیہ'' کے حوالے سے لکھا ہے:

''شاہِ سلیمان تونسوی کے مایہ ناز خلیفہ حافظ محمد علی صاحب اخلاقِ محمدی کا جیتا جاگتا نمونہ تھے' انسانی مساوات واخوت پر ان کا ایمان تھا' اپنے عمل سے اس کی تائید کرتے تھے۔ ایک مرتبہ دستر خوان پر بیٹھے تھے' نظر پڑی تو دیکھا کہ ایک موچی میاں اسلم کے جوتے سی رہا ہے۔ فرمایا: ''اپنے ہاتھ دھو کر آ اور کھانا کھا۔''

اور اپنے پاس بٹھا کر کھانا کھلایا' سردی کے موسم میں ایک جولاہا ان کے پاس آ کر ٹھہرا اس کے پاس جاڑے کا لباس نہ تھا۔ حافظ صاحب نے اس کو اپنے بستر میں اپنے پاس سُلایا۔

حافظ صاحب جب محفل میں مدعو کیے جاتے تو کبھی ممتاز جگہ پر نہ بیٹھتے۔ سفر وحضر میں خادموں کے ساتھ کام میں شریک رہتے تھے۔ بعض اوقات روٹیاں اپنے ہاتھ سے پکا لیتے تھے۔ اظہارِ شخصیت سے نفرت تھی بلکہ اس قسم کی تواضع جس سے ترکِ تجرید کا اظہار ہو پسند نہ کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ترک کو بھی ترک کرنا چاہیے۔''

(تاریخ مشائخ چشت: ص ۶۷۲۔۶۷۳)

برابری کا معاملہ

حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی نہایت وسیع المشرب' وسیع الخیال اور وسیع النظر بزرگ تھے۔ چشتیہ سلسلہ کے دیگر اکابر کی طرح ان کا عقیدہ بھی یہ تھا کہ ہندوؤں سے خوش گوار تعلقات رکھے جائیں۔ وہ اپنے مریدوں کو ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ اپنے مذہب' اپنے تمدن' اپنی شریعت پر قائم رہو لیکن ساتھ ہی ساتھ دوسرے مذاہب کے ساتھ اچھا برتاؤ

کرو اپنے تعلقات میں کبھی بد مزگی پیدا نہ ہونے دو۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

سالک را باید کہ ہیچ کس رنج نرہد بلکہ ہمہ مخلوق صلح کند

"سالک کو چاہیے کہ کسی کو رنج نہ پہنچائے بلکہ ساری مخلوق سے صلح رکھے۔"

شاہ صاحب ہمیشہ محبت، امن اور صلح کا درس دیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے بزرگوں کی ہدایت ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں صلح رکھی جائے۔ جامع ملفوظات نے لکھا ہے: "حضرت قبلہ من قدس سرہ فرمودند کہ در طریق ماہست کہ با مسلمان و ہنود صلح باید داشت و ایں بیت شاہد آوردند"

حضرت قبلہ من قدس سرہ نے فرمایا: "ہمارے طریقہ میں ہے، ہندو اور مسلمان سے صلح رکھی جائے اور اس بیت کو شہادت کے طور پر پیش کرتے تھے۔"

حافظا گر وصل خواہی صلح کن باخاص و عام

با مسلمان اللہ اللہ با برہمن رام رام

(تاریخ مشائخ چشت: ص ۶۵۱)

ہم سب آپ کے غلام ہیں

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا بیان ہے کہ مولانا تقی الدین اودھی رحمۃ اللہ علیہ بڑے متقی و بزرگ تھے ان کے پاس زر خرید لونڈی تھی۔ ایک ماں کو اپنی اولاد سے کتنا پیار ہوتا ہے اور مامتا کے ہاتھوں وہ کتنی معذور ہوتی ہے اس کا اندازہ لفظوں سے نہیں لگایا جا سکتا اس کا اندازہ ماں ہی کر سکتی ہے اور اس چیز کو سمجھ بھی ماں ہی سکتی ہے۔ ایک دن اس لونڈی کو اپنے بچے یاد آ گئے جس کی وجہ سے وہ افسردہ اور آب دیدہ تھی۔ مولانا اس کی افسردگی کی وجہ جان گئے چنانچہ اسے آدھی رات کو اپنے گھر سے باہر لے گئے اور کہا: "تم آرام سے اپنے گھر چلی جاؤ اور اپنے بال بچوں سے مل آؤ۔"

جب صبح ہوئی تو آپ کی بیوی نے کہا: "ہماری لونڈی موجود نہیں وہ کدھر گئی؟"

مولانا نے اسے تمام ماجرا سنایا تو عورتیں کیا سمجھتی ہیں، وہ مولانا پر بہت خفا ہوئی اور صلواتیں سنائیں۔ چند دنوں کے بعد وہ لونڈی اپنے بچوں اور خاوند سمیت واپس آ گئی۔ وہ

مولانا کے اخلاقِ حسنہ کا مشاہدہ کر چکی تھی اسے جو شفقت واحترام انسانیت یہاں ملتا تھا' کہاں مل سکتا تھا۔ وہ مولانا کے قدموں میں گر کر کہنے لگی: ''مولانا! ہم تمام آپ کے غلام ہیں۔''

مولانا بھی کسی انسان کو زیادہ دیر تک غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رہنے کو کیسے پسند فرما سکتے تھے؟ لونڈی کی اس پُر خلوص درخواست' خواہش اور اصرار کے باوجود مولانا نے انہیں غلامی کی حالت میں برقرار رکھنا مروت اور احسان کے خلاف تصور کیا۔ فرمایا: ''میں نے تم سب کو آزاد کر دیا۔ جاؤ موج کرو اور آزادی کے مزے لوٹو۔''

اب ان کی گردنیں تو آزاد ہو چکی تھیں مگر ان کے دل ہمیشہ کے لیے مولانا کے غلام بن چکے تھے۔ (اُردو ترجمہ اخبار الاخیار ص ۳۵۷)

☆ ...... شیخ علی کے گھر پر ایک نوکر کمال نامی تھا' وہ بڑا بد اخلاق اور بے ڈھنگا تھا اس کے منہ میں جو آتا' بکا کرتا اس کے باوجود وہ اس کو عزیز رکھتے۔ ایک دن وہ ان کے لیے شوربا پکا کر لایا اس میں بے انتہا نمک تھا۔ انہوں نے شوربا چکھا تو اس سے کچھ کہنے کے بجائے اس کو اپنے پاس بلالیا اور اس کو شوربے کا ایک چمچہ بھر کر دیا اور کہا: ''بابا کمال؟ دیکھو کیسا پکا ہے؟''

کمال نے شوربا چکھا تو بالکل کڑوا تھا لیکن اس نے منہ بنَاتے ہوئے سخت لہجہ میں کہا: ''ہاں کچھ نمکین ہو گیا ہے لیکن بڑے مزے کا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے' آپ کھائیں۔''

شیخ مالک ہیں چاہیں تو کان پکڑ کر اپنے نوکر کو گھر سے نکال سکتے ہیں مگر یہ صوفیاء کا طریق نہیں۔ وہ تو برداشت کا گویا پہاڑ ہوتے ہیں وہ تو نالائق اور کم ظرف لوگوں کو بھی اپنے سینے کے ساتھ لگاتے ہیں۔ ان کی یہی محبت اور حسنِ اخلاق نالائق لوگوں کی نالائقی کو لائقی میں بدی کو نیکی میں اور شر کو خیر میں تبدیل کیا کرتا ہے۔ چنانچہ شیخ ناراض نہ ہوئے' غصے میں آپے سے باہر نہ ہوئے بلکہ فرمایا' بہت خوب! پھر انہوں نے پانی منگوا کر اس میں ڈالا اور وہی تھوڑا سا نوش فرمالیا۔ (ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں' ص ۲۳۷)

حضرت میاں میر علیہ الرحمۃ

حضرت میاں میر حسنِ اخلاق کا پیکر تھے۔ دارالشکوہ نے سکینۃ الاولیاء میں آپ کے حسنِ اخلاق کی توصیف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ کا خلق اس مرتبے کا تھا کہ جو شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اگرچہ حضرت اسے تھوڑی ہی دیر اپنے پاس بٹھاتے تاہم اس طرح توجہ اور مہربانی فرماتے کہ وہ سمجھتا کہ جس قدر لطف وعنایت اس پر ہوئی' کسی دوسرے پر نہیں۔ یہ بات میں نے اکثر لوگوں سے سنی کہ جس پر شفقت فرماتے' اس کا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں لے کر بات کرتے۔

ابو جعفر حداد کہا کرتے تھے کہ اگر عقل مرد کی صورت میں ہوتی تو جنید کی صورت میں ہوتی اور اگر خلق مرد کی صورت میں ہوتا تو حضرت میاں میر کی صورت میں ہوتا آپ جس پر بھی عنایت فرماتے اسے یار عزیز کہہ کر مخاطب کرتے۔ ملک کی خوش حالی اور لوگوں کی خبر گیری کرنے کی تلقین کرتے اور مستحق لوگوں کے لیے صدقے کی نصیحت فرماتے۔ مریدوں کو وہ دوست سمجھتے تھے۔ لفظ مرید آپ کی زبان مبارک پر کبھی نہ آتا تھا۔ فرمایا کرتے تھے: ''نبی مکرم ﷺ کے زمانے میں پیری مریدی کا سلسلہ نہ تھا لیکن ہمنشینی وصحبت تھی جس کی پیروی ہم کرتے ہیں جو ہمارے ساتھ مل بیٹھتا ہے وہ ہمارے دوستوں میں ہے۔''

(اقبال کے محبوب صوفیہ' ص ۴۹۵)

☆..... حضرت میاں صاحب (شیر محمد شرقپوری) علیہ الرحمہ ایک مرتبہ قصور تشریف لائے' آپ ہمراہ یاروں کے قبرستان تشریف لے جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک بھنگن بازار کا کوڑا کرکٹ جمع کر کے ٹوکری میں بھر کر کھڑی ہوئی تھی اور اس کی گود میں ایک بچہ بھی تھا چونکہ وہ اکیلی اس نجاست کی ٹوکری کو اُٹھانا چاہتی تھی۔ بچے کے سبب اسے تکلیف ہو رہی تھی جوں ہی آپ کی نظر پڑی' جھٹ آپ نے اپنے ہاتھوں سے اس کی مدد کر کے وہ ٹوکری اُٹھوا دی اور یاروں کو حیرت کی انتہا نہ رہی۔ آپ پھر ان کے ہمراہ قبرستان کی طرف تشریف لے گئے۔

(خزینہ معرفت' ص ۱۲۶' مؤلفہ صوفی محمد ابراہیم' مطبوعہ شرقپور شریف)

غریبوں کی دلجوئی

حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی کے نامور خلیفہ پیر حیدر شاہ صاحب جلال پوری م ۱۳۲۶ھ کا اخلاق نہایت اعلیٰ اور وسیع تھا۔ منکسر المزاجی تو ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ایک مرتبہ چند آدمیوں کے ساتھ سیال شریف (ضلع سرگودھا) کو روانہ ہوئے' راستہ میں ایک جگہ پانی پینے کے لیے رُکے۔ ایک شخص جو انتہائی بدشکل اور کریہ المنظر تھا' پانی پی رہا تھا اس نے بچا ہوا پانی پھینکنا چاہا شاہ صاحب نے ہاتھ روک کر وہ پانی خود پی لیا۔

خود پسندی ان کو چھو کر بھی نہ گزری تھی۔ فطرتاً نہایت نرم دل تھے' کسی شخص سے بہت زیادہ ناراض ہوتے تو صرف اتنا فرماتے: "نیک بختا تو نے یہ کیا کیا؟"

یہ کہنے کے بعد اس کو آزردہ نہ ہونے دیتے اور جس طرح ہوتا' اسے خوش کر دیتے۔ فرمایا کرتے تھے:

مباش درپے آزار و ہر چہ خواہی کن
کہ در طریقت ما غیر ازیں گناہے نیست

غریبوں کی دل جوئی کی طرف خاص توجہ کرتے تھے کبھی کسی کے لیے بددعا نہ کرتے تھے۔ ایک شخص مرزا خان بے حد مخالفت کیا کرتا تھا جب اس کے فتنہ وفساد کی حد نہ رہی اور لوگوں نے اس طرف رجوع کیا تو صرف اتنا فرمایا' دعا کرو خداوند کریم اس پر رحم کرے اور کسی اچھے شغل میں لگا دے تا کہ اسے ہماری مخالفت کرنے کی فرصت ہی نہ ملے۔

(تاریخ مشائخ چشت: ج ۵' ص ۴۲۵۔۴۲۶' طبع دہلی' کتاب مذکور طبع کراچی' ص ۱۱۷)

☆...... دار العلوم ضیاء شمس الاسلام (سیال شریف ضلع سرگودھا) میں ایک سید زادے مدرس مقرر ہو گئے تھے جن کی طبیعت میں درشتی تھی اور بچوں پر سختی کرتے تھے جب ناظم اعلیٰ کے پاس شکایت پہنچتی تو وہ انہیں فارغ کرنے پر تیار ہو جاتے یا شاہ صاحب کو خود ہی ایسا خطرہ محسوس ہوتا تو دوڑے دوڑے حضرت شیخ الاسلام (خواجہ محمد قمر الدین سیالوی) کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور عرض کرتے:

"مجھے مدرسہ سے نکالا جا رہا ہے اور میری سخت مخالفت ہو رہی ہے۔"

سادات کا احترام ان کی عزت وتوقیر ان کی دل جوئی اور ان کی خدمت کا جذبہ شیخ الاسلام میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ شفقت بھرے انداز میں فرماتے: ''شاہ جی! مطمئن رہیں اگر تمہیں دار العلوم سے نکالا گیا تو میں بھی یہاں سے نکل جاؤں گا''

اس حسنِ اخلاق سے شاہ صاحب کو مطمئن' بے فکر اور خوش فرمادیتے۔ چنانچہ آپ کی خوئے دل نوازی کا نتیجہ ہے کہ وہ بفضلہٖ تعالیٰ سالہا سال سے اب تک باقاعدہ مدرس چلے آرہے ہیں۔

(ماہنامہ ضیائے حرم لاہور/ بھیرہ ''شیخ الاسلام نمبر'' ذوالحجہ ۱۴۰۱ھ/ اکتوبر ۱۹۸۱ء روایت مولانا محمد اشرف صاحب سیالوی شیخ الحدیث علیہ الرحمۃ)

جھڑک نے بگڑی بنادی

پیر غلام محی الدین (آستانہ نیریاں شریف آزاد کشمیر) متوفی ۱۹۷۴ء کی ذاتِ گرامی طریقت کے حلقوں میں محتاج تعارف نہیں سارے پنجاب بالخصوص کشمیر میں آپ کے دَم قدم اور صحبت کی برکت سے ہزاروں لوگوں کو توبہ اور اللہ اللہ کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔

''سلطان نیروی کی پاکیزہ زندگی'' کے مؤلف نے آپ کی کرامات کے ضمن میں ایک واقعہ نقل کیا ہے اس ایمان افروز واقعہ کا تعلق جہاں کرامات سے ہے وہاں آپ کے کمال حسنِ اخلاق اور انسانی محبت کا بھی مظہر ہے چنانچہ صاحب زادہ سید آصف علی ظہوری لکھتے ہیں: ''ایک ضعیف العمر کوڑھ کا مریض حضور قبلہ عالم پیر غلام محی الدین نیروی کی خدمت میں آیا اور عرض کرنے لگا: ''حضور! مجھے اس بیماری کی وجہ سے گھر والوں نے نکال دیا ہے' سب مجھ سے نفرت کرتے ہیں اور کوئی اپنے قریب نہیں آنے دیتا۔''

آپ نے فرمایا: ''بابا یہاں میرے پاس ہی رہو' لنگر کھاؤ پیو یہاں سے تجھے کوئی نہیں نکالے گا۔''

چنانچہ اس کو لنگر کی جانب سے ایک پلیٹ' ایک پیالی اور ایک گلاس کھانے پینے کے برتن علیحدہ دے دیئے گئے۔ آپ نے خدام کو حکم دیا کہ اس بوڑھے کو کھانے پینے کی ہر چیز اپنی جگہ بیٹھے بٹھائے دے دیا کرو۔

ایک دن وہ بوڑھا دربار شریف کے حوض سے خود ہی پانی لے کر پی رہا تھا کہ اتفاقاً جناب پیر صدیقی صاحب (موجودہ سجادہ نشین) تشریف لے آئے اور اس کو خود ہی حوض میں ہاتھ ڈال کر پانی لیتے دیکھ لیا تو آپ نے بُرا محسوس کیا اور اس کو سختی سے ڈانٹا اور جھڑک کر کہا: "بابا! جب تجھے ہر چیز بیٹھے بٹھائے مل جاتی ہے تو پھر اس طرح کیوں حوض کا پانی خراب کرتا ہے؟"

عین اسی وقت حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ اپنے کاشانہ اقدس سے تشریف لے آئے اور آپ نے پیر صدیقی صاحب کو اس بوڑھے مریض کو ڈانٹتے جھڑکتے دیکھ سن لیا۔ آپ کو اس بوڑھے کی حالتِ زار پر بڑا ترس آیا۔ آپ نے اس کو اپنے پاس بلایا اور اپنا دستِ مبارک اس کے ہاتھ' منہ اور سینے پر پھیرتے ہوئے فرمایا: "بابا! اب تو ٹھیک ہو جائے گا یہ بیماری ختم ہو جائے گی اور آئندہ لنگر کے دستر خوان پر سب مہمانوں کے ساتھ کھانا کھا۔"

فرماتے ہیں تین دن کے اندر ہی وہ بوڑھا کوڑھ کی بیماری سے شفایاب ہو گیا' سارا بدن کوڑھ سے پاک صاف ہو گیا اور پھر وہ دستر خوان پر سب کے ہمراہ کھانے لگا اس کے بعد ایک عرصہ تک لنگر خانے میں کھانا پکانے کی خدمت بھی انجام دیتا رہا اور پیر صدیقی صاحب سے کہا کرتا تھا: "حضرت آپ کی جھڑکیوں نے ہی میری بگڑی بنائی ہے۔"

(سلطان نیرؔوی کی پاکیزہ زندگی' ص ۶۸ ـ ۶۹)

ایک ہندو کی اس قدر خیر خواہی؟

حضرت بابا جی خواجہ محمد قاسم موہڑوی (متوفی ۱۹۴۳ء) کا شمار سلسلہ نقشبندیہ کے معروف صوفیاء میں ہوتا ہے۔ ہندو پاک میں لاکھوں نے آپ سے فیض پایا اور آپ کے تربیت یافتہ خلفاء سے ہزاروں لوگ آج بھی پاکستان میں فیض پا رہے ہیں۔

"سلطان نیروی کی پاکیزہ زندگی" کے مؤلف صاحبزادہ سید آصف علی ظہوری نے بابا جی موصوف کے خلیفہ مجاز جناب محمد داراب خان المعروف پیر ثانی صاحب نیریاں شریف آزاد کشمیر کی زبانی یہ ایمان افروز واقعہ نقل کیا ہے: "آستانہ موہڑہ شریف کے لنگر کی خدمات پیر ثانی صاحب ان کے بڑے بھائی پیر غلام محی الدین غزنوی اور پیر محمد ابراہیم کے

سپرد تھیں۔ایک بار حسب دستور رات کو آپ نے ہم سے پوچھا کہ تمام حاضرین وزائرین آستانہ موہڑہ شریف کو کھانا کھلا دیا ہے؟“ ہم نے کہا:”ہاں جناب!“

فرمایا:”کوئی بھوکا تو نہیں رہ گیا؟“

عرض کیا:”سب کو روٹی کھلا دی ہے اب کوئی آدمی مہمانوں میں ایسا نہیں رہا جس کو لنگر سے کھانا نہ ملا ہو۔“

آپ نے فرمایا:”ایک آدمی کو کھانا نہیں ملا۔وہ بے چارہ بھوکا رہ گیا ہے جاؤ اس کو بھی کھانا کھلاؤ۔“ ہم نے تمام حاضرین وزائرین سے آ کر پوچھا:”کوئی ایسا آدمی تو نہیں رہ گیا جس کو ابھی تک کھانا نہ ملا ہو۔“

تلاش بسیار کے باوجود ایک بھی آدمی ایسا نہ ملا بالآخر ہم نے مایوس ہو کر حضرت بابا جی صاحب کی خدمت میں عرض کی:”حضور!ہمیں کوئی ایسا آدمی نہیں ملا جس کو لنگر سے کھانا نہ کھلایا گیا ہو۔“

آپ نے ارشاد فرمایا:”بچو!مسجد کی چٹائیوں میں ایک آدمی سویا ہوا ہے اس کو کھانا نہیں ملا‘ بے چارہ بھوکا ہی رہ گیا ہے جاؤ اس کو بھی لنگر سے کھانا کھلاؤ۔“

فرماتے ہیں:”ہم نے مسجد میں آ کر دیکھا تو چٹائیوں کے بیچ ایک آدمی اپنے اوپر پوری چٹائی لپیٹ کر سویا ہوا ہے‘ ہم نے اس کو جگا کر پوچھا تو یہاں اس طرح چھپ کر کیوں لیٹا ہوا ہے اور تو نے لنگر سے کھانا کیوں نہیں کھایا؟“

اس نے کہا:”چونکہ میں ہندو ہوں اور تمہارے ہاتھ کا پکا نہیں کھانا تھا اس لیے صرف رات بسر کرنے کے لیے یہاں چٹائیوں میں چھپ کر لیٹ گیا تھا۔“

ہم نے حضرت بابا جی صاحب کی خدمت میں عرض کیا:

”حضور!وہ آدمی ہندو ہے اور ہمارے ہاتھ کا پکا ہوا نہیں کھاتا۔“

آپ نے فرمایا:”اس کو لنگر سے خشک آٹا وغیرہ اور لنگر جو ہندوؤں کے لیے علیحدہ برتن رکھے ہوئے ہیں‘ وہ بھی اس کو دو تا کہ وہ خود کھانا پکا کر کھائے۔آج تک میرے یہاں سے کوئی شخص بھوکا نہیں سویا۔“

چنانچہ ہم نے حسبِ ارشاد خشک اشیاء خورد ونوش اور برتن اس کو دیئے جب وہ اپنے ہاتھ سے کھانا پکا کر کھا چکا تو حضرت بابا جی نے فرمایا: ''اب میرے دل کو سکون وچین ملا ہے۔''

(سلطان نیروی کی پاکیزہ زندگی، ص ۳۶۔۳۷، مطبوعہ کرم پبلی کیشنز لاہور)

هل يستوي الذين يعلمون والذين لا يعلمون

(۷)

اللہ کی نافرمانی کا انجام اور اس کی اطاعت کی لذت

بیان کرتے ہیں کہ ایک دن یزید بن معاویہ نے مصاحبوں سے کہا: ”ممکن نہیں ہے کہ کسی انسان پر ایک پورا دن بغیر رنج وغم گزرے اور میں چاہتا ہوں کہ اپنے لیے ایک دن ایسا بناؤں کہ اس میں غم نہ دیکھوں۔“

چنانچہ اس نے ایک شاہانہ مجلس لہو ولعب کی تیاری کی اور خوشبودار پھولوں وغیرہ سے گلدستے تیار کرائے۔ یزید کی ایک لونڈی تھی جو اسے سب سے زیادہ محبوب تھی، جس کا نام حبانہ تھا اور وہ چہرے کے اعتبار سے سب لوگوں سے زیادہ حسین تھی اور آواز کے لحاظ سے بھی سب سے زیادہ اچھی تھی۔ پس یزید نے اس لونڈی کو اپنے پیچھے پردہ کی اوٹ میں رکھا اور مصاحبوں کو اپنے سامنے پھر وہ کبھی اس لونڈی کی طرف دیکھنے لگتا اور اس کے ساتھ کھیلتا تھا اور کبھی اپنے مصاحبین کی جانب دیکھتا تھا تاکہ ان کی آواز سنے اور اسی طرح عصر کے وقت تک کرتا رہا اس کے بعد لوگوں نے یزید کے واسطے ایک انار پیش کیا پس وہ اپنے ہاتھوں پر دانہ انار کا نکال کر رکھنے لگا تاکہ وہ لونڈی اس میں سے کچھ کھائے۔ چنانچہ لونڈی نے ان دانوں کو لے کر کھایا۔ اتفاق سے ایک دانہ اس کے حلق میں اٹک گیا اور وہ اسی وقت مر گئی۔ پس اس کی وجہ سے یزید کو ایسا غم حاصل ہوا کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں تھا اور وہ اسی غم میں چار دن زندہ رہا پھر اپنے گناہوں ہی پر مر گیا۔ واللہ اعلم

☆......ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے سالہا سال تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی لیکن عبادت میں مزہ اور لذت نہ پائی۔ پس وہ اپنی والدہ کے پاس آئے اور

ان سے کہا کہ اے مادر مہربان میں عبادتِ الٰہی اور اس کی بندگی میں کبھی لذت نہیں پاتا ہوں لہٰذا آپ غور کیجیے کہ آپ نے اس زمانے میں اکل حرام تو نہیں کھایا تھا جب میں آپ کے بطن میں تھا یا میرے دودھ پینے کے زمانہ میں وہ دیر تک سوچتی رہیں اور آخر فرمایا:

''اے میرے پیارے بیٹے! جب تم میرے بطن میں تھے تو میں چھت پر چڑھی پس میں نے ایک مرتبان دیکھا اور اس میں پنیر تھا میں نے اس کی خواہش کی اور اس میں سے بقدر سر انگشت کے مالک کے بلا اذن کھایا۔''

پس حضرت ابویزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''عبادت میں لذت نہ ہونے کی صرف یہی وجہ ہے۔ لہٰذا آپ اس کے مالک کے پاس جائیے اور اس کو اس کی اطلاع دیجیے۔''

چنانچہ وہ اس کے پاس گئیں اور اس کو اس کی خبر کی۔''

مالک نے کہا: ''آپ اس سے حلت میں ہیں یعنی میں نے معاف کیا۔''

اس کے بعد انہوں نے اپنے بیٹے کو اس کی اطلاع دی۔ پس اسی وقت سے ابویزید رحمۃ اللہ علیہ نے طاعت کی شیرینی چکھی۔

☆...... بیان کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ایک بصرہ کے رہنے والے شخص کے درمیان تجارت میں شرکت تھی۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ریشمی کپڑوں میں سے ستر کپڑے اپنے شریکِ تجارت کے پاس بھیجے اور لکھا:

''ایک کپڑے میں عیب ہے اور وہ فلاں کپڑا ہے پس جب تم اس کو فروخت کرو تو اس کا عیب ظاہر کر دو۔'' چنانچہ شریک نے وہ سارا کپڑا تمیں ہزار درہم کا فروخت کیا اور اس کی قیمت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لایا۔ امام صاحب نے اس سے کہا:

''آیا تم نے اس کا عیب بیان کیا تھا؟'' اس نے کہا: ''میں تو بیان کرنا بھول گیا۔''

پس امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تمیں ہزار روپے سب کے سب صدقہ کر دیئے۔

☆...... منقول ہے کہ ایک قاضی مر گیا اور اس نے اپنی بیوی حاملہ چھوڑی جس سے لڑکا پیدا ہوا جب وہ لڑکا بڑا ہوا تو اس کی ماں نے اس کو مدرسہ میں بھیجا۔ علم نے اس کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تعلیم دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے باپ سے عذاب اُٹھالیا اور فرمایا:

''اے جبرائیل علیہ السلام! ہم کو یہ مناسب نہیں ہے کہ جس کا لڑکا ہمارا ذکر کرے اس کا باپ ہمارے عذاب میں رہے۔ تم اس کے پاس جاؤ اور اس کو لڑکے کی مبارک باد دو۔''

چنانچہ حضرت جبرائیل علیہ السلام گئے اور اس کو لڑکے کی مبارک باد دی۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے۔

یہودی کے سوالوں کا جواب

بیان کرتے ہیں کہ حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ جب بغداد میں داخل ہوئے تو انہیں معلوم ہوا کہ یہاں ایک ایسا یہودی ہے جو علماء پر غالب ہے۔ یہ سن کر حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''میں اس سے گفتگو کروں گا۔''

چنانچہ جب یہودی حاضر ہوا تو اس نے حاتم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا:

''کونسی ایسی چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نہیں جانتا اور کون سی ایسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس موجود نہیں اور کونسی ایسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں نہیں ہے اور کونسی ایسی چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ بندوں سے پوچھے گا اور کونسی ایسی چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ باندھتا ہے اور کونسی ایسی چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ کھولتا ہے؟''

پس حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے یہودی سے پوچھا: ''اگر میں تیرے سوالوں کا جواب دے دوں تو تو اسلام کا اقرار کرے گا؟'' اس نے کہا: ''ہاں!'' اس کے بعد حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

''جس چیز کو اللہ تعالیٰ نہیں جانتا وہ اس کا شریک یا اس کا لڑکا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے لیے شریک یا لڑکا نہیں جانتا ہے اور جو چیز اللہ کے پاس نہیں ہے وہ ظلم ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا اور جو چیز اللہ کے خزانوں میں نہیں ہے وہ فقر اور محتاجی ہے اس لیے کہ اللہ غنی ہے اور سب لوگ فقیر ہیں اور جس چیز کا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے سوال کرے گا، وہ قرض ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کون ایسا شخص ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دیتا ہے اور وہ چیز جس پر اللہ تعالیٰ گرہ لگاتا ہے وہ کفار کے واسطے زنار ہے اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ کھولتا ہے وہ بھی زنار ہی ہے یعنی زنار کو اپنے پیارے بندوں سے کھولتا ہے۔''

پس یہ سن کر اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہودی مسلمان ہو گیا۔

☆ ...... بیان کرتے ہیں کہ ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ایک دن اس حال میں باہر نکلے کہ ان پر گریہ وزاری کا اثر تھا' کسی نے آپ سے اس کا سبب پوچھا۔ آپ نے فرمایا:

"مجھے یہ خبر ملی ہے کہ قیامت کے دن ایک بندہ موقف (کھڑے ہونے کی جگہ حساب کی طرف اپنے مخاصم اور مخالف کے ساتھ آئے گا اور کہے گا کہ اے میرے رب! میں قصاب تھا۔ پس یہ شخص میرے پاس آیا اور مجھ سے گوشت کا بھاؤ چکایا اور اپنی انگلی میرے گوشت پر رکھی حتیٰ کہ اس کی انگلی نے گوشت پر نشان کر دیا اور اس نے گوشت نہیں خریدا اور میں آج اسی قدر کا محتاج ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ مدعا علیہ کی نیکیوں میں سے مدعی کے حق کے بقدر اس کو دیا جائے اور اس شخص (مدعی) کی ترازو ایک ذرہ کے بقدر ہلکی تھی۔ پس یہ اس کی ترازو میں رکھا جائے گا۔ چنانچہ اس کی ترازو کا پلڑا غالب ہو جائے گا اور اس کو جنت کا حکم دیا جائے گا اور اس کے مخاصم اور مدعا علیہ کی ترازو اسی قدر کم ہو جائے گی اور اس کو دوزخ کا حکم دیا جائے گا۔" پس مجھے معلوم نہیں کہ اس دن میرا کیا حال ہوگا۔ (نوادر القلیوبی)

(۸)

ایک مردِ قلندر کی ایمان افروز تقریر

حضرت سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

''روم کی جنگ میں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ صحابیِ رسول حضرت سیدنا عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کو بھی قید کرلیا گیا۔ رومی سردار نے تمام مسلمانوں کو اپنے دربار میں بلایا اور حضرت سیدنا عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ سے کہا: ''نصرانی ہو جاؤ ورنہ میں تمہیں تانبے کی دیگ میں ڈال کر جلادوں گا۔'' یہ سن کر صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ عنہ نے جرأت مندانہ جواب دیا: ''ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، میں کبھی بھی نصرانی نہیں بنوں گا۔'' ظالم سردار نے جب یہ سنا تو تانبے کی دیگ منگوا کر اس میں تیل ڈلوایا پھر اس کے نیچے آگ جلانے کا حکم دیا جب تیل خوب گرم ہو کر اُبلنے لگا تو ایک مسلمان قیدی کو بلا کر کہا: ''نصرانی ہو جاؤ!'' اس مردِ مجاہد نے انکار کیا تو اسے اُبلتے ہوئے تیل میں ڈلوادیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کا سارا گوشت جل گیا اور ہڈیاں اوپر تیرنے لگیں پھر حضرت سیدنا عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: ''عیسائی ہو جاؤ ورنہ اس شخص کی طرح تمہیں بھی اس اُبلتے ہوئے تیل میں ڈال دیا جائے گا۔'' صحابیِ رسول نے صاف انکار کر دیا۔ ظالم سردار نے حکم دیا: ''اسے بھی تیل کی دیگ میں ڈال دو۔''

حکم پاتے ہی جلادوں نے آپ کو پکڑا اور اُبلتے ہوئے تیل میں ڈالنے کے لیے لے چلے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اچانک رونا شروع کر دیا۔ جلاد ظالم سردار کے پاس آئے اور بتایا کہ وہ قیدی رو رہا ہے۔ سردار بہت خوش ہوا اور حکم دیا: ''اسے ہمارے پاس لے آؤ۔''

وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ شاید آپ رضی اللہ عنہ موت کے ڈر سے اس کی بات ماننے کے لیے تیار ہو گئے ہیں جب آپ رضی اللہ عنہ اس کے سامنے آئے تو فرمایا:

''کیا تم لوگ یہ سمجھ رہے ہو کہ میں موت کے خوف سے رو رہا ہوں؟ خدا کی قسم! میں موت کے خوف سے نہیں بلکہ میں تو اس لیے رو رہا ہوں کہ میرے جسم میں صرف ایک جان ہے جو میں دینِ اسلام کے لیے قربان کر رہا ہوں مجھے تو یہ پسند تھا کہ میرے جسم میں اگر سو جانیں ہوتیں تو ایک ایک کر کے سب کو اللہ تعالیٰ کے نام پر قربان کر دیتا۔''

یہ اک جان کیا ہے اگر ہوں کروڑوں
تیرے نام پہ سب کو وارا کروں میں

سردار آپ رضی اللہ عنہ کی یہ ایمان افروز تقریر سن کر بہت متعجب ہوا کہ اس مردِ قلندر کے اندر اپنے دین کی کتنی محبت ہے اور یہ خوشی سے دین کی خاطر اپنی جان قربان کرنے کے لیے تیار ہے۔ سردار نے لالچ دیتے ہوئے کہا: ''اگر تم نصرانی ہو جاؤ تو میں اپنی بیٹی کی شادی تم سے کر دوں گا اور حکومت میں بھی تمہیں حصہ دوں گا۔''

آپ رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ پیش کش بھی ٹھکرا دی اور صاف انکار کر دیا پھر اس نے کہا: ''اچھا اس طرح کرو کہ تم میرے سر پر بوسہ دو اگر تم یہ کرو گے تو میں تمہیں بھی آزاد کر دوں گا اور تمہارے ساتھ تمہارے اسی مسلمان قیدیوں کو بھی آزاد کر دوں گا۔''

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر واقعی تم ایسا کرو گے تو میں تمہارے سر کو بوسہ دینے کے لیے تیار ہوں۔'' سردار نے یقین دہانی کرائی کہ میں اپنی بات ضرور پوری کروں گا چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی آزادی کی خاطر اس ظالم کے سر کا بوسہ لیا۔ سردار نے حسبِ وعدہ آپ رضی اللہ عنہ کو اور اسی مسلمان قیدیوں کو آزاد کر دیا۔

جب یہ تمام مجاہدین امیر المومنین حضرت سیدنا عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں پہنچے تو امیر المومنین آپ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور آپ رضی اللہ عنہ کے سر کا بوسہ لیا اور بہت خوش ہوئے۔''

(عیون الحکایات)

(۹)

جب بندہ خدا کا ہو جاتا ہے

بنی اسرائیل کے زمانے میں ایک مرتبہ قحط پڑ گیا' مدتوں سے بارش نہیں ہو رہی تھی' لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گئے اور عرض کیا: ''یا کلیم اللہ! رب تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ بارش نازل فرمائے۔''

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ہمراہ لیا اور بستی سے باہر دعا کے لیے آ گئے' یہ لوگ ستر ہزار یا اس سے کچھ زائد تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے بڑی عاجزی سے دعا کرنا شروع کی:

اِلٰهِیْ' أَسْقِنَا غَيْثَكَ وَانْشُرْ عَلَيْنَا رَحْمَتَكَ...... وَارْحَمْنَا بِالْأَطْفَالِ الرُّضَّعِ وَالْبَهَائِمِ الرُّتَّعِ وَالشُّيُوْخِ الرُّكَّعِ ۔

''میرے پروردگار! ہمیں بارش سے نواز' ہمارے اوپر اپنی رحمتوں کی نوازش کر...... چھوٹے چھوٹے معصوم بچے' بے زبان جانور' بوڑھے اور بیمار بھی تیری رحمت کے امیدوار ہیں تو ان پر ترس کھاتے ہوئے ہمیں اپنے دامنِ رحمت میں جگہ دے۔''

دعائیں ہوتی رہیں مگر بادلوں کا دُور دُور تک پتہ نہ تھا۔ سورج کی تپش اور تیز ہو گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بڑا تعجب ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کے قبول نہ ہونے کی وجہ پوچھی تو وحی نازل ہوئی:

اِنَّ فِيْكُمْ عَبْدًا يُبَارِزُنِيْ بِالْمَعَاصِيْ مُنْذُ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً' فَنَادِ فِي النَّاسِ حَتّٰى يَخْرُجَ مِنْ بَيْنِ أَظْهُرِكُمْ' فَبِهٖ مَنَعْتُكُمْ......

''تمہارے درمیان ایک ایسا شخص ہے جو گزشتہ چالیس سالوں سے مسلسل میری

نافرمانی کر رہا ہے اور گناہوں پر مصر ہے۔ اے موسیٰ! آپ لوگوں میں اعلان کر دیں کہ وہ نکل جائے کیونکہ اس آدمی کی وجہ سے بارش رکی ہوئی ہے اور جب تک وہ باہر نہیں نکلتا' بارش نہیں ہوگی۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: "باری تعالیٰ! میں کمزور سا تیرا بندہ' میری آواز بھی ضعیف ہے' یہ لوگ ستر ہزار یا اس سے بھی زیادہ ہیں' میں ان تک کیسے آواز پہنچاؤں گا؟"

جواب ملا: مِنْكَ النِّدَاءُ وَمِنَّا الْبَلَاغُ ۔

"تیرا کام آواز دینا ہے' پہنچانا ہمارا کام ہے۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو آواز دی اور کہا:

أَيُّهَا الْعَبْدُ الْعَاصِي الَّذِيْ يُبَارِزُ اللهَ بِالْمَعَاصِيْ مُنْذُ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً......

اُخْرُجْ مِنْ بَيْنِ أَظْهُرِنَا' فَبِكَ مُنِعْنَا الْمَطَرَ ۔

"اے رب کے گناہ گار اور نافرمان بندے! جو گزشتہ چالیس سال سے اپنے رب کو ناراض کر رہا ہے اور اس کو دعوتِ مبارزت دے رہا ہے......لوگوں میں سے باہر آجا' تیرے ہی کالے کرتوتوں کی پاداش میں، ہم بارانِ رحمت سے محروم ہیں۔"

اس گناہ گار بندے نے اپنے دائیں بائیں دیکھا' کوئی بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ وہ سمجھ گیا کہ وہی مطلوب ہے۔ سوچا کہ اگر میں تمام لوگوں کے سامنے باہر نکلا تو بے حد شرمندگی ہوگی اور میری جگ ہنسائی ہوگی اور اگر میں باہر نہ نکلا تو محض میری وجہ سے تمام لوگ بارش سے محروم رہیں گے۔

اب اس نے اپنا چہرہ اپنی چادر میں چھپالیا' اپنے گزشتہ افعال و اعمال پر شرمندہ ہوا اور یہ دعا کی: "اے میرے رب! تو کتنا کریم اور بردبار ہے کہ میں چالیس سال تک تیری نافرمانی کرتا رہا اور تو مجھے مہلت دیتا رہا اور اب تو میں یہاں تیرا فرماں بردار بن کر آیا ہوں' میری توبہ کو قبول فرما اور مجھے معاف فرما کر آج کی ذلت و رسوائی سے بچالے۔"

ابھی اس کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ آسمان بادلوں سے بھر گیا اور موسلا دھار بارش شروع ہوگئی اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ عرض کیا: "یاالٰہی! تو نے بارش کیسے

برسانا شروع کردی وہ نافرمان بندہ تو مجمع سے باہر نہیں آیا؟‘‘

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’اے موسیٰ! جس کی بدولت میں نے بارش روک رکھی تھی اسی کی بدولت اب بارش برسا رہا ہوں اس لیے کہ اس نے توبہ کر لی ہے۔‘‘

موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: ’’یا اللہ! اس آدمی سے مجھے بھی ملا دے تا کہ اس کو دیکھ لوں؟‘‘

فرمایا: یَامُوسٰی، اِنِّیْ لَمْ اَفْضَحْہُ وَھُوَ یَعْصِیْنِیْ، اَفْضَحُہٗ وَھُوَ یُطِیْعُنِیْ۔

’’موسیٰ! میں نے اس کو اس وقت رسوا اور خوار نہیں کیا جب وہ میری نافرمانی کرتا رہا اور اب جب کہ وہ میرا مطیع اور فرماں بردار بن چکا ہے تو اسے کیسے شرمندہ اور رسوا کر سکتا ہوں؟‘‘

وہ ایک گناہ گار اور نافرمان شخص تھا اور اس کی بدولت بارش کا نزول نہیں ہو رہا تھا اور چند کو چھوڑ کر تمام اُمت ہی گناہ گار اور غفلت میں ہو تو پھر کیا حشر ہوگا؟

سورۂ جن آیت ۱۶ میں رب تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے:

وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَی الطَّرِیْقَةِ لَاَسْقَیْنٰھُمْ مَّآءً غَدَقًا ۔ (الجن:۱۶)

’’لوگ اگر راہِ راست پر سیدھے رہتے تو یقیناً ہم انہیں بہت وافر پانی دیتے۔‘‘

(سنہرے اوراق بحوالہ کتب احادیث و سیر)

(۱۰)

اس مردِ مجاہد کی ضرورت ہے جہاں کو

اس مردِ مجاہد کی ضرورت ہے جہاں کو
ہو جس کے رَگ و پے میں فقط مستیِ کردار

حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ السُّلْطَانِ الْجَائِرِ۔

''کسی ظالم بادشاہ کے منہ پر حق بات کہہ دینی بہت ہی افضل قسم کا جہاد ہے۔''

اس معیار پر بھی اگر علمائے حق کی مقدس زندگی کو جانچنے کا شوق ہو تو مندرجہ ذیل حکایات کو دیدۂ عبرت سے دیکھیے اور جبین عقیدت جھکا کر حقانی علماء کی مجاہدانہ شجاعت کو سلام کیجیے کہ کس طرح ان حق پرستوں نے شیر کے منہ میں گھس کر، تلوار کی دھان پر گردن رکھ کر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ادا کیا، ظالم بادشاہوں کے منہ پر کلمہ حق کہا اور علمی وجاہت، عملی شجاعت اور استغناء و قناعت کی روحانی طاقت سے ظالم، جابر بادشاہوں کے تاج شاہی کو ٹھکرایا۔

بادشاہ بغداد خلیفہ مہدی حج کے بعد جب مدینہ منورہ گیا اور مسجدِ نبوی میں حاضر ہوا تو مشہور امام الحدیث ابن ابی ذئب اپنے حلقۂ درس میں حدیث شریف کا سبق پڑھا رہے تھے اور پوری مسجد حاضرین درس سے بھری ہوئی تھی۔ خلیفہ کو دیکھ کر تمام حاضرینِ مجلس خلیفہ کی تعظیم کے لیے سروقد کھڑے ہو گئے مگر محدث ابن ابی ذئب بدستور اپنی حالت پر بیٹھے رہے۔ چوبدار مسیب بن زبیر نے کہا:

''کھڑے ہو جاؤ۔ یہ امیر المومنین خلیفہ مہدی ہیں۔''

اس وقت محدث ابن ابی ذئب نے عالمانہ وجاہت سے تڑپ کر فرمایا:

اِنَّمَا یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۔

''آدمی صرف پروردگارِ عالم کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔''

خلیفہ مہدی اس جواب کی جلالت سے کانپ اُٹھا اور کہا: ''اے میتب! خدا کے لیے ان کو مت چھیڑ! واللہ ان کا ایک ہی جملہ سن کر میرے سر کے بال کھڑے ہوگئے۔''

سبحان اللہ! ایک حقانی عالم کی علمی جلالت کا کیا کہنا؟ اللہ اکبر

نہ تخت و تاج میں' نہ لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلند کی بارگاہ میں ہے

☆......اسی طرح خلیفہ بغداد منصور جب حج کرنے آیا تو اس نے انہی محدث ابن ابی ذئب کو غروبِ آفتاب کے وقت کعبہ معظمہ کے قریب بلایا اس وقت ایک چوب دار میتب کے ہاتھ میں تلوار تھی اور دوسرے چوب دار ابن ہثیم کے ہاتھ میں لاٹھی۔ منصور نے پوچھا کہ اے ابن ابی ذئب! حسن بن زید کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ نے فرمایا: ''وہ عدل کی کوشش کرتے ہیں'' پھر دو تین مرتبہ یہ پوچھا: ''میرے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟''

تو ابن ابی ذئب نے عالمانہ وقار کے ساتھ برجستہ جواب دیا:

وَرَبِّ هٰذِهِ الْبُنْيَةِ اِنَّكَ لَجَائِرٌ ۔

''اس عمارت (کعبہ) کے رب کی قسم ہے' تمہارے ظالم ہونے میں کوئی شک نہیں۔'' یہ سن کر ربیع حاجب نے مارے غصہ کے آپ کی داڑھی پکڑ لی اس وقت منصور نے بگڑ کر ڈانٹتے ہوئے کہا:

''اے اوگندی عورت کے بیٹے! خبردار ان کو چھوڑ دے تو جانتا نہیں کہ هٰذَا خَيْرُ اَهْلِ الْحِجَازِ یہ تمام اہلِ حجاز میں سے زیادہ برگزیدہ بزرگ ہیں۔''

(تبصرہ تاریخ بغداد ص ۳۱)

خلیفہ مہدی اور خلیفہ منصور دونوں نہایت ہی ظالم اور سفاک بادشاہ تھے۔ ایک انسان

کو قتل کرا دینا ان دونوں کے نزدیک ایک مکھی یا مچھر کو مار ڈالنے سے بھی کمتر تھا مگر ان دونوں سے ابن ابی ذئب بال برابر بھی مرعوب نہیں ہوئے اور دونوں کے منہ پر کلمۂ حق کہہ دیا اور یہ ابن ابی ذئب کی علمی جلالت کی کرامت تھی کہ دونوں ظالم بادشاہ آپ کی خداداد عالمانہ ہیبت سے مرعوب ہو کر خوف سے لرزہ براندام ہو گئے اور آپ کا کچھ بگاڑ نہیں سکے مگر ابن ابی ذئب کی عالمانہ جرأت اور مجاہدانہ شجاعت کی داد دیجیے کہ تلوار کی دھار گردن پر رکھ کر انہوں نے کلمۂ حق کہہ دیا۔ کیوں نہ ہو کہ ؎

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

(روحانی حکایات)

بسم اللہ الرحمن الرحیم
إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ
فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ
إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ

(۱۱)

حضرت ابراہیم بن ادھم اور خلقِ خدا کی غم خواری

حضرت ابراہیم بن ادھم ایک رات غیر آباد مسجد میں گئے جس کے کواڑ نہ تھے۔ دیکھا کہ تین درویش سو رہے ہیں، سردی نہایت سخت تھی۔ آپ کو ان کی بڑی فکر ہوئی اور اتنی فکر ہوئی کہ وہ درویش نہیں گویا خود سردی میں ٹھٹھر رہے ہیں۔ اپنے جسم پر تن ڈھانپنے اور ستر چھپانے کے علاوہ کوئی کپڑا نہیں تھا۔ ایک وقت تھا جب ایک جوڑا نہیں بیسیوں قیمتی اور اعلیٰ قسم کے جوڑے زیب تن کرنے کو تھے۔ مخمل کی رضائیاں اور بستر تھے، کمرے کو گرم رکھنے کے لیے انگیٹھیوں کا انتظام تھا مگر اب یہ اللہ کا بندہ دنیا میں جو اسے لطف و سرور، قلبی لذت اور راحت و سکون ملا تھا اس کے مقابلے میں ہفت اقلیم کی بادشاہی بھی ہیچ تھی۔ بہرکیف درویشوں کو سردی سے بچانے کا کوئی اور انتظام تو اس وقت نہ کر سکے البتہ ایک عجیب ترکیب کے ذریعے انہیں سردی سے بچانے کا اہتمام کیا۔ وہ اس سرح کہ اپنے جسم اور وجود ہی کو سردی سے بچاؤ کے لیے ڈھال بنایا۔ خود دروازے میں ہاتھ پھیلا کر ساری رات کھڑے رہے تاکہ ٹھنڈی ہوا اندر نہ جائے۔ درویش صبح کے وقت جاگے تو حضرت کو اس طرح کھڑے دیکھ کر بہت متعجب ہوئے۔ انہوں نے عرض کیا: ''حضور! آپ نے اس سخت سردی میں کیوں تکلیف فرمائی اور ایسا کیوں کیا؟''

فرمایا: ''سرد ہوا چل رہی تھی اب تم لوگوں کو سردی سے بچانے کا کوئی اور انتظام تو میں نہیں کر سکتا تھا البتہ میرے بس میں یہ تھا کہ خود کو کواڑ کی جگہ کھڑا رکھوں شاید اس طرح تمہیں کچھ سکون ہو اور سردی کی شدت میں کچھ کمی واقع ہو۔ (کسی مسلمان بھائی کی معمولی خدمت

اور راحت رسانی ہزاروں نوافل سے بہتر ہے)

(مخزن اخلاق ص ۲۵۴)

☆...... عوارف المعارف میں لکھا ہے: ''صوفیاء کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ وہ چھوٹے لوگوں پر مہربانی اور شفقت کرتے ہیں پھر حضرت ابراہیم بن ادھم بلخی کا یہ واقعہ لکھا ہے کہ آپ (بلخ کی حکومت کو خیر باد کہنے کے بعد) کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے اور اس سے جو آمدنی ہوتی وہ اپنے ساتھیوں (خانقاہ میں مقیم لوگوں) کو کھلاتے تھے۔ آپ کے یہ ساتھی دن بھر روزہ رکھتے اور رات کو آپ کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے۔ بعض اوقات یوں ہوتا کہ آپ اپنے کھیت سے دیر سے بھی جاتے۔ ایک دن آپ کو دیر ہونے پر درویشوں نے سوچا کہ کیوں نہ آج آپ کے آنے سے پہلے کھانا کھالیا جائے تا کہ حضرت آئندہ جلدی تشریف لایا کریں۔ درویشوں نے کھانا تیار کیا اور حضرت کی آمد سے پہلے پہلے کھا کر سو گئے۔ آپ رات کو پہنچے تو سب کو سوتے دیکھ کر سوچا شاید یہ بے چارے بھوکے سو گئے ہوں گے۔ چنانچہ آٹا گوندھا اور روٹیاں پکانا شروع کر دیں۔ اتنے میں وہ لوگ بھی جاگ گئے تو دیکھا کہ آپ رخساروں کو زمین پر رکھے آگ میں پھونک مار رہے ہیں۔ انہوں نے اصل صورت حال بتائی تو فرمایا میں نے سوچا کہ شاید تم لوگ بھوکے ہی سو گئے ہو۔ وہ لوگ دل ہی دل میں شرمندہ ہوئے اور کہنے لگے دیکھو ہم نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا اور آپ ہمارے ساتھ کیسا شفقت آمیز اور کتنا احساس بھرا رویہ برت رہے ہیں۔''

(رسالہ قشیریہ (اردو) ص ۴۵۳۔۴۵۲)

(۱۲)

سمجھ دار و پارسا عورت

حضرت سیدنا حسن بن عبدالرحمٰن علیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

''بصرہ میں ایک مال دار شخص رہتا تھا۔ ایک دن جب وہ اپنے باغ میں گیا تو دیکھا کہ اس کا نوکر اپنی حسین وجمیل بیوی کے ساتھ باغ میں موجود ہے۔ نوکر کی خوب صورت بیوی کو دیکھ کر مال دار کی نیت خراب ہوگئی اس نے عورت کو محل میں بھیجا اور نوکر سے کہا: ''جاؤ! ہمارے لیے کھجوریں توڑ لاؤ جب کھجوریں توڑ چکو تو فلاں فلاں کو میرے پاس بلا لانا۔''

نوکر حکم پاتے ہی کھجوریں لینے چلا گیا اب یہ اپنے محل میں آیا اور نوکر کی بیوی سے کہا: ''تمام دروازے بند کردو۔''

عورت نے تمام دروازے بند کر دیئے تو مال دار نے کہا: ''کیا تمام دروازے بند کر دیئے؟'' سمجھ دار نیک عورت نے کہا: ''صرف ایک دروازہ میں بند نہ کر سکی۔''

مال دار نے کہا: ''کون سا دروازہ تو نے بند نہیں کیا؟''

اس نے کہا: ''وہ دروازہ جو ہمارے اور ہمارے ربّ کے درمیان ہے' میں اسے بند نہیں کر سکی۔''

یہ جملہ اس مال دار کے دل میں تاثیر کا تیر بن کر پیوست ہو گیا' وہ گناہ سے بچ گیا اور رو رو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔''

(عیون الحکایات' کشف المحجوب)

(۱۴)

حضرت امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذہانت

امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ ایک روز مسجد کے اندر تشریف فرما تھے' اتنے میں خوارج کا ایک گروہ تلواریں لہراتا ہوا داخل ہوا اور امام صاحب کو گھیر لیا پھر ان کے درمیان مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی: خوارج: ابو حنیفہ! ہم آپ سے دو سوال کریں گے اگر آپ نے جواب دے دیئے تو ٹھیک ورنہ ہم آپ کو قتل کر دیں گے۔

امام ابو حنیفہ: اپنی تلواریں میان کے اندر رکھ لو کیونکہ ان کی طرف دیکھنے سے میرا دل ادھر ہی مشغول ہو جائے گا۔

خوارج: ہم اپنی تلواروں کو ہرگز میان میں نہیں رکھیں گے یہ تو آپ کے خون کی پیاسی ہیں۔ امام ابو حنیفہ: چلو پوچھو۔

خوارج: دروازے پر دو جنازے رکھے ہیں' ایک جنازہ اس شخص کا ہے جس نے شراب پی کر آنکھیں بند کیں اور نشے ہی میں مر گیا۔ دوسرا جنازہ اس عورت کا ہے جو زنا کے ذریعے حاملہ ہوئی اور زچگی کے وقت توبہ کیے بغیر مر گئی۔ کیا یہ دونوں مومن ہیں یا کافر؟

خوارج کا یہ گروہ جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے سوال پوچھنے آیا تھا' ان کے عقیدے کے مطابق گناہِ کبیرہ کا مرتکب کافر ہوتا ہے ایسی صورت میں اگر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں کے مومن اور مسلمان ہونے کا فتویٰ دیتے تو ان کے نزدیک قابل گردن زدنی ہوتے۔ چنانچہ امام صاحب نے ان سے پوچھا: "یہ بتاؤ دونوں کس مذہب کے ماننے والے تھے' کیا یہ یہودی تھے؟"

خوارج: نہیں! امام ابوحنیفہ: نصاریٰ تھے؟ خوارج: نہیں! امام ابوحنیفہ: مجوسی تھے؟ خوارج: نہیں! امام ابوحنیفہ: بت پرست تھے؟ خوارج: نہیں! امام ابوحنیفہ: آخر کس مذہب کے پجاری تھے؟ خوارج: مسلمان تھے۔

امام ابوحنیفہ: تم لوگوں نے خود ہی جواب دے دیا' تمہارا اعتراف ہے کہ دونوں (شرابی اور زانیہ) مسلمان تھے اور جو مسلمان ہوا سے تم کافر کیسے کہہ سکتے ہو؟

خوارج کا گروہ: یہ دونوں جنتی ہیں یا جہنمی؟

ابوحنیفہ: میں بھی ان دونوں کے بارے میں وہی کچھ کہوں گا جو خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام نے اس آدمی کے بارے میں کہا تھا جس کی بُرائی ان دونوں سے بڑھ کر تھی:

فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۔

''میری تابع داری کرنے والا میرا ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو تو بہت ہی معاف کرنے والا' رحم کرنے والا ہے۔'' (ابراہیم: ۳۶)

نیز میں وہ کچھ کہوں گا جو روح اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں سے بڑے گناہ گاروں کے بارے میں کہا تھا:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝

''اگر تو ان کو سزا دے تو یہ تیرے ہی بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف فرما دے تو تو زبردست ہے' حکمت والا ہے۔'' (المائدہ: ۱۱۸)

یہ سننے کے بعد خوارج کی تلواریں میانوں میں واپس چلی گئیں اور وہ امام صاحب کو کوئی ایذاء پہنچائے بغیر رخصت ہو گئے۔ (ماخوذ از سنہرے اوراق)

(۱۴)

اکل حلال سے دعا قبول ہوتی ہے

بیان کرتے ہیں کہ ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ مکہ معظمہ میں تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک شخص سے خرمے خریدے اس حالت میں دیکھا کہ دو خرمے ان کے پاؤں کے درمیان زمین پر گرے ہوئے ہیں۔ انہوں نے خیال کیا:

"یہ دونوں خرمے بھی انہیں خرموں میں سے ہیں جو انہوں نے خریدے ہیں۔"

اس خیال سے انہوں نے ان کو اُٹھا لیا اور کھا گئے جب وہاں سے لوٹ کر بیت المقدس آئے اور صخرہ (ایک پتھر ہے جو بیت المقدس میں ہوا پر معلق ہے) کے گنبد میں داخل ہوئے تو اس گنبد میں رسم تھی کہ جو شخص اس میں رہتا تھا وہ بعد عصر کے باہر نکل جاتا تھا تاکہ رات کو فرشتوں کے واسطے خالی رکھے۔ چنانچہ جو لوگ اس میں تھے وہ سب نکل گئے اور ابراہیم چھپ گئے۔ لوگوں نے انہیں نہیں دیکھا اس کے بعد فرشتے داخل ہوئے۔ پس انہوں نے کہا: "یہاں آدمی کی جنس ہے۔"

ان میں سے ایک فرشتے نے کہا: "وہ ابراہیم بن ادہم عابد خراسان ہے۔"

دوسرے نے اس کو جواب دیا: "ہاں!"

اس کے بعد دوسرے نے کہا: "یہ ابراہیم وہی ہے جس کا ہر روز کا عمل آسمان پر چڑھتا ہے اور وہ قبول ہوتا ہے؟"

پھر دوسرے نے کہا: "ہاں! لیکن ایک سال سے اس کی اطاعت آسمان پر جانے سے روک دی گئی ہے اور اس مدت میں اس کی دعا مقبول نہیں ہوئی۔ اس کی وجہ وہی دو خرمے ہیں جن کو اس نے کھا لیا تھا۔"

اس کے بعد فرشتے عبادتِ الٰہی میں مشغول ہوئے یہاں تک کہ صبح ہوئی پس خادم واپس آیا اور اس نے گنبد کا دروازہ کھولا اس کے بعد ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نکلے اور مکہ معظمہ گئے اور اس دُکان کے دروازہ پر آئے پس انہوں نے ایک جوان کو دیکھا کہ وہ خرمے بیچ رہا ہے۔

ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے کہا: ''سال گزشتہ میں یہاں ایک بوڑھا خرمے بیچتا تھا۔''

اس جوان نے اطلاع دی کہ وہ اس کا باپ تھا جس نے دنیا کو خیر باد کہا۔ اس کے بعد ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے سارا واقعہ بیان کیا۔ پس اس جوان نے ان سے کہا: ''دو خرموں سے جس قدر میرا حصہ ہے اس سے آپ معافی میں ہیں یعنی میں نے اپنا حصہ معاف کیا اور میری ایک بہن اور ماں ہے۔'' ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''وہ دونوں کہاں ہیں؟''

اس نے کہا: ''کہ وہ گھر میں ہیں۔''

پس ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے گھر پر آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ چنانچہ ایک بڑھیا لاٹھی ٹیکتی ہوئی باہر نکلی۔ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو سلام کیا اور اس نے ان کے سلام کا جواب دیا۔

بڑھیا نے ان سے پوچھا: ''تم کس ضرورت سے آئے ہو؟''

ابراہیم نے اسے بھی سارا قصہ سنایا۔ پس بڑھیا نے کہا:

''میرے حصہ سے تم حلت اور معافی میں ہو۔''

پھر ابراہیم نے اس کی لڑکی سے کہا' اس نے بھی معاف کیا اس کے بعد ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ بیت المقدس کی طرف متوجہ ہوئے اور پھر اس گنبد میں آئے جب فرشتے داخل ہوئے ایک دوسرے سے کہنے لگا: ''یہ ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ ہے اس کے اعمال ایک سال سے موقوف ہو گئے تھے اور اس کی دعا مقبول نہیں ہوتی تھی لیکن جب سے اس نے اپنی اس غلطی کو معاف کرا لیا جو دو خرموں کے کھا لینے سے ہوئی تھی تو اس کے اعمال مقبول ہونے لگے اور اس کی دعا قبول کی گئی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کے درجے کی طرف پھیر دیا۔''

یہ سن کر ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ خوشی سے روئے اور ان کی یہ حالت ہو گئی کہ ہر سات دن کے بعد رزقِ حلال سے افطار کرنے لگے۔ (نوادر قلیوبی)

(۱۵)

ذرا نم ہوتو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

ہوسکتا ہے متعدد واقعات قارئین کو تکرار کے ساتھ پڑھنے کو مل رہے ہوں لیکن پورا واقعہ من وعن کہیں دوبارہ نہ ملے گا۔ کتاب کا حوالہ اور ہوگا یا نتیجہ اور تبصرہ میں فرق ہوگا اور اگر بعینہ مکرر آ جائے تو بھی اہل اللہ کے واقعات کستوری سے کم نہیں ہوتے اور کستوری کو جتنا زیادہ رگڑو گے اتنی ہی زیادہ خوشبو آئے گی۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے بارے میں مخاطب کو جو فرمایا اس کو پیشِ نظر رکھ کر تکرار کو قبول کرلیں۔ آپ نے فرمایا:

اَعِدْ ذِکْرَ نُعْمَانٍ لَنَا اَنَّ ذِکْرَہٗ ۔ ھُوَ الْمِسْکُ اِذَا کَرَّرْتَہٗ یَتَضَوَّعُ

خلیفہ دمشق عبدالملک بن مروان خلفاء بنواُمیہ میں اسلامی علوم وفنون کا بہت ہی ماہر تھا چنانچہ ابوالزناد نے تو یہاں تک فرمایا کہ مدینہ کے فقہاء چار ہیں۔ سعید بن میبّ، عروہ بن زبیر، قبیصہ بن ذوئیب اور عبدالملک بن مروان۔ سلفی نے طوریات میں بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک عورت خلیفہ عبدالملک بن مروان کے سامنے حاضر ہوئی اور یہ کہا: ''اے امیرالمومنین! میرے بھائی کا انتقال ہوگیا اور اس نے چھ سو دینار مال چھوڑا۔ لوگوں نے اس میں سے مجھے صرف ایک دینار دیا ہے اور کہتے ہیں کہ میراث میں اتنا ہی تیرا حق ہے۔ اے امیرالمومنین! میرا کتنا حق ہوتا ہے، میرا پورا حق دِلا دیجیے۔''

عبدالملک یہ سن کر چکرا گیا اور فوراً حضرت امام شعبی کو بلا کر دریافت کیا تو انہوں نے برجستہ جواب دیا: ''امیرالمومنین! اس عورت کا حق واقعی ایک ہی دینار ہوتا ہے اس کے بھائی نے اپنے وارثوں میں دو لڑکیاں چھوڑی ہوں گی تو دو ثلث یعنی چار سو دینار تو دونوں

لڑکیوں کا ہو گیا اور اس کی ماں بھی وارث ہو گی تو ایک سدس یعنی ایک سو دینار اس کا حصہ ہو گیا اور بیوی بھی وارث ہو گی تو پچہتر دینار اس کو مل گیا اور بارہ بھائی ہوں گے تو دو دینار ہر ایک بھائی کا حصہ ہونے کی بناء پر ملیں گے اور ایک دینار اس کو ملے گا۔"

عورت نے اس کی تصدیق کی کہ واقعی میرے بھائی کے وارثوں کی فہرست یہی ہے اور وہ مطمئن ہو کر چلی گئی اور خلیفہ عبدالملک حضرت امام شعبی کے اس استحضار علمی پر حیران رہ گیا۔

اس قدر علمی یادداشت اور علوم وفنون پر قدرت بلاشبہ عجائبات میں شمار کرنے کے قابل ہے۔ علمائے سلف میں تو اس کی بہت سی مثالیں ملیں گی۔ چنانچہ جلال الدین سیوطی نے اپنی تاریخ الخلفاء کے ص ۲۱۹ پر تحریر فرمایا ہے کہ بالکل یہی صورت مسئلہ ایک مرتبہ خلیفہ بغداد مامون رشید کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے بھی اس طرح جواب دیا مگر آج کل قحط الرجال کے دَور میں اس قسم کی مثالیں نوادرات ہی شمار کی جائیں گی کیونکہ عام طور پر آج کل بزرگوں کی خانقاہوں اور اساتذہ کی درس گاہوں میں ایسے ہی لوگ بیٹھے ہیں جنہیں دیکھ کر ڈاکٹر اقبال کا یہ شعر یاد آ جاتا ہے

آئی ہے وراثت میں انہیں پیر کی گدی
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

لیکن بہر حال یہ دَور بھی غنیمت ہے طلبہ کی بدشوقی اور علومِ اسلامیہ کے انحطاط کا عالم دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ شاید نصف صدی گزرنے کے بعد یہ حال ہو جائے گا: "علماء در گور علم در کتاب"

مگر یہ ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کا محافظ ہے اس لیے وہ ضرور ہر دَور میں ایسے خوش نصیبوں کو پیدا فرماتا رہے گا جو اس کے حبیب ﷺ کے علمِ نبوت کو اپنے سینوں میں محفوظ رکھیں گے۔ یہ اور بات ہے کہ ان لوگوں کی تعداد کم ہوتی جائے گی۔

نہیں مایوس اقبال اپنی کشتِ ویران سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

(روحانی حکایات)

(۱۶)

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک یتیم

عید کا دن تھا مرد عورتیں بچے جوان بڑے چھوٹے سب اپنے اس دینی تہوار کی آمد پر خوش تھے۔ سب نے حسب مقدور عمدہ سے عمدہ کپڑے زیب تن کیے ہوئے تھے۔ سب ایک دوسرے کے گلے مل رہے تھے اور ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے۔ اللہ کا ایک بندہ اس خوشی کے دن بھی مغموم آ رہا تھا اور بڑا متفکر تھا۔

حضرت سری سقطی (متوفی ۲۵۷ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ عید کے دن بھی حضرت معروف کرخی (متوفی ۲۰۱ھ) کھجوریں چُن رہے ہیں۔ میں نے وجہ پوچھی تو فرمایا:

"سامنے والا یتیم بچہ اس لیے اداس ہے کہ تمام بچے نئے لباس میں ملبوس ہیں اور اس کے پاس کپڑے تک نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ یتیم بچہ بھی عید کی خوشی منائے اس لیے میں کھجوریں چُن کر فروخت کرنا چاہتا ہوں تا کہ اس کے لیے کپڑے فراہم کر سکوں۔"

حضرت سری سقطی نے عرض کیا: "یہ کام تو میں بھی انجام دے سکتا ہوں۔ آپ کیوں زحمت فرماتے ہیں؟"

چنانچہ میں بچے کو ساتھ لے کر آیا اور اس کو نیا لباس پہنا دیا اور اس کے صلہ میں جو نور مجھ کو عطا کیا گیا اس سے میری حالت ہی بدل گئی۔

(شیخ عطار: تذکرۃ الاولیاء (اردو) ص ۱۵۹)

(۱۷)

فصیح وبلیغ کلام کرنے والا متوکل اژدھا

حضرت سیدنا حامد اسود علیہ الرحمۃ نقل کرتے ہیں:

''میں نے حضرت سیدنا ابراہیم خواص علیہ الرحمۃ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''توکل کے بارے میں میرے یقین کی پختگی کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ میں جنگلوں اور صحراؤں میں سفر کرتا اور اپنے توکل کو پختہ کرتا۔ مجھے ویران اور غیر آباد علاقوں سے محبت ہوگئی۔ ایک دن میں ایک ویران جنگل کی طرف گیا اور اس جنگل میں تین دن تین رات قیام کیا جب چوتھی صبح ہوئی تو بھوک و پیاس کی وجہ سے کمزوری محسوس ہونے لگی۔ بتقاضائے بشریت مجھے رزق کے معاملے میں کچھ تردد ہونے لگا۔ میں بڑا دل گیر (غمگین) ہوا اچانک میرے سامنے چار بڑے بڑے اژدھے نمودار ہوئے وہ اپنے منہ سے سیٹی کی سی آواز نکالنے لگے پھر بھنبھناہٹ سی سنائی دینے لگی۔ ان کی اس آواز میں ایسا غم وسوز تھا کہ ایسی غمگین آواز میں نے آج تک نہ سنی تھی۔ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے وہ چاروں میری طرف آئے ان میں سے ایک نے اپنا سر بلند کیا اور بڑا فصیح و بلیغ کلام کرتا ہوا مجھ سے یوں گویا ہوا:

''اے ابراہیم (علیہ الرحمۃ)! کیا تو اپنے خالق کے بارے میں شک میں مبتلا ہے؟''

میں نے کہا: ''نہیں! الحمد للہ میں بالکل مطمئن ہوں۔''

اس نے کہا: ''پھر تو رزق کے بارے میں شک میں کیوں مبتلا ہوا؟''

وہ اژدھا میری حالت سے واقف ہوگیا تھا۔ میں نے متعجب ہوکر پوچھا:

''تم میرے حال سے کیسے واقف ہوئے؟''

اس نے کہا: ''مجھے اس پاک پروردگار نے آگاہ کیا جو ہر وقت میرے ساتھ ہے۔ سنو! ہم

چار اژدھے مختلف مقامات کے رہنے والے ہیں اور ہم توکل جمع کرنے آئے ہیں۔"

میں نے کہا: "یہ تو بہت ضروری ہے۔ بے شک میں نے بھی کھانے پینے کے متعلق توکل کیا اس دوران اکثر اوقات بھوک و پیاس کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟"

اس نے کہا: "اے ابراہیم! پوشیدہ باتوں کی ٹوہ میں نہ پڑو۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے بندے بھی ہوتے ہیں جنہیں اس کا ذکر سیراب کرتا ہے اور اس سے ان کی بھوک جاتی رہتی ہے پھر وہ کسی ایسی چیز کی پرواہ نہیں کرتے جس کے ذریعے دوسرے لوگ اپنی زندگی گزارتے ہیں اور ان لوگوں کے دِلوں میں ایسی چیزوں کے متعلق کبھی پریشانی نہیں ہوتی جس کے نہ ملنے پر دوسروں کو پریشانی لاحق ہوتی ہے۔ ہاں! وہ تو صرف فتنہ وفساد سے ڈرتے ہیں۔"

اس اژدھے کا ایسا فصیح و بلیغ کلام سن کر میں نے اپنے دل میں کہا:

"سبحان اللہ! یہ اژدھا کتنا پیارا کلام کر رہا ہے اور میں اس کی بات کو کتنی اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔"

پھر میں رونے لگا۔ میں یہ باتیں سوچ ہی رہا تھا کہ وہ اژدھا پھر بولا: "اے ابراہیم! پوشیدہ باتوں کی ٹوہ میں نہ رہو' کیا تم اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں کسی کو حقیر سمجھتے ہو؟ بے شک مجھے قوتِ گویائی اسی پاک پروردگار نے عطا فرمائی ہے۔ جس نے تمہارے باپ آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو مٹی سے پیدا فرمایا۔ تم میرے بولنے سے متعجب ہو رہے ہو حالانکہ زیادہ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ہم ایک ایسی وادی سے تیرے پاس آئے ہیں جو یہاں سے ایک ماہ کی مسافت پر ہے۔ ہمیں ہمارے پاک پروردگار نے یہاں بھیجا ہے۔"

یہ سن کر میں بہت حیران ہوا اور اس اژدھے سے پوچھا: "کیا وجہ ہے کہ ان چاروں اژدھوں میں سے صرف تم ہی کلام کر رہے ہو اور باقی سب خاموش ہیں؟"

اس نے کہا: "اے ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ! بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان حجاب ہے۔ مخلوق میں کچھ لوگ ایک دوسرے کے گہرے دوست ہیں' کچھ وزراء اور کچھ لوگ بعض کے شاگرد و مرید ہیں۔ ان چاروں اژدھوں نے مجھے اپنا امیر مان لیا اور اپنے آپ کو میرے حوالے کر دیا ہے اب میں ہی ان کی نمائندگی اور رہبری کر رہا ہوں۔ میری

ایک بات توجہ سے سن لیجیے اگر آپ کسی کے امیر بنو اور تمہارے رفقاء آداب سفر ملحوظ رکھیں تو عنقریب تم اور تمہارے تمام رفقاء اس پر برتری چاہیں تو سمجھو کہ وہ قافلہ ناکام ہو گیا۔ ناکامی کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ ماتحت اپنے امیر پر غالب آ جائیں اور اسکی طرف توجہ نہ دیں جب تم دیکھو کہ ماتحت اپنے امیر و نگران کے سامنے بڑی بے باکی سے بول رہا ہے اور امیر و نگران خوش ہے تو سمجھ لو کہ اب برکت اُٹھالی گئی۔"

حضرت سیدنا ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اتنا کہنے کے بعد اچانک وہ چاروں اژدھے میری نظروں سے غائب ہو گئے پھر میں چالیس روز اسی ویران و غیر آباد وادی میں رہا اور جو منظر میں نے دیکھا کہ اس کے بارے میں سوچ سوچ کر حیران ہوتا رہا۔ یہ چالیس دن ایسے گزرے کہ نہ تو مجھے کھانے پینے کی فکر رہی اور نہ ہی کسی اور قسم کی حاجت درپیش آئی۔ میں چالیس دن تک بالکل نہ سویا اور کئی دن تک ایک ہی وضو سے نماز پڑھتا رہا۔ یہ وادی بہت زیادہ غیر آباد اور ویران تھی۔ کوئی چیز اس میں ایسی نہ تھی جس سے انسیت حاصل کی جاتی۔ بہر حال چالیس دن بعد ایک صبح وہ چاروں اژدھے پھر میرے سامنے ظاہر ہوئے۔ انہوں نے مجھے سلام کیا۔ میں نے سلام کا جواب دیا۔ ان میں سے وہی اژدھا جو پہلے مجھ سے مخاطب ہوا تھا۔ کہنے لگا: "اے ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ! میرا گمان تھا کہ ان چالیس دنوں میں کسی نہ کسی دن تو منتخب کر لیا جائے گا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی تھی کہ وہ تجھے صادقین کی بعض غذا کا ذائقہ چکھا دے اور اب میں تیرا حال اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتا ہوں۔"

پھر اس اژدھے نے اپنے منہ سے نرگس کے کچھ پھول میری طرف پھینکے۔ میں نے انہیں اُٹھا لیا جب سامنے دیکھا تو وہ تمام اژدھے غائب ہو چکے تھے میں ان کی جدائی سے بڑا غمگین ہوا پھر چالیس دن تک میں کیف و سرور کے عالم میں رہا نہ تو مجھے بھوک لگی نہ پیاس اور میرے جسم سے ایسی خوشبو آتی تھی جیسے میں نے پورے جسم پر عطر لگایا ہوا ہو اسی طرح وہ پوری وادی خوشبو سے معطر اور معنبر رہی۔ یہ پہلا واقعہ تھا جو اللہ رب العزت نے میرے لیے ظاہر فرمایا اور مجھے عجیب و غریب چیزیں دکھائیں۔ (عیون الحکایات)

(۱۸)

جنت کس کے لیے ہے

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ وہ مسجد حرام میں داخل ہوئے وہاں انہوں نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جو ستون کے نیچے برہنہ پڑا ہوا تھا اور غمگین دل سے اللہ کو یاد کر رہا تھا۔
ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

''میں اس کے قریب گیا اور اس کو سلام کیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟''

اس نے کہا: ''میں مسافر ہوں۔'' میں نے اس سے کہا: ''تمہارا کیا نام ہے؟''

اس نے کہا: ''میں جس شخص کا مطلوب ہوں اسی سے بھاگا ہوں یعنی شیطان و جنت و دوزخ سے بھاگا ہوں۔'' میں نے اس سے پوچھا: ''یہ تم کیا کہتے ہو؟''

پس وہ رویا اور اس کے رونے کی وجہ سے میں بھی رویا۔ چنانچہ وہ بہت رویا یہاں تک کہ اسی وقت مر گیا۔ میں نے اس پر اپنا تہبند ڈال دیا تا کہ اس سے اس کو چھپاؤں اور اس کے واسطے کفن کی تلاش میں نکلا۔ اس کے بعد جب میں واپس آیا تو اس کو نہ پایا۔ میں نے لوگوں سے کہا: ''اے لوگو! تعجب کرو۔ سبحان اللہ اور مجھے بھی تعجب ہے کہ کون شخص مجھ سے پہلے اس کی طرف آیا۔ پس مجھے نیند آگئی تو ناگاہ میں نے ایک غیب سے آواز دینے والے کی ندا سنی کہ وہ کہتا ہے:

''اے ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ یہ وہ شخص ہے جس کو شیطان دنیا میں تلاش کرتا تھا لیکن اس نے اس کو نہ دیکھا اور اس کو مالک داروغہ دوزخ بھی ڈھونڈتا تھا لیکن اس نے بھی اس کو نہ دیکھا اور اس کو رضوان مالک جنت بھی تلاش کرتا تھا لیکن اس نے بھی اس کو نہ دیکھا۔ پس میں نے منادی غیب سے کہا: ''اس کے بعد اب وہ کہاں ہے؟''

تو اس نے کہا: فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ (الرحمٰن)

وہ اس وقت بادشاہ قادر کے پاس دوستی کی نشست گاہ میں ہے اور اسی لیے کہا جاتا ہے کہ لوگ بلحاظ عبادت تین قسم کے ہیں: رہبانی' حیوانی اور ربانی۔ پس رہبانی تو وہ ہے جو خوف اور ڈر سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اور حیوانی وہ ہے جو اللہ کی رحمت اور اس کے عفو کی امید پر عبادت کرتا ہے اور ربانی وہ ہے جو اللہ کے واسطے اللہ کی عبادت کرتا ہے اور سوائے دنیا و آخرت و جنت و دوزخ و نفس اور روح کے کسی کو بھی نہیں پہچانتا ہے۔ پس اوّل کے واسطے قیامت کے دن جب وہ قبر سے اُٹھایا جائے گا کہا جائے گا کہ تم نے آتشِ دوزخ سے نجات پائی اور دوسرے کے لیے کہا جائے گا کہ تو جنت میں داخل ہو اور تیسرے سے کہا جائے گا کہ تم میرے مطلوب ہو' تم میری مراد ہو' مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم ہے میں نے جنت کو صرف تمہارے ہی لیے پیدا کیا ہے۔ (قلیوبی)

(۱۹)

ایک غلام کی سخاوت

حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ سخاوت میں بڑے مشہور تھے۔ ایک مرتبہ کسی باغ کے پاس سے گزر رہے تھے کہ ایک غلام کو دیکھا' وہ باغ میں کھجوریں اکٹھی کر رہا تھا اور دیگر چھوٹے موٹے کام کر رہا تھا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو یہ بڑا پسند آیا اور اس کی حرکات و سکنات کا جائزہ لینے لگے۔ اتنے میں باغ کے مالک کا بیٹا آیا اس کے ہاتھ میں دو روٹیاں تھیں اس نے غلام کو روٹیاں تھمائیں چنانچہ وہ ذرا ہٹ کر کھانے کے لیے بیٹھ گیا۔

اسی دوران ایک کتا اس غلام کی طرف آگے بڑھا اور اس نے دُم ہلانا شروع کر دی۔ غلام نے ایک روٹی کتے کے سامنے پھینک دی۔ کتے نے جلدی سے روٹی کھالی اور دوبارہ غلام کی طرف دیکھ کر دُم ہلانے لگا۔ غلام نے دوسری روٹی بھی اس کی طرف پھینک دی اور خود کام کے لیے اُٹھ کھڑا ہو گیا۔

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو اس کے اس کام پر بڑا تعجب ہوا اس کے قریب آئے اور پوچھا: ''اے لڑکے! تمہاری ہر روز کی خوراک کیا ہے؟'' غلام بولا: ''وہی جو آپ نے دیکھی ہے۔''

عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''پھر تم نے اس کتے کو اپنی دونوں روٹیاں کیوں کھلا دیں؟''

غلام کہنے لگا: ''حضرت! ہمارے اس علاقے میں کتے نہیں ہوتے' میرا خیال ہے کہ اس کتے کو سخت بھوک ہی اس علاقے میں لے کر آئی ہے اس لیے میں نے ایثار سے کام لیا اور اپنی روٹی اس کو کھلا دی۔''

عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''تم آج رات کیا کھا کر گزارا کرو گے؟''

وہ کہنے لگا: ''آج کی رات بھوکا سو جاؤں گا۔''

عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے دل میں کہنے لگے:

يُلُوْمُنِي النَّاسُ عَلَى السَّخَاءِ! وَهٰذَا الْغُلَامُ أَسْخٰى مِنِّيْ .

''لوگ میری سخاوت کو دیکھ کر میری سرزنش کرتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ یہ ضرورت سے زیادہ سخاوت کرتا ہے) مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ نوجوان غلام مجھ سے کہیں زیادہ سخی ہے۔''

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ اس غلام کے مالک کے پاس جا پہنچے اور فرمایا: ''بھئی! یہ غلام مجھے بیچ دو۔''

غلام کے مالک نے پوچھا: ''حضرت! آپ اس کو کیوں خریدنا چاہتے ہیں۔''

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے اس کو سارا قصہ سنایا اور کہا:

''میری خواہش ہے کہ اس غلام کو خرید کر آزاد کر دوں۔ نیز یہ باغ بھی خرید کر اسے ہدیہ کر دوں تا کہ یہ آرام سے زندگی گزارے۔''

اس غلام کا مالک کہنے لگا: ''جناب! آپ نے تو اس کی ایک ہی خوبی دیکھی ہے اور آپ اس پر اتنے مہربان اور متاثر ہو گئے ہیں، ہم تو ہر روز اس کی بے شمار خوبیاں دیکھتے ہیں۔ میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے اس غلام کو اللہ کی خوشنودی کی خاطر آزاد کر دیا اور رہا یہ باغ! تو یہ بھی میری طرف سے اس کو ہدیہ ہے۔''

(ماخوذ از سنہرے اوراق)

(۲۰)

شفقت اولیاء اللہ با خلقِ خدا

صوفیاء میں خلقِ خدا کی ہمدردی اور غم خواری کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے انہیں اپنی اتنی فکر نہیں ہوتی جتنی بندگانِ خدا کی ہوتی ہے۔ ان کی غم خواری اور دُکھ درد بانٹنے کے طریقے بھی بڑے عجیب ہوتے ہیں۔ حضرت بشر حافی علیہ الرحمہ (م ۲۲۷ھ) وہ بلند پایہ صوفی اور مقبول بارگاہِ الٰہی ہیں کہ ان کی زندگی میں مویشی بھی بغداد کی گلیوں میں لید نہیں کیا کرتے تھے کہ مبادا بشر حافی کے ننگے پاؤں خراب نہ ہو جائیں۔ انہوں نے اللہ کے نام کی عزت کی تھی اللہ نے ان کی ذات کو حیوانات کے لیے بھی معزز بنا دیا۔

ان کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک دن جب کہ سخت سردی پڑ رہی تھی کپڑے اُتار دیئے اور خود ٹھٹھر رہے تھے۔ ہم نے ان سے پُوچھا: "اے ابونصر! کیا بات ہے؟"

فرمایا: "مجھے فقیر یاد آ گئے تھے کہ ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا اور ان کی غم خواری کے لیے میرے پاس بھی کچھ نہ تھا لہٰذا میں نے بھی پسند کیا کہ اپنی ذات کے ساتھ ان سے غم خواری کروں۔"

۱) کتاب اللمع فی التصوف از ابونصر سراج طوسی ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ص ۳۰۱)

۲) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب الصوم ج ۲ ص ۲۲۹ طبع ملتان)

☆...... بعض اہلِ علم سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں بغداد میں ایک تاجر رہتا تھا۔ میں اس کو ہمیشہ صوفیاء کی بُرائی کرتے سنتا اس کے بعد میں نے اسے دیکھا کہ

ہر وقت ان کی صحبت میں رہتا تھا اور اپنا سارا مال ان پر خرچ کر دیا۔ میں نے اس سے سوال کیا: ”تو توان سے باز رہتا تھا؟“

کہنے لگا: ”میں نے ایک دن جمعہ کی نماز پڑھی‘ میں نے حضرت بشر کو دیکھا کہ سرعت کے ساتھ جامع مسجد سے نکل کر جا رہے تھے۔ میں نے اپنے جی میں کہا کہ دیکھوں اس شخص کو جو بڑا صوفی مشہور ہے اور ایک لحظہ مسجد میں نہیں ٹھہرتا ہے یہ کہاں جاتا ہے اس نے بازار میں نانبائی کے یہاں سے نرم نرم روٹیاں خریدیں‘ میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ صوفی ہیں‘ نرم نرم روٹیاں خریدتے ہیں پھر کبابی کے یہاں سے ایک درہم کے کباب خریدے میرا غصہ اور زیادہ ہوا وہاں سے حلوائی کے یہاں آ کر فالودہ خریدا ایک درہم کا۔ میں اپنے دل میں کہتا تھا جب یہ کھانے بیٹھے گا تو اس پر عیش تلخ کر دوں گا اور اس نے جنگل کا راستہ لیا۔ مجھے یہ خیال آیا کہ اسے سبزہ زار کی تلاش ہے وہاں بیٹھ کر کھائے گا چنانچہ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ وہ عصر تک چلتا رہا۔ عصر کے وقت ایک گاؤں میں پہنچا اور ایک مسجد میں داخل ہوا اور وہاں ایک مریض تھا اس کے سرہانے بیٹھ کر اسے کھلانے لگا۔ میں گاؤں دیکھنے کے ارادے سے نکلا اور تھوڑی دیر کے بعد واپس لوٹا تو انہیں نہ پایا۔ میں نے اس مریض سے پوچھا کہ بشر کہاں گئے؟ اس نے کہا کہ وہ بغداد کو لوٹ گئے۔ میں نے دریافت کیا کہ بغداد کا یہاں سے کس قدر فاصلہ ہے اس نے کہا چالیس فرسخ یعنی پانچ منزل ہیں۔ میں نے کہا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میں نے اپنے اوپر یہ کیا مصیبت ڈالی۔ نہ میرے پاس اتنے دام ہیں جو کوئی سواری کرایہ پر کروں نہ اتنی طاقت ہے کہ اتنی دور چل سکوں اس مریض نے کہا ان کے پھر آنے تک یہاں قیام کرو چنانچہ دوسرے جمعہ تک وہاں رہا اور بشر اسی وقت پر پہنچے اور ان کے ساتھ وہی مریض کی خوراک تھی جب کھلا چکے تو اس مریض نے کہا: ”اے ابونصر! یہ شخص تمہارے ساتھ جمعہ گزشتہ میں آیا تھا اور ایک ہفتہ تک یہاں پڑا رہا۔ اسے پہنچا دو۔“

سوداگر کہتا ہے: ”انہوں نے غصہ سے مجھے گھورا اور کہا:

”کیوں میرے ساتھ آیا تھا؟“

میں نے کہا: ''خطا ہوئی'' ۔ کہا: ''اُٹھ چل!''

میں ان کے پیچھے مغرب تک چلا جب شہر کے قریب پہنچے تو پوچھا:

''تمہارا محلہ کونسا ہے؟'' میں نے کہا: ''فلاں محلہ ہے۔''

کہا: ''اچھا جاؤ پھر دوبارہ ایسا مت کیجیو۔''

جب سے میں نے توبہ کی اور ان کی صحبت اختیار کی اور میں اسی توبہ پر قائم ہوں۔

(نزہۃ البساتین اردو ترجمہ روضۃ الریاحین' ص ۲۴۵)

☆......خواجہ فرید الدین عطار نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید' اپنے وزیر فضل کے ہمراہ خواجہ فضیل بن عیاض (متوفی ۱۸۷ھ) کے درِ دولت پر حاضر ہوا' دروازہ کھٹکھٹایا: ''پوچھا کون ہے؟'' وزیر نے جواب دیا: ''امیر المومنین!''

خواجہ فضیل نے فرمایا: ''امیر المومنین کو مجھ سے کیا کام؟ اور مجھے ان سے کیا واسطہ؟''

وزیر نے کہا: ''بادشاہ کی اطاعت واجب ہے۔'' فرمایا: ''مجھے حیران نہ کرو۔''

وزیر نے کہا: ''اندر آنے کی اجازت دو ورنہ ہم حکماً اندر آ جائیں گے۔''

فرمایا: ''اجازت تو نہیں دیتا' حکماً اندر آ سکتے ہو۔''

چنانچہ وزیر اور خلیفہ اندر آ گئے۔ خواجہ فضیل نے چراغ گل کر دیا تا کہ ہارون الرشید کو نہ دیکھ سکیں اسی اثناء میں ہارون کا ہاتھ آپ کے ہاتھ سے چھو گیا۔ فرمایا:

''کیسا نرم ہاتھ ہے کاش کہ دوزخ کی آگ سے بچ جائے۔''

خلیفہ نے درخواست کی: ''کچھ ہدایت فرمائیے۔''

جواب دیا: ''تیرا باپ حضور ﷺ کا چچا تھا۔ حضور پاک ﷺ سے اس نے درخواست کی تھی کہ مجھے کسی صوبے کا حاکم بنا دو تو آپ نے فرمایا:

یاعم ملك نفسك ۔ ''اے چچا! تجھے تیرے نفس کا امیر کیا۔''

ہارون الرشید بولا: ''کچھ اور فرمائیے۔''

فرمایا: ''یہ ملک تیرا گھر ہے اور خلقت تیری اولاد۔ ماں باپ کے ساتھ نرمی' بہن بھائیوں پر مہربانی' بچے بچیوں سے نیک سلوک کر اگر کوئی مفلس بڑھیا رات کو بھوکی سو جائے

گی تو قیامت کے دن وہ بھی تیری دامن گیر ہوگی' تیرے ساتھ جھگڑے کی۔"

(تاریخ مشائخ چشت ص ۷۵۔ ۷۶ بحوالہ تذکرۃ الاولیاء)

☆...... خطیب بغدادی نے اپنی سند سے روایت بیان کرتے ہوئے حضرت سری سقطی (۲۵۷ھ) کی انسانی ہمدردی اور خیر خواہی اعلان حیاط نامی راوی کی زبانی یہ چشم دید واقعہ لکھا ہے: "میں (علان) ایک دن حضرت سری سقطی کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک خاتون آئی اور کہا: "اے ابوالحسن! (یہ سری سقطی کی کنیت ہے) میں آپ کے پڑوس میں رہتی ہوں۔ مسئلہ یہ ہے کہ گزشتہ رات بادشاہ کے آدمی میرے بیٹے کو پکڑ کر لے گئے ہیں' مجھے خدشہ ہے کہ وہ اسے کوئی تکلیف نہ پہنچائیں لہٰذا آپ مناسب سمجھیں تو میرے ساتھ چلیں ورنہ ان لوگوں کو بلا کر میرے بیٹے کو واگزار کرادیں۔"

علان کہتے ہیں' میں توقع کر رہا تھا کہ آپ ان لوگوں کو بلا بھیجیں گے مگر آپ اٹھے اور نماز نفل کی نیت باندھ لی اور بڑا لمبا قیام اور لمبا رکوع وجود کیا اس عورت نے کہا: "ابوالحسن! میرے معاملے میں اللہ سے ڈریئے' مجھے ڈر ہے کہ بادشاہ کہیں میرے بیٹے کو تکلیف نہ پہنچائے۔"

آپ نے سلام پھیرا اور عورت سے کہا: "اللہ کی بندی! تمہارے ہی کام میں لگا ہوا ہوں (یعنی دعا کر رہا ہوں)"

علان کہتے ہیں اسی دوران ایک دوسری عورت آگئی اور اس نے پہلی عورت سے کہا:

"آؤ چلو تمہارے بیٹے کو بادشاہ کے آدمیوں نے چھوڑ دیا ہے۔"

(تاریخ بغداد للخطیب بغدادی ج ۹ ص ۱۸۹ طبع مصر ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء)

سبحان اللہ کیا حسنِ اخلاق اور ہمدردی و خیر خواہی کا جذبہ ہے' یہ نہیں فرمایا کہ اچھا تمہارا کام کروں گا بلکہ فوراً ساری مصروفیات چھوڑ کر اس ذاتِ گرامی کی طرف رجوع کیا جو "مقلب القلوب والابصار" ہے۔ ربِ کریم کی لجپال ذات اپنے بندے کی پُرخلوص دعا کو کیسے رد فرماتی۔ دعا گویا سیدھی عرشِ معلی پر پہنچی اور عرشِ عظیم کے مالک نے دعا کے نتیجے میں بادشاہ کو بے چاری خاتون کے بیٹے کو رہا کرنے پر مائل فرمادیا۔ اللہ نے اپنے بندے کو

بادشاہ کے پاس جانے کی زحمت سے محفوظ رکھا اور خاتون کا بیٹا بھی رہا کرادیا۔

☆...... لگے ہاتھوں خلقِ خدا کے ساتھ آپ کی ہمدردی وغم خواری کا ایک دوسرا ایمان افروز واقعہ بھی ملاحظہ کر لیجیے۔ وہ یہ کہ ایک دفعہ بازار میں آگ لگ گئی۔ جب یہ خبر حضرت شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے سنی تو کہا: ''مقامِ شکر ہے' متاعِ دنیا سے خلاصی پائی۔''

جب آگ بجھ گئی تو معلوم ہوا کہ شیخ کی دُکان بچ گئی ہے۔ یہ سن کر نہایت رنجیدہ ہوئے اور فرمایا: ''مسلمان بھائیوں کے ساتھ نقصان میں موافقت کرنا واجبات سے ہے۔''

تمام مال راہِ خدا میں درویشوں کو دے دیا۔

(خزینۃ الاصفیاء مترجم از غلام سرور لاہوری ج ۱ ص ۱۳۱)

رسالہ قشیریہ میں ہے کہ دُکان بچنے کی اطلاع پر انہوں نے الحمدللہ کہا مگر بعد میں تیس سال تک اس الحمدللہ کہنے پر استغفار کرتے رہے اور اللہ سے معافی چاہتے رہے اس لیے کہ انہوں نے ایک مصیبت میں جس میں سب مسلمان مبتلا تھے' اپنے نفس کے لیے بھلائی چاہی تھی۔ (ص ۱۳۰ مترجم طبع اسلام آباد ۱۹۸۴ء)

(۳۱)

امام حسن بصری اور حجاج بن یوسف ثقفی

حجاج بن یوسف ثقفی سلطنتِ بنواُمیہ کا وہ ظالم وسفاک گورنر ہے جس نے ایک لاکھ آدمیوں کو اپنی تلوار سے قتل کیا اور جو لوگ اس کے حکم سے قتل کیے گئے ان کا تو شمار ہی نہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''اگر ساری اُمتیں اپنے اپنے منافقوں کو لائیں اور ہم صرف ایک حجاج کو پیش کر دیں تو ہمارا ہی پلہ بھاری رہے گا۔''

ایک مرتبہ اسی حجاج بن یوسف کا قاصد حضرت خواجہ حسن بصری کی درس گاہِ حدیث میں آیا اور پوچھا: ''کیا آپ حجاج کی طرف اشارہ کر کے منبر پر یہ فرمایا کرتے ہیں کہ پہلے نفاق نقاب اور برقع میں چھپا رہتا تھا مگر اب وہ عمامہ باندھ کر تلوار لٹکا کر گھومتا پھرتا رہتا ہے؟''

آپ نے فرمایا: ''ہاں! بے شک میں یہ بات لوگوں سے کہا کرتا ہوں۔''

قاصد نے کہا: ''یہ بات آپ کو کہنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اس کام سے حجاج گورنر کو بہت ناگواری ہوتی ہے؟''

آپ نے فرمایا: ''میں اس لیے یہ بات کہا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم عالموں سے یہ عہد لیا ہے کہ ہم حق بات کو کبھی نہ چھپائیں اور کلمہ حق کو علی الاعلان بیان کرتے رہیں۔''

قرآن میں خداوندِ عالم کا فرمان ہے: لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۔

''ضرور ضرور لوگوں سے حق بات کہہ دو اور حق کو کبھی نہ چھپاؤ۔''

حجاج کا قاصد آپ کی اس عالمانہ جرأت اور مجاہدانہ شجاعت پر حیران رہ گیا۔

(روح البیان ج ۲ ص ۱۴۲)

(۲۲)

حق گو، بے باک اور خوددار امام

ہارون بن رشید بن مہدی محمد منصور ابو جعفر، کا شجرۂ نسب عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم سے ملتا ہے۔ آپ کی والدہ خیزران تھیں، آپ کی ولادت ماہِ شوال ۱۴۸ھ میں ہوئی، آپ کی شادی آپ کے چچا ابو جعفر کی صاحب زادی اُم جعفر زبیدہ سے ہوئی جس کے بطن سے امین کی ولادت ہوئی۔ ہارون رشید کی وفات جمادی الاخریٰ ۱۹۳ھ میں ہوئی اور امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ائمہ اربعہ میں سے ایک ہیں۔ آپ کی ولادت مدینہ منورہ میں ۹۳ھ میں ہوئی جہاں آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے آثار دیکھے اور تابعین سے علمِ حدیث حاصل کیا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی پرورش و پرداخت ایک علمی خانوادے میں ہوئی جہاں اثر و حدیث اور اخبارِ صحابہ سے متعلق علم موجود تھا۔ آپ کے دادا مالک بن ابی عامر کبار تابعین اور بلند پایہ علماء میں سے تھے جب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ و آثار میں اپنی تعلیم مکمل کی تو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں درس و افتاء کا سلسلہ شروع کیا۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کی مسند کی جگہ بھی وہی تھی جہاں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مشورہ اور حکم و قضا کے لیے بیٹھا کرتے تھے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی وفات نوے سال کی عمر میں ۱۷۹ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔

بہر حال! جب ہارون الرشید مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو ان کی نگاہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پر پڑی جو مسندِ تدریس پر جلوہ افروز تھے۔

وہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: ''امام مالک رحمۃ اللہ علیہ! میری خواہش ہے کہ

میں بھی علم حاصل کروں، کیا آپ کے لیے ممکن ہے کہ میرے گھر تشریف لائیں اور ہمیں علم سکھائیں؟'' امام مالک رحمۃ اللہ علیہ: یَا هَارُوْنُ، اِنَّ الْعِلْمَ لَا یَأْتِیْ وَلٰکِنَّهٗ یُؤْتٰی اِلَیْهِ۔

''اے ہارون! علم کسی کے پاس خود چل کر نہیں جاتا بلکہ علم کے خوگر خود ہی اپنی تشنگی بجھانے کے لیے چشمہ ہائے علم کی طرف لپکتے ہیں۔''

ہارون الرشید نے کہا: ''سچ فرمایا آپ نے اے امام دارالھجرۃ! میں عنقریب مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر آپ کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہ کروں گا۔''

امام مالک: ''ہارون الرشید! اگر آپ کی تشریف آوری میں تاخیر ہوئی تو پھر مسجد کے اندر موجود طالبانِ علومِ نبوت کی گردنیں پھلانگ کر آگے بیٹھنے کی اجازت نہ ہوگی۔''

ہارون الرشید: ''امام صاحب! آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔''

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اگلے دن نمازِ عصر کے بعد درس دے رہے تھے کہ آپ کی نگاہ ہارون الرشید پر پڑی جو مسجد کے اندر موجود کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر آپ کے کلام کا انداز بدل گیا اور فرمایا: ''رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ وَمَنْ تَکَبَّرَ قَصَمَهُ اللّٰهُ۔

(مجمع الزوائد: ۸/۸۲)

''جو اللہ کے لیے تواضع وانکساری اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلندی ورفعت عطا کرتا ہے اور جو تکبر اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے تباہ کر دیتا ہے۔''

ہارون الرشید اشارہ سمجھ گیا اور کرسی ہٹانے کا حکم دیا پھر زمین پر دوسرے شاگردوں کے ساتھ بیٹھ گیا۔

اس کے بعد امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کی پیشانی کو بوسہ دے کر چار سو دینار کا تحفہ پیش کیا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''امیر المومنین! میری معذرت قبول کریں، میں صدقے کا مستحق نہیں ہوں اور نہ ہی ہدیہ قبول کرتا ہوں۔''

ہارون الرشید: ''آخر ہدیہ قبول کرنے میں حرج کیا ہے؟ جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ہدیہ قبول فرمایا ہے؟" امام مالک: "میں کوئی نبی نہیں ہوں۔"

چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے وہ دینار نہایت احترام کے ساتھ خلیفہ کو واپس کر دیئے۔

(واضح رہے کہ شریعت میں ہدیہ قبول کرنا درست ہے مگر اہلِ علم و تقویٰ حکام کے تحائف سے ہمیشہ اس لیے دامن کشاں رہے ہیں کہ ان کا مال عام طور پر ظلم کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے۔ نیز یہ کلمہ حق کی ادائیگی میں رکاوٹ بنتا ہے)

اب ہارون رشید اس بات پر بضد ہوا کہ امام صاحب بغداد کا دورہ کریں جو ان دنوں خلافت عباسیہ کا دارالخلافہ تھا اور علمی مرکز بھی تھا مگر امام صاحب نے اس کی دعوت کو بھی یہ کہہ کر مسترد کر دیا: واللہ! لا ارضی بجوار رسول اللہ ﷺ بدیلا۔

"اللہ کی قسم! میں رسول اللہ ﷺ کی ہمسائیگی کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ کی زیارت نہیں کر سکتا۔" (ماخوذ از سنہرے اوراق)

(۲۳)

آدمی کا اصل ٹھکانا

بیان کرتے ہیں کہ ایک بادشاہ کافر تھا اور اس کا وزیر مسلمان صالح تھا۔ وزیر بادشاہ کی نصیحت کا منتظر رہتا تھا۔ ایک رات بادشاہ نے وزیر سے کہا: ''چلو! ہم تم سوار ہوں اور لوگوں کا حال دیکھیں۔''

چنانچہ دونوں سوار ہوئے اور ایک راستہ میں گزرے۔ ناگاہ ایک ایسا محل دیکھا جو پہاڑ کے مثل تھا اور اس میں آگ روشن تھی۔ پس یہ دونوں اس کی طرف گئے اور دیکھا کہ وہ ایسا مکان ہے کہ اس سے سرود اور تار ہائے ساز کی آوازیں آ رہی ہیں۔ انہوں نے اس میں ایک ایسے آدمی کو بھی دیکھا جس کے کپڑے نہایت ہی بوسیدہ ہیں اور وہ گوبر کے تودہ اور ڈھیر پر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھا ہے اور اس کے سامنے مٹی کا ایک بدھنا ہے اور ایک رسی یا کملی ہے اور اس کی بی بی اس کے سامنے موجود ہے اور اس کا سلام کرنا بادشاہوں کے سلام کی طرح تھا۔ یہ شخص اپنی بی بی کو اس طرح سلام کرتا تھا جس طرح عورتوں کی سردار کو سلام کیا جاتا ہے۔ پس بادشاہ نے کہا: ''شاید یہ دونوں ہر رات کو ایسا ہی کرتے ہیں۔''

اس وقت وزیر نے فرصت کو غنیمت جانا اور بادشاہ سے کہا: ''اے بادشاہ! میں ڈرتا ہوں کہ ان دونوں کی طرح آپ بھی دھوکے میں ہیں۔'' بادشاہ نے کہا: ''یہ کیونکر؟''

وزیر نے کہا: ''آپ کا ملک اس کی آنکھ میں جو عالم بالا کو پہچانتا ہے اس گھوڑے کی مثل ہے جو آپ کی نظر میں ہے اور اسی طرح آپ کا تکیہ اور آپ کے محلات اور آپ کا جسم اور آپ کا لباس اس شخص کے نزدیک جو پاکیزگی اور تازگی کو پہچانتا ہے' ان دونوں کی مثل ہے جو آپ کی نظر میں ہیں۔''

پس بادشاہ نے کہا: ''وہ کون لوگ ہیں جن کی یہ صفت ہے؟''

وزیر نے کہا: ''وہ اہلِ مدینہ ہیں کہ اس میں خوشی ہے اور غم نہیں اور نور ہے اندھیری نہیں اور امن و اطمینان ہے خوف نہیں۔''

اس کے بعد بادشاہ نے وزیر سے کہا: ''کیا چیز تم کو مانع ہوئی کہ تم نے آج سے پہلے مجھے اس کی خبر نہ کی؟''

وزیر نے اس سے کہا: ''تیری ہیبت اور خوف نے مجھے اس سے باز رکھا۔''

پس بادشاہ نے وزیر سے کہا: ''جو کچھ تم نے بیان کیا ہے اگر یہ حق اور ٹھیک ہے تو ہمیں لائق ہے کہ ہم اپنی رات اور اپنا دن اسی میں صرف کریں۔''

وزیر نے بادشاہ سے کہا: ''کیا آپ حکم دیتے ہیں کہ میں آپ کے لیے اس کو تلاش کروں؟''

بادشاہ نے کہا: ''ہاں!'' چنانچہ چند دنوں کے بعد وزیر نے بادشاہ سے کہا: ''اے بادشاہ! میں نے آپ کا مقصد ان شعروں میں پایا جو آپ کے آباء و اجداد کی قبروں پر لکھے ہوئے ہیں۔'' بادشاہ نے کہا: ''وہ اشعار کیا ہیں؟'' پس وزیر نے عرض کیا:

اتعمی عن الدنیا وانت بصیر الخ

''کیا تو دنیا سے اندھا ہو گیا ہے حالانکہ تو والا ہے اور کیا جو کچھ دنیا میں ہے اس کو تو نہیں جانتا ہے حالانکہ تو باخبر ہے اور تو دنیا کو آباد کرنے لگا گویا تو ہمیشہ رہے گا حالانکہ جو کچھ تو نے بنایا ہے کل اس کو چھوڑ کر چلتا بنے گا اور تو فخر و ناز کے ساتھ دنیا میں بلند عمارت تیار کرتا ہے اور حال یہ ہے کہ قبروں میں تیرے ٹھکانے کی جگہ چھوٹا سا گھر ہے اور اس کو لے اور یاد کر پس ہر وہ چیز تو جو کرنے والا ہو کر بلاشک مردوں کے گھر قبریں ہیں پس جب بادشاہ نے یہ سنا تو اس نے اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع کیا اور توبہ کی اور مسلمان ہوا اور یہ اس کی نجات کا سبب ہوا۔'' (نوادر القلیوبی)

(۲۴)

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے

حضرت سیدنا احمد بن علی الیمی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ہم حضرت سیدنا ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی محفل میں حاضر تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی کرامات کے متعلق ارشادات فرما رہے تھے اتنے میں حاضرین میں سے کسی نے پوچھا: ''اے ابوفیض رحمۃ اللہ علیہ! کیا آپ نے کسی صاحب کرامت ولی کو دیکھا ہے؟''

یہ سن کر حضرت سیدنا ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ یوں گویا ہوئے: ''ایک مرتبہ ایک خراسانی نوجوان سات دن تک میرے ساتھ مسجد میں رہا اس دوران اس نے کچھ بھی نہ کھایا۔ میں نے کئی مرتبہ کھانے کی دعوت دی مگر اس نے ہر بار انکار کر دیا۔ ایک مرتبہ ایک سائل نے کوئی چیز مانگی تو خراسانی نوجوان نے کہا: ''اگر تو مخلوق کو چھوڑ کر خالق سے مانگتا تو وہ تجھے مخلوق سے بے نیاز کر دیتا۔'' سائل نے کہا: ''میں ابھی اس مقام تک نہیں پہنچا۔''

کہا: ''بتا تو کیا چاہتا ہے؟''

کہا: ''میرا فاقہ دُور ہو جائے اور میری ستر پوشی رہے۔''

خراسانی نوجوان نے محراب کی جانب جا کر دو رکعت نماز ادا کی جب واپس آیا تو عمدہ پھلوں سے بھرا ہوا تھال اور بالکل نئے کپڑے اس کے پاس تھے جو اس نے سائل کو تھما دیئے۔ حضرت سیدنا ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں نے نوجوان سے کہا: ''اے اللہ تعالیٰ کے بندے! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اتنا بلند مرتبہ ہونے کے باوجود تو نے ایک لقمہ بھی نہیں کھایا حالانکہ تو سات دن سے بھوکا ہے۔''

میری یہ بات سن کر اسے ہنسی سی ہونے لگی پھر مجھ سے کہا: ''اے ابوفیض! یہ کیسے ہو سکتا

ہے کہ دل رضائے الٰہی کے نور سے منور ہو پھر بھی زبان اس سے کوئی چیز طلب کرے؟''

میں نے کہا: ''جو لوگ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوں کیا وہ اس سے سوال نہیں کرتے؟''

کہا: ''رضا کے کئی درجے ہیں۔ بعض لوگ اس درجے میں ہیں کہ ولولۂ شوق ومحبت میں اس سے سوال کرتے ہیں' بعض ایسے ہیں کہ کسی طرح سوال نہیں کرتے' بعض ایسے ہیں کہ اپنے لیے تو اس سے کچھ نہیں مانگتے لیکن دوسروں پر رحم کرتے ہوئے ان کے لیے سوال کرتے ہیں۔''

ابھی گفتگو جاری تھی کہ جماعت کھڑی ہوگئی اس نے ہمارے ساتھ عشاء کی نماز ادا کی پھر پانی کا برتن اُٹھا کر مسجد سے باہر چلا گیا' ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ طہارت کے لیے جا رہا ہو لیکن پھر وہ واپس نہ آیا اور نہ ہی دوبارہ میں نے کبھی اسے دیکھا۔ (عیون الحکایات)

(۲۵)

ہیں لوگ یہی جہاں میں اچھے

حضرت شیخ حاجی شریف زندنی کے دیار میں فقراء میں سے ایک شخص رہتا تھا جس کی سات جواں لڑکیاں تھیں، وہ فقر وفاقہ میں ہمیشہ مبتلا رہتا تھا اور اس کی وجہ سے بہت پریشان اور بے بس تھا۔ ایک دن آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس نے عرض حال کیا: ''حضرت شیخ نے فرمایا کہ اے درویش! آج جتنی تکلیف اُٹھاؤ گے کل آرام پاؤ گے۔''

اس نے عرض کی: ''حضرت! میری طرف خاص توجہ فرمائیے کہ میں اپنی جواں لڑکیوں کے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔''

حضرت شیخ کے یہاں اس وقت کچھ موجود نہ تھا اس لیے انہوں نے فرمایا: ''آج جاؤ' کل آنا۔''

حضرت شیخ کے فرمانے کے مطابق وہ واپس ہو گیا۔ واپسی میں اسے ایک آتش پرست ملا۔ اس نے پوچھا: ''درویش! کیا حال ہے؟ کہاں جا رہے ہو؟''

اس نے جواب دیا: ''میری سات جوان لڑکیاں ہیں اور سبکدوش ہونے کے لیے پاس میں ایک پیسہ بھی نہیں۔ سخت عاجز اور بے بس ہو رہا ہوں۔''

حضرت شیخ حاجی شریف کے پاس اپنی حالت بیان کرنے گیا تھا' انہوں نے کل بلایا ہے' ناامید جا رہا ہوں۔ دیکھیں کیا صورت پیدا ہوتی ہے۔''

اس مجوسی نے کہا: ''اے فقیر! حضرت شیخ تو خود ہی نادار ہیں اور تم سے بھی زیادہ فقر میں مبتلا ہیں وہ کیا تمہیں دیں گے اسی لیے انہوں نے تم سے بہانہ کیا ہوگا۔ جاؤ اور ان سے کہو کہ اگر سات برس تک میری خدمت گزاری قبول کریں اور جو میں کہوں اس کو بجا لائیں تو

میں سات ہزار دیناران کو دے سکتا ہوں۔'' فقیر لوٹا اور سارا ماجرا حضرت شیخ سے کہہ سنایا۔

حضرت شیخ نے تمام باتوں کو سن کر فرمایا: ''سبحان اللہ! اس سے بہتر کیا ہوگا کہ میری سات سال کی خدمت گزاری کے بدلے کسی غریب حاجت مند کی ضرورت پوری ہو جائے۔''

پھر حضرت شیخ اس فقیر کو ساتھ لیے ہوئے اس مجوسی کے پاس پہنچے اور جو کچھ اس مجوسی نے کہا' اس کو قبول کر لیا۔ مجوسی نے قاضی شہر کے سامنے جا کر خط بندگی ان سے لکھوالیا اور سات ہزار دیناران کو دے دیا۔ حضرت خواجہ نے وہ سب دینار اس فقیر کو دے دیئے کہ جا کر لڑکیوں کی شادی انجام دے اور خود اس مجوسی کی خدمت گزاری کے لیے اس کے پاس ٹھہر گئے اس مجوسی نے ان کے سپرد رات کی پاسبانی کی اور حضرت شیخ مستعدی کے ساتھ اس کے حکم کی تعمیل میں لگ گئے۔ خلیفہ ان کا معتقد تھا اس کو یہ خبر معلوم ہوئی اس نے فوراً سات ہزار دینار اور سات ہزار درہم حضرت خواجہ کی خدمت میں روانہ کیے اور کہلا بھیجا کہ سات ہزار دینار اس مجوسی کو دے کر اس سے نجات حاصل کریں اور سات ہزار درہم اپنی ضرورت پر خرچ فرمائیں۔ حضرت شیخ حاجی شریف زندنی نے وہ تمام دینار و درہم فقراء اور حاجت مندوں میں تقسیم کر دیئے اور کہا: ''میں نے سات سال تک اس مجوسی کی خدمت کرنے کا عہد کیا ہے وہ تو مجھے پورا کرنا ہی ہے۔''

یہ خبر جب اس مجوسی کو ملی تو اس نے حضرت سے آ کر پوچھا: ''اے شیخ جب خلیفہ وقت نے آپ کی خلاصی کے لیے دینار و درہم بھیجا تو پھر آپ نے اس سے فائدہ کیوں نہیں اُٹھایا۔ اپنی خلاصی کرا لیتے تا کہ اس کڑی خدمت کی تکلیف سے بچ جاتے۔''

حضرت شیخ نے جواب دیا: ''تم اس محنت اور تکلیف کی لذت اور قدر کو کیا جانو' میرا اللہ فقر اور محنت کو پسند کرتا ہے اور میں اپنے خدا کو پسند کرتا ہوں پھر جس میں وہ راضی ہو اسی میں میرے لیے راحت ہے' اللہ دل جوئی کو پسند کرتا ہے اور دل جوئی کرنے والوں کو اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے۔''

مجوسی حضرت شیخ کی باتوں سے بہت زیادہ متاثر ہوا اور کہا: ''حضرت میں نے اپنی

خوشی سے آپ کو آزاد کیا۔ آپ جایئے اور دلجمعی سے اپنے اللہ کے کاموں میں مشغول رہیے۔"

حضرت شریف زندنی نے فرمایا: "جب تو نے مجھ کو آزاد کیا ہے تو پھر تجھ کو اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ سے آزاد فرمائے گا۔"

زبان مبارک سے اس جملہ کے نکلتے ہی وہ مجوسی اسلام کی طرف مائل ہو گیا اور فوراً کلمہ طیبہ پڑھ کر سچے دل سے مسلمان ہو گیا۔ سب کچھ چھوڑ کر حضرت شیخ کی خدمت کی اور شیخ کامل بن گیا۔ (سیر الاقطاب (اردو) ص ۱۲۶ تا ۱۲۸ طبع نفیس اکیڈمی' کراچی)

میں غلام ہوں بابا فرید کا

☆...... دہلی آمد اور حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی جانشینی کا تیسرا روز تھا کہ ہانسی سے آپ کا ایک آشنائے قدیم و معتقد سرہنگا نامی آپ کے اشتیاق میں دہلی آیا۔ خادموں نے اندر جانے نہیں دیا۔ معتقدین و خدام کے ہجوم سے اس درویش کو ملاقات میسر نہ آئی۔ سرہنگا حضرت کے قدموں پر گر گیا اور رو کر کہا: "جب تک آپ ہانسی میں تھے' آسانی اور بے تکلفی سے مل لیا کرتا تھا اب یہاں ہم جیسے غریبوں کا کام نہیں۔"

شیخ کے دل پر چوٹ لگی اور سمجھے کہ تنبیہ غیبی ہے۔ دہلی میں سکون اور عوام و فقراء سے ملنے جلنے کا موقع نہیں اپنی مزید تکمیل و ترقی مطلوب تھی' آپ نے اسی وقت اپنے دوستوں سے کہا: "میں ہانسی جاؤں گا۔"

حاضرین نے عرض کیا: "شیخ قطب الدین نے تو آپ کو اس جگہ پر بٹھایا ہے' آپ کہاں جاتے ہیں؟"

فرمایا: "پیر نے اپنی امانت سپرد کر دی ہے' شہر میں رہوں یا بیابان میں وہ ساتھ ہے۔" (سیر الاولیاء ص ۷۲ تاریخ دعوت و عزیمت حصہ سوم ص ۳۸)

☆...... بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ بے حد حلیم الطبع تھے' فوائد الفواد میں ہے کہ ایک مرتبہ پانچ درویش جو نہایت درشت مزاج اور سخت تھے ان درویشوں نے نہایت کرخت اور ناگوار لہجے میں کہا:

"ہم اتنی جگہ گئے لیکن ہمیں آج تک کوئی درویش نہ ملا۔"

یہ کہہ کر وہ اُٹھے، حضرت بابا فرید نے انہیں فرمایا:

"بیٹھو تا کہ میں تم کو درویش دکھاؤں۔"

لیکن وہ نہایت ناگواری سے روانہ ہونے لگے۔ آپ نے فرمایا:

"خیر اگر تم جاتے ہی ہو تو بیابان کی راہ مت جاؤ کوئی دوسرا راستہ اختیار کرو لیکن وہ نہ مانے اور بیابان کی راہ سے روانہ ہوئے۔ آپ نے ان کے پیچھے آدمی دوڑایا تا کہ وہ دیکھے کہ وہ درویش کس راستے سے جا رہے ہیں۔ وہ آدمی خبر لایا کہ درویش بیابان کی راہ سے روانہ ہو چکے ہیں۔ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سنا تو اس طرح رونے لگے جیسے کوئی ماتم کرتا ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ بیابان میں بادِ سموم چلی، ان میں سے چار درویش بادِ سموم میں ہلاک ہو گئے۔ صرف ایک باقی بچا جس نے کنویں کے پاس پہنچ کر اس قدر پانی پیا کہ ہلاک ہو گیا۔

(تذکرہ صوفیائے پنجاب (بحوالہ فوائد الفواد) مؤلفہ جناب اعجاز الحق قدوسی، ص ۳۶۲)

یہ اہلِ قلوب غمِ دنیا سے فارغ البال لیکن دنیا والوں کے غم اور خلقِ خدا کی فکروں سے نڈھال اور خستہ حال رہتے ہیں، وہ اپنا غم بھلا دیتے ہیں اور ساری دنیا کا غم اپنا غم بنا لیتے ہیں۔ یہ کہنے کا حق درحقیقت انہی کو ہے کہ

سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

می کوش کہ راحت بجانے رسد

خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے نواسے خواجہ شرف الدین سے کسی مجلس میں کسی صوفی نے کہا: "خواجہ نظام الدین عجب فارغ البال بزرگ ہیں۔ مجرد ہیں، اہل و عیال و اطفال کا کوئی تردد ان کو نہیں ہے۔ ان کو ایسا فراغ خاطر حاصل ہے کہ ایک ذرہ غم بھی ان کو چھو نہیں گیا ہے۔"

وہ عزیز اس مجلس سے اُٹھے تو خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چاہتے تھے کہ خود اس کا ذکر کریں لیکن حضرت خواجہ نے خود ہی ارشاد فرمایا: "میاں شرف الدین وہ

رنج وغم جو میرے دل کو وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے شاید ہی کسی دوسرے شخص کو اس سے زیادہ ہوتا ہو۔ جو شخص میرے پاس آتا ہے اپنا حال مجھ سے بیان کرتا ہے اس سے دو چند فکر و تردد اور غم والم مجھے ہوتا ہے' بڑا سنگ دل ہے وہ جس پر اپنے دینی بھائی کا غم اثر نہ کرے اس کے علاوہ یہ جو کہا گیا ہے مخلصین کو بڑا خطرہ درپیش رہتا ہے۔

حضرت خواجہ کے نزدیک مسلمانوں کا دل خوش کرنا اور ان کی دل جوئی و راحت رسانی افضل ترین عمل اور تقرب الی اللہ کا بہترین ذریعہ تھا۔ سیر الاولیاء میں ہے کہ فرمایا: ''مجھے خواب میں ایک کتاب دی گئی اس میں لکھا تھا کہ جہاں تک ہو سکے دِلوں کو راحت پہنچاؤ کہ مومن کا دل اسرارِ ربوبیت کا مقام ہے۔'' کسی بزرگ نے کیا خوب کہا ہے

می کوش کہ راحت بجانے برسد
یا دست شکستہ بنانے برسد

''کوشش کرو کہ کسی انسانی جان کو تم سے آرام پہنچے یا جو دست شکستہ ہے اس کو تمہارے ذریعے سے روٹی ملے۔''

قیامت کے بازار میں کسی سودے کی اتنی قیمت اور چلن نہ ہوگا جتنا دل کا خیال رکھنے اور دل خوش کرنے کا۔

(تاریخ دعوت وعزیمت حصہ سوم ص ۱۱۱۔۱۱۰۔۱۰۹' خیر المجالس ''مترجم'' ص ۹۶' سیر العارفین ص ۱۰۶)

کہاں خون کہاں پسینہ؟

ایک جماعت حضرت خواجہ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ ان میں سے بعض کے لیے سائے میں جگہ نہیں تھی اس لیے وہ دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے سائے میں بیٹھے ہوؤں سے کہا:

''تم لوگ کچھ سمٹ کے بیٹھ جاؤ تا کہ دھوپ میں بیٹھے ہوؤں کو جگہ مل جائے۔''

آپ نے فرمایا: ''وہ لوگ جو دھوپ میں بیٹھے ہیں میں انہیں دیکھ کر جل رہا ہوں۔''

اس مناسبت سے آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔ بدایوں میں ایک بزرگ تھے جنہیں شیخ شاہی موئے تاب کہتے تھے رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ ان کے احباب انہیں سیر و تفریح کے

لیے باہر لے گئے اور وہاں کھیر پکائی' جب کھانا سامنے آیا تو خواجہ شاہی موئے تاب نے کہا:

''اس کھانے میں خیانت نے راہ پائی ہے۔''

بات یہ ہوئی کہ قبل اس کے کہ دودھ احباب کے سامنے لایا جاتا' ان میں سے دو اشخاص نے کچھ دودھ پی لیا تھا اور درویشوں کے ہاں یہ بہت بڑی غلطی ہوتی ہے۔ الغرض جب خواجہ شاہی نے پوچھا: ''یہ کیسے ہوا کہ احباب کے سامنے لائے جانے سے قبل کسی شخص نے اس میں سے کچھ پی لیا ہے؟''

یاروں نے انہیں بتایا: ''دودھ کی دیگ آگ پر رکھی ہوئی تھی' دودھ میں اُبال آیا تو وہ باہر گرنے لگا۔ ہم نے وہ دودھ جو باہر گر رہا تھا' لے لیا اب ہم اس کا کیا کرتے' کیا اسے گرنے دیتے۔ ہم نے اسے پی لیا۔''

خواجہ شاہی نے کہا: ''اس دودھ کا پینا غلطی تھی اس کو گرنے دیا ہوتا۔''

غرض احباب کا عذر قبول نہ ہوا اور وہ بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔

دھوپ نکلی ہوئی تھی' سب لوگ دھوپ میں کھڑے تھے چنانچہ ان کے پسینے چھوٹنے لگے۔ اس حالت میں خواجہ شاہی نے فرمایا: ''حجام کو بلاؤ۔''

احباب نے کہا: ''آپ کیا کریں گے؟''

انہوں نے کہا: ''جس قدر میرے دوستوں کا خون پسینے کی شکل میں بہا ہے' میں حجام سے کہوں گا کہ وہ میرا اتنا خون نکالے۔''

حضرت خواجہ...... یہ بات بیان کرتے ہوئے جب اُن الفاظ پر پہنچے تو فرمانے لگے: ''ایسی محبت پر آفرین اور ایسی انصاف پسندی پر شاباش۔'' (فوائد الفواد ص ۲۰۵۔۲۰۶)

حضرت محبوب الٰہی اور ایک عورت

☆...... حضرت محبوب الٰہی نے ایک عورت کو دیکھا کہ دریائے جمنا کے کنارے ایک کنویں سے پانی بھر کر لے جا رہی ہے۔ آپ نے اس سے کہا: ''تو دریا کو چھوڑ کر کنویں کا پانی کیوں بھرتی ہے؟''

اس نے کہا: ''میرا شوہر غریب ہے' ہمارا گھر کا خرچ مشکل سے چلتا ہے۔ جمنا کا پانی

بھوک زیادہ لگتا ہے اس لیے ہم کنویں کا پانی پیتے ہیں۔“

حضرت یہ سن کر رونے لگے اور خانقاہ میں آکر اپنے خادم سے کہا:

”غیاث پور میں ایک عورت ہے جو جمنا کا پانی نہیں پیتی کیونکہ اس سے بھوک زیادہ لگتی ہے۔ تم جا کر اس سے پوچھو کہ اس کے ماہانہ خرچ میں کتنا خسارہ رہتا ہے؟ اتنا خرچ ہر مہینے اسے ہماری خانقاہ سے دیا کرو اور اس سے کہو کہ جمنا کا پانی پیئے۔“

☆......ایک بار غیاث پور میں آگ لگ گئی' گرمی کا موسم تھا' آپ چلچلاتی دھوپ میں اپنے مکان کی چھت پر کھڑے ہوئے آگ لگنے کا منظر اس وقت تک دیکھتے رہے جب تک وہ بجھ نہ گئی پھر خواجہ اقبال کو بلایا اور فرمایا: ”جا کر گھروں کی گنتی کرو کہ کتنے آگ سے متاثر ہوئے ہیں اور ہر گھر والے کو چاندی کے دو تنکے' دو روٹیاں اور ایک صراحی ٹھنڈے پانی کی پہنچاؤ۔“

بستی کے لوگ اس وقت بہت ہی پریشان اور مضطر تھے۔ جب خواجہ اقبال کھانے کا خوان اور پانی کی صراحی اور چاندی کے تنکے لے کر ہر ایک کے گھر پہنچے تو لوگ خوشی سے آب دیدہ ہو گئے۔ دو تنکے اس زمانے میں اتنی قیمت رکھتے تھے کہ اس سے کئی چھپر ڈلوائے جا سکتے تھے۔

(جام الکلم قلمی ص ۸۷ الف اور ۸۷ ب بحوالہ چشتی تعلیمات از ڈاکٹر نثار احمد فاروقی ۳۸۔۳۹)

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر

پھر اسی موقع کے مناسب حضرت محبوب الٰہی نے زبان مبارک سے فرمایا: ”ایک مرتبہ مولانا کیتھلی میرے پاس آئے' کھانا موجود تھا۔ بشر کو کہا کہ لاؤ اس نے لانے میں دیر کر دی۔ میرے پاس چھوٹی چھڑی تھی اس کی پیٹھ پر ماری۔ مولانا کیتھلی نے اس طرح آہ کی کہ گویا انہیں کی پیٹھ پر لگی ہے۔ میں نے پوچھا آپ نے آہ کیوں بھری؟ فوراً پیٹھ سے کرتہ اٹھا کہ مجھے دکھایا جب میں نے نگاہ کی تو دیکھا اس چھڑی کا اثر آپ کی پیٹھ پر موجود ہے پھر فرمایا کہ ان کو (غلاموں کو) اپنے سے عزیز سمجھنا چاہیے کیونکہ ان میں اس بات کی قدرت نہیں کہ وہ کچھ کہہ سکیں۔“

مولانا کیتھلی نے حضورِ اکرم ﷺ کی معروف حدیث اَلْمُؤْمِنُوْنَ کَجَسَدٍ وَّاحِدٍ۔ "تمام مومنین ایک جسم کی مانند ہیں" کا عملی نمونہ دِکھایا۔"

(افضل الفوائد ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء حصہ اوّل ص ۱۴ مرتبہ امیر خسرو)

☆......تاریخ فیروز شاہی کا مصنف لکھتا ہے:

"حضرت شیخ نصیر الدین نے سلطان فیروز شاہ کو پیغام دیا کہ تم وعدہ کرو کہ اپنے خلق سے مخلوق کے ساتھ عدل وانصاف کرو گے، ورنہ ان بے کس بندگانِ خدا کے لیے اللہ تعالیٰ سے دوسرا فرماں نروا طلب کیا جائے۔ سلطان فیروز نے جواب دیا کہ میں خلقِ خدا کے ساتھ حلم و بردباری کروں گا اور اتفاق ومحبت سے ان پر حکمرانی کروں گا۔"

حضرت شیخ نے جواب دیا: "اگر خلقِ خدا کے ساتھ خلق ومروت کرو گے تو ہم نے بھی تمہارے لیے خدا سے حکومت طلب کی ہے۔"

(تاریخ فیروز شاہی اردو ترجمہ شائع کردہ جامعہ عثمانیہ ص ۲۵)

کون کہہ سکتا ہے کہ فیروز تغلق کے زمانے میں اسلام کو جو فروغ ہوا اور خلقِ خدا کی آسائش کا انتظام ہوا، ان سے عدل وانصاف اور حلم ومروت کا سلوک ہوا اس میں آپ کا جنہوں نے فیروز تغلق کی تخت نشینی میں مدد دی تھی اور اس سے بہت کڑے طریقے سے عدل وانصاف کے وعدے لیے گئے تھے، کوئی حصہ نہ تھا! (آبِ کوثر ص ۴۱۲-۴۱۳)

قیدی کے ساتھ خیر خواہی

تذکرہ ہوا کہ فلاں شخص آپس کے جھگڑوں کی وجہ سے کوتوال کے یہاں قید ہو گیا ہے، اسے بہت تکلیف ہے۔ مولانا شاہ فخر دہلوی نے فرمایا: "اگر کوئی اسے روٹی پہنچا سکتا ہے تو میں اس کو ایک روپیہ دوں گا۔"

اتنے میں کسی نے عرض کیا: "سرکاری داروغہ صاحب آئے ہیں۔"

فرمایا: "بلاؤ!"

وہ آئے، مولانا نے فرمایا: "جس قیدی کے پاس تم کو بھیج رہا ہوں، یہ میرے مریدوں میں نہیں ہے اور نہ میری اس سے کوئی پہچان ہے لیکن میں نے آثار شریف کی درگاہ میں اس

کو قرآن مجید پڑھتے ہوئے دیکھا ہے اس لیے میں اس کی سفارش کر رہا ہوں' امید ہے کہ اس معاملے میں تم کوشش سے دریغ نہ کرو گے۔"

انہوں نے کہا: "ان شاء اللہ روٹی اس آدمی کو پہنچا دوں گا۔"

مولانا نے فرمایا: "یہ روپیہ لو اور اس روپے سے پکی ہوئی روٹی اس کو پہنچا دو۔"

(فخر الطالبین ملفوظات شاہ فخر الدین دہلوی' ص ۱۸۵)

خوئے بد در تن بلائے جاں بود

تجرید و تفرید کے اس بلند مقام کے باوجود جس میں دل میں غبار اور کسی مخلوق سے سروکار کی بھی گنجائش نہیں' آپ کو خلقِ خدا کے حال پر رحمت و شفقت اور مسلمانوں کے حالات و معاملات کی فکر اور اس سے تعلق خاطر رہتا تھا اور صرف اسی لیے شاہانِ وقت سے کبھی کبھی خط و کتابت فرماتے اور ان کو عدل گستری اور داد گیری مظلوموں کی حمایت و حفاظت کی طرف متوجہ کرتے۔ ایک مرتبہ خواجہ عابد ظفر آبادی کا مال تلف ہو گیا تو آپ نے سلطان الشرق فیروز شاہ کو ایک خط تحریر فرمایا اس میں آنحضرت ﷺ اور اصحابِ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی چند حکایتیں اور احادیث نقل کرنے کے بعد جو ظالموں اور مظلوموں کے متعلق ہیں' تحریر فرمایا: "اللہ کا شکر ہے کہ آج وہ معظم و مکرم ذات جو مظلوموں اور بے چاروں کا آسرا ہے اور عدل و انصاف اس کی بارگاہ سے دنیا میں ظاہر ہو رہا ہے اس سعادت تک پہنچ گئی ہے جس کے متعلق پیغمبرِ اسلام ﷺ نے فرمایا ہے: "ایک گھڑی کا عدل ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔" (تاریخ دعوت و عزیمت' حصہ سوم' ص ۲۲۱)

☆...... حضرت قبلہ شاہ سلمان تونسوی قدس سرہ نے فرمایا: "حضرت قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہاروی قدس سرہ کے زمانے میں درویشوں کے درمیان بہت محبت تھی اور نہایت اخلاق سے ایک دوسرے کے ساتھ پیش آتے تھے۔ میں ایک مسجد میں رہا کرتا تھا اور مسجد کے ایک گوشہ میں پشمینہ کا ایک کمبل ڈالا ہوا تھا (اسی میں پڑا رہتا) ایک دفعہ دو آدمی پشاور سے مالائیں فروخت کرنے کے واسطے آئے۔ انہوں نے بھی مسجد میں سکونت اختیار کی۔ رات کو سوتے وقت اگر وہ ہمارے کمبل پر سو جاتے تو ہم زمین پر سو جاتے۔"

ہر کہ خلق از خلق او خوشنود نیست

ہیچ قدرش بردر معبود نیست

خوئے بد در تن بلائے جاں بود

مردمِ بدخو نہ از انسان بود

(ترجمہ نافع السالکین ملفوظات خواجہ سلیمان تونسوی، ص ۳۲۵)

بامسلمان اللہ اللہ بابرہمن رام رام

ایک روز میں (مؤلف ملفوظات) حضرت قبلہ کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ایک ہندو نے آکر حضرت قبلہ کی خدمت میں عرض کیا: ''آپ کی زیارت کا مجھے بہت ہی شوق تھا۔''

حضرت قبلہ قدس سرہ نے فرمایا: ''ہمارے طریقہ میں یہ بات داخل ہے کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے ساتھ صلح رکھی جائے اور پھر یہ بیت بطورِ شہادت کے پڑھا

حافظا گر وصل خواہی صلح کن باخاص و عام

بامسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام

ترجمہ نافع السالکین ملفوظات خواجہ سلیمان تونسوی، ص ۳۶۳)

☆......زبدۃ المقامات ص ۲۷ میں حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت لکھا ہے:

''آپ کی شفقت ورحم دِلی کی یہ حالت تھی کہ ایک دفعہ شہر لاہور میں سخت قحط سالی واقع ہوئی اس زمانے میں آپ شہر لاہور میں تشریف رکھتے تھے کئی روز تک آپ نے کھانا نہیں کھایا جب آپ کے سامنے کھانا لایا جاتا' فرماتے انصاف سے بعید ہے کہ کوئی بھوکا پیاسا گلی کوچوں میں جان دے اور ہم کھانا کھائیں جس قدر کھانا ہوتا سب بھوکوں کے لیے بھجوا دیتے۔'' (شیخ محمد اکرم: رودِ کوثر' ص ۱۹۷' طبع فیروزسنز ۱۹۷۰ء)

☆......حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب (گنج مرادآبادی) قدس سرہ کی خدمت میں ایک نواب آئے اور انہوں نے ایک بہت قیمتی لباس حضرت کو پیش کیا تو حضرت نے فرمایا: ''اسے میں کسی کو نہیں دوں گا اس کو صرف اپنے لیے رکھوں گا۔''

اتنے میں ایک صاحب آئے اور رو کر کہنے لگے: ''میں مفلس آدمی ہوں' میری دو

لڑکیاں جوان ہو چکی ہیں' ان کی شادی کے لیے میرے پاس کچھ نہیں' کیسے انتظام کروں؟''

حضرت نے فرمایا: ''بھائی! میرے پاس اور تو کچھ نہیں ابھی ایک شخص نے ایک عبا پیش کیا تھا' لاؤ اسی کو دے دوں۔'' چنانچہ دے دیا۔

حضرت کے ہاں یہ بھی معمول تھا کہ جو بڑے بڑے لوگ وہاں موجود رہتے تھے وہ اس قسم کی چیزیں تبرکاً خرید لیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بڑے رئیس نے اس عبا کو ایک ہزار روپیہ دے کر خرید لیا اس نے بڑی خوشی سے وہ عبا دے دیا اور روپیہ لے کر چلا گیا۔ کسی خادم نے اس کے جانے کے بعد حضرت سے پوچھا: ''ابھی تو آپ نے فرمایا تھا کہ اس عبا کو میں کسی کو نہ دوں گا صرف اپنے لیے رکھوں گا پھر آپ نے اس کو کیوں دے دیا؟''

فرمایا: ''ارے بھائی! تم نے نہیں سمجھا' رکھ تو لیا اللہ کے یہاں جمع ہو گیا۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا .

''اور جو نیک عمل اپنے لیے آگے بھیج دو گے اس کو اللہ کے پاس پہنچ کر اس سے اچھا اور ثواب میں بڑا پاؤ گے۔''

(ماہنامہ جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ دسمبر ۱۹۸۶ء بروایت حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڑھی)

حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی علیہ الرحمۃ

ایک شخص نے سائیں توکل انبالوی سے سوال کیا: ''میری دختر کے نکاح کے لیے کچھ مدد کیجیے۔ فرمایا: ''چھوہاروں پر نکاح کر دو۔''

بے چارا چلا گیا جب وہ جا چکا تو خیال آیا کہ افسوس سائل کو جھڑک دیا اور وہ خالی ہاتھ چلا گیا۔ درویشوں سے فرمایا: ''اس شخص کو ڈھونڈ کر لاؤ۔''

خیال ایسا تھا کہ جس چیز یا شخص کو بلاتے جب تک نہ آتا چین نہ آتا تھا۔ ایک خادم شاہ آباد گیا کوئی کچہری کی طرف دوڑا' کسی نے جنگل کا رُخ کیا' بڑی مشکل اور تلاش بسیار کے بعد خدام اس شخص کو ڈھونڈ لائے جب وہ آیا تو ایک معقول رقم عنایت کی۔

حضرت (سائیں توکل شاہ) کو جانوروں پر بھی اس قدر رحم تھا کہ جو کچھ آپ نوش فرماتے اس میں سے چڑیوں کا حصہ بھی رکھوا دیا کرتے تھے حتیٰ کہ برف میں سے بھی پرندوں کا حصہ نکلتا۔ ایک دفعہ ایک درویش نے چڑیا کا حصہ کھالیا۔ دراصل اس نے یہ سمجھا کہ یہ مجھے عنایت ہوا ہے۔ حضرت گھبرا گئے اس نے معافی مانگی۔ فرمایا: "تو نے چڑیا کا حصہ کھایا ہے اس سے معاف کرا' پرایا حق کیوں کھایا؟"

پھر اس درویش نے اپنے حصے میں سے چڑیوں کو کھلایا۔

ایک دن ایک چڑیا پانی پی رہی تھی' حضرت وضو کرنے لگے تو وہ اُڑ گئی۔ حضرت کو سخت رنج ہوا۔ فرمایا: "جب تک یہ چڑیا دوبارہ آ کر پانی نہ پی لے ہم وضو نہ کریں گے۔"

چنانچہ جب اس چڑیا نے پانی پی لیا تب آپ نے وضو کیا۔

(تذکرہ توکلیہ مؤلفہ نور احمد نور مطبوعہ انبالہ ۱۳۱۸ھ ص ۷۱)

☆...... ایک عورت نے سوال کیا: "غریب نواز لاکھوں آدمی' کیا مرد کیا عورتیں' آپ کے دست پر بیعت ہوتے ہیں اور حال یہ ہے کہ آپ کسی کو زیادہ دیر بیٹھنے نہیں دیتے اور کیا دن کیا رات بیعت کرتے رہتے ہیں اور ہر ایک کا بھروسہ ہے کہ قیامت کے دن آپ کام آئیں گے اور امداد کریں گے مگر حیرانی ہے کہ کروڑوں مخلوق میں سے آپ اپنے مرید کس طرح پہچان سکیں گے؟"

جواب میں ارشاد فرمایا: "رات کا وقت ہوتا ہے اور چھ سات چرواہے اپنی اپنی بھیڑیں ملا دیتے ہیں اور پھر جب چاہتے ہیں ہر ایک اپنے ریوڑ کو جدا کر لیتا ہے حالانکہ سب بھیڑیں ہم رنگ ہوتی ہیں اور سب چرواہوں کو احمق اور بے وقوف کہا کرتے ہیں تو کیا میں اپنے مریدوں کو شناخت نہ کر سکوں گا؟" (تاریخ مشائخ چشت ص ۷۳۶ خاتم سلیمانی ص ۷۷)

سب سے بڑی تسخیر

شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی نے مدینہ منورہ میں اپنی حاضری کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جوانی میں میری صحت اچھی تھی' بھوک خوب لگتی تھی' مدینہ شریف حاضر تھا' بھوک لگی' شہر سے باہر ایک ہوٹل پر اپنے احباب حضرت سرلوی ثانی علیہ الرحمۃ و

دیگر احباب سمیت گیا۔ میں نے ایک لڑکے کو دیکھا کہ اس کا پیٹ ننگا ہے اور پتھر باندھے ہوئے ہے۔ میں نے قسم کھائی کہ جب تک اس کے سارے کنبہ کو پیٹ بھر کر نہ کھلاؤں گا ایک لقمہ بھی نہیں کھاؤں گا۔ میں نے ہوٹل والے کو کہا: "کتنا پکا سکتے ہو؟"

اس نے کہا: "جتنا کہو۔" میں نے کہا: "پکاؤ" اس لڑکے نے ٹبہ پر چڑھ کر آواز دی: "سب آ جاؤ۔ ایک آدمی ہم سب کو کھانا کھلائے گا۔"

چنانچہ وہاں پر بے شمار لوگ اس کے قبیلہ کے جمع ہو گئے۔ ہوٹل والے نے بہت زیادہ کھانا تیار کر لیا۔ مرلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: "کھانا ضرورت سے زیادہ تیار ہو گیا ہے۔" اللہ داد مرحوم اور حضرت مرلوی نے ان لوگوں کو کھانا کھلایا۔ حضرت مرلوی نے کہا: "ہمارے اندازے میں کھانا ضرورت سے زیادہ تھا مگر ہمارا اندازہ غلط اور آپ کا اندازہ صحیح تھا۔" اس لڑکے نے جب خود کہا: "ہمارے قبیلہ کے جملہ لوگوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھا لیا ہے تب ہم نے مل کر کھانا کھایا۔" فرمایا: "پورے سفر میں اتنا لطف نہیں آیا جتنا ان بھوکوں کو کھانا کھلانے میں آیا۔" پھر فرمایا: "تسخیر کے لیے وظائف پڑھے جاتے ہیں حالانکہ بڑی تسخیر یہ ہے کہ حاجت مندوں کو کھانا کھلایا جائے۔" آپ نے صحیح ترمذی کی حدیث پڑھی:

اَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَاَفْشُوا السَّلَامَ واضربوا لهام تورثوا الجنان ۔

(ماہنامہ ضیائے حرم بھیرہ ضلع سرگودھا شیخ الاسلام نمبر ص ۵۸۔۵۷ اکتوبر ۱۹۸۱ء)

حضرت امیر ملت علیہ الرحمۃ

ماضی قریب کے متاخرین صوفیاء میں پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری کا نام عالمِ اسلام بالخصوص ہندو پاکستان میں محتاجِ تعارف نہیں۔ ان کا نام سن کر عقیدت واحترام میں آدمی کی گردن جھک جاتی ہے۔ پاکستان کی تاریخ ان کی بے لوث خدمات کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ اپنے علم اور سیرت واخلاق کے اعتبار سے متقدمین صوفیاء کا ایک نمونہ تھے۔ آپ کے پوتے صاحب زادہ سید اختر حسین شاہ اور پروفیسر محمد طاہر فاروقی کی ترتیب شدہ کتاب "سیرت امیر ملت" آپ کی سیرت وسوانح پر ایک عمدہ کتاب ہے۔ خلق عظیم کے

عنوان کے ماتحت مذکورہ کتاب میں ہے: ''حضرت قبلہ عالم قدس سرہ العزیز از روئے وراثت نیز موہبت ایزدی سے خلقِ عظیم کے رُتبہ بلند پر فائز تھے۔ کافر بھی آپ کے اخلاقِ حسنہ سے متاثر ہو کر مسلمان ہو جاتے تھے اور ہزاروں لاکھوں ڈانواں ڈول مسلمان آپ کی رفق و ملاطفت اور رافت و شفقت کے گرویدہ ہو کر صالح اور دین دار بن جاتے تھے۔ خلافِ شریعت کوئی بات آپ ہرگز برداشت نہ فرماتے اور طرح طرح سے روکتے ٹوکتے تھے اگر کوئی بد بخت باز نہ آتا تو حضور عملی طور پر سختی فرماتے اور یہ سب اللہ و رسول عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم اور شریعت کی خاطر ہوتا۔ ذاتی طور پر آپ مجسم رافت و شفقت تھے۔ ایک دفعہ ایک عورت اپنی چھت پر کھڑی ہوئی زور زور سے گالیاں بک رہی تھی۔ آپ نے فرمایا: ''یہ کس کو بُرا بھلا کہہ رہی ہے؟''

غور فرمایا تو معلوم ہوا کہ وہ آپ ہی کی شانِ اقدس میں ہرزہ سرائی کر رہی تھی۔ ارشاد فرمایا: ''دروازہ بند کر دو' اللہ اس کو ہدایت دے۔''

اس وقت حضور کی خدمت والا میں بہت لوگ حاضر تھے' وہ سب کرم و رافت کے اس عظیم مظاہرے سے بے حد حیران و متاثر ہوئے۔''

درحقیقت حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ ''اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ '' کی صحیح مثال پیش فرماتے تھے۔ گوجرانوالہ کے ایک خطیب فالج میں بیمار ہو گئے' ان کی بیماری نے طول کھینچا تو حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی غلطیوں اور گستاخیوں کی معافی طلب کی۔ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: ''مولوی صاحب! مجھے آپ سے کوئی ذاتی رنجش نہیں ہے نہ ہی مجھے آپ کی کوئی بات یاد ہے البتہ آپ نے حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شانِ مبارک میں گستاخیاں کی ہیں اس لیے دعا کروں گا۔''

اس کے بعد مجھے طلب کیا اور حکم دیا۔ مولوی صاحب بیمار ہیں' ان کا علاج کراؤ' ان کی تیمارداری اور خدمت گزاری کرو۔ مولوی صاحب کو کسی طرح کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ مولوی صاحب آپ کے خلق و کرم سے بے حد متاثر ہوئے' اپنی غلطیوں اور قصوروں سے تائب ہوئے اور فلاحِ دارین حاصل کی۔

(سیرت امیر ملت مصنفہ صاحب زادہ سید اختر حسین پروفیسر محمد طاہر فاروقی ص ۸۰۔۸۱)

(۶۲)

صدائے نعرۂ تکبیر سے تھرا اُٹھی وادی

حضرت سیدنا محمد یمن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ایامِ ریاضت میں میری کیفیت یہ تھی کہ جو بھی عمل کرتا اسے مستقل کرتا۔ ایک مرتبہ میں مجاہدین کے ایک لشکر کے ساتھ جہاد پر گیا' دشمنوں کے بہت بڑے رومی لشکر نے مسلمانوں پر زبردست حملہ کیا اور غالب آنے کی بھرپور کوشش کرنے لگے۔ رومی لشکر کی کثرت دیکھ کر مسلمان مجاہدین پر خوف کی سی کیفیت طاری ہونے لگی۔ میں بھی خوف محسوس کر رہا تھا' میرا نفس مجھے اپنے وطن کی یاد دِلا رہا تھا جب نفس نے بہت زیادہ بُزدلی کا مظاہرہ کیا تو میں نے اسے ڈانٹا اور شرم دِلاتے ہوئے کہا:

"اے نفسِ کذاب! تو تو دعویٰ کرتا تھا کہ تو بہت عبادت گزار اور مجاہدات کا شوقین ہے اب جب وطن سے دُور آ گیا ہے تو بُزدلی کا مظاہرہ کر رہا ہے حالانکہ یہی تو موقع ہے کہ تو اپنے شوق کا مظاہرہ کرے لیکن معاملہ اس کے برعکس ہے' تجھے شرم آنی چاہیے۔"

پھر میرے دل میں خیال آیا کہ سامنے نہر میں اُتر جاؤں اور غسل کروں چنانچہ میں نے غسل کیا اور باہر آ گیا اب میری کیفیت ہی کچھ اور تھی۔ جذبۂ شوق میرے رُوئیں رُوئیں سے عیاں تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر میرے اندر اتنا جذبہ کہاں سے آ گیا۔ میں نے اپنا اسلحہ زیب تن کیا اور میدانِ جنگ میں گھس کر بڑی شدت سے دشمنوں کی صفوں پر حملہ کیا۔ میں خود نہیں جانتا تھا کہ کس طرح لڑ رہا ہوں۔ میں دشمن کی صفوں کو چیرتا ہوا ان کے پیچھے چلا گیا اور نہر کے قریب پہنچ کر اللہ اکبر! اللہ اکبر! اللہ اکبر کی صدائیں بلند

کیں۔ دشمنوں نے تکبیر کی آواز سنی تو ان کے ہوش اُڑ گئے' وہ سمجھے کہ شاید مسلمانوں کی کمک (مدد) کے لیے مجاہدین کی فوج پہنچ چکی ہے پھر رومی فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ دُم دبا کر بھاگ گئے۔ مسلمان مجاہدین نے اُن پر بھرپور حملہ کیا۔ نعرۂ تکبیر کی برکت سے اس جنگ میں رومیوں کے چار ہزار سپاہی مارے گئے اور اللہ رب العزت نے میرے اس نعرہ کو مسلمانوں کی فتح ونصرت کا سبب بنادیا۔'' (عیون الحکایات)
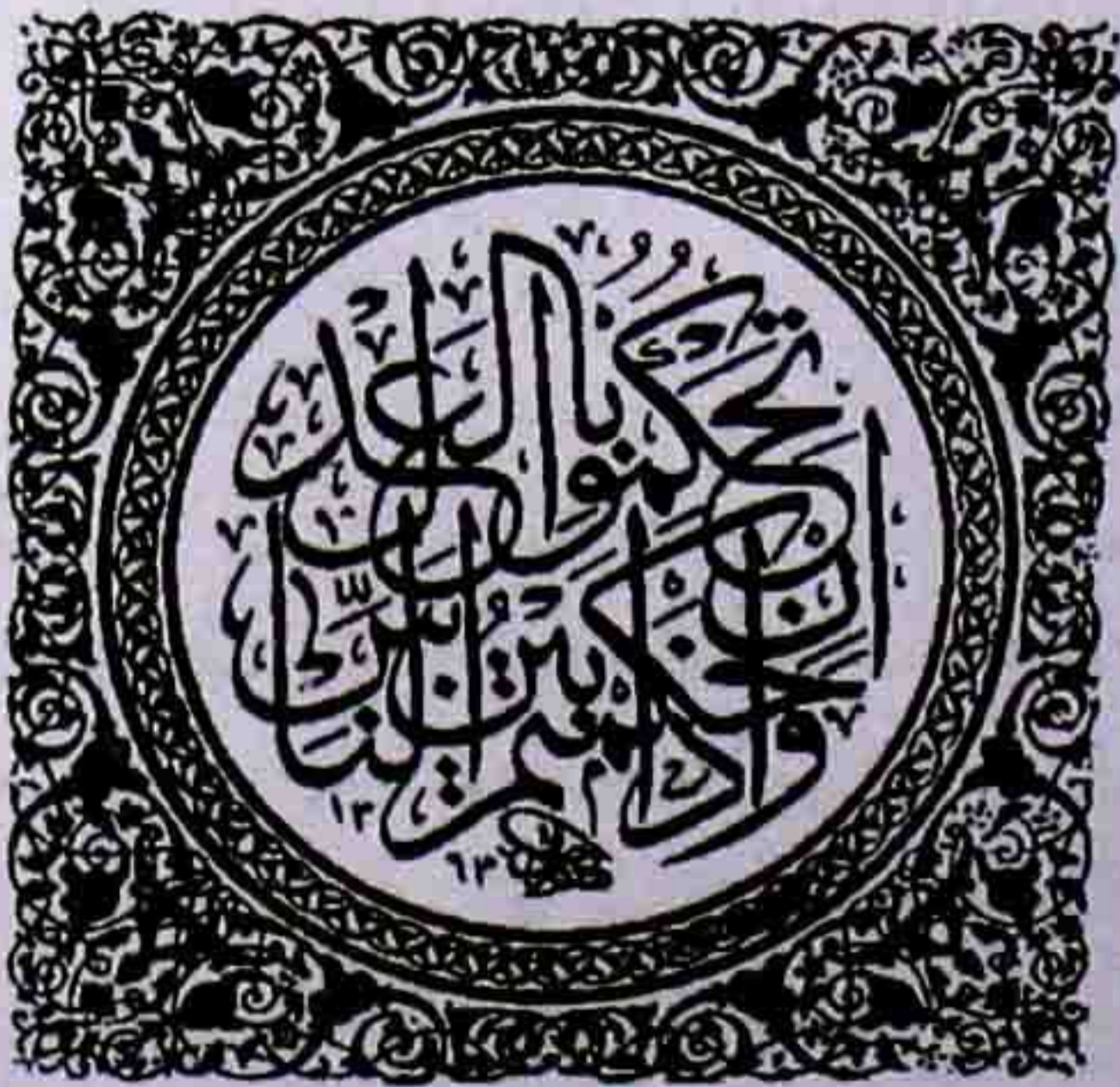
(۲۷)

کون کیا ہے؟

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:
أَرْحَمُ أُمَّتِي بِأُمَّتِي أَبُوْبَكْرٍ، وَأَشَدُّهُمْ فِي أَمْرِ اللهِ عُمَرُ، وَأَصْدَقُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ، وَأَقْضَاهُمْ عَلِيُّ ابْنُ أَبِي طَالِبٍ وَأَقْرَأُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، وَأَفْرَضُهُمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ، وَأَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ، وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينٌ، وَأَمِينُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ.

''میرے اُمتیوں کے ساتھ میری اُمت میں سب سے زیادہ مہربان ابوبکر ہیں' اللہ کے دین میں سب سے زیادہ سخت عمر ہیں' عثمان حیا کے سب سے زیادہ سچے پیکر ہیں اور سب سے اچھا فیصلہ دینے والے علی بن ابی طالب ہیں' قرآن کو سب سے زیادہ اور اچھا پڑھنے والے ابی بن کعب ہیں' علم وراثت کے سب سے زیادہ عالم زید بن ثابت ہیں' حلال وحرام کا سب سے زیادہ علم معاذ بن جبل کو ہے اور ہر اُمت میں کوئی نہ کوئی امین ہوا کرتا تھا' میری اُمت کے امین ابوعبیدہ بن جراح ہیں۔''

(صحیح ابن ماجہ ۱۵۴' صحیح الجامع الصغیر ۸۹۵' الصحیحہ ۱۲۲۴' یہ روایت مسند احمد' ترمذی' نسائی اور بیہقی وغیرہ میں بھی مذکور ہے)

(۲۸)

ایک بادشاہ کی خوراک

خلفاء بنواُمیہ میں سلیمان بن عبدالملک بڑی شان وشوکت کا سلطان ہو گزرا ہے اس کی خصوصیات میں سے یہ بات بھی عجائبات میں سے ہے کہ یہ بہت ہی کثیر خوراک والا تھا۔ چنانچہ منقول ہے کہ ایک نشست میں یہ چھ مرغیاں' ایک بکرا' ستر انار تقریباً چھ کلو کشمش کھا کر اُٹھا' نہایت ہی تندرست' خوشرو اور خوب صورت جوان تھا۔ یحیٰی غسانی کا بیان ہے کہ ایک دن سلیمان بن عبدالملک نے آئینہ میں اپنا حسین وجمیل چہرہ دیکھا تو یہ کہا: ''حضرت محمد ﷺ خدا کے نبی ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے اور حضرت عثمان حیادار تھے اور حضرت معاویہ حلیم تھے اور عبدالملک سیاسی تھے اور ولید بن عبدالملک میرا بھائی ظالم تھا اور میں بادشاہ شباب ہوں۔'' اس کلام کے بعد ایک مہینہ بھی نہیں گزرا کہ ۱۰ صفر بروز جمعۃ المبارک ۹۹ ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس میں شک نہیں کہ سلیمان بہت ہی کثیر مقدار میں کھانے والا نہایت ہی پیٹو انسان تھا لیکن اس کے شان دار اصلاحی کارنامے بلاشبہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی نے اس کے بارے میں فرمایا: کان من خیار ملوك نبی امیه.

''یہ شخص بنواُمیہ کے بادشاہوں میں سے ایک نہایت ہی اچھا بادشاہ تھا۔''

فصاحت و بلاغت میں ممتاز اور عدل میں یکتا' پابند شرع اور جہاد فی سبیل اللہ کا شیدائی تھا اسی طرح اولیاء و محدثین کے سرگروہ حضرت محمد بن سیرین اس سلیمان بن عبدالملک کے لیے اس طرح دعا فرمایا کرتے تھے: ''کہ اللہ تعالیٰ سلیمان بن عبدالملک پر

اپنی رحمت نازل فرمائے اس نے اپنی خلافت کا افتتاح اس طرح کیا کہ پوری سلطنت میں ہرنماز کو اوّل وقت میں ادا کرنے کا اہتمام کیا اور اپنی خلافت کا خاتمہ اس طرح کیا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اپنا جانشین بنا کر دنیا سے رخصت ہوا۔''

در عمل کوش، ہر چہ خواہی پوش

سلیمان بن عبدالملک کی خوش پوشاکی اور کثیر خوراک کے باوجود جلیل القدر اماموں کا اس کی مدح وثنا کے ساتھ اس کے لیے دعا کرنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ محض کم خوراکی اور پھٹے پرانے کپڑوں پر تقویٰ و بزرگی کا دارومدار نہیں ہے۔ قلیل غذا، سادہ لباس اگرچہ عام طور پر بزرگوں کا طریقہ رہا ہے مگر یہ پرہیز گاری اور تقویٰ شعاری کا کوئی خاص معیار نہیں ہے بلکہ لذیذ و کثیر غذا کھا کر اور نفیس پوشاک پہن کر بھی اگر کوئی شخص تقویٰ و پرہیز گاری کی زندگی بسر کرے اور شریعتِ مطہرہ کی پابندی اور خدا کی عبادت کرے تو بلاشبہ یہ شخص بھی متقی و پرہیز گار اور محمود خلائق و محبوب پروردگار سمجھا جائے گا۔ چنانچہ بہت سے اولیاء اللہ مثلاً حضرت خواجہ عبیداللہ احرار نقش بندی رحمۃ اللہ علیہ جن کی بزرگی پر تمام اُمت کا اجماع ہے عام مؤرخین کا ان کے بارے میں یہی بیان ہے کہ یہ شاہانہ خوراک و پوشاک والے تھے۔ اطلس و زربفت کے خیموں میں کم خواب کا فرش بچھا کر مسند لگا کر شاہانہ کروفر کے ساتھ نشست فرمایا کرتے تھے اور سفر میں آپ کے جلوس کے ساتھ آپ کے جھنڈے کے نیچے بہت سے سلاطین و امراء دست بستہ پاپیادہ چلتے تھے۔ چنانچہ مولانا جامی علیہ الرحمہ نے ان ہی حقائق کی طرف لطیف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا

چوں فقر اندر لباس شاہی آمد
بہ تدبیر عبیداللہی آمد

''جب درویشی شاہی کے لباس میں آئی تو حضرت عبیداللہ احرار کی تدبیر آئی۔''

بہر حال عوام کا جو آج کل نظریہ ہو گیا ہے کہ فلاں شخص بہت بزرگ ہیں کیونکہ وہ صرف جنگلی درختوں کے پتے کھاتے ہیں اور ٹاٹ کا لباس پہنتے ہیں۔ زمین پر بلا بستر کے سوتے ہیں۔ یہ نظریہ سراسر جاہلانہ ہے، لباس اور غذا بزرگی کا کوئی معیار نہیں بلکہ درحقیقت

بزرگی کا دارومدار تقویٰ واتباعِ شریعت پر ہے۔ایک خوش خوراک وخوش پوشاک مسلمان بھی اگر وہ متقی و پرہیزگار اللہ ورسول کا فرماں بردار اور اپنے پروردگار کا عبادت گزار ہے تو بلاشبہ وہ بزرگ اور خدا کا برگزیدہ بندہ ہے اور یقیناً وہ اس قابل ہے اگر خداوندِ قدوس اپنا فضل فرمائے تو اس کو ولایت وکرامت کا تاج دار بنادے۔فارسی کی مشہور کہاوت ہے کہ ''در عمل کوش ہر چہ خواہی پوش'' یعنی عمل میں کوشش کرو اور جو لباس چاہو پہنو! حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے اس بارے میں کیا خوب ارشاد فرمایا ہے کہ

دلقت بچہ کا رآید و تسبیح و مرقع
خودراز علم ہائے نکو ہیدہ بری دار
حاجت بہ کلاہ برکی داشتنت نیست
رویش صفت باش وکلاہ تری دار

''کفنی، تسبیح اور گدڑی تمہارے کس کام آئے گی تم بُرے اعمال سے اپنے کو بچائے رکھو۔کلاہ برکی پہننے کی تم کو کوئی ضرورت نہیں ہے۔تم درویشوں کی صفت اپنے اندر پیدا کرلو اور کلاہ تتری (سپاہیوں کی ٹوپی) پہنو۔'' اس لیے بزرگی کا معیار اور ولایت کا دارومدار لباس وخوراک پہ نہیں بلکہ ایمانِ کامل اور اعمالِ صالحہ کے ساتھ تقویٰ و پرہیزگاری یہ ہے درحقیقت یہی ولایت و بزرگی کی عمارت کے بنیادی پتھر ہیں جن پر ولائیتوں اور کرامتوں کے فلک بوس محلات قائم ہیں۔کیا خوب فرمایا کسی حقیقت شناس نے

توحید کا پیغام نہ ہندی نہ عراقی
اسلام کے نقشہ میں نہ قندھار نہ جمرود
جب تک ابراہیم کی فطرت نہ ہو پیدا
وجدان بھی آذر ہے تخیل بھی ہے نمرود
ایمان کے سائے میں خطائیں بھی ہیں مقبول
ہو جزم نہ کامل اعمال بھی مردود

(روحانی حکایات)

(۲۹)

ارادے جن کے پختہ ہوں نظر جن کی خدا پر ہو

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں حج کے واسطے گھر سے نکل کر میدان میں جا رہا تھا راہ میں ایک کوے کو دیکھا کہ اس کی چونچ میں روٹی ہے۔ میں نے کہا یہ کوا اُڑتا ہے اور اس کی چونچ میں روٹی ہے واقعی اس کی شان عجیب ہے۔ میں اس کے پیچھے ہولیا یہاں تک کہ وہ ایک غار میں اُترا۔ میں بھی اس کی طرف گیا ناگہاں دیکھتا ہوں کہ ایک شخص جس کے دونوں ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہیں اپنی پیٹھ کے بل پڑا ہوا ہے اور وہ کوا اس کے منہ میں یکے بعد دیگرے روٹی کا لقمہ دیتا ہے اس کے بعد کوا اُڑ گیا اور واپس نہیں آیا۔ میں نے اس شخص سے کہا: ''تم کہاں سے آئے اور کون ہو؟''

اس نے کہا: ''میں حاجیوں کے گروہ سے ہوں۔ چوروں نے میرا سب مال چھین لیا اور مجھے باندھ کر اس مقام پر ڈال دیا۔ میں نے پانچ دن بھوک پر صبر کیا۔ پھر میں نے کہا کہ اے وہ ذات پاک! جس نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ الآیہ

''کون شخص ہے جو پریشان حال کو جواب دیتا ہے جب کہ وہ اس کو پکارتا ہے اور کون ہے جو رنج کو دُور کرتا ہے۔ میں پریشان حال ہوں مجھ پر رحم کر۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے میرے پاس یہ کوا بھیجا اور یہ مجھے ہر روز کھلانے پلانے لگا اس کے بعد میں نے اس کا بند کھول دیا اور ہم وہاں سے چلے۔ راستہ میں ہم پیاسے ہوئے ہمارے پاس پانی نہ تھا ہم نے میدان میں نظر دوڑائی تو ایک کنواں دیکھا اور اس پر متعدد ہرن دیکھے جو پانی پی رہے تھے۔ چنانچہ ہم نے کہا: ''اللہ کا شکر ہے کہ ہم نے کنواں پایا۔ ہم اس کے قریب گئے تو ہرن وہاں سے بھاگ گئے جب ہم کنویں کے پاس پہنچے تو پانی کنویں کی گہرائی

میں چلا گیا۔ میں نے اس سے پانی کھینچا اور پیا اس کے بعد میں نے کہا کہ اے پروردگار! یہ ہرن تو رکوع کرتے ہیں اور نہ سجدہ کرتے ہیں اس کے باوجود تو نے انہیں زمین کی سطح پر پانی پلایا اور ہم سو گز کی دُوری سے پانی کھینچنے کے محتاج ہوئے۔''

ناگاہ ہاتف غیبی نے کہا: ''اے مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ! بے شک ان ہرنوں نے ہم پر توکل کیا اس لیے ہم نے ان کو پانی پلایا اور تم نے رسی اور ڈول پھر بھروسہ کیا۔''

(قلیوبی)

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم

(۳۰)

وہ ہستی جو جان سے بڑھ کر پیاری ہے

حضرت عبداللہ بن ہشام کہتے ہیں: ''ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا:

یَارَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم! لَاَنْتَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ اِلَّانَفْسِیْ۔

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ میری جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ مجھے محبوب ہیں۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ! حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْکَ مِنْ نَفْسِکَ۔

''نہیں! قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہاں تک کہ میں تیرے نزدیک جان سے بھی زیادہ محبوب ہو جاؤں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اب اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْآنَ یَا عُمَرُ۔

''اب (تمہارا ایمان مکمل ہوا) اے عمر''

(بخاری: کتاب الأیمان والنذور باب کیف کانت یمین النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۶۶۳۲)

گویا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ آدمی ہر چیز سے بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرے ورنہ وہ کامل مومن نہیں ہو سکتا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَ وَلَدِہٖ وَالنَّاسِ

أَجْمَعِيْنَ .

’’تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسے میں اس کے والد، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔‘‘

(بخاری: کتاب الایمان، باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من الایمان ۱۵، مسلم ۴۴)

جنات عدن مفتحة لهم الأبواب

۱۳۲۸

(۳۱)

خوب صورت دولہا اور بدصورت دُلہن

حضرت سیدنا محمد بن نعیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی والدہ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

''میں نے حضرت سیدنا ابوعثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ کی زوجہ محترمہ حضرت سیدہ مریم رحمۃ اللہ علیہا کو یہ کہتے ہوئے سنا:

''ایک مرتبہ مجھے میرے سرتاج حضرت سیدی ابوعثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تنہائی میسر آئی تو میں نے موقع غنیمت جان کر پوچھا: ''اے ابوعثمان! اپنی زندگی کا کون سا عمل آپ کو سب سے زیادہ پیارا اور محبوب ہے؟''

فرمایا: ''اے مریم! جب میں عالمِ شباب میں تھا تو اس وقت میری رہائش ''رَے'' میں تھی' لوگ مجھے بہت پسند کرتے۔ سب کی خواہش تھی کہ میری شادی ان کے گھر ہو جائے لیکن میں سب کو انکار کر دیتا۔ ایک دن ایک عورت میرے پاس آئی اور یوں گویا ہوئی:

''میں تیری محبت میں بہت زیادہ بے قرار ہو گئی ہوں' میری رات کی نیندیں اور دن کا چین برباد ہو گیا ہے' میں تجھے اس کا واسطہ دے کر التجا کرتی ہوں جو دِلوں کو پھیرنے والا ہے کہ تو مجھ سے شادی کر لے۔''

اس کے یہ جذبات دیکھ کر میں نے پوچھا: ''کیا تمہارا باپ زندہ ہے؟''

اس نے کہا: ''جی ہاں! میرا باپ درزی ہے اور فلاں محلے میں رہتا ہے۔ میں نے اس کے والد کو نکاح کا پیغام بھجوایا تو وہ بہت خوش ہوا اس نے فوراً گاؤں کے معزز لوگوں کو بلا کر میرا نکاح اپنی بیٹی سے کر دیا جب میں حجرۂ عروسی میں داخل ہوا تو دیکھا کہ میری نئی نویلی

دُلہن ایک آنکھ سے محروم' پاؤں سے لنگڑی اور انتہائی بدشکل تھی۔ اسے دیکھ کر میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا: "اے میرے پروردگار! تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں تو نے جو میرا مقدر بنایا میں اس پر تیرا شکر گزار ہوں۔"

پھر جب میرے گھر والوں کو میری زوجہ کی کیفیت معلوم ہوئی تو مجھے بُرا بھلا کہا اور خوب ڈانٹا لیکن میں نے اپنی زوجہ سے کبھی کوئی ایسی بات نہ کی جو اسے بُری لگتی بلکہ میں اس پر بہت زیادہ مہربان ہو گیا اور اسے ضرورت کی ہر شے مہیا کرتا۔

میری محبت وشفقت کی وجہ سے اس کی یہ حالت ہو گئی کہ لمحہ بھر کے لیے بھی مجھ سے جدائی برداشت نہ کرتی۔ چنانچہ اپنی اس مجبور و بے کس' محبت کی پیاسی اور معذور بیوی کی خاطر میں نے دوستوں کی محفل میں جانا چھوڑ دیا اور زیادہ وقت اسی کے پاس گزارنے لگا تا کہ اس بے چاری کا دل خوش رہے اور یہ احساسِ کمتری کا شکار نہ ہو اور اس طرح میں نے اپنی زندگی کے پندرہ سال اپنی اس معذور بیوی کے ساتھ گزار دیئے۔ بعض اوقات مجھے اتنی تکلیف ہوتی جیسے مجھے سلگتے انگاروں پر ڈال دیا گیا ہو لیکن میں نے کبھی بھی اس کیفیت کا اظہار اس پر نہ کیا یہاں تک کہ پندرہ سال بعد وہ اس دارِ فانی سے رخصت ہو گئی۔ میری اس معذور بیوی کو مجھ سے جو محبت تھی اسے نبھانے اور اس کو ہر طرح سے خوش رکھنے کی خاطر میں نے جو عمل کیا' وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔" (عیون الحکایات)

(۳۲)

مقبول دعائیں

☆...... حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''میں حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا تو ایک شخص نے ان الفاظ کے ساتھ دعا مانگی: يَابَدِيعَ السَّمٰوٰتِ يَاحَيُّ يَا قَيُّوْمُ ۔

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَتَدْرُوْنَ بِمَاذَا دَعَا؟ وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ دَعَا اللّٰهَ بِاسْمِهِ الَّذِىْ اِذَا دُعِىَ بِهٖ أَجَابَ ۔

''جانتے ہو اس نے کیسی دعا کی ہے؟ اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس نے اللہ تعالیٰ کے ایسے نام کے ساتھ دعا مانگی ہے کہ جب بھی اس کے ساتھ کوئی دعا مانگی جائے، وہ قبول ہوتی ہے۔''

(الادب المفرد للبخاری، باب الدعاء عند الاستخارۃ ۲۹۳، ص ۲۴۴، رقم ۷۰۵)

☆...... حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''ہم حضور نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے اور ایک شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہا تھا پھر جب اس نے رکوع و سجود کیا اور تشہد میں گیا تو یوں دعا کی:

اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ أَسْأَلُكَ بِأَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ أَنْتَ (الْمَنَّانُ) بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ يَاحَيُّ يَاقَيُّوْمُ ۔

تو حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اس بندے نے اللہ تعالیٰ کے اسمِ اعظم کے ساتھ دعا مانگی ہے کہ جب بھی اس کے ساتھ دعا کی جائے، قبول ہوتی ہے اور اس کے ساتھ سوال کیا جائے تو پورا ہوتا ہے۔''

(سنن ابی داؤد' کتاب الصلوٰۃ' باب الدعاء ۳۵۸' ص ۲۵۷' رقم ۱۴۹۵' سنن النسائی' کتاب السھو' باب الدعاء بعد الذکر ۵۸' ص ۲۱۱' رقم ۱۳۰۰' سنن ابن ماجہ' کتاب الدعاء' باب اسم اللہ الاعظم ۹' ص ۶۳۵' رقم ۳۸۵۸' مستدرک للحاکم' ج ۱' ص ۶۸۹' رقم ۱۹۰۸)

اسم اعظم کے ساتھ دعا

حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ بِاَنَّ لَکَ الْحَمْدُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ اَسْاَلُکَ الْجَنَّۃَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنَ النَّارِ ۔ تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَقَدْ کَانَ یَدْعُو اللّٰہَ بِاسْمِہِ الَّذِیْ اِذَا دُعِیَ بِہٖ اَجَابَ وَاِذَا سُئِلَ بِہٖ اَعْطٰی ۔

"اس بندے نے اللہ تعالیٰ کے ایسے نام کے ساتھ دعا مانگی ہے کہ جب بھی اس نام کے ساتھ دعا کی جائے قبول ہوگی اور سوال کیا جائے تو عطا ہوگا۔"

(مستدرک للحاکم' ج ۱' ص ۶۸۹' رقم ۱۹۰۹)

☆...... حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: "جسے کوئی غم' پریشانی یا مصیبت لاحق ہو یا کسی حکمران سے خوف زدہ ہو اور وہ بندہ اِن کلمات کے ساتھ دعا کرے تو قبول کی جائے گی۔"

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ بِلَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ' رَبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ (زیادۃ من الادب المفرد: وَاَسْاَلُکَ بِلَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ وَاَسْاَلُکَ بِلَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَالْاَرَضِیْنَ السَّبْعِ وَمَا فِیْھِنَّ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۔

(پہلے ان کلمات کو پڑھے) پھر اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت کا سوال کرے۔

(الادب المفرد للبخاری' باب اذا خاف السلطان ۲۹۴' رقم ۷۰۹)

☆...... حضرت سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ بِاَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۔

تو حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَقَدْ سَأَلْتَ اللّٰهَ ﷻ بِاسْمِهِ الْاَعْظَمِ الَّذِیْ اِذَا سُئِلَ بِهٖ اَعْطٰی وَاِذَا دُعِیَ بِهٖ اَجَابَ ۔

''تو نے اللہ تعالیٰ کے اسمِ اعظم کے ساتھ سوال کیا ہے اور جب بھی اس کے ساتھ سوال کیا جائے تو عطا ہوگا اور دعا کی جائے تو قبول ہوتی ہے۔''

(سنن ابی داؤد' کتاب الصلوٰۃ' باب الدعاء ۳۵۶' ص ۲۵۷' رقم ۱۴۹۳' سنن النسائی' کتاب السھو' باب الدعاء بعد الذکر ۵۸' ص ۲۱۲' رقم ۱۳۰۱' سنن ابن ماجہ' کتاب الدعاء' باب اسم اللہ الاعظم ۹' ص ۶۳۵' رقم ۳۸۵۷' مستدرک للحاکم' ج ۱' ص ۶۹۰' رقم ۱۹۱۱)

مانگ تجھے ملے گا

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِذَا قَالَ الْعَبْدُ یَارَبِّ اَرْبَعًا قَالَ اللّٰهُ لَبَّیْكَ عَبْدِیْ سَلْ تُعْطَ ۔

''جب بندہ (دعا مانگتے وقت) چار مرتبہ یارب! یارب کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے میرے بندے! میں تیری پکار سن رہا ہوں تو سوال کر تجھے عطا کیا جائے گا۔''

(مسند الفردوس للدیلمی' ج ۱' ص ۲۸۶' رقم ۱۱۲۲' فتح الباری فی شرح البخاری لابن حجر' ج ۱۱' ص ۲۲۵' کنز العمال للمتقی' ج ۲' ص ۸۸' رقم ۳۱۳۲' مجمع الزوائد مع بغیۃ الرائد للہیثمی' ج ۱۰' ص ۲۴۵' رقم ۱۷۲۷۳)

☆...... حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''حضور نبی کریم ﷺ ایک صبح حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے عرض کی: ''یارسول اللہ ﷺ! مجھے اللہ تعالیٰ کا کوئی ایسا اسم مبارک بیان فرمائیں کہ میں جب بھی اس کے ساتھ

دعا مانگوں تو قبول ہو جائے اور جب بھی اس کے ساتھ کوئی سوال کروں تو عطا کیا جائے۔''

حضور نبی کریم ﷺ نے چہرۂ اقدس کو دوسری طرف پھیر لیا تو حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کھڑی ہوئیں اور وضو کیا اور پھر دعا کی:

اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْأَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهٖ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَالَمْ اَعْلَمْ وَبِاسْمِكَ الْعَظِيْمِ الَّذِىْ اِذَا دُعِيْتَ بِهٖ اَجَبْتَ وَاِذَا سُئِلْتَ بِهٖ اَعْطَيْتَ .

حضور نبی کریم ﷺ نے (یہ کلمات سن کر) ارشاد فرمایا: ''اللہ کی قسم! (جس نام کا تو نے مجھ سے سوال کیا تھا یعنی اسمِ اعظم) وہ انہیں کلمات میں ہے۔''

(معجم الاوسط للطبرانی، ج ۱، ص ۱۶۴، رقم ۵۱۴، مجمع البحرین للھیثمی ج ۸ ص ۱۸، رقم ۴۶۳۵، کتاب الدعاء للطبرانی، ص ۸۳۵، رقم ۱۲۰، مجمع الزوائد مع بغیۃ الرائد للھیثمی، ج ۱۰، ص ۲۴۱، رقم ۱۷۲۶۲)

مالك الملك لا شريك له

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا وہ اسمِ اعظم جس کے ساتھ جب بھی دعا مانگی جائے، قبول ہوتی ہے۔''

سورۂ آل عمران کی اس آیت مبارکہ میں ہے:

اَللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِى الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ○ (آل عمران: ۳/۲۶)

''اے اللہ! ملک کے مالک تو جسے چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے چھین لے اور جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے، ساری بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے بے شک تو سب کچھ کر سکتا ہے۔''

☆...... حضرت سیدنا امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور پاک ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''جو کوئی ان پانچ کلمات کو پڑھ کر دعا کرے اور اللہ تعالیٰ سے کسی شئی کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ اسے عطا فرماتا ہے:

لَآ اِلٰــهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ.

(معجم الکبیر للطبرانی، ج ۱۹، ص ۳۶۱، رقم ۸۴۹، مجمع الزوائد مع بغیۃ الرائد للھیثمی، ج ۱۰، ص ۲۴۱، رقم ۱۷۲۶۴)

فوراً ہلاکت ہوگئی

حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: ''حضور نبی کریم ﷺ عصر کی نماز ادا فرما رہے تھے اتنے میں ایک کتا آگے سے گزرنے لگا تا کہ نماز قطع کر دے تو (یہ دیکھ کر) حضرت سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کتے کے لیے بددعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کتے کو ہلاک کر دیا جب حضور نبی کریم ﷺ نے نماز مکمل فرمائی تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ تم نے کن الفاظوں میں اس کے لیے بددعا کی تھی؟ آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

سُبْحَانَكَ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اَنْتَ يَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ.

''اے اللہ! اس کتے کو ہلاک کر دے اس سے قبل کہ یہ تیرے نبی ﷺ کی نماز کو قطع کرے۔''

تو حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بے شک تو نے ایسے کلمات کے ساتھ دعا کی تھی کہ اگر تو اس کے ساتھ تمام زمین و آسمان پر رہنے والوں کے لیے بھی دعا کرتا تو بھی تیری دعا کو قبول کیا جاتا۔''

(معجم الکبیر للطبرانی، ج ۱۲، ص ۳۴۳، رقم ۱۳۶۱۱، مجمع الزوائد مع بغیۃ الرائد للھیثمی، ج ۱۰، ص ۲۴۱، رقم ۱۷۲۶۵)

انبیاء کرام کی دعائیں

حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں وہ حدیث نہ بتاؤں جو میں نے کئی مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ سے سنی ہے اور اسی طرح کئی مرتبہ حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی سنی ہے جس شخص نے صبح و شام یہ کلمات کہے:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ خَلَقْتَنِيْ وَاَنْتَ تَهْدِيْنِيْ وَاَنْتَ تُطْعِمُنِيْ وَاَنْتَ تَسْقِيْنِيْ

وَأَنتَ تُمِيتُنِي وَأَنتَ تُحْيِينِي .

''تو وہ اللہ تعالیٰ سے جس شئی کا بھی سوال کرے گا اللہ تعالیٰ اسے عطا فرمائے گا۔''

حضرت سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب میں نے حضرت سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور انہیں یہ حدیث سنائی تو انہوں نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو یہ کلمات عطا فرمائے تھے تو وہ ہر روز اسے سات مرتبہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے جس بھی شئی کا سوال کرتے تھے اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرماتا تھا۔''

(معجم الاوسط للطبرانی' ج ۱ ص ۳۴۳' رقم ۱۰۲۸' مجمع الزوائد مع بغیۃ الرائد للھیثمی' کتاب الاذکار' ج ۱۰ ص ۱۶۰' رقم ۱۷۰۱۵' مجمع البحرین للھیثمی' ج ۷ ' ۳۹۹' رقم ۴۵۵۵)

☆...... حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: ''ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا کوئی ایسی دعا بھی ہے جو رد نہیں کی جاتی؟ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' ہاں! اس کے ساتھ (دعا مانگا) کرو:

أَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الْأَعْلَى الْأَعَزِّ الْأَجَلِّ الْأَكْرَمِ .

(معجم الکبیر للطبرانی' ج ۱۱ ص ۳۶۰' رقم ۱۲۰۱۵' مجمع الزوائد مع بغیۃ الرائد للھیثمی' ج ۱۰ ص ۲۴۰' رقم ۱۷۲۶۱)

☆...... حضرت سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میرے بھائی (حضرت سیدنا) ذوالنون (یونس علیہ السلام) نے مچھلی کے پیٹ میں ان کلمات کے ساتھ دعا کی تھی:

لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظّٰلِمِينَ .

اگر کوئی مسلمان اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو اللہ جل جلالہ اسے قبول فرماتا ہے۔

(مسند بزار ج ۳' ص ۳۶۳' رقم ۱۱۶۳' کشف الاستار للھیثمی' کتاب الادعیۃ باب دعوۃ ذی النون' ج ۴' ص ۴۲' رقم ۳۱۴۹' جمع الجوامع للسیوطی' ج ۵' ص ۸' رقم ۱۴۱۰۲' مستدرک للحاکم' کتاب الدعا' ج ۱ ص ۶۹۰' رقم ۱۹۱۴)

اب مانگ تجھے دیا جائے گا

حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ بایں

الفاظ دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ اِیْمَانًا لَّا یَرْتَدُّ وَنَعِیْمًا لَّا یَنْفَدُ وَمُرَافَقَۃَ نَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ فِیْ أَعْلٰی دَرَجِ الْجَنَّۃِ جَنَّتِ الْخُلْدِ ۔

تو حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اب سوال کرو تمہیں عطا کیا جائے گا۔''

(مستدرک للحاکم' کتاب الدعاء' ج ا' ص ۷۱۵' رقم ۱۹۸۰' حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء لابی نعیم' ج ا' ص ۱۲۷)

☆...... حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ ایک شخص کے قریب سے گزرے تو وہ کہہ رہا تھا: **یَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ۔**

تو حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اب سوال کرو اللہ تعالیٰ نے تیری جانب خاص نظر فرمائی ہوئی ہے۔'' (مستدرک للحاکم' کتاب الدعاء' ج ا' ص ۷۳۷' رقم ۲۰۴۷)

☆...... حضرت سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **اِنَّ لِلّٰہِ مَلَکًا مُوَکَّلٌ بِمَنْ یَقُوْلُ: یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ: فَمَنْ قَالَھَا ثَلَاثًا قَالَ لَہُ الْمَلَکُ: اِنَّ أَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ قَدْ اَقْبَلَ عَلَیْکَ فَسَلْ ۔**

''یا ارحم الراحمین'' کہنے والے پر (اللہ تعالیٰ کا) ایک فرشتہ مقرر ہے پس جو شخص تین مرتبہ یہ کلمات کہتا ہے تو فرشتہ اس سے کہتا ہے کہ بے شک ''ارحم الراحمین'' نے تیری جانب خاص نظر فرمائی ہوئی ہے اب اپنا سوال پیش کر۔

(مستدرک للحاکم' کتاب الدعاء' ج ا' ص ۷۳۸' رقم ۲۰۴۸)

دس کلمات کا وظیفہ

حضرت سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے عرفہ کی رات ان دس کلمات کو ایک ہزار مرتبہ پڑھا تو پھر وہ اللہ تعالیٰ سے جو بھی سوال کرے' وہ قبول فرمائے گا بشرطیکہ وہ بندہ قطع رحمی اور کسی گناہ کی دعا نہ کرے:

سُبْحَانَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ عَرْشُہٗ سُبْحَانَ الَّذِیْ فِی الْأَرْضِ مَوْطِئُہٗ' سُبْحَانَ الَّذِیْ فِی الْبَحْرِ سَبِیْلُہٗ سُبْحَانَ الَّذِیْ فِی النَّارِ

سُلْطَانُهٗ سُبْحَانَ الَّذِیْ فِی الْجَنَّۃِ رَحْمَتُہٗ، سُبْحَانَ الَّذِیْ فِی الْقُبُوْرِ قَضَاؤُہٗ، سُبْحَانَ الَّذِیْ فِی الْھَوَاءِ رُوْحُہٗ، سُبْحَانَ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمَآءَ، سُبْحَانَ الَّذِیْ وَضَعَ الْاَرْضَ، سُبْحَانَ الَّذِیْ لَا مَنْجَا (مَلْجَأَ) مِنْہُ اِلَّا اِلَیْہِ۔

(معجم الکبیر للطبرانی' ج۱۰' ص۲۸۰' رقم ۱۰۵۵۴' مسند ابی یعلی موصلی' ج۹' ص۲۶۴' رقم ۵۳۸۵' المطالب العالیۃ لابن حجر' ج۷' ص۲۱' رقم ۱۲۴۱' المصنف لابن ابی شیبۃ' کتاب الدعاء' باب مایدعی بہ فی لیلۃ عرفۃ' ج۱۰' ص۱۸۱' رقم ۳۰۳۳۰' مجمع الزوائد مع بغیۃ الرائد للھیثمی' کتاب الحج' باب فی عرفۃ' ج۳' ص۵۶۰' رقم ۵۵۴۸)

وحدہٗ لا الٰہ الا ھو

حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب تم کوئی حاجت طلب کرنا چاہو اور تمہاری آرزو ہو کہ وہ پوری ہو جائے تو اس طرح کہو:

لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ (الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ) بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ الْحَکِیْمُ، سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ (کَاَنَّھُمْ یَوْمَ یَرَوْنَ مَا یُوْعَدُوْنَ لَمْ یَلْبَثُوْا اِلَّا سَاعَۃً مِّنْ نَّھَارٍ بَلَاغٌ فَھَلْ یُھْلَکُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُوْنَ) (کَاَنَّھُمْ یَوْمَ یَرَوْنَھَا لَمْ یَلْبَثُوْا اِلَّا عَشِیَّۃً اَوْ ضُحَاھَا) اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِکَ، وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِکَ، وَالْغَنِیْمَۃَ مِنْ کُلِّ بِرٍّ، وَّالسَّلَامَۃَ مِنْ کُلِّ اِثْمٍ، اَللّٰھُمَّ لَا تَدَعْ (لَنَا) ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَہٗ، وَلَا ھَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَہٗ، وَلَا دَیْنًا اِلَّا قَضَیْتَہٗ، وَلَا حَاجَۃً مِّنْ حَوَائِجِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اِلَّا قَضَیْتَھَا بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

(معجم الصغیر للطبرانی مع تحقیق الروض الدانی' ج۱' ص۲۱۳' رقم ۳۴۱' مجمع الزوائد مع بغیۃ الرائد للھیثمی' کتاب الادعیۃ' ج۱۰' ص۲۴۲' رقم ۱۷۲۶۶)

قرض اتارنے کی دعا

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مجھ سے میرے والد گرامی (سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں وہ دعا نہ سکھاؤں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ یہ دعا اپنے حواریوں (صحابیوں) کو سکھائی تھی اور تم اگر یہ دعا پڑھوگی تو احد پہاڑ کے برابر بھی اگر تم پہ قرض ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے اُتار دے گا۔''

میں نے عرض کی: ''ضرور بتایئے!'' تو آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: ''یہ پڑھا کرو:

اَللّٰهُمَّ فَارِجَ الْهَمِّ كَاشِفَ الْكُرُوْبِ مُجِيْبَ دَعْوَةِ الْمُضْطَرِّ رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَرَحِيْمَهُمَا اَنْتَ تَرْحَمُنِيْ فَارْحَمْنِيْ رَحْمَةً تُغْنِيْنِيْ بِهَا عَمَّنْ سِوَاكَ .

''اے اللہ! اے فکروں کو دُور کرنے والے، غموں کو مٹانے والے، پریشان حالوں کی دعائیں قبول کرنے والے، دنیا وآخرت میں مہربانی فرمانے والے، تو ہی تو مجھ پر رحم کرنے والا ہے، اے رحم فرمانے والے! تو مجھ پر ایسی رحمت فرما جو مجھے دوسروں سے بے نیاز کردے۔''

(مسند بزار، ج ۱، ص ۱۳۱، رقم ۶۲، مستدرک للحاکم، کتاب الدعاء، ج ۱، ص ۷۰۳، رقم ۱۹۵۰، مسند ابی بکر الصدیق لامام المروزی، ص ۷۹، رقم ۴۰، مجمع الزوائد مع بغیۃ الرائد للھیثمی، کتاب الادعیۃ، ج ۱۰، ص ۲۹۹، رقم ۱۷۴۴۴)

☆...... حضرت سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کیا میں تمہیں وہ دعا نہ بتاؤں کہ جب تم اسے مانگو اور تم پر پہاڑ کے برابر بھی قرض ہو تو اللہ تعالیٰ اسے اُتار دے گا۔''

میں نے عرض کی: ''ضرور ارشاد فرمائیں۔'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ

وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۔ رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَرَحِيْمَهُمَا تُعْطِي مَنْ تَشَآءُ مِنْهَا وَتَمْنَعُ مَنْ تَشَاءُ اِرْحَمْنِيْ رَحْمَةً تُغْنِيْنِيْ بِهَا عَنْ رَحْمَةِ مَنْ سِوَاكَ اَللّٰهُمَّ اغْنِنِيْ مِنَ الْفَقْرِ وَاقْضِ عَنِّي الدَّيْنَ وَتَوَفَّنِيْ فِيْ عِبَادَتِكَ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِكَ ۔

(معجم الکبیر للطبرانی' ج۲۰' ص۱۵۹' رقم ۳۳۲' مجمع الزوائد مع بغیۃ الرائد للہیثمی' کتاب الادعیۃ' ج۱۰' ص۲۹۸' رقم ۱۷۴۳۲)

☆...... حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص سے ارشاد فرمایا: "کیا میں تمہیں وہ کلمات نہ سکھاؤں جو مجھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائے تھے۔ پس اگر تم پر پہاڑ جتنا بھی قرض ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے اُتار دے گا' تم پڑھا کرو:

اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ ۔

(مستدرک للحاکم' کتاب الدعاء' ج۱' ص۷۳۰' رقم ۲۰۲۵' مشکوٰۃ المصابیح' کتاب الدعوات' باب الدعوات فی الاوقات' الفصل الثانی' ص۵۶۷' رقم ۲۴۴۹)

بزرگانِ دین کی دعائیں

حضرت سیدنا معروف کرخی علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ جو بندہ بستر سے اُٹھتے (یا اچانک بے قرار ہو کر جاگتے) وقت یہ دعا پڑھتا ہے:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ وَرَحْمَتِكَ فَاِنَّهُمَا بِيَدِكَ لَا يَمْلِكُهُمَا اَحَدٌ سِوَاكَ ۔

"تو اللہ تعالیٰ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے ارشاد فرماتا ہے جو کہ لوگوں کی حاجات پوری کرنے پر مامور ہیں' اے جبرائیل! میرے اس بندے کی حاجت پوری کر دے۔"

(حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء لامام ابی نعیم' ترجمہ معروف الکرخی' ج۸' ص۳۶۶)

☆...... حضرت یحییٰ بن سلیم طائفی علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ اپنے رب جل جلالہ سے کسی شئی کا سوال کیا تو اس کی تکمیل میں (حکمتِ الٰہی کی وجہ سے) کچھ تاخیر ہوگئی تو انہوں نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: ''ماشاء اللہ!''

اتنا کہنا تھا کہ ان کی حاجت پوری ہوگئی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی (اور اس حکمت کے بارے میں دریافت کیا) تو اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی نازل فرمائی کہ کیا تمہیں معلوم نہیں، تمہارے ''ماشاء اللہ'' کہنے نے تمہاری حاجت کو پورا کر دیا۔

(کتاب الزھد لامام احمد بن حنبل، ص ۵۹، رقم ۳۵۶)

ملک الموت کی یعقوب علیہ السلام کے پاس حاضری

حضرت یحییٰ بن سلیم طائفی علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ ملک الموت علیہ السلام کے نزدیک حضرت سیدنا یعقوب علیہ السلام تمام دنیا والوں سے زیادہ معزز تھے، انہوں نے رب تعالیٰ جل جلالہ سے یعقوب علیہ السلام کے پاس جانے کی اجازت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت عطا فرمائی (جب ملک الموت علیہ السلام ان کے پاس حاضر ہوئے) تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان سے فرمایا: ''میں تمہیں اس ذات کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جس نے تجھے پیدا کیا ہے کیا تو نے یوسف کی روح قبض کر لی ہے؟'' انہوں نے کہا: ''نہیں!۔''

پھر ملک الموت علیہ السلام نے کہا: ''اے یعقوب! کیا میں تمہیں کچھ کلمات نہ سکھاؤں؟'' آپ نے فرمایا: ''ضرور سکھاؤ! تو انہوں نے کہا آپ یہ پڑھیں:

یَاذَا الْمَعْرُوْفِ الَّذِیْ لَایَنْقَطِعُ اَبَدًا وَّلَایُحْصِیْهِ غَیْرُكَ ۔

تو سیدنا یعقوب علیہ السلام نے انہیں رات میں پڑھا اور ابھی صبح بھی نہیں ہوئی تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص ان کے چہرے پر لا کر ڈال دی گئی۔

(کتاب الفرج بعد الشدۃ لامام ابن ابی الدنیا، ص ۳۳، رقم ۳۹)

☆...... حضرت سیدنا ابراہیم بن خلاد علیہ الرحمہ سے روایت ہے: ''حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک مرتبہ سیدنا یعقوب علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے اپنی پریشانی کا ان سے تذکرہ کیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا: ''کیا میں آپ کو وہ کلمات نہ سکھاؤں کہ اگر اس

کے ذریعے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں تو وہ آپ کی پریشانی دُور فرمادے؟''

آپ پڑھا کریں:

یَامَنْ لَّا یَعْلَمُ کَیْفَ ھُوَ اِلَّا ھُوَ، وَیَا مَنْ لَّا یَبْلُغُ قُدْرَتَہٗ غَیْرُہٗ فَرِّجْ عَنِّیْ۔

اسے پڑھنے کے ساتھ ہی ان کے پاس (یوسف علیہ السلام کی) خوش خبری آگئی۔

(کتاب الفرج بعد الشدۃ للامام ابن ابی الدنیا' ص ۳۴' رقم ۴۱)

جبریل علیہ السلام حضرت یوسف کے پاس

حضرت قزعہ بن سوید نے سیّدنا ابوعبداللہ مؤذن طائف سے روایت کی کہ سیدنا جبرائیل علیہ السلام ایک مرتبہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے اور کہا: ''اے یوسف! کیا تم پر قید کی آزمائش سخت ہوگئی ہے؟''

توانہوں نے عرض کی: ''ہاں!'' پھر آپ نے فرمایا: ''یہ پڑھا کرو:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ کُلِّ مَا اَھَمَّنِیْ وَاَکْرَبَنِیْ مِنْ اَمْرِ دُنْیَایَ وَاَمْرِ اٰخِرَتِیْ فَرَجًا وَّ مَخْرَجًا وَّارْزُقْنِیْ مِنْ حَیْثُ لَا اَحْتَسِبُ وَاغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَثَبِّتْ رَجَائِیْ وَاقْطَعْہُ عَنْ سِوَاکَ حَتّٰی لَا اَرْجُوْ اَحَدًا غَیْرَکَ۔ (کتاب الفرج بعد الشدۃ للامام ابن ابی الدنیا' ص ۳۵' رقم ۴۵)

☆...... حضرت مدلج بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ اپنے ایک قریشی شیخ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک مرتبہ سیدنا یعقوب علیہ السلام سے فرمانے لگے' یہ پڑھا کریں:

یَاکَثِیْرَ الْخَیْرِ یَا دَائِمَ الْمَعْرُوْفِ۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی فرمائی کہ تو نے مجھ سے ایسے کلمات کے ساتھ دعا مانگی ہے کہ اگر تیرے دونوں بیٹے انتقال کر چکے ہوتے تو میں تیرے لیے انہیں بھی زندہ کر دیتا۔

(کتاب الفرج بعد الشدۃ للامام ابن ابی الدنیا' ص ۳۵' رقم ۴۶)

☆...... حضرت سیدنا سعید بن میتب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''مجھے ایک مرتبہ کوئی سخت مشکل پیش آئی تو میں رات کے وقت مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

طرف نکلا اتنے میں وہاں کنکریوں کی آواز سنائی دی میں نے توجہ کی تو کوئی نظر نہ آیا البتہ کسی کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''اپنی مشکل کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور یوں کہو:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ فَاِنَّکَ لَنَا مَالِکٌ ۔ (اَیِ الَّذِیْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) وَاِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ مُقْتَدِرٌ وَّاِنَّکَ مَا تَشَآءُ مِنْ اَمْرٍ یَّکُنْ ۔

ارشاد فرماتے ہیں: ''پس جس بھی کام کے لیے میں نے اللہ تعالیٰ سے اس کے ساتھ دعا کی سو وہ پورا ہوا۔'' (اسے امام ابن عساکر علیہ الرحمہ نے روایت کیا ہے)

سانپ بچھو سے بچنے کی دعا

امام دینوری علیہ الرحمہ نے ''المجالسۃ'' میں نقل کیا ہے جس نے صبح کے وقت یہ کہا:

بِسْمِ اللّٰہِ الْعَلِیِّ الْاَعْلَی الدَّیَّانِ الَّذِیْ لَا وَلَدَ لَہٗ وَلَا وَالِدٌ وَّلَا صَاحِبَۃٌ وَّلَا شَرِیْکٌ اَشْھَدُ اَنَّ نُوْحًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَاَنَّ اِبْرَاھِیْمَ خَلِیْلُ اللّٰہِ وَاَنَّ مُوْسٰی نَجِیُّ اللّٰہِ وَاَنَّ دَاوٗدَ خَلِیْفَۃُ اللّٰہِ وَاَنَّ عِیْسٰی رُوْحُ اللّٰہِ وَکَلِمَتُہٗ اَلْقَاھَا اِلٰی مَرْیَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا ﷺ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَلَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ ۔

اسے اس شام تک نہ تو سانپ ڈسے گا اور نہ ہی بچھو ڈنک مارے گا اور نہ اسے کسی بادشاہ، سلطان، جادوگر اور کاہن کا خوف لاحق ہوگا اور اگر اس نے یہ کلمات شام میں کہے تو صبح تک کسی کا خوف نہ رہے گا۔

☆...... بعض لوگوں نے کہا: ''دنیا و آخرت کی بھلائی دو چیزوں میں ہے:

۱) پرہیزگاری (۲) غنی

جبکہ دنیا و آخرت کی مصیبت دو چیزوں میں ہے: ۱) فخر (۲) فقر''

☆...... بعض لوگوں نے کہا: ''ہم نے اپنے نفس کی راحت کو تلاش کیا تو لایعنی کاموں کے چھوڑنے سے زیادہ راحت کسی چیز میں نہیں پائی۔''

☆...... بعض لوگوں نے کہا: ''لوگوں میں سب سے زیادہ صبر کرنے والا دراصل وہ

ہے جو اپنے راز کو کسی دوست پر آشکار نہیں کرتا کہ مبادا ان کے درمیان لڑائی ہو اور وہ اس کے راز کو افشا کردے۔"

☆...... "حکم" میں ہے: "حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جب کوئی تعریف کرتا تو آپ کہتے:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اَعْلَمُ مِنْهُمْ بِنَفْسِيْ وَاَنَا اَعْلَمُ بِنَفْسِيْ مِنْهُمْ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ خَيْرًا مِّمَّا يَحْسَبُوْنَ وَاغْفِرْلِيْ مَالَا يَعْلَمُوْنَ وَلَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا يَقُوْلُوْنَ.

"اے اللہ! تو ان لوگوں سے مجھے زیادہ جانتا ہے اور میں ان لوگوں سے زیادہ اپنے بارے میں واقف ہوں' اے اللہ! مجھے ان لوگوں کے گمانوں سے زیادہ اچھا بنادے اور جن اعمال سے یہ لوگ ناواقف ہیں ان سے میری مغفرت فرما اور ان کی باتوں پر میرا مواخذہ نہ فرما۔"

☆...... حضرت سیدنا فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آیا اور نماز پڑھی اور پھر کہنے لگا: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ.

تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اے نمازی! تو نے بہت جلدی کی ہے جب تم نماز پڑھو تو اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرو پھر (مکمل کرنے کے بعد) بیٹھو تو اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد بیان کرو جس کا وہ حق دار ہے پھر مجھ پر درود پاک پڑھو اور پھر دعا مانگ۔" اتنے میں ایک اور شخص آیا اور اس نے نماز پڑھی پھر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی اور پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک بھیجا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: "اب سوال کرو تمہیں دیا جائے گا۔"

(معجم الکبیر للطبرانی' ج ۱۸ ص ۳۰۸' رقم ۷۹۴' مجمع الزوائد مع بغیۃ الرائد للھیثمی' ج ۱۰ ص ۲۳۹' رقم ۱۷۲۵۷)

☆...... حضرت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كُلُّ دُعَاءٍ مَّحْجُوْبٌ حَتّٰى يُصَلِّيَ عَلَى النَّبِيِّ (مُحَمَّدٍ) صلی اللہ علیہ وسلم وَآلِ مُحَمَّدٍ.

جب تک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر درود نہ پڑھا جائے' دعا موقوف رہتی

ہے۔

(معجم الاوسط للطبرانی، ج ۱، ص ۲۲۰، رقم ۷۲۱، مجمع الزوائد مع بغیۃ الرائد للھیثمی، ج ۱۰، ص ۲۴۷، رقم ۸۲۷، مجمع البحرین للھیثمی، ج ۸، ص ۲۱ رقم ۴۶۴۱)

☆...... حضرت سیدنا احمد بن الحواری علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ ان سے حضرت ابوسلیمان (دارانی) علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا: ''جب بھی اللہ تعالیٰ سے کسی شئی کے بارے میں سوال کرو تو پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجو پھر اپنا سوال پیش کرو اور پھر دعا کو حضور پاک ﷺ پر درود بھیج کر ختم کرو۔ پس یہ دونوں دعائیں اوّل و آخر درود شریف کبھی رد نہیں ہوتیں تو بھلا ان کے درمیان والی کس طرح رد ہو سکتی ہیں؟

(سہام الاصابہ فی الدعوات المستجابہ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ)

(۳۳)

آسمان سے رزق کا اُترنا

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ سے منقول ہے، وہ کہتے ہیں کہ میری ایک بھانجی ان لوگوں میں سے تھی کہ جو اللہ تعالیٰ سے معاملہ رکھتے ہیں یعنی وہ اولیاء اللہ سے تھی۔ چنانچہ وہ ایک مرتبہ مہینہ بھر تک غائب رہی اور کہیں نہ ملی اور مجھے اس کی جگہ بھی معلوم نہ تھی۔ میں نے ایک رات دن روزہ اور نماز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں گریہ وزاری کی اس کے بعد میں نے خواب میں ایک ہاتف غیب کو دیکھا کہ وہ مجھ سے کہتا ہے: ''تم جس کو تلاش کرتے ہو وہ فلاں میدان میں ہے۔'' میں نے کہا: ''سبحان اللہ! وہ اس میدان میں کیونکر پہنچ گئی؟''

اس کے بعد میں نے اس دن کے واسطے پانی اور زادِ راہ اپنے ساتھ لیا۔ (اور وہاں پہنچا) لیکن میں نے اس کو نہ پایا تو بہت نا امید ہوا۔ پانی و زادِ راہ مجھ پر بھاری ہو گیا۔ میں نے دوسرے دن واپسی کا ارادہ کیا چنانچہ میں سونے کی حالت میں تھا کہ دفعتاً کسی شخص نے پاؤں سے مجھے مار کر جگایا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہی میرے پاس کھڑی ہے۔ وہ ہنس کر کہنے لگی: ''اے کمزور دل یہ تمہاری پیٹھ پر کیا ہے؟''

میں نے کہا: ''یہ میرا زادِ راہ ہے، تم ایک ماہ سے گم ہو اب میں تمہاری تلاش میں نکلا ہوں۔'' میری بھانجی نے کہا: ''اے ماموں! بخدا میں اپنی محراب میں تھی کہ میرے دل میں خیال گزرا کہ زمین کا معبود اور آسمان کا خدا خشکی کا معبود اور دریا کا خدا، ویرانہ کا اللہ اور آبادی کا خدا ایک ہے۔''

میں نے کہا: ''البتہ ایک ماہ ویرانہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں گی اور ایک مہینہ

آبادی میں'' تاکہ میں اس کی بخشش اور قدرت کے آثار دیکھوں۔ چنانچہ مجھے اس میدان میں آئے چالیس دن ہوئے میں نے یہاں اپنے معبود کو عین الیقین سے دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام مخلوقات میں سے بے پرواہ کر دیا اس کے بعد تھوڑی دیر تک وہ روئی پھر چپ ہوئی۔ ذوالنون کہتے ہیں: ''میں سخت بھوکا تھا اس لیے میں نے چاہا کہ اس سے کھانے کا سوال کروں۔'' اس نے میری طرف دیکھا اور کہا: ''اے ماموں! شاید آپ بھوکے ہیں۔''

میں نے کہا: ''ہاں!''

اس نے آسمان کی طرف نظر اُٹھائی اور کہا: ''اے میرے مولیٰ! میرے ماموں بھوکے ہیں اور تیرے نزدیک میرا جو حال ہے اس کو دیکھنا چاہتے ہیں۔''

ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''واللہ اس نے دعا ختم بھی نہیں کی تھی کہ میں نے دیکھا کہ آسمان نے برف ایسی سفید ترنجبین کے مثل ایک چیز برسائی۔''

میں نے اس کو کھا کر کہا: ''اے میری بھانجی یہ تو من (ترنجبین) ایسی ایک خوردنی چیز ہے اور سلویٰ (لواپرند) کہاں ہے۔'' اس نے کہا: ''سلویٰ من کے بعد آئے گا۔''

پھر میں نے لواپرندہ کو دیکھا کہ وہ بکثرت ہم پر گرتے تھے۔ ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''بخدا اس نے مجھ سے مفارقت نہ کی حتیٰ کہ میں مردوں سے ہو گیا یعنی میں کاملین میں سے ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے راضی ہو۔'' (نوادر القلیوبی)

(۳۴)

مامون رشید کا دستر خوان

بادشاہ بغداد مامون رشید کا دستر خوان بھی در حقیقت عجائبات میں شمار کرنے کے قابل ہیں۔ مشہور عالم محمد بن حفص انماطی کا بیان ہے کہ عید کے دن ہم لوگ دو پہر کے کھانے میں مدعو کیے گئے تو تین سو سے زائد قسم کے کھانے دستر خوان پر رکھے گئے جو کھانا دستر خوان پر رکھا جاتا' مامون رشید اس کو دیکھ کر یہ کہتا: "یہ کھانا فلاں فلاں امراض کے لیے مفید اور فلاں فلاں بیماریوں کے لیے مضر ہے۔ بلغمی مزاج والے اس کو نہ کھائیں۔"

صفراوی مزاج والے اس کو ضرور کھائیں۔ سوداوی مزاج والوں کو اس سے احتیاط بہتر ہے۔ غرض ہر کھانے کے بارے میں اس کے فوائد و نقصانات پر سیر حاصل گفتگو کرتا۔ یہاں تک کہ مامون رشید کی اس وسعت معلومات کو دیکھ کر قاضی یحییٰ بن اکثم یہ کہنے لگے: "اے امیر المومنین! آپ جب علم طب میں بحث کرتے ہیں تو اپنے وقت کے جالینوس معلوم ہوتے ہیں اور علم نجوم میں آپ ہرمس کا گمان ہوتا ہے۔ بات کی صداقت میں دیکھیے تو حضرت ابوذر کی شان کی یاد آجاتی ہے۔ فقہی معلومات میں مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فقاہت کا جلوہ نظر آتا ہے' سخاوت میں حاتم طائی اور ایفاء وعدہ میں سموئیل بن عاد نظر آتے ہیں۔"

یہ سن کر مامون رشید نے کہا: "قاضی صاحب! تمام جان دار مخلوقات میں انسان اشرف المخلوقات اسی لیے تو ہے کہ وہ جوہر عقل کی دولت سے مالا مال ہے ورنہ انسان کے گوشت و خون اور دوسرے جانوروں کے خون اور گوشت میں کیا فرق ہے؟"

(تاریخ الخلفاء ص ۳۱۹)

اس حکایت سے جہاں مامون رشید کی کھانوں کے معاملہ میں وسیع معلومات کا پتہ چلتا ہے وہاں اس حقیقت پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ خلفاء بنو عباس کے دَور میں خوراک کا معیار کتنا بلند تھا اور باورچیوں کا فن کس قدر ترقی کر چکا تھا کہ ایک دستر خوان پر بیک وقت تین سو قسموں سے زائد اقسام کے کھانے پیش کیے گئے پھر اس حکایت سے یہ حقیقت بھی آفتاب بن کر نمودار ہو جاتی ہے کہ سلاطین اسلام کو طبقۂ علماء سے کتنی عقیدت تھی کہ وہ عید وغیرہ تہواروں کے موقعوں پر علماء کو اپنے دستر خوانوں پر مدعو کر کے ان کی میزبانی کرنے کو اپنے لیے سرمایۂ عزت و سامانِ آخرت تصور کرتے تھے اور علمائے کرام کے اعزاز اور خدمت گزاری کو خدا اور رسول کی خوشنودی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

مگر آج کل جب کہ مسلمانوں کے اقبال کا سورج بالکل غروب ہو چکا ہے۔ مسلمان امراء کا یہ حال کہ تہواروں اور شادیوں کے موقع پر علماء کی دعوتوں کا انہیں خیال نہیں آتا بلکہ علماء کی موجودگی کو یہ لوگ نحوست سمجھتے ہیں ہاں جب سوئم یا چہلم میں میت کے ایصالِ ثواب کا کھانا پکاتے ہیں تو اس وقت فقیروں کے ساتھ مولویوں کو بھی دعوت دیتے ہیں اور اگر کوئی غیرت مند مولوی میت کے کھانوں سے اظہارِ معذرت کرتا ہے تو سیٹھ صاحبان گرجتے ہیں کہ دعوت قبول کرنا سنت ہے۔ مولانا نے ہماری دعوت کیوں نہیں قبول کی؟ غریب مولویوں کو پچاس صلواتیں سنانے لگتے ہیں لیکن خوشی کی دعوتوں میں جب یہ سیٹھ صاحبان لیڈروں، پلیڈروں، ایکٹروں، ایکٹرسوں کو موٹروں پر اعزاز کے ساتھ بلا کر بلا تکلف کھانے کھلاتے ہیں اور اس وقت یہ مسئلہ بھول جاتے ہیں اور انہیں ذرا بھی توفیق نہیں ہوتی کہ علمائے کرام کو مدعو کریں اور پھر دیکھیں کہ علماء پابند سنت ہیں یا تارکِ سنت؟

افسوس! مسلمانوں کی ذہنیتوں میں کتنا بڑا انقلابِ عظیم ہو گیا' گانے بجانے اور ناچنے کا رواج ہر دَور میں رہا مگر تاریخ میں اس کا کہیں پتہ نہیں چلتا کہ ناچنے گانے والوں کو کبھی عزت کی نظر سے دیکھا گیا ہو بلکہ گانا بجانا سننے والوں کی نظر میں بھی یہ پیش کرنے والے ذلیل و حقیر ہی شمار کیے جاتے رہے ہیں اور شرفاء نے کبھی اس بات کو گوارا نہیں کیا کہ کسی طوائف کو عزت کے ساتھ اپنے دستر خوان پر بلایا ہو یا اپنے برابر بٹھایا ہو مگر آج

مسلمانوں کا یہ ذوق ہو گیا ہے کہ سینما میں گانے اور ناچنے والے ایکٹروں کا اتنا اعزاز و اکرام کیا جاتا ہے کہ محفلوں میں ان کی شرکت کو باعثِ افتخار سمجھا جاتا ہے۔ افسوس! تف ہے مسلمانوں کی اس غلامانہ ذہنیت پر۔ سچ کہا ہے شاعرِ مشرق نے کہ

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتے ہیں قوموں کے ضمیر

(روحانی حکایات)

مرا ز پیرِ طریقت نصیحتے یاد است
کہ غیرِ یادِ خدا ہر چہ ہست برباد است

(۳۵)

جنت کی ضمانت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''ایک دفعہ ہم لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد بیٹھے تھے اس مجلس میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی تشریف فرما تھے۔ اتنے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجلس سے اُٹھ کر چلے گئے اور واپسی میں بڑی تاخیر کر دی۔ ہمیں خدشہ لاحق ہو گیا کہ کہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اکیلے پا کر کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ چنانچہ ہم گھبرا سے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ سب سے پہلے گھبراہٹ میرے اوپر طاری ہوئی تھی میں جلدی سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈنے کے لیے نکل پڑا۔ انصار کے قبیلہ بنو نجار کے ایک باغ کے قریب پہنچ کر میں نے اس کا دروازہ ڈھونڈنا شروع کیا (تا کہ اس میں داخل ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کر سکوں) مگر مجھے کوئی دروازہ نہیں مل سکا۔

اچانک میری نگاہ ایک نالی پر پڑی جو باہر کنویں سے باغ میں گئی ہوئی تھی چنانچہ میں لومڑی کی طرح سمٹ کر نالی کے راستے سے باغ کے اندر گھس گیا۔ باغ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''ابو ہریرہ ہو؟''

میں نے عرض کیا: ''ہاں! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم''

آپ نے پوچھا: مَا شَانُكَ؟ ''کیا بات ہے؟''

میں نے عرض کیا: ''دراصل جب آپ نے ہمارے درمیان سے اُٹھنے کے بعد واپسی میں تاخیر کی تو ہمیں خوف دامن گیر ہوا کہ کہیں آپ کو اکیلا پا کر کوئی دشمن حملہ نہ کر دے اس

لیے ہم لوگ گھبرا اُٹھے۔ آپ کی تلاش میں جب میں نے اس باغ میں آنا چاہا تو کوئی دروازہ مجھے نظر نہیں آسکا' بڑی مشکل سے لومڑی کی طرح سمٹ کر میں نالی کی راہ سے آپ تک پہنچنے میں کامیاب ہوسکا ہوں۔ دوسرے لوگ بھی میرے پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔''

یہ سننے کے بعد رسولِ اکرم ﷺ نے مجھے اپنے دونوں نعلین شریفین دے کر فرمایا:

يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! اذْهَبْ بِنَعْلَيَّ هَاتَيْنِ فَمَنْ لَقِيتَ مِنْ وَرَآءِ هٰذَا الْحَائِطِ يَشْهَدُ أَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهُ فَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ.

''اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ! میرے یہ دونوں جوتے لے کر جاؤ جو کوئی اس باغ کے باہر ملے اور وہ سچے دل سے گواہی دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں تو اسے جنت کی خوش خبری سنادو۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: ''جب میں یہ خوش خبری لے کر رسولِ اکرم ﷺ کے مبارک جوتوں سمیت باہر نکلا تو سب سے پہلے میری ملاقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوگئی۔ انہوں نے پوچھا: مَاهَاتَانِ النَّعْلَانِ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ؟

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ! یہ جوتے کیسے ہیں؟''

میں نے رسولِ اکرم ﷺ کی بشارت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آگاہ کیا تو انہوں نے زور سے ایک مکا میرے سینے پر رسید کیا جس کی وجہ سے میں سرین کے بل زمین پر آ پڑا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ''چلو واپس جاؤ۔''

میں روتے ہوئے جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس ہوا تو آپ ﷺ نے پوچھا: مَالَكَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ؟ ''ابوہریرہ! تجھے کیا ہوگیا؟''

میں نے آپ کو حقیقت سے آگاہ کیا۔ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی میری پیٹھ پر آ پہنچے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ان سے پوچھا: يَا عُمَرُ! مَا حَمَلَكَ عَلٰى مَا صَنَعْتَ؟

''عمر! آخر تم نے ایسا کیوں کیا؟''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! کیا آپ ﷺ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو سچے دل کے ساتھ کلمہ طیبہ کی گواہی دینے

والوں کے لیے جنت کی بشارت دے کر بھیجی تھی؟"

رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ہاں!" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

فَلَا تَفْعَلْ، فَاِنِّیْ أَخْشٰی أَنْ یَّتَّکِلَ النَّاسُ عَلَیْهَا فَخَلِّهِمْ یَعْمَلُوْنَ .

"آپ ایسا نہ کریں کیونکہ مجھے خوف ہے کہ لوگ اسی بشارت پر تکیہ کر بیٹھیں گے (اور عمل کو بالائے طاق رکھ دیں گے) اس لیے آپ لوگوں کو عمل کرنے کے لیے چھوڑ دیں۔"

چنانچہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: فَخَلِّهِمْ .

"چلو انہیں عمل کرنے کے لیے چھوڑ دو۔" (مسلم: کتاب الایمان ۳۱)

(۳۶)
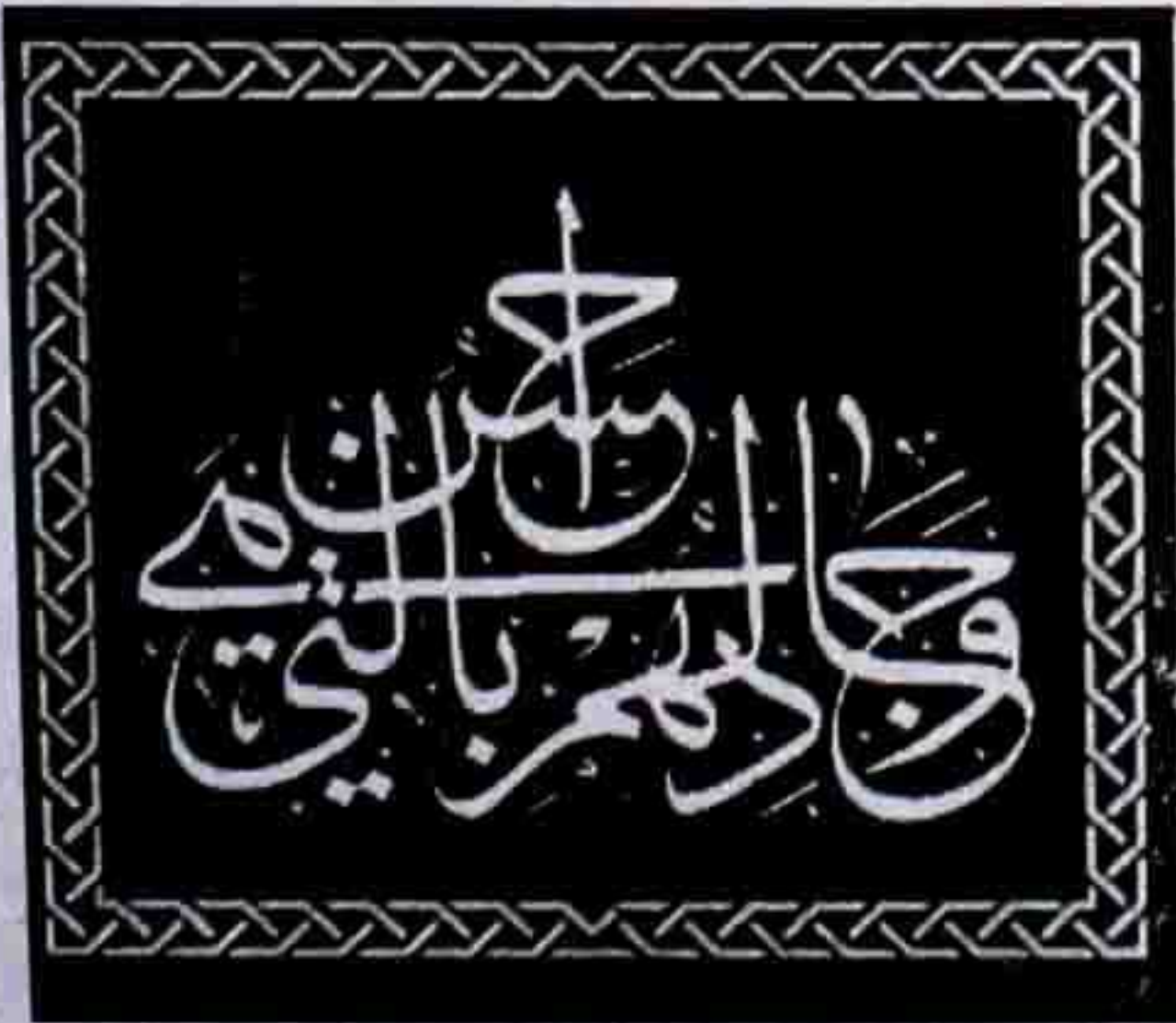
اُخروی حساب کا خوف

حضرت سیدنا مبارک بن سعید رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ایک شخص حضرت سیدنا سفیان رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سات ہزار دینار کی دو تھیلیاں لے کر حاضر ہوا اس شخص کا والد آپ رحمۃ اللہ علیہ کا بہت گہرا دوست تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اکثر اس کے پاس جا کر قیلولہ فرماتے اور وہ بھی اکثر آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا کرتا تھا۔ دینار لانے والے نے آپ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: ''اے ابوعبداللہ رحمۃ اللہ علیہ! کیا آپ کے دل میں میرے والد کی کچھ محبت ہے؟''

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے والد کی خوب تعریف کی اور فرمایا: ''اللہ تبارک و تعالیٰ تمہارے والد پر رحم کرے، وہ بہت اچھے انسان اور بہت سی خوبیوں کے حامل تھے۔''

کہا: ''اے ابوعبداللہ رحمۃ اللہ علیہ! آپ تو جانتے ہی ہیں کہ یہ مال میرے پاس کیسے آیا؟ اب میں چاہتا ہوں کہ آپ یہ تمام دینار قبول فرمالیں اور ان کے ذریعے اپنے اہل وعیال کی کفالت پر مدد حاصل کریں۔''

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے ساری رقم لے لی جب وہ جانے لگا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا: ''جاؤ اور اس کو میرے پاس بلا لاؤ۔''

میں گیا اور اسے بلا لایا۔ فرمایا: ''اے بھتیجے! تمہارا مال میں نے قبول کر لیا اب میری خواہش ہے کہ یہ مال تم قبول کر لو۔''

اس نے انکار کرتے ہوئے کہا: ''اے ابوعبداللہ رحمۃ اللہ علیہ! کیا آپ کے دل میں اس مال کے بارے میں کوئی کھٹکا ہے؟''

فرمایا: ''نہیں! لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم یہ واپس لے لو۔''

آپ رحمۃ اللہ علیہ اسی طرح تکرار کرتے رہے یہاں تک کہ اس نے مال واپس لے لیا۔

جب وہ چلا گیا تو میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اس وقت میرے پاس کچھ بھی نہ تھا' میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کھڑا ہوا اور کہا: ''اے بھائی! افسوس ہے! آپ کا دل کیسا ہے؟ کیا آپ کے اہل و عیال نہیں' کیا آپ مجھ پر رحم نہیں کریں گے؟ کیا آپ ہمارے بچوں پر رحم نہیں کریں گے؟ آپ ہمارے لیے وہی مال قبول کر لیتے' میں کافی دیر تک آپ رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح کہتا رہا بالآخر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اگر تم چاہو تو وہ مال لے لو اور خوش دِلی سے کھاؤ' میں کبھی بھی اسے قبول نہیں کروں گا کیونکہ اگر میں نے وہ قبول کر لیا تو اس کے متعلق سوال بھی مجھ ہی سے ہو گا' کسی اور سے نہیں۔''

(عیون الحکایات)

(۳۷)

سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ اور کمال درگزر

سید احمد کبیر الرفاعی کبار صوفیاء میں سے ہیں۔ ایک مرتبہ سخت گرمیوں کے رمضان المبارک میں نمازِ مغرب کے وقت ایک آدمی نے آپ کو کھانے کی دعوت دی۔ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کی دعوت کو بھی قبول کرنا چونکہ سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اس لیے آپ نے اس کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے فرمایا: ''ٹھہر جاؤ! میں دو رکعت نفل پڑھ لوں۔''

نمازِ مغرب کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا ان کا مستقل معمول تھا مگر اس آدمی نے اصرار کیا: ''حضور! ابھی چلیے۔''

آپ نفل چھوڑ کر اس کے ساتھ چل پڑے جب وہ اپنے گھر کے دروازہ پر پہنچا تو حضرت کو کہا: ''آپ تھوڑی دیر ٹھہریں میں اندر جگہ بنالوں۔''

آپ نے فرمایا: ''ٹھیک ہے۔''

وہ اندر گیا تو کسی کام میں ایسا مصروف ہوا کہ اسے یہ بات بھول ہی گئی کہ اس کا کوئی بلایا ہوا مہمان اس کے انتظار میں باہر کھڑا ہے جب عشاء کی اذان ہوئی تو وہ نماز کے لیے گھر سے باہر نکلا' دروازے پر سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کو انتظار میں کھڑے دیکھ کر بہت شرمندہ ہوا۔ معذرت کی اور کہا: ''حضور! قسم بخدا میں بھول گیا تھا۔''

آپ نے فرمایا: ''بیٹا کوئی بات نہیں چلو پہلے نماز پڑھتے ہیں پھر آ کر افطاری کا کھانا کھائیں گے۔'' ماتھے پر ذرہ بھر بھی شکن نہ آئی۔

(قلادۃ الجواہر فی ذکر الغوث الرفاعی واتباعہ الاکابر از سید محمد ابی الہدی افندی الرفاعی ص ۵۴' طبع بیروت ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء)

اسی طرح ایک اور آدمی نے آپ کو دعوت دی۔ آپ اس کے گھر پہنچے تو اس نے کہا:

''واپس چلے جائیے۔''

آپ بخوشی اور خاموشی کے ساتھ واپس آ گئے اس نے دوبارہ آپ کو دعوت دی۔ آپ نے کمال شفقت سے دوبارہ اس کی دعوت قبول کر لی۔ دوسری دفعہ اس کے دروازے پر پہنچے تو اس نے پھر وہی سابقہ حرکت کی۔ آپ خاموشی سے لوٹ آئے۔ تیسری مرتبہ پھر اس نے اپنے گھر آنے کی درخواست کی۔ آپ نے اس کی درخواست قبول فرمائی اب کے وہ آپ کو اپنے گھر لے گیا اور اندر بٹھا کر پہلے دو مرتبہ کی غلطی اور گستاخی کی معافی مانگنے لگا اور کہنے لگا:

''قسم بخدا! آپ جیسے حوصلے اور برداشت والا آدمی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔''

فرمایا: ''بیٹا کوئی بات نہیں۔''

(قلادة الجواہر فی ذکر الغوث الرفاعی واتباعہ الاکابر از سید محمد ابی الہدی آفندی الرفاعی ص ۵۴، طبع بیروت ۱۴۰۰/۱۹۸۰ء)

(۳۸)

عالمِ دین کی محبت

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ سے حساب لے گا جب اس کی بُرائیاں اس کی نیکیوں پر غالب ہوں گی تو اس کو دوزخ کا حکم دیا جائے گا چنانچہ جب فرشتے اس کو دوزخ کی طرف لے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ جبرائیل علیہ السلام سے فرمائے گا:

''میرے بندے کے پاس پہنچو اور اس سے پوچھو کہ کیا وہ دنیا میں کسی عالم کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ میں اس عالم کی سفارش سے اس کو بخش دوں؟''

چنانچہ جبرائیل علیہ السلام اس سے پوچھیں گے، وہ کہے گا کہ نہیں پس حضرت جبرائیل علیہ السلام عرض کریں گے:

''اے رب! تو اپنے بندہ کا حال خوب جانتا ہے۔ اس نے کہا کہ نہیں! اس کے بعد اللہ جل شانہ فرمائے گا کہ آیا وہ کسی عالم کو دوست رکھتا تھا؟ وہ کہے گا کہ نہیں پھر ارحم الراحمین فرمائے گا کہ اس سے پوچھو کہ کیا وہ دسترخوان پر کسی عالم کے ساتھ بیٹھا تھا، وہ کہے گا کہ نہیں! اس کے بعد اللہ جل شانہ فرمائے گا کہ اس سے پوچھو کہ آیا یہ اس گلی میں سکونت رکھتا تھا جس میں کوئی عالم تھا۔ وہ کہے گا نہیں پھر خداوند عالم فرمائے گا کہ اس سے پوچھو کہ اس کا نام کسی عالم کے نام یا اس کا نسب کسی عالم کے نسب کے موافق تھا وہ کہے گا نہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس سے پوچھو کہ آیا یہ کسی ایسے آدمی سے محبت رکھتا تھا جو کسی عالم کو محبوب رکھتا تھا۔ پس وہ کہے گا کہ ہاں پھر تو اللہ تعالیٰ جبرائیل علیہ السلام سے فرمائے گا کہ اس کا ہاتھ پکڑو اور جنت میں داخل کرو اس لیے کہ میں نے اس کو اسی وجہ سے بخش دیا۔ (قلیوبی)

(۳۹)

ابوجہل کی پیاس

امام طبرانی نے اپنی کتاب اوسط میں نقل فرمایا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں بدر کے اطراف میں چل رہا تھا تو بالکل اچانک گڑھے میں سے ایک شخص نکلا جس کی گردن میں زنجیر بندھی تھی اس نے مجھے پکارا: ''اے عبداللہ! مجھے پانی پلادے۔''

پھر اسی گڑھے سے ایک اور شخص نکلا جس کے ہاتھ میں کوڑا تھا اور اس نے مجھ سے کہا: ''اے عبداللہ! اس کو پانی مت پلانا یہ کافر ہے۔''

یہ کہہ کر اس کو کوڑا مارا تو وہ شخص پھر اسی گڑھے میں چلا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر کا بیان ہے: ''میں نے مدینہ میں آکر جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس واقعہ کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا: ''تم نے اس شخص کو دیکھ لیا تھا۔''

میں نے نے عرض کیا: ''جی ہاں!''

تو فرمایا: ''یہ شخص خدا کا دشمن ابوجہل تھا۔ قیامت تک بدر کے گڑھے میں اسی طرح عذاب میں گرفتار رہے گا۔'' (روحانی حکایات)

(۴۰)

یہی تو اصل سرداری ہے

عبدالملک بن مروان بن حکم بن ابی العاص ۲۶ ہجری میں پیدا ہوئے' سولہ سال کی عمر میں ان کی صلاحیت دیکھ کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں مدینہ کا گورنر مقرر کیا۔ ان کی خلافت اکیس سال تک رہی اور ستاون سال کی عمر میں وفات پائی۔

چنانچہ عبدالملک بن مروان حج کی غرض سے مکہ مکرمہ میں ہے' اپنے گھر میں پلنگ پر بڑے وقار سے بیٹھا ہے اس کے اردگرد اشرافِ مکہ ہیں اچانک سامنے کے دروازے سے مشہور تابعی بزرگ عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ داخل ہوتے ہیں جیسے ہی خلیفہ کی نظر ان پر پڑی کھڑا ہوگیا۔ سلام عرض کیا اور نہایت احترام سے پلنگ پر اپنے سامنے بٹھایا اور کہنے لگا:

يَا أَبَا مُحَمَّدٍ' مَا حَاجَتُكَ؟

''اے ابومحمد! اگر کوئی حاجت ہو تو پیش کریں۔''

عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ کہنے لگے: ''حرمین شریفین میں لوگوں کے ساتھ ظلم و زیادتی سے بچیں' ان کے بارے میں اللہ کا خوف کریں' مہاجرین و انصار کی اولاد کے ساتھ حسنِ سلوک کریں کہ آپ انہی کی بدولت اس مرتبہ و مقام پر پہنچے ہیں جو لوگ سرحدوں پر جہاد میں مصروف ہیں ان کے حقوق کا خیال کریں۔ اصل میں یہی لوگ اسلام کا قلعہ ہیں۔ مسلمانوں کے معاملات اور مسائل میں پوری دلچسپی اور توجہ دیں کہ ان تمام کی ذمہ داری آپ پر عائد ہوتی ہے۔

آپ کے دروازے پر آنے والے حاجت مند آپ کی توجہ کے محتاج ہیں' ان سے

غفلت نہ برتیں اور ہاں ان کے لیے اپنے دروازے کبھی بند نہ کریں۔ عبدالملک بن مروان کہنے لگا: ''جو آپ نے فرمایا ہے ایسا ہی ہوگا''

تھوڑی دیر کے بعد عطا اُٹھ کھڑے ہوئے اور چل دیے۔

اب عبدالملک نے ان کا بازو پکڑ لیا اور کہنے لگا:

اِنَّمَا سَأَلْتَنَا حَوَائِجَ غَيْرِكَ وَقَدْ قَضَيْنَاهَا، فَحَاجَتُكَ؟

''آپ نے دوسروں کی ضروریات پیش کی ہیں جنہیں ہم پورا کریں گے مگر آپ نے اپنی ضرورت تو بتائی ہی نہیں؟'' عطاء نے اس سے اپنا بازو چھڑایا اور کہنے لگے:

مَا لِيْ اِلٰى مَخْلُوْقٍ حَاجَةٌ ۔

''مخلوق میں سے مجھے کسی شخص سے کوئی حاجت اور ضرورت نہیں۔''

یہ کہہ کر چل دیے۔ عبدالملک نے یہ سن کر کہا:

هٰذَا وَأَبِيْكَ السُّؤْدُدُ ۔ ''قسم سے یہی تو سرداری ہے۔''

(سیر اعلام النبلاء للذہبی ۸۴/۵)

یاد رہے! عطا بن ابی رباح فہری رحمۃ اللہ علیہ کبار تابعین میں سے تھے۔ دو سو سے زائد صحابہ کرام علیہم الرضوان کو پایا۔ یہ نہایت ثقہ، فقیہ، محدث، امام اور عالمِ دین تھے۔ حدیث کے استاد تھے اور حج وعمرہ کے مسائل کو اپنے وقت میں سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ انہوں نے ستر حج کیے اور سو سال کی عمر میں وفات پائی۔

(۴۱)

ایک توجہ سے سارے برتن بھر گئے

حضرت سیدنا احمد بن محمد بن جعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' جس رات حضرت سیدنا شریح بن یونس رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بچے کی ولادت ہوئی اس رات وہ میرے پاس تشریف لائے اور تین درہم دیتے ہوئے کہا: ''ایک درہم کا شہد' ایک کا گھی اور ایک درہم کے ستو دے دو۔''

میرے پاس اس وقت تمام اشیاء ختم ہو چکی تھیں اور میں تمام برتن خالی کر چکا تھا تا کہ صبح سویرے بازار سے اشیاء لا کر ان میں رکھوں۔ میں نے عرض کی: ''حضور! اس وقت تمام سامان ختم ہو چکا ہے اور دُکان کے سارے برتن خالی ہیں۔ میں صبح سویرے سامان خریدنے جاؤں گا اس وقت آپ کی مطلوبہ اشیاء میرے پاس موجود نہیں۔''

فرمایا: ''جاؤ! دیکھو تو سہی شاید برتنوں میں کوئی چیز مل جائے۔''

میں نے دیکھا تو سب برتن بھرے ہوئے تھے اور ستوؤں کا تھیلا بھی بھرا ہوا ہے۔ میں نے بہت سارے ستو اور دیگر اشیاء آپ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے لا کر رکھ دیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''تم تو کہہ رہے تھے کہ تمام برتن خالی ہیں اب یہ سامان اتنی جلدی کہاں سے آ گیا؟''

میں نے کہا: ''حضور! آپ سکوت فرمائیں اور اپنی مطلوبہ اشیاء لے جائیں۔''

فرمایا: ''سچ سچ بتاؤ' معاملہ کیا ہے؟ ورنہ میں یہ چیزیں ہرگز نہیں لوں گا۔''

میں نے عرض کی: ''آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اس فرمان کے بعد: ''جاؤ دیکھو تو سہی! شاید برتنوں میں کچھ مل جائے'' جب میں نے برتن دیکھے تو سب کے سب بھرے ہوئے تھے اور یہ سب کچھ آپ ہی برکت سے ہوا۔ فرمایا: ''خبردار! جب تک میں زندہ رہوں' یہ واقعہ کسی کو نہ بتانا۔'' (عیون الحکایات)

(۴۲)

اللہ والوں کی عفو ودرگزر کے واقعات

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ ایک بار جنگل میں جارہے تھے‘ راستے میں ایک فوجی نے دریافت کیا: ”آیا تو خدا کا بندہ ہے؟“ جواب دیا: ”ہاں!“

اس نے شہر کا راستہ دریافت کیا: ”آپ نے قبرستان کی طرف اشارہ کیا: ”یہ شہر ہے“

اس نے کہا: ”میں شہر پوچھ رہا ہوں جہاں انسانوں کی آبادی ہو۔“

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: ”ہاں! ہاں! سب سے بڑی آبادی یہاں ہے اور سب سے گنجان اور بارونق شہر یہی ہے۔

وہ حضرت کی بات نہ سمجھا‘ فقیر دیکھ کر اسے غصہ آیا اور لاٹھی اُٹھا کر کھینچ ماری۔ حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ زخمی ہو گئے۔ فوجی ان کو شہر میں لایا۔ آپ کے متبعین نے جب یہ دیکھا تو اس سے کہا: ”اے فوجی! تو نہیں جانتا کہ یہ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ ہیں؟“

یہ معروف نام اس نے بھی سن رکھا تھا کیونکہ یہ نام اس شخص کا تھا جس نے اللہ کی خاطر اپنی کرسی اور اقتدار کو چھوڑ دیا تھا ورنہ کرسی کو کون چھوڑتا ہے؟ ان کے اس اخلاص نے ان کو غیر معروف نہیں رہنے دیا تھا۔ اللہ کا وعدہ ہے جو آدمی اس کے نام کو بلند کرے گا‘ اللہ اسے ضرور بلند فرمائے گا۔ وہ فوجی گھوڑے سے اُترا اور پیروں پر سر رکھ کر کہنے لگا: ”آپ نے اپنے آپ کو بندہ کیوں کہا؟“

تو فرمایا: ”میں اس مالک کا (خدا کا) بندہ ہی ہوں اس نے معافی چاہی۔ آپ نے فرمایا: ”تو نے جس وقت لاٹھی ماری تھی میں نے اسی وقت تجھ کو معاف کر دیا تھا۔“

لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا: ”اس لیے کہ اس کو گناہ کا بدلہ ملے گا اور مجھے اس

کے معاف کر دینے سے ثواب مگر اب جب اس نے معافی مانگ لی اور اسے اپنی غلطی پر ندامت ہوئی تو عند اللہ اس کا گناہ بھی معاف ہو گیا۔"

(امام غزالی کیمیائے سعادت ص ۴۰۷)

☆......معروف صوفی حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ ایک دن غسل کرنے کے واسطے پانی (حمام' ندی وغیرہ) میں داخل ہوئے' کپڑے اُتار کر ایک طرف رکھ دیئے اسی دوران ایک چور آیا اور کپڑے اُٹھا کر چلتا بنا۔ حضرت پانی میں ہی کھڑے رہے۔ اللہ کریم اپنے بندوں کو مشکلات سے نکالنے کا خود انتظام فرماتا ہے وہ ایسے راستے اور اسباب پیدا فرما دیتا ہے جو انسان کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتے جو اس پر بھروسہ کرتے ہیں' وہ ان کے لیے کافی ہوتا ہے۔ چنانچہ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ وہی چور کپڑے لے کر لوٹ آیا اس کا دایاں ہاتھ شل ہو چکا تھا۔ کپڑے آپ کے سامنے رکھتے ہوئے آپ سے معافی کا خواست گار ہوا۔ آپ نے معافی دیتے ہوئے بارگاہِ ایزدی میں اس کے حق میں یوں دعا کی: "اے میرے پروردگار! اس آدمی نے میرے کپڑے مجھے واپس لوٹا دیئے ہیں اب تو بھی اس کا ہاتھ اس کو واپس عطا فرما دے۔" آپ کی دعا قبول ہوئی' اللہ کریم نے اس چور کے ہاتھ کو اسی وقت واپس کر دیا یعنی تندرست فرما دیا اور اس نے سلام کرتے ہوئے اپنی راہ لی۔

(حافظ ابونعیم اصفہانی: حلیۃ الاولیاء: ۱۰:۵۱' مطبوعہ مصر ۱۹۳۸ء)

☆......ایک مرتبہ کسی یہودی کے مکان کے قریب آپ نے کرایہ پر مکان لے لیا اور آپ کا حجرہ یہودی کے دروازے سے متصل تھا۔ چنانچہ یہودی نے دشمنی میں ایک ایسا پرنالہ بنوایا جس کے ذریعے پوری غلاظت آپ کے مکان میں ڈالتا رہتا اور آپ کی نماز کی جگہ نجس ہو جاتی۔ بہت عرصہ تک وہ یہ عمل کرتا رہا لیکن آپ نے کبھی شکایت نہیں کی۔ ایک دن اس یہودی نے خود ہی آپ سے عرض کیا: "میرے پرنالے کی وجہ سے آپ کو کوئی تکلیف تو نہیں؟"

آپ نے فرمایا: "پرنالہ سے جو غلاظت گرتی ہے اس کو جھاڑ و دے کر روزانہ دھو ڈالتا ہوں۔ اس لیے مجھے کوئی تکلیف نہیں۔"

یہودی نے عرض کیا: ''آپ کو اتنی اذیت برداشت کرنے کے بعد بھی کبھی غصہ نہیں آیا؟''

فرمایا: ''خدا تعالیٰ عزوجل کا یہ حکم ہے کہ جو لوگ غصہ پر قابو پا لیتے ہیں نہ صرف ان کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں بلکہ انہیں ثواب بھی حاصل ہوتا ہے۔''

یہ سن کر یہودی نے عرض کیا: ''یقیناً آپ کا مذہب بہت عمدہ ہے کیونکہ اس میں معاندین کی اذیتوں پر صبر کرنے کو اچھا کہا گیا ہے اور آج میں سچے دل سے اسلام قبول کرتا ہوں۔'' (شیخ فریدالدین عطار، تذکرۃ الاولیاء (اردو) ص: ۳۰)

☆...... خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت میں حلم وعفو کی درویشانہ صفات درجہ کمال کو پہنچی ہوئی تھیں۔ ایک بار ایک بدظن آدمی حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آیا۔ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا علم نورِ باطن سے ہو گیا لیکن وہ شخص جب نزدیک آیا تو بہت ہی اخلاق سے پیش آئے اور اپنے پاس بٹھا کر فرمایا: ''جس ارادہ سے آئے ہو اس کو پورا کرو۔''

یہ سنتے ہی وہ شخص کانپنے لگا اور سربسجود ہو کر عاجزی سے بولا: ''مجھے لالچ دے کر آپ کو ہلاک کرنے کو بھیجا گیا تھا۔''

یہ کہہ کر چھری نکالی اور سامنے ڈال دی پھر قدم مبارک پر گر کر کہنے لگا: ''آپ مجھے اس کی سزا دیجیے۔''

حضرت نے فرمایا: ''ہم درویشوں کا شیوہ ہے کہ ہم سے کوئی بدی بھی کرتا ہے تو ہم اس کے ساتھ نیکی سے پیش آتے ہیں، تم نے میرے ساتھ کوئی بُرائی نہیں کی۔''

یہ کہہ کر اس کے لیے دعائیں کیں، وہ آدمی بہت متاثر ہوا اور اسی وقت سے خدمت میں رہنے لگا اور حضرت کی بدولت اس کو پینتالیس بار زیارت بیت اللہ کی سعادت حاصل ہوئی اور اسی مقدس سرزمین میں پیوند خاک بھی ہوا۔

خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اس دیارِ غیر میں سب سے بڑا اور مؤثر ہتھیار یہی تیغ اخلاق تھی جس نے اہلِ ہند کے قلوب کو فتح کیا اور ''سلطان الہند'' کے لقب کا

تاج ان کے سر پر سجایا۔ اسی حسنِ اخلاق سے اپنے پرائے سب ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوتے گئے اور خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا رُخ بت خانوں سے مساجد کی طرف موڑ دیا۔ (سیر الاقطاب (اردو) ص ۱۴۹۔۱۵۰، طبع نفیس اکیڈمی کراچی)

☆...... حضرت خیر النساج کا واقعہ اس سے پہلے بھی گزرا ہے لیکن اب صوفیاء کی زبان سے سنیے: آپ کا اصل نام محمد بن اسماعیل تھا مگر آپ کو خیر النساج کہتے تھے (م ۳۲۲ھ) اس کا سبب یہ تھا کہ ایک مرتبہ جب آپ اپنے وطن سے سامرہ چلے گئے تو حج کے ارادہ سے آپ کا گزر کوفہ سے ہوا۔ شہر کے دروازہ پر ایک ریشم باف نے پکڑ لیا کہ تو میرا غلام ہے اور تیرا نام خیر ہے لہٰذا میں تمہیں یہاں سے ہرگز جانے نہ دوں گا۔ آپ نے اس بات کو حق تعالیٰ کی طرف سے سمجھا اور اس آدمی کی مخالفت نہ کی اور کچھ مدت تک اس کا کام کرتے رہے جب وہ شخص آپ کو یا خیر کہہ کر پکارتا تو حضرت شیخ اس کو لبیک کہہ کر جواب دیتے یہاں تک کہ وہ شخص اپنے کیے پر پشیمان ہو گیا اور آپ سے کہنے لگا: ”آپ جائیے میں نے غلطی کی تھی۔ آپ میرے غلام نہیں۔“

آپ چلے گئے اور مکہ شریف پہنچ گئے اور اس درجہ پر پہنچے کہ حضرت جنید نے فرمایا: ”خیر ہم سے اچھے ہیں۔“

آپ اس بات کو پسند کرتے تھے کہ لوگ آپ کو خیر کہہ کر پکاریں اور فرماتے: ”یہ بات روا نہیں کہ جب ایک مسلمان نے میرا نام خیر رکھا تو میں اس کو بدل دوں۔“

(الف: رسالہ قشیریہ (اردو) ص ۷۷، ب: کشف المحجوب (ترجمہ) ص ۲۲۸)

☆...... خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”تارانی نام کا ایک بادشاہ تھا جسے لوگوں نے ہنگامہ کر کے مار ڈالا۔ تارانی بادشاہ کو شیخ سیف الدین باخرزی رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی محبت تھی اس کے مارے جانے کے بعد کسی دوسرے کو بادشاہ بنا دیا گیا اس بادشاہ کا جو پہلے بادشاہ کی جگہ بیٹھا تھا، ایک چغل خور نجومی مقرب بن گیا۔ یہ چغل خور نجومی شیخ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ سے عداوت رکھتا تھا جب اسے بادشاہ سے بات کہنے کا موقع ملا تو اس نے بادشاہ سے کہا: ”اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری حکومت قائم رہے تو شیخ سیف الدین کو درمیان سے ہٹا دو

کیونکہ حکومتوں میں سب تغیر وتبدل انہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔"

یہ الفاظ سننے کے بعد بادشاہ نے اس نجومی کو کہا: "تم خود جاؤ اور جس طرح ممکن ہو شیخ کو میرے پاس لاؤ۔"

نجومی گیا اور انہیں بادشاہ کے سامنے لا حاضر کیا مگر وہ بڑی بے ادبی سے شیخ کو لایا اس نے ان کی گردن میں دستار ڈالی یا ان کے ساتھ اس طرح کی کوئی اور تحقیر آمیز حرکت کی۔

الغرض جب شیخ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ اس طرح لائے گئے جیسے ہی بادشاہ کی نظر ان پر پڑی معلوم نہیں اسے کیا دِکھایا گیا کہ وہ اسی دَم تخت سے نیچے اُتر آیا اور انتہائی معذرت کے ساتھ شیخ کے ہاتھ اور پاؤں چومنے لگا اس نے گھوڑا اور دوسرے بہت سے تحفے خدمت میں پیش کیے اور معافی طلب کی۔ اس نے کہا: "میں نے آپ کو اس طرح لانے کے لیے نہیں کہا تھا۔"

مختصراً شیخ بادشاہ کے ہاں سے لوٹے اور اپنے مکان میں آ گئے۔ دوسرے روز بادشاہ نے اس چغل خور نجومی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے شیخ کی خدمت میں بھجوایا اور انہیں یہ کہلوایا: "میں نے اس نجومی کے قتل کرنے کا حکم دے دیا ہے اب میں اسے آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔ آپ اسے جیسے چاہیں قتل کریں۔"

شیخ سیف الدین نے جیسے اس چغل خور نجومی کو دیکھا فی الفور اس کے ہاتھ پاؤں کھول دیئے اور جو کپڑے وہ خود پہنے ہوئے تھے اُسے پہنائے۔ آپ نے اس سے کہا:

"آج تم وعظ میں میرے ساتھ چلو۔"

اس دن پیر تھا۔ شیخ وعظ کے لیے مسجد میں آئے اور اس نجومی کو اپنے ساتھ لائے۔ وعظ کے لیے وہ منبر پر گئے اور یہ شعر پڑھا ؎

آنا نکہ بجائے من بدیہا کردند
گردست دہد بجز نکوئی نکم

(وہ لوگ جنہوں نے میرے ساتھ ہمیشہ بُرائی کی تھی اگر میرے ہاتھ میں اختیار آیا تو میں بجز نیکی کے ان کے ساتھ اور کوئی سلوک نہیں کروں گا۔)

(فوائد الفواد ص ۴۵۷، ۴۵۸)

☆......ایک بزرگ حلم و بردباری کی صفت کے حامل تھے‘ ان سے کہا گیا: ”آپ نے یہ نعمت کہاں سے حاصل کی؟“

بزرگ نے کہا: ”میں نے یہ چیز اپنے استاد صاحب قرأت امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ سے اخذ کی ہے۔“

ان سے کہا گیا: ”امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ کے اوصافِ حلم میں سے کچھ بتایئے۔“

انہوں نے کہا: ”ایک دفعہ امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ آبادی سے دُور ایک صحرا میں تھے وہاں ایک بدتمیز آدمی ان سے بدتمیزی کے ساتھ پیش آیا اور انہیں نازیبا باتیں کیں۔“

امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ نے نہ تو اس سے کچھ کہا اور نہ اس کی باتوں کا جواب دیا۔ وہ بدتمیز آدمی برابر ان کا پیچھا کرتا رہا اور اسی طرح نازیبا باتیں کہتا رہا یہاں تک کہ وہ شہر کے نزدیک پہنچ گئے جب امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کے بیچ میں آئے تو انہوں نے اپنا منہ اس بدتمیز کی طرف کر کے کہا: ”اے خواجہ لوٹ جاؤ یہاں میرے بہت سے دوست اور جاننے والے ہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہاری بدتمیزی کی یہ باتیں سن لیں اور تمہیں ایذاء پہنچائیں۔“

اس کے بعد اس بزرگ نے امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ کی بردباری وحلم کا ایک اور واقعہ سنایا۔ انہوں نے بتایا: ”ایک دفعہ میں اور چند دوسرے شاگردان کی خدمت میں حاضر تھے اور ان سے کچھ پڑھ رہے تھے‘ وہ وضاحت فرماتے جاتے تھے اور ہم ان سے استفادہ کرتے جاتے تھے۔ امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ اس وقت ایک چادر لپیٹے بیٹھے تھے۔ وہ چادر انہوں نے اپنی کمر اور زانوں پر لپیٹ رکھی تھی اور اس طرح بیٹھے ہمیں مستفید فرما رہے تھے اسی دوران ایک آدمی نے کہا: ”آپ کے بیٹے کو قتل کر دیا گیا ہے۔“ انہوں نے پوچھا: ”کس نے قتل کیا ہے؟“

بتایا گیا ہے کہ آپ کے چچازاد بھائیوں نے۔ اس کے اور ان کے درمیان دشمنی تھی اور اسی دشمنی کی بناء پر انہوں نے اسے مار ڈالا۔ امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ”جاؤ فلاں آدمی سے کہو کہ وہ نمازِ جنازہ پڑھا دے اور پھر فلاں جگہ اسے دفن کر دو۔“

امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تین کلمات کہے اور پھر وہ شاگردوں کی طرف متوجہ ہو گئے اور ان سے کہا: ”ہاں! تم کیا پڑھ رہے تھے‘ چلو پڑھو۔“

اس بزرگ کا کہنا ہے: ''ہم نے اس واقعہ کی وجہ سے ان کے چہرے پر کوئی تغیر نہیں دیکھا۔ تغیر پیدا ہی نہیں ہوا۔''

چنانچہ وہ چادر جو انہوں نے اپنی کمر اور زانوں کے اردگرد لپیٹ رکھی تھی اسی طرح لپیٹے رکھی اسے اپنے آپ سے جدا نہیں کیا جس طرح بیٹھے ہوئے تھے، بیٹھے رہے۔ اپنی ہیئت نہیں بدلی اور پہلے کی طرح سبق پڑھانے میں مصروف ہو گئے۔''

(فوائد الفواد ص: ۲۵۴)
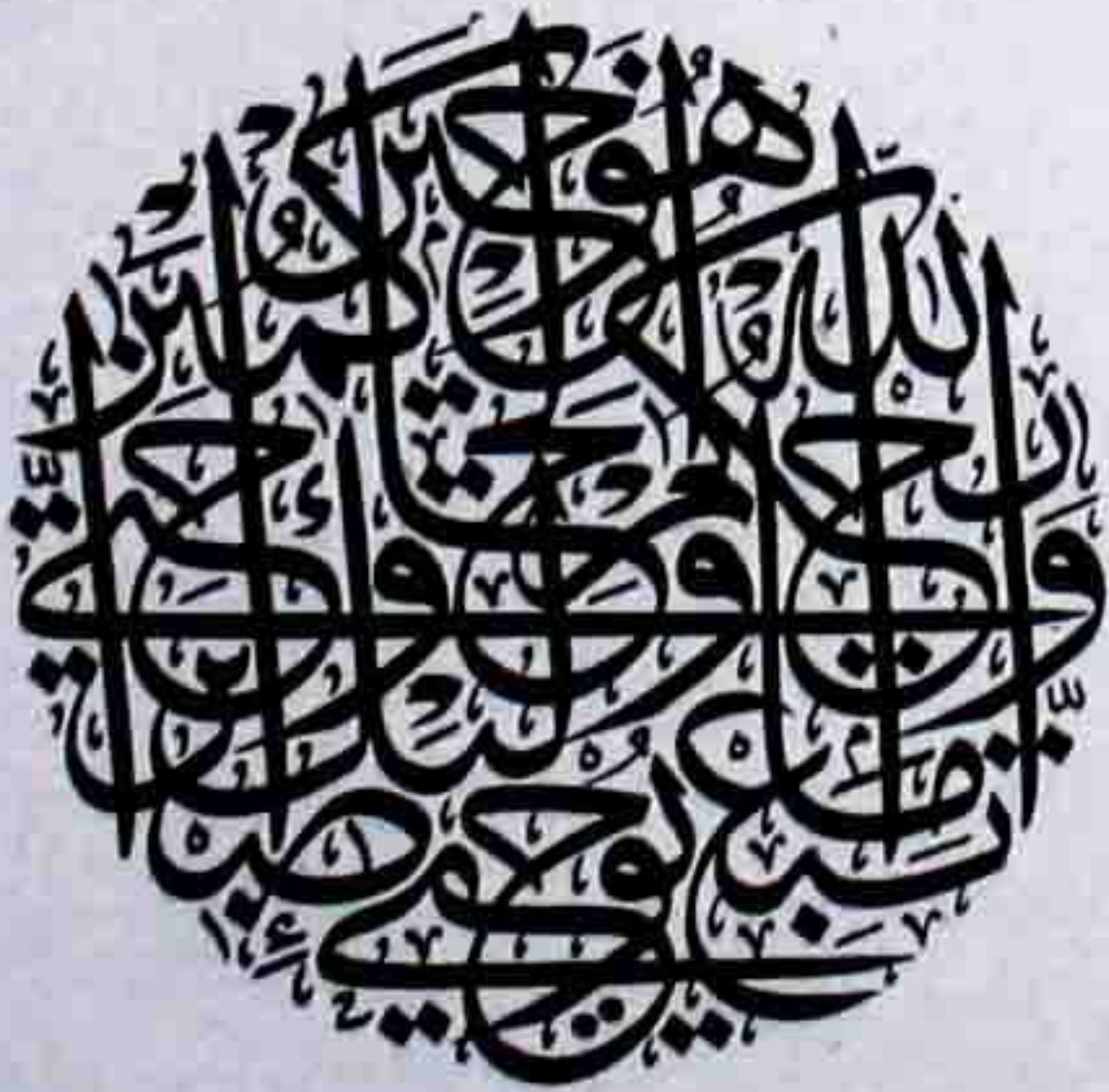
(۴۳)

شیطان کو بھگانے کا طریقہ

بیان کرتے ہیں کہ خلیفہ مامون رشید نے ایک نصرانی کو پانچ سو درہم کے مطالبہ میں قید کا حکم دیا اور اس کے ساتھ ایک سوار کو بھیجا سوار نے راستہ میں ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے سر پر گھاس کا ایک بوجھ ہے اور اس کا بوجھ ایک طرف کو جھکا ہوا ہے۔ چنانچہ سوار نے اس کو اس جانب سے سیدھا کر دیا اس کے بعد وہ بوجھ دوسری طرف جھک گیا۔ اس پر سوار نے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ کہا اس نصرانی نے اس کلمہ کی عظمت کی یہ دیکھ کر سوار نے اس سے کہا: ''جب تم نے اس کلمہ کی عظمت کی اور اس کو بزرگ خیال کیا تو پھر اللہ تعالیٰ پر ایمان کیوں نہیں لاتے ہو؟''

اس نصرانی نے جواب دیا: ''میں نے اس کلمہ کو آسمان کے فرشتوں سے سیکھا ہے۔''

اس جواب سے سوار کو تعجب ہوا جب وہ خلیفہ کی خدمت میں آیا تو جو کچھ اس نے نصرانی سے سنا تھا اس سے خلیفہ کو اطلاع دی چنانچہ خلیفہ نے اس کو طلب کیا اور فرمایا:

''تو نے اس کلمہ کو فرشتوں سے کیونکر سیکھا ہے؟''

نصرانی نے کہا: ''میرا ایک چچا بہت ہی مال دار تھا اور اس کے ایک لڑکی تھی جو نہایت ہی خوب صورت تھی۔ چنانچہ اس نے اس لڑکی سے اپنے نکاح کا پیغام دیا لیکن میرے چچا نے میرا نکاح نہ کیا اور ایک دوسرے سے اس کا عقد کر دیا۔ جب شب زفاف ہوئی تو اس کا شوہر مر گیا اس کے بعد میں نے پھر اس سے عقد کی درخواست کی لیکن میری اس مرتبہ کی بھی درخواست نامنظور ہوئی اور میرے چچا نے ایک دوسرے آدمی سے اس کا نکاح کر دیا چنانچہ

وہ بھی شبِ زفاف ہی میں مر گیا پھر اس نے تیسرے شخص کے ساتھ اس لڑکی کا نکاح کیا اور وہ بھی مر گیا اس کے بعد میں نے چوتھی مرتبہ عقد کا پیغام دیا تو اس نے مجھ سے اس کا نکاح کر دیا اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ میرے علاوہ دوسروں نے اس لڑکی کے ساتھ نکاح کرنے سے اعراض کیا۔ چنانچہ جب میں نے اس لڑکی سے خلوت کی تو شیطان میرے سامنے اس صورت میں آیا کہ گویا پہاڑ کا ایک ٹکڑا معلوم ہوتا تھا اور اس نے نہایت ہی زور سے ایک چیخ ماری اور کہا: ''تو کہاں آیا؟''

میں نے کہا: ''میں اپنی بی بی کے پاس آیا ہوں۔''

اس نے کہا: ''کیا تجھے اس کے پہلے شوہروں کا وہ حال معلوم نہیں ہے جو میں نے ان کے ساتھ کیا ہے؟''

میں نے کہا: ''ہاں! مجھے معلوم ہے اس کے بعد شیطان نے مجھ سے کہا:

''اگر تو اس پر راضی ہو کہ یہ عورت رات کو میرے لیے ہو اور دن میں تیرے واسطے ہو تو بہتر ہے ورنہ میں تجھ کو بھی مار ڈالوں گا۔''

میں نے کہا: ''مجھے یہ منظور ہے اور میں اس پر راضی ہوں۔''

چنانچہ اسی حالت پر ایک مدت گزر گئی اس کے بعد شیطان نے ایک رات مجھ سے کہا:

''آج میں آسمان پر جاؤں گا تا کہ ملاء علیٰ کی باتیں چوری سے سنوں۔ آج رات آسمان پر جانے کی میری باری ہے۔ بس کیا تم میرے ساتھ آسمان پر چڑھنے کے واسطے راضی ہو اور میرے ہمراہ چلتے ہو؟'' میں نے اس سے کہا: ''میں تیار ہوں۔''

چنانچہ وہ شیطان ایک بڑے اونٹ کی شکل بن گیا اور مجھ سے کہا: ''میری پیٹھ پر سوار ہو اور مضبوطی سے بیٹھو اس کے بعد میں اس پر سوار ہوا اور وہ ہوا میں اُڑا۔''

پس میں نے فرشتوں سے سنا کہ وہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ کہتے ہیں۔ چنانچہ جب شیطان نے یہ کلام سنا تو وہ پھرا اور مردہ سا ہو کر زمین پر گر پڑا اور میں بھی اس کے قریب ہی گرا جب تھوڑی دیر کے بعد اس کو افاقہ ہوا تو اس نے مجھ سے کہا: ''تم اپنی آنکھ بند کرو۔''

چنانچہ میں نے آنکھ بند کی پھر جب میں نے آنکھ کھولی تو کیا دیکھتا ہوں کہ میں اپنے مکان کے دروازے پر ہوں اس کے بعد جب میں نے اپنی بیوی سے خلوت کی تو میں نے اس سے کہا: "اس گھر میں جتنے سوراخ اور روزن ہوں ان سب کو بند کرو۔"

چنانچہ اس نے سب کو بند کر دیا۔ شیطان رات کو آیا اور گھر میں داخل ہوا تو میں نے دروازہ بند کر دیا اور اپنا منہ دروازے پر رکھ کر لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ پڑھا اس کے بعد میں نے مکان میں ایک سخت آواز سنی پھر میں نے دوسری اور تیسری مرتبہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ پڑھا۔ میری بی بی نے مجھے پکار کر کہا: "اندر آؤ۔"

چنانچہ میں اندر گیا تو اس نے کہا: "جب تم نے پہلی مرتبہ لاحول پڑھا تو شیطان یہاں سے بھاگنے کا رستہ تلاش کرنے لگا لیکن اس نے راستہ نہ پایا اس کے بعد جب تم نے اس کلمہ کو دوبارہ کہا تو آسمان سے آگ اُتری اور اس کو گھیر لیا اور جب تم نے اس کلمہ کو تیسری مرتبہ پڑھا تو اس آگ نے اس کو جلا کر راکھ کر دیا اور بے شک اللہ تعالیٰ نے اس ملعون سے ہم کو نجات دی۔"

جب خلیفہ مامون نے نصرانی سے یہ قصہ سنا تو اس کو آزاد کر دیا اور جن پانچ سو درہموں کے بارے میں اس کو قید کیا تھا' وہ بھی معاف کر دیئے۔ واللہ اعلم بالصواب

(قلیوبی)

(۴۴)

خوف ناک واقعات

امام مکحول راوی ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی آیا جس کے سر کا ایک طرف کے آدھے بال اور آدھی داڑھی سفید' آدھا سر اور آدھی داڑھی سیاہ تھی۔ امیر المومنین نے اس کا سبب دریافت فرمایا تو اس نے بتایا: ''میں رات کو ایک قبرستان میں گیا تو دیکھا کہ ایک آدمی ایک آدمی کا کوڑا ہاتھ میں لیے دوڑ رہا ہے اور جب اس کو پالیتا ہے تو کوڑا مارتا ہے اور کوڑا مارتے ہی اس شخص کا بدن سر سے قدم تک جل کر شعلہ مارنے لگتا ہے۔ میں جب اس کے قریب پہنچا تو وہ ایک دم دوڑ کر مجھ سے چمٹ گیا اور کہا: ''اے اللہ کے بندے! مجھے بچا''

پھر کوڑا مارنے والے نے کہا: ''اے اللہ کے بندے! تو اس کی فریادرسی مت کر یہ کافر ہے۔''

اس شخص کے میرے بدن سے چمٹ جانے کا یہ اثر ہوا کہ جس طرف اس کا بدن میرے بدن سے چھو گیا اس طرف کا میرا آدھا سر اور آدھی داڑھی سفید ہو گئی۔ یہ سن کر امیر المومنین نے فرمایا: ''یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اکیلے سفر کرنے سے منع فرمایا ہے۔'' (شرح الصدور ص ۴۷)

☆...... ایک شخص جب اپنے بھائی کو قبر میں دفن کر چکا تو قبر سے اوہ کی آواز آئی۔ بھائی کی محبت نے جوش مارا' قبر کھود کر دیکھنے کا ارادہ کیا تو ایک غیبی آواز آئی کہ قبر مت کھول۔ یہ شخص رُک گیا مگر جب دوسری اور تیسری مرتبہ قبر کے اندر سے اوہ کی آواز آئی تو پھر اس سے

صبر نہ ہوسکا اور اس نے قبر کی مٹی کو ہٹا کر کھول دیا تو یہ دیکھا کہ لاش آگ کا طوق پہنے ہے اور پوری قبر میں آگ کے شعلے ہیں اس شخص نے جھٹ طوق پر ہاتھ ڈالا کہ میت کے گلے میں سے اس کو جدا کردے۔ ہاتھ پڑتے ہی ہاتھ کی چار انگلیاں ایک دم اچانک ہاتھ سے غائب ہوگئیں۔ اس شخص کا بیان ہے کہ میں نے اس واقعہ کو محدث شام امام اوزاعی سے ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہودی نصرانی اور دوسرے کفار بھی مرتے ہیں مگر ان کی قبروں میں ایسا معاملہ نہیں دیکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مؤحد کی قبر میں تم لوگوں کو یہ منظر دکھا دیا تا کہ تم لوگ عبرت پکڑو۔ (شرح الصدور ۴۷ ۲۰۲)

☆...... صدقہ بن خالد نے دمشق کے بعض مشائخ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حج کے سفر میں ہمارا ایک ساتھی مر گیا ہم نے کدال سے اس کی قبر کھودی اور اس کو دفن کر دیا مگر غلطی سے کدال قبر میں رہ گئی، ہم نے کدال نکالنے کے لیے مٹی ہٹا کر اس کی قبر کو کھولا۔ نظر یہ آیا کہ اس میت کی گردن اور ہاتھ پاؤں کدال سے جکڑے ہوئے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر ہم لوگوں نے جلدی سے قبر کو بند کر دیا اور کدال والوں کو قیمت دے کر راضی کر لیا۔ جب ہم حج سے واپس ہوئے تو اس کی بیوی سے اس کا حال دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ میرے شوہر کے ساتھ ایک امیر آدمی رہتا تھا میرے شوہر نے اس کو قتل کر کے اس کا سارا مال لے لیا تھا اور میرا شوہر ہمیشہ حج بھی کرتا تھا اور جہاد کے لیے بھی جایا کرتا تھا۔

☆...... اصبہانی نے اپنی کتاب ترغیب میں عوام بن حوشب سے روایت کی ہے انہوں نے بیان کیا کہ میں ایک مرتبہ قبیلے کے قبرستان میں گیا تو میں نے دیکھا کہ عصر کے بعد ایک قبر پھٹی اور اس میں سے ایک آدمی نکلا جس کا بدن آدمی جیسا اور سر گدھے جیسا تھا۔ وہ دو تین مرتبہ گدھے کی بولی بولا اور پھر قبر میں چلا گیا۔ قبر بند ہوگئی۔ عوام بن حوشب کہتے ہیں کہ جب میں نے لوگوں سے اس کا حال دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ شخص شرابی تھا اور جب اس کی ماں اس کو خوفِ خدا سے ڈراتی تھی تو یہ بدنصیب اپنی ماں کو یہ جواب دیتا کہ تو خالی گدھے کی طرح بولتی رہتی ہے۔ عصر کے بعد اس شخص کا انتقال ہوا تو روزانہ عصر کے وقت قبر پھٹ جاتی ہے اور یہ سر نکال کر تین مرتبہ گدھے کی بولی بول کر پھر قبر میں چلا جاتا ہے

اور قبر بند ہو جاتی ہے۔(شرح الصدور ص ۲۷)

ان واقعات میں عذابِ قبر کی ہولنا کیوں سے ہر مومن کے لیے عبرت کا سامان ہے' عذابِ قبر حق ہے اور ہر مومن کو اس کی فکر لازم ہے۔قبر میں اعمالِ صالحہ کے سوا کوئی رفیق نہیں ہوگا۔ یہ بڑی کٹھن منزل ہے۔امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی کے قبر کے پاس کھڑے ہوتے تھے اس قدر روتے تھے کہ آنسوؤں سے ان کی داڑھی تر ہو جاتی تھی۔ لوگوں نے کہا:''آپ جنت اور دوزخ کے ذکر سے اتنا روتے جتنا قبر کے پاس روتے ہیں؟''تو آپ نے فرمایا:''یہ پہلی منزل ہے اگر یہ آسان ہوگئی تو اس کے آگے آسانی ہی آسانی ہے اور اگر یہ منزل دشوار ہوگئی تو اس کے آگے تمام منزلیں دشوار تر ہوتی جائیں گی۔'' اللہ اکبر! سچ فرمایا مولانا علمی نے۔

واسطے حق کے نہ ایسی راہ چل
قبر میں جس سے ہو تجھ کو کچھ خلل
قبر میں جانے کی بھی کچھ فکر کر
اونچے اونچے یاں تو بنوائے محل
روشنی قبر کا سامان کر
ہیں یہاں بے کار سب شمع و کنول

(۴۵)

مظلوم کی بددعا سے بچو

یہ قصہ ابن الملقن کی کتاب ''طبقات الأولیاء'' (ص ۱۸۰) میں مذکور ہے جسے دار المعرفہ نے شائع کیا ہے۔ ابن الملقن کہتے ہیں کہ اس قصے کو ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں علی بن حرب سے نقل کیا ہے۔

علی بن حرب کہتے ہیں: ''میں ضروریاتِ زندگی خریدنے کے لیے اپنے وطن موصل سے سامراء جانے کے لیے نکلا۔ دجلہ میں چند کشتیاں موصل سے سامراء تک چلتی تھیں اور اجرت پر سواریوں اور ان کے ساز وسامان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتی تھیں۔ میں بھی ایک کشتی میں سوار ہو گیا۔ کشتی ہمیں لے کر سامرا کی طرف سطح آب پر چل پڑی اور دریائے دجلہ کی مسافت طے کرنے لگی۔

کشتی میں لدے سامان کے علاوہ ہم صرف پانچ آدمیوں پر مشتمل جماعت تھے' دن بڑا پُرلطف تھا اور بادل کا دُور دُور تک کوئی نشان تک نہیں تھا' فضا بالکل صاف ستھری اور انتہائی خوش گوار تھی' دریائے دجلہ بالکل پُرسکون تھا' کشتی بان بڑی مستی میں خوب صورت گانے جھوم جھوم کر گائے جا رہا تھا اور کشتی بڑے سکون سے سطح آب پر تیزی کے ساتھ منزلِ مقصود کی طرف رواں دواں تھی۔ کشتی میں سوار اکثر لوگوں کو ہلکی ہلکی نیند آنے لگی لیکن میں دجلہ کے دونوں جانب کے حسین وجمیل ساحل کے مناظر سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

اچانک میری نگاہ پانی میں ایک بڑی سی مچھلی پر پڑی جو اُچھل کر کشتی کے اندر آ پڑی۔ میں نے جلدی سے مچھلی کو پکڑ لیا کہ مبادا وہ دوبارہ دریا میں چھلانگ نہ لگا دے۔

مچھلی کو پکڑنے کے لیے جو میں دوڑا تو کشتی ہچکولے کھانے لگی جس کی وجہ سے لوگوں کی نیند اُڑ گئی اور وہ نیند کی غنودگی سے باہر آ گئے جب انہوں نے مچھلی دیکھی تو ایک آدمی نے کہا: ''یہ مچھلی اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے بھیجی ہے اس لیے ہم کیوں نہ آگے ساحل پر اُتریں اور اسے بھُون کر کھائیں؟ یہ اتنی بڑی ہے کہ ہم سبھوں کو کفایت کر جائے گی۔''

ہمیں اس کی رائے بھلی لگی۔ کشتی بان نے بھی اس سے موافقت کی اور کشتی کا رُخ ساحل کی طرف موڑ دیا۔ ہم لوگ ساحل پر اُترے اور گھنے درختوں کے جھنڈ میں داخل ہوئے تاکہ لکڑیاں اکٹھی کر کے مچھلی بھونیں۔

جونہی ہم گھنے درختوں کے جھنڈ میں داخل ہوئے' ایک خوف ناک منظر نے ہمارے رونگٹے کھڑے کر دیئے۔ ایک مقتول زمین پر ڈھیر تھا اس کے قریب ایک تیز دھار چاقو پڑا ہوا تھا۔ پاس ایک دوسرا جوان آدمی تھا جس کی مشکیں کس دی گئی تھیں اور اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا جس کی وجہ سے کچھ بولنے اور چیخنے چلانے سے عاجز تھا۔ یہ خوف ناک منظر دیکھ کر ہمارے اوپر دہشت طاری ہو گئی ہم جلدی سے آگے بڑھے اور اس آدمی کی رسی کھول کر اس کے منہ سے کپڑا نکالا' وہ حد درجہ خوف زدہ اور نا امیدی کی کیفیت میں تھا۔

اس پھندے سے آزادی کے بعد وہ گویا ہوا: ''مہربانی کر کے پہلے مجھے کچھ پانی پلاؤ۔'' ہم نے اسے پانی پلایا' جب وہ پانی پی چکا تو خود ہی بیان کرنے لگا:

''میں اور یہ مقتول دونوں ایک قافلے میں تھے جو کہ موصل سے بغداد کی طرف بغرضِ تجارت جا رہا تھا۔ یہ مقتول بھانپ گیا کہ میرے پاس کافی مال ہے چنانچہ اس نے مجھ سے دوستی کر لی اور پیار و محبت کا اظہار کرنے اور میرے قریب قریب رہنے لگا۔ بہت ہی کم میرا ساتھ چھوڑتا۔ میرا بھی اس پر کافی اعتماد قائم ہو گیا۔ قافلہ منزلِ مقصود کی طرف رواں دواں تھا لیکن تھوڑا آرام کرنے کی غرض سے اس ساحل پر قافلے نے پڑاؤ ڈالا' رات کے آخری حصے میں قافلہ روانہ ہو گیا لیکن میں سویا ہوا رہ گیا اس لیے مجھے قافلے کی روانگی کی خبر نہ ہو سکی۔ قافلے کی روانگی کے بعد اس مقتول نے میری نیند کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے مجھے رسی سے باندھ دیا جیسا کہ تم مجھے دیکھ رہے ہو اور اس نے میرے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا تاکہ میں

چیخ و پکار نہ کرسکوں اس نے میرے پاس جو کچھ مال تھا' وہ چھین لیا اور مجھے زمین پر پٹخ دیا پھر مجھے قتل کرنے کے لیے میرے سینے پر بیٹھ کر کہنے لگا:

اِنْ تَرَكْتُكَ حَيًّا فَاِنَّكَ سَتَلاحِقُنِيْ وَتَفْضَحُنِيْ لِذٰلِكَ لَابُدَّ مِنْ ذَبْحِكَ .

"اگر میں تجھے زندہ چھوڑ دوں تو بعد میں تو مجھ سے مل کر مجھے ذلیل کرسکتا ہے اس لیے ضرور تجھے قتل کروں گا۔"

اس مقتول کے کمر بند سے بندھی ہوئی یہ تیز چھری تھی جو زمین پر پڑی ہوئی تم لوگ دیکھ رہے ہو اس نے مجھے قتل کرنے کے لیے کمر بند سے چھری کھینچی لیکن چھری اس میں پھنس گئی جس کی وجہ سے نکل نہیں رہی تھی اس نے چھری نکالنے کی بڑی کوشش کی جب ناکام ہو گیا تو اس نے پوری طاقت لگا کر چھری کمر بند سے کھینچی اس کی دھار اوپر کی جانب تھی' چھری زور سے نکلی اور جا کر اس کی گردن میں گھس گئی اور چمڑے کے ساتھ گوشت کو چیرتے ہوئے شہ رگ کا بھی کام تمام کر دیا۔ شہ رگ کے کٹتے ہی خون کا فوارہ جاری ہو گیا اور جب طاقت نے جواب دے دیا تو یہ مردہ حالت میں زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

یہ مجرم میری آنکھوں کے سامنے کیفر کردار تک پہنچ گیا لیکن اس کے باوجود مجھے اپنی موت کا یقین ہو چلا تھا کیونکہ ہم جس جگہ ہیں بہت ہی کم لوگ یہاں سے گزرتے ہیں اس لیے میں سوچ رہا تھا کہ کون میرے ہاتھ پاؤں کھولے گا؟ کون مجھے اس آفت سے نجات دلائے گا؟ پھر میں نے اللہ تعالیٰ کو پکارنا شروع کیا۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

"اے اللہ! میرے پاس کسی کو بھیج دے جو تیرے اس آفت رسیدہ بندے کو اس پھندے سے نجات دلائے۔"

میں برابر یہی دعا کرتا رہا۔ میں مظلوم تھا اور مظلوم کی دعا اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرماتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو میری طرف بھیجا اور تم نے میری جان بچائی۔ ذرا تم لوگ مجھے بتلانا کہ آخر وہ کون سے محرکات تھے جن کی وجہ سے تم لوگ اس بے آباد جگہ آنے پر مجبور ہوئے۔

قافلے والوں نے اسے بتلایا: ''تمہارے پاس آنے کی جو چیز محرک بنی وہ ایک مچھلی ہے جو ہماری کشتی میں سمندر سے اُچھل کر آپڑی تھی۔ ہم لوگ اس مچھلی کو بھوننے کے لیے اس جگہ آپہنچے ہیں۔

مظلوم نے قافلے والوں کی گفتگو سن کر بڑا تعجب کیا اور کہنے لگا: ''یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس مچھلی کو تمہاری کشتی میں بھیجا ہے تاکہ تم اس سنسان جگہ آؤ اور مجھے اس آفت سے بچاؤ۔ میں زیادہ تھکا ہوا ہوں اس لیے میری آپ لوگوں سے گزارش ہے کہ براہِ کرم مجھے کسی قریبی شہر میں لے چلو۔

مچھلی کو بھون کر کھانے کی بات قافلے والوں کے ذہن سے یکسر نکل ہی گئی تھی اور پھر جب وہ لوگ مظلوم کو اس کے مال سمیت لے کر کشتی کے پاس واپس آئے تو دیکھا کہ مچھلی کشتی سے کود کر سمندر میں جا چکی ہے۔ قافلے والوں کو یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس مچھلی کو کشتی کے اندر اس لیے بھیجا تھا تاکہ وہ اس مظلوم کی جان بچانے کا سبب بنے۔

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کچھ چاہتا ہے تو اس کے لیے اسباب مہیا کر دیتا ہے۔ بخاری ومسلم میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ ۔

''مظلوم کی بددعا سے بچو کیونکہ مظلوم کی بددعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی ہے۔'' (بخاری ۲۴۴۸، ومسلم ۱۹)

(۴۶)

ایک بزرگ کی خلیفہ مہدی کو نصیحت

حضرت سیدنا صالح مری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' ایک مرتبہ میں خلیفہ مہدی کے پاس گیا اور کہا: " آج میری گفتگو برداشت کرنا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لوگوں میں سے زیادہ قرب والا شخص وہ ہے جو لوگوں کی سخت نصیحتوں پر صبر کرے اور جسے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت کا رشتہ ہو تو وہ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو اپنائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل پیرا ہو۔

اے خلیفہ! بے شک اللہ تعالیٰ نے تجھے علم کی فہم اور واضح دلائل کا وارث بنایا اور اب تیرا عذر ختم ہو چکا ہے' حجتیں قائم ہوتی رہیں گی اگر اب بھی تو شبہات میں پڑا رہے تو کوئی دلیل و حجت تجھے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے نہیں بچا سکے گی جب تجھے علم مل گیا تو جہالت کا عذر قابلِ قبول نہیں۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لے کہ جو شخص حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں مخالفت اور فساد پیدا کرے اور لوگوں کو دینی احکام سے بے زار کرے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہے اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہے' وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا دشمن ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی سے بچ اور ایسی نشانیاں اپنا لے جو تیری نجات کا باعث بنیں اگر تو نے اس کا اُلٹ کیا تو سمجھ لے کہ اپنے آپ کو ہلاکت کے لیے پیش کر دیا۔

اے خلیفہ! جان لے' بے شک پچھاڑنے والے طاقت وروں میں کمزور ترین شخص وہ ہے جو ایسے شخص کو پچھاڑے جو اللہ تعالیٰ کی طرف بُلانے والا ہو۔ بے شک روزِ قیامت لوگوں میں سب سے زیادہ ثابت قدم وہ ہو گا جس نے کتاب اللہ اور سنتِ نبوی کو مضبوطی

سے تھاما اور تیرے جیسے لوگ معصیت کی وجہ سے غالب نہیں آسکتے۔ ہاں یہ ہے کہ نافرمان کے لیے برائی نیکی کا روپ دھار کر ظاہر ہوتی ہے ایسوں سے بے توجہی برتنا اور انہیں نیکی کی دعوت نہ دینا ان کے لیے سہارا بنتا ہے۔ میری ان باتوں کو اچھی طرح سمجھ کر محفوظ کر لے۔ بے شک میں نے تجھے احسن انداز میں سمجھا دیا ہے۔''

حضرت سیدنا صالح مری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''یہ باتیں سن کر خلیفہ مہدی زار و قطار رونے لگا۔ ابو ہمام کہتے ہیں:

''مجھے بعض کاتبوں نے بتایا کہ حضرت سیدنا صالح مری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ نصیحت آموز کلام ہم نے خلیفہ مہدی کے خاص رجسٹروں میں لکھا ہوا دیکھا۔''

(عیون الحکایات لابن الجوزی)

(۴۷)

اہل اللہ کا دشمن سے سلوک

خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ محبوبِ الٰہی خود فرماتے ہیں: ''میں جس زمانے میں اپنے خواجہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہ العزیز کی خدمت میں رہتا تھا تو وہاں چھ یا سات درویش آ گئے۔ وہ سب کے سب جواں' نوعمر اور خوب صورت تھے اور شاید خواجگان چشت رحمہم اللہ علیہم اجمعین کے خانوادہ طریقت سے وابستہ تھے۔ انہوں نے شیخ کبیر شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ سے عرض کیا کہ ہمارے آپس کے کچھ شکوہ شکایات ہیں' آپ اپنے کسی مرید کو حکم دیں کہ وہ ہمارے یہ شکوے سنے۔ حضرت شیخ نے مجھ سے فرمایا: ''تم جاؤ اور ان کے شکوے سنو۔''

اسی طرح بدر الدین اسحاق سے بھی کہا۔ الغرض ان میں سے ایک درویش دوسرے سے اپنی شکایت بیان کرنے لگا اور حد درجے کی نرمی و لطافت سے یوں گویا ہوا کہ اس روز آپ نے یہ ارشاد فرمایا اور میں نے یوں عرض داشت کی پھر آپ نے یوں فرمایا اور مجھے معلوم نہیں کہ میں آپ کی بات سمجھ نہیں سکا یا میں نے غلط جواب دیا اس کا ساتھی بھی اسی طرح اس کی باتوں کا نرمی سے جواب دینے لگا اس نے اس سے کہا کہ آپ نے یوں فرمایا تھا میں غلطی پر تھا۔ آپ حق پر تھے۔ مختصر یہ کہ وہ اسی طرح اور اسی انداز سے گفتگو کرتے رہے۔ میں اور بدر الدین اسحاق ان کی خوش گفتاری سے اتنے متاثر ہوئے کہ ہم پر رقت طاری ہو گئی۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں تعلیم دینے کے لیے بھیجے گئے ہیں کہ آپس کے گلے شکوے اس طرح بیان کرنے چاہئیں۔''

بعدازاں حضرت خواجہ نے زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا: ’’شکایات و باہمی معاملات کا ذکر اس طرح کرنا چاہیے کہ آدمی کی گردن کی رگ نہ اُبھرے یعنی غصے اور تعصب کا اثر ظاہر نہ ہو اس کے بعد آپ نے تحمل و بردباری اختیار کرنے پر بہت زور دیا اور فرمایا جو شخص بھی جفا اور سختی برداشت کرتا ہے وہ بہتر ہے۔ جفا اور سختی جس شخص کی طرف سے بھی ہو سہہ لینی چاہیے اور اس کا بدلہ لینے کے چکر میں نہیں پڑنا چاہیے اس موقع پر آپ کی زبان مبارک سے یہ دو مصرعے ارشاد ہوئے

ہر کہ مارا یار نبود ایزد اور ایار باد
وآنکہ مارا رنج داد راحتش بسیار باد

(ہر وہ شخص جو ہمارا یار و مددگار نہیں اللہ اس کا یار و مددگار ہو اور جس نے ہمیں تکلیف دی ہے اس کو بہت راحت و آرام ملے) بعدازاں آپ نے یہ شعر ارشاد فرمایا

ہر کہ او خارے نہددر راہ ما از دشمنی
ہر گلے کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد

(جو شخص از راہ دشمنی ہمارے راستے میں کانٹے رکھتا ہے خدا کرے اس کے باغ عمر کا ہر کھلنے والا پھول کانٹوں سے محفوظ رہے)

ساتھ ہی آپ نے یہ ارشاد فرمایا: ’’ایک شخص نے راستے میں کانٹا رکھا اور تم نے بھی کانٹا رکھ دیا اس طرح تو راستے میں کانٹے ہی کانٹے ہو جائیں گے۔ یہ کلمات ارشاد کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: عام لوگوں میں یہ ہوتا ہے کہ سیدھوں کے ساتھ سیدھے رہو اور ٹیڑھوں کے ساتھ ٹیڑھے لیکن درویشوں کا یہ اصول ہے کہ سیدھوں کے ساتھ سیدھے اور ٹیڑھوں کے ساتھ بھی سیدھے۔‘‘ (فوائد الفواد (اردو) ص: ۱۹۲ تا ۱۹۳)

عام معافی کا اعلان

اخلاص و فنائیت اور بے نفسی کے اس مقام پر پہنچ کر سالک کے دل سے رنج و شکایت انتقام کا جذبہ اور ایذاء کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے وہ نہ صرف آشنا پرور دوست نواز ہوتا ہے بلکہ دشمن کا احسان مند اور دشمن کے حق میں دعا گو بن جاتا ہے۔ گویا دشمنی کوئی احسان

ہے کوئی نادر تحفہ اور زخم دل کا مرہم ہے جس پر بے اختیار دل سے دعا نکلتی ہے اور منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔ امیر علاؤ الدین سجزی راوی ہیں کہ حضرت نے ایک مرتبہ یہ مصرعہ پڑھا ترجمہ (جو ہم کو رنج دے خدا اس کو بہت راحت پہنچائے) سیر العارفین میں ہے کہ خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی فرماتے تھے کہ حصار مندر پت میں (جو موضع غیاث کے قریب ہے) جھجھو نامی ایک شخص تھا جس کو بے وجہ حضرت سے دشمنی تھی۔ برا بھلا بھی کہتا رہتا تھا اور آپ کو تکلیف وایذاء پہنچانے کی فکر میں رہتا تھا اس کا انتقال ہو گیا۔ حضرت شیخ نے اس کے جنازے میں شرکت کی دفن کے بعد آپ نے اس کے لیے دو رکعت نماز پڑھی اور دعا فرمائی کہ خدایا! اس شخص نے جو کچھ کہا ہو یا بُرا سوچا ہو میں نے اس کو بخش دیا تو میری وجہ سے اس کو سزا نہ دینا۔

ایک مرتبہ حاضرین میں سے ایک صاحب نے ذکر کیا کہ بعض آدمی جناب والا کو منبر پر اور دوسرے موقعوں پر بُرا بھلا کہتے ہیں، ہم سے سنا نہیں جاتا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا:

''میں نے سب کو معاف کیا، تم بھی معاف کر دو اور ایسے آدمی سے جھگڑا نہ کرنا۔''

اس کے بعد آپ نے فرمایا: ''اگر دو آدمیوں کے درمیان رنجش ہو تو اس رنجش کو دُور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے باطن کو عداوت سے خالی کرے۔ دوسرے کی طرف سے بھی آزار کم ہو جائے گا۔'' فرمایا: ''آخر لوگ بُرا بھلا کہنے سے کیوں رنجیدہ ہوتے ہیں۔''

مشہور یہ ہے کہ صوفی کامل کا مال وقف ہے اور اس کا خون روا۔ جب معاملہ یہ ہے تو کسی بُرا بھلا کہنے والے سے کیوں جھگڑا کیا جائے۔ ایک دن فرمایا:

''دنیا کا عام اصول تو یہ ہے کہ نیکوں کے ساتھ نیکی اور بدوں کے ساتھ بدی کی جائے لیکن مردانِ خدا کا اصول یہ ہے کہ بدی کا بدلہ بھی نیکی سے دیا جائے۔''

(فوائد الفواد ص: ۲۱۱-۲۱۲)

(۴۸)

اللہ تعالیٰ کے دیدار کا شوق

نقل کرتے ہیں کہ حارثہ بن ابی اوفی کا ایک نصرانی پڑوسی تھا' وہ مرض الموت میں بیمار ہوا تو حارثہ رحمۃ اللہ علیہ اس کی عیادت کو گئے اور اس سے کہا: ''تم مسلمان ہو جاؤ تو میں تمہارے لیے جنت کی ضمانت کروں اس لیے کہ جنت بے مثل چیز ہے اس کی نظیر نہیں اور اس میں بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہیں جن کی صفت ایسی اور ایسی ہے اور اس میں محل ہیں جن کا وصف ایسا اور ایسا ہے۔''

اس کے جواب میں نصرانی نے کہا: ''میں اس سے بھی افضل اور بہتر چاہتا ہوں۔''

پس حارثہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اسلام لاؤ کہ میں تمہارے واسطے جنت میں دیدارِ خداوندی کا ضامن بنوں۔'' اس نصرانی نے کہا: ''اب اسلام لاؤں گا کیونکہ دیدارِ الٰہی سے کوئی چیز افضل نہیں ہے۔'' چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا اور مر گیا اس کے بعد حارثہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو خواب میں دیکھا کہ وہ جنت میں ایک سواری پر ہے۔ حارثہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے کہا: ''تو تو فلاں شخص ہے۔''

اس نے کہا: ''ہاں!'' حارثہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا کیا؟''

اس نے کہا: ''جب میری روح نکلی اس کو عرش کی طرف لے گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تو میرے دیدار اور ملاقات کے شوق میں مجھ پر ایمان لایا ہے اس لیے تیرے واسطے تیری رضامندی اور بقاء اور دیدار ہے۔''

پس حارثہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس کی مدد سے میں نے تجھ پر احسان کیا۔'' (نوادر القلیوبی)

(۴۹)

گویاہلال عید ہے معرکہ ”مجاہدات“

شیخ الاسلام ابواسماعیل عبداللہ بن محمد انصاری کا شماران علمائے حق کی فہرست میں ہے جوخوارج ومعتزلہ بدمذہبوں کے مقابلہ میں شمشیر برہنہ تھے اور اہلِ سنت کی طرف سے ہمیشہ ان گمراہ قوتوں کا کھلم کھلا رد کرتے تھے۔ بدمذہبوں میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ ان کے حقائق دلائل قاہرہ کا مقابلہ کرتے اس لیے تمام گمراہ فرقوں والے ہمیشہ ان کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کرتے رہتے تھے یہاں تک کہ ایک مرتبہ ان کو ان کے وطن بلخ سے شہر بدر کرادیا اور ایک مرتبہ تو بدمذہبوں نے ان کے خلاف یہاں تک سازش کی کہ جب سلطان الپ ارشاں ہرات میں آئے تو اس شہر کے بدمذہب اور شیخ الاسلام کے حاسدین ایک ٹولی بنا کر شیخ الاسلام کے مکان پر آئے اور کہا کہ لوگ سلطان الپ اَرسلاں کے سلام کے لیے جا رہے تھے تو خیال ہوا کہ پہلے آپ کو سلام کرلیں۔ شیخ الاسلام مکان کے اندر تشریف لے گئے تو ان ظالموں نے آپ کی مصلی کے نیچے تانبے کی ایک مورتی رکھ دی اور پھر ان لوگوں نے جا کر سلطان الپ ارسان کے دربار میں فریاد کی کہ شیخ الاسلام فرقہ مجسمہ سے تعلق رکھتے ہیں چنانچہ وہ تانبے کا ایک بت بنا کر کہتے ہیں کہ خدا اسی شکل کا ہے اور وہ مصلیٰ پر بت کو آگے رکھ کر اس کی عبادت کرتے ہیں اگر ابھی ابھی سلطان کسی معتمد شخص کو بھیج کر شیخ الاسلام کے مصلیٰ کی تلاشی لیں تو وہ مورتی مل جائے گی۔ سلطان نے اس خبر سے حیران ہو کر فوراً ایک شخص کو شیخ الاسلام کے مکان کی تلاشی کے لیے بھیجا تو واقعی مصلیٰ کے نیچے تانبے کی مورتی برآمد ہوگئی۔ سلطان نے غضب ناک ہو کر شیخ الاسلام کو دربار میں طلب کیا اور مورتی دِکھا کر

پوچھا: ''بتائیے یہ کیا ہے؟''

آپ نے فرمایا: ''یہ تانبے کی مورتی ہے، بچوں کے کھیلنے کی گڑیا جیسی ہے۔''

سلطان نے کہا: ''یہ میں نہیں پوچھتا۔''

آپ نے فرمایا: ''پھر مجھ سے کیا دریافت کرنا چاہتے ہیں؟''

سلطان نے غضب بھرے لہجہ میں کہا: ''یہ علماء کہتے ہیں کہ یہ اس مورتی کی عبادت کرتے ہیں۔'' شیخ الاسلام نے جلال میں آ کر بلند آواز سے فرمایا:

سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ .

''خدا پاک ہے یہ میرے اوپر بہت بڑی تہمت ہے۔''

شیخ الاسلام کا نورانی چہرہ پُر جلال حقانی آواز مجاہدانہ تیور دیکھ کر سلطان تاڑ گیا کہ یہ فتنہ پرداز مولویوں کا افتراء اور دیسیسہ کاری ہے۔ چنانچہ سلطان نے انتہائی اعزاز و اکرام کے ساتھ آپ کو دربار سے رخصت کر دیا اور دیسیسہ کار مولویوں کو دھمکی دی کہ اگر تم لوگوں نے سچی بات کا اقرار نہیں کیا تو تمہاری خیر نہیں۔ سلطان کے غضب ناک تیور دیکھ کر دیسیسہ کار افتراء پرداز مولویوں کے ہوش اُڑ گئے اور خوف و دہشت سے کانپنے لگے۔ ان مجرموں نے اقرار کر لیا کہ شیخ الاسلام کے مصلے کے نیچے مورتی ہم لوگوں ہی نے رکھی تھی۔ سلطان نے ان مولویوں پر جرمانہ کر کے نہایت ذلت و حقارت کے ساتھ ان مفتریوں کو دربار سے نکلوا دیا۔ الغرض ہمیشہ شیخ الاسلام کے ساتھ ایسی سازشیں ہوتی رہیں یہاں تک کہ پانچ مرتبہ ایسا موقع آیا کہ ان دشمنوں کی مکاری و عیاری سے شیخ الاسلام کی گردن پر تلوار رکھ کر یہ کہا گیا:

''آپ گمراہ فرقوں کا رد نہ کریں ورنہ آپ کی گردن اسی تلوار سے ماردی جائے گی۔''

ہر مرتبہ اس حق گو حق پرست عالم نے یہی فرمایا:

''جب تک میرے جسم میں خون کا ایک قطرہ اور زندگی کی ایک سانس باقی ہے میں ہمیشہ حق کو حق اور باطل کو باطل کہتا رہوں گا اور اپنے حقانی دلائل سے باطل کی دھجیاں اُڑاتا رہوں گا۔''

خدا کی شان کہ ہر مرتبہ امداد غیبی اور نصرت خداوندی سے آپ کی جان بچتی رہی۔

یہاں تک کہ ذوالحجہ ۲۴۱ھ میں پیکر استقامت تمام سینوں کو داغِ مفارقت دے کر خداوندِ قدوس کے جوارِ رحمت میں پہنچ گیا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۳۶۰)

جوشِ جہاد کا مزا جذبۂ حق سے پوچھیے

علمائے حق کی یہ استقامت یقیناً دورِ حاضر کے مصلحت اندیش اور صلح کلی سیاست پرستوں کے لیے ایک تازیانۂ عبرت ہے۔ جلاد گردن پر تلوار رکھ کر صرف یہ کہلانا چاہتا ہے کہ باطل کو باطل کہنا چھوڑ دو اس خوف ناک ماحول میں شاید رستم بھی ہوتا تو اس کے قدم ڈگمگا جاتے۔ شیر بھی ہوتا تو شاید لرزہ براندام ہو کر سر جھکا لیتا مگر واہ رے حقانی علماء کا یہ جوشِ مجاہدہ اور جذبۂ جہاد کہ اس خوف ناک اور خطرناک ماحول میں بھی ذرا برابر ان کے پائے استقامت میں لغزش نہیں ہوتی بلکہ استقامت کا پہاڑ بن کر حق پر ثابت قدم رہے یہاں تک کہ نصرت آسمانی نے فرطِ عقیدت سے ان کی پیشانی چوم لی اور تلوار کی دھار ان کا ایک بال بھی نہیں کاٹ سکی اور یہ ہر دَم ہر قدم پر مظفر و منصور ہو کر آخری دَم تک امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے رہے اور اُمتِ مسلمہ کے لیے رشد و ہدایت کا ایک نقش دوام چھوڑ کر دنیا سے گئے کہ قیامت تک کی آنے والی نسلوں کو ان کے اسوہ سے ہدایت کی روشنی ملتی رہے گی۔ آسمان کا سورج روزانہ غروب ہو جاتا ہے اور سینکڑوں بار گرہن کی زد میں آتا ہے مگر علمائے حق کے شاہکاروں کا آفتاب نہ کبھی غروب ہو سکتا ہے اور نہ کسی گرہن کا سنکٹ اس پر حملہ آور ہو سکتا ہے۔ سچ ہے کیوں نہ ہو؟ خدا گواہ ہے کہ

پرچمِ حق تا ابدان کا سلامی ہو گیا
زندۂ جاوید ان کا نامِ نامی ہو گیا

(۵۰)

اسلام کا مذاق اُڑانے والا اپنے انجام کو پہنچا

عمر غیمو رنا ئیجیریا کے شمال میں سٹیٹ کانگو کے گاؤں موب کا رہنے والا تھا۔ وہ دینِ مسیحی کا واعظ و مبلغ اور بڑا مغرور پادری تھا۔ اکثر قرآنِ کریم اور دینِ اسلام کا مذاق اُڑایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ چند عیسائیوں کی ایک جماعت کے سامنے وعظ ونصیحت کر رہا تھا اس نے اپنی تقریر کے دوران کہا: ''اگر قرآن اور دینِ اسلام برحق ہیں تو میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے زندہ میرے گھر واپس نہ کرے۔''

یہ بات اس نے بابتیس کے گرجا گھر میں لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے کہی تھی۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ گرجا گھر سے تن تنہا نکلا' راستے میں اس کے گھر سے پہلے ایک چھوٹا سا پانی کا نالا تھا' جونہی اس نے نالا پار کرنا چاہا اس کا پاؤں پھسل گیا اور گر کر اسی کے اندر مر گیا۔ اگلے دن ایک اور آدمی کی موت ہوگئی جو نالے سے اس پادری کی لاش کو نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

لوگوں کو یقین نہیں آرہا تھا کہ پادری کی موت واقع ہو چکی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ اس پر سکتہ طاری ہوا ہے۔ ایک ہسپتال میں لاش لے کر گئے' ڈاکٹروں نے بتایا کہ یہ مر چکا ہے۔ وہ دوسرے ہسپتال لے گئے وہاں بھی پہلے ہسپتال کی رپورٹ کی تصدیق کی گئی مگر عیسائیوں کو یقین نہ آیا اب انہوں نے اسے عیسائی مشنری سے منسلک ہسپتال سے رجوع کیا وہاں بھی پادری کی موت کی تصدیق ہوئی تب جا کر لوگوں نے اس کی موت کو تسلیم کیا اور اسے عیسائیوں کے قبرستان میں دفن کر دیا۔

عمر غیمو رنامی یہ پادری پہلے عیسائی تھا پھر دائرۂ اسلام میں داخل ہو گیا اور مسلمانوں کے درمیان زندگی گزارنے لگا اس کا مسلمانوں کے ساتھ میل جول اور لین دین ہوا کرتا تھا اس نے اسلامی تعلیمات حاصل کیں' قرآن مجید پڑھا اور اسلامی تاریخ میں واقفیت پیدا کی۔ دائرۂ اسلام میں جب اس کی مدت کچھ طویل ہو گئی تو شیطان نے اسے بہکایا چنانچہ وہ اسلام سے مرتد ہو کر دوبارہ عیسائی بن گیا اور گرجا گھروں میں جا جا کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف لوگوں کو اُبھارنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں فرمایا ہے:

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ○

"آپ فرما دیجیے کہ ذرا زمین میں چلو پھرو پھر دیکھ لو کہ تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔" (الانعام:۱۱)

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ○

"وہ اللہ تعالیٰ کو اور ایمان والوں کو دھوکہ دیتے ہیں لیکن دراصل وہ خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں مگر سمجھتے نہیں۔" (البقرہ:۹)

مزید ارشاد ہے:

وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ○

"وہ تو اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب سے زیادہ مستحکم تدبیر کرنے والا ہے۔" (الانفال:۳۰)

اس حادثے کے بعد چار بستیوں کے باشندگان نے اسلام قبول کیا' وہ چار بستیاں یہ ہیں: (۱) فال (۲) دیلوا (۳) خواتی (۴) موب

اور یہ چاروں بستیاں ایک ہی صوبے کانگو میں واقع ہیں۔

وللہ الحمد والمنۃ۔

(سنہرے اوراق)

(۵۱)

اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی نشانیاں

حضرت سیدنا اوفیٰ بن دلھم علیہ رحمۃ اللہ سے منقول ہے کہ امیر المومنین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ، شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے ارشاد فرمایا: ''علم حاصل کرو اس کے ذریعے تمہاری پہچان ہو گی، علم پر عمل کرو تم اس کے اہل ہو جاؤ گے، بے شک تمہارے بعد ایسا زمانہ آئے گا جس میں حق نو حصے گمنام ہو جائے گا اس وقت وہی لوگ نجات پائیں گے جو لوگوں سے الگ تھلگ رہیں گے اور گوشہ نشین ہو جائیں گے۔ یہی لوگ ہدایت یافتہ لوگوں کے امام اور علم کے چراغ ہیں، یہ فحاشی پھیلانے والے، فضول خرچ اور جلد باز نہیں، دنیا پیٹھ پھیر چکی اور آخرت بالکل سامنے ہے۔ دنیا اور آخرت دونوں کے محبین (یعنی محبت کرنے والے) موجود ہیں۔ تم آخرت چاہنے والوں میں ہونا، دنیا کے عاشق ہرگز نہ بننا جو لوگ دنیا سے بے رغبت ہو چکے ہیں انہوں نے زمین کو چٹائی، مٹی کو بچھونا اور پانی کو خوشبو بنا لیا۔ جو شخص جنت کا مشتاق ہے، وہ شہوات سے بچتا ہے جو جہنم کی آگ سے خوف زدہ ہے وہ ہمیشہ حرام چیزوں سے بچتا ہے اور جو دنیا سے بے رغبت ہو جائے مصیبتیں اس پر آسان ہو جاتی ہیں۔

خوب توجہ سے سنو! بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے خوش نصیب بندے ہیں گویا وہ اہل جنت کو اس کی دائمی نعمتوں میں اور جہنمیوں کو آگ کے عذاب میں دیکھ رہے ہیں۔ یہ لوگ فتنہ و فساد نہیں پھیلاتے۔ لوگ ان کی طرف سے امن میں ہیں، ان کے دل غموں سے پُر ہیں اور یہ پاک دامن و نیک سیرت لوگ ہیں ان کی حاجات بہت کم ہیں، یہ آخرت کی طویل راحت کی خاطر دنیا کی چند روزہ مصیبتوں پر صبر کر لیتے ہیں، ان کی رات اس طرح

گزرتی ہے کہ اپنے ربّ کی بارگاہ میں قیام کی حالت میں کھڑے رہتے ہیں' آنسوان کے رخساروں پر بہتے ہیں اور یہ گڑگڑا کر اپنے ربّ کو یوں پکارتے ہیں: "اے ہمارے پاک پروردگار! ہمیں جہنم کی آگ سے محفوظ رکھ'اس کی قید سے بچا۔"

جب دن ہوتا ہے تو یہ بہترین علماء' بردبار' نیکوکار اور لوگوں کے رہنما ہوتے ہیں' ان کی جسمانی حالت ایسی ہوتی ہے کہ دیکھنے والا ان کو بیمار سمجھتا ہے حالانکہ انہیں کوئی بیماری نہیں ہوتی 'لوگ انہیں مجنون سمجھتے ہیں حالانکہ آخرت کے عظیم دن کے خوف سے ان کے ہوش اُڑ جاتے ہیں اور ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے۔"

(عیون الحکایات)

(۵۲)

اولیائے کرام کے پاکیزہ کام

حلم و بردباری حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کا امتیازی وصف تھا' ایک دفعہ گدڑی پوش قلندروں کی ایک جماعت نے آپ کے پاس آ کر مالی مدد مانگی' آپ نے اس جماعت سے بے زاری کا اظہار فرمایا۔ قلندروں نے یہ دیکھا تو گستاخی شروع کی اور اینٹ پتھر سے آپ کو مارنے لگے۔ آپ نے اپنے خادم سے فرمایا: ''خانقاہ کا دروازہ بند کردو۔''

اب قلندروں نے دروازے پر پتھر مارنے شروع کیے' تھوڑی دیر بعد ارشاد فرمایا:

''دروازہ کھول دو۔ میں اس جگہ شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا بٹھایا ہوا ہوں' خود آ کر نہیں بیٹھا۔''

خادم نے دروازہ کھول دیا۔ قلندر اپنے قصور پر نادم ہوئے اور آپ سے معافی چاہی۔

(تذکرہ صوفیائے پنجاب بحوالہ سیر العارفین ص ۱۲۳)

اسی طرح صاحب السیر محکم الدین قدس سرہ کو سفرج میں ایک بے وقوف چرواہے نے ایک کنویں کے کنارے ایک بڑے موٹے اور سخت ڈنڈے کے ساتھ مارا جو کہ آپ کے سر پر لگا اور آپ کا سر مبارک زخمی ہو گیا اور بے ہوش ہو گئے جب آپ کا خادم وہاں پہنچا تو اس نے چرواہے کو لعنت ملامت کی اور کہا: ''یہ صاحب السیر محکم الدین ہیں۔''

تب چرواہا شرمندہ ہوا اور معافی چاہنے لگا۔ آپ نے معاف کر دیا۔ نیز اس پر ایسی نظر ڈالی کہ وہ بارگاہِ الٰہی کے واصلوں میں سے ہو گیا اس موقع پر آپ نے اس آیتِ کریمہ سے استدلال کیا:

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝

''اور جو غصے کو پی جانے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔''

(نافع السالکین اردو ترجمہ (ملفوظات خواجہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ ص ۹۳)

اللّٰھم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم انک حمید مجید

اللّٰھم بارک علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم انک حمید مجید

(۵۳)

سید اسحاق گارزونی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک گستاخ مال دار

سید اسحاق گارزونی رحمۃ اللہ علیہ کے آئینۂ اخلاق میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں نظر آتی ہے، وہ ان کا غیر معمولی حلم ہے۔ تحفۃ الواصلین میں ہے کہ لاہور کا ایک متمول شخص آپ کی خدمت میں آیا لیکن شیخ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے، وہ نہایت برہم ہو کر آپ کو گالیاں دینے لگا لیکن آپ خاموش رہے یہاں تک کہ چہرے پر کسی قسم کی خفگی کا اثر ظاہر نہیں ہوا جب وہ شخص بہت دیر تک آپ کو بُرا بھلا کہتا رہا تو حاضرینِ مجلس میں سے کسی نے آپ سے کہا: ''یہ بدتمیز اتنی دیر سے آپ کی شان میں گستاخی کر رہا ہے، آپ اس کے لیے بددعا فرمائیں تاکہ یہ اپنے کیفر کردار تک پہنچے۔''

آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے اور کچھ دیر تک آہستہ آہستہ دعا فرماتے رہے ابھی آپ دعا ختم نہ کر پائے تھے کہ وہ بے ادب زمین پر بے ہوش ہو کر گرا اور تقریباً دو گھنٹے بعد جیسے ہی ہوش میں آیا اُٹھ کر شیخ کے قدموں میں جا گرا، معافی چاہی اور شیخ کا مرید ہو گیا۔

پھر آپ نے حاضرینِ مجلس سے خطاب فرمایا: ''میں نے اس شخص کے حق میں دعا خیر کی تھی، خدا تعالیٰ نے اس کو نیک توفیق بخشی اور اس پر اسرار باطن عیاں ہو گئے۔ یہ بہتر ہے یا وہ بہتر تھا کہ میں اس کے لیے بددعا کرتا اور یہ اپنی سزا کو پہنچتا۔''

(تذکرہ صوفیائے پنجاب۔ بحوالہ سیر العارفین ص ۷۱)

شیخ علاالحق رحمۃ اللہ علیہ اور ایک گستاخ گالی دہندہ

شیخ نورالحق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص ان کے والد شیخ علاء الحق رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا

اوران کو گالیاں دینے لگا۔ وہ خاموشی سے سنتے رہے لیکن جب اس نے ان کو خدا کا چور کہا تو انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا: "ہم خدا کے ساتھ ہیں اور خدا ہمارے ساتھ ہے"

پھر اس شخص نے کہا: "یہ زمین حرام ہے۔"

اس پر بھی ان کو غصہ نہیں آیا اور اس سے بدسلوکی کرنے کے بجائے اس کے لیے دستر خوان بچھوایا اور اس کو کھانے کو کہا لیکن اس نے کہا: "دستر خوان پر گوشت مینڈک کا ہے' ہم نہیں کھاتے" جب اس نے نہیں کھایا تو والد صاحب نے اس کو کچھ اشرفیاں دیں جن کو لے کر وہ چلا گیا' وہ جا چکا تو صرف اتنا کہا کہ اس درویش نے بڑا شور مچایا۔

(اخبار الاخیار بحوالہ ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں ص ۱۴۶)

حضرت چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک قلندر

حضرت چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مہر و محبت کا مجسمہ تھے' ان کے اخلاق کی بلندی کا اندازہ لگانے کے لیے صرف ایک واقعہ بیان کر دینا ہی کافی ہے۔ تکملہ خیر المجالس میں لکھا ہے:

"ایک دن ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد آپ جماعت خانہ سے حجرہ خاص میں تشریف لے گئے۔ حضرت کوئی دربار نہیں رکھا کرتے تھے' ان کے خادم خاص ان کے بھانجے شیخ زین الدین علی تھے' وہ بھی کبھی خلوت میں موجود ہوتے تھے کبھی نہ ہوتے تھے۔

شیخ مشغولی کی حالت میں تھے کہ ایک بے باک قلندر تراب نامی خلوت میں آ پہنچا اس کے پاس ایک چاقو تھا۔ شیخ پر چاقو سے وار کرنے شروع کیے اور ان کے جسم مبارک پر بارہ زخم لگائے۔ حضرت استغراق کی حالت میں تھے مطلقاً بچاؤ نہیں کیا وہاں ایک نالی تھی' خون مبارک اس نالی سے باہر نکلنا شروع ہو گیا۔ کچھ مریدوں نے دیکھا تو اندر آئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ بے باک قلندر چاقو کے وار کر رہا ہے اور آپ جنبش تک نہیں کرتے۔ مریدوں نے چاہا کہ اس بدبخت کو سخت ایذاء پہنچائیں۔ حضرت نے گوارا نہ کیا اور اسے نہ چھوڑا۔ مبادا کوئی کسی طرح سے اسے کوئی تکلیف پہنچائے عبد المقتدر تھانیسری جو کہ مریدان خاص میں تھا اور شیخ صدر الدین طیب اور شیخ زید الدین علی کو اپنے پاس بلایا اور قسم دی کہ کوئی قلندر کو ضرر نہ پہنچائے اور بیس تنکہ اس کو انعام دیا اور فرمایا کہ شاید چاقو مارنے میں ہاتھ

میں کچھ تکلیف پہنچی ہو۔ سبحان اللہ اہلِ بصیرت کو ان کی حسنِ سیرت معلوم ہو کہ زندگی میں تسلیم و رضا کا کیا درجہ رکھتے تھے۔"

(تاریخ مشائخ چشت ج: اوّل ص ۳۳۸ تا ۳۴۰ ادارہ اسلامیات لاہور)

شاہ کلیم اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور مخالفین

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نہایت حلیم الطبع اور خوش مزاج انسان تھے جب کوئی شخص جس کو ان کی ناراضگی کا خیال ہوتا۔ معذرت کا خط لکھتا تو اس انداز میں جواب دیتے کہ سن کر اس شعر کی جیتی جاگتی تصویر بن جاتے۔

نارسائی سے دَم رُکے تو رُکے
میں کسی سے خفا نہیں ہوتا

وہ دشمنوں اور مخالفوں سے بھی کبھی ناراض نہ ہوتے تھے جب کسی سے تکلیف پہنچتی تو زبان پر یہ اشعار جاری ہو جاتے

ہر کہ مارا رنجہ دارد راحتش بسیار بارد
ہر کہ مارا یار نبود ایزد اور ایار باد
ہر کہ خارے نہد در راہ ما از دشمنی
ہر گلے کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد

اپنے مریدوں کو بھی یہی ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کی جفا و قضا برداشت کریں اور لب نہ ہلائیں۔ کہتے تھے کہ ہمارا کام دِلوں کو ایک جگہ کرنا ہے اس میں جتنی بھی مشکلات پیش آئیں ان کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہیے دکن میں ایک بار کچھ لوگوں نے ان کو بُرا بھلا کہا۔ شاہ نظام الدین نے اس کی اطلاع ان کو دی تو جواب میں ارشاد فرمایا:

"کوئی شخص ہمیں بُرائی سے یاد کرتا ہے (تو ہمیں اس سے کوئی شکایت نہیں اس لیے کہ) ہم اس سے زیادہ بُرائی کے مستحق ہیں اس نے لطف کیا اور ہمیں کم گالیاں دیں۔ ہم نے اسے معاف کر دیا۔ تم بھی اسے معاف کر دو۔"

(تاریخ مشائخ چشت ص ۳۸۸۔ ۳۸۹ بحوالہ مکتوبات کلیم)

مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ اور ایک چور

ایک بار سلطان فروز شاہ تغلق (۷۲۱-۷۵۲ھ ۸۸-۱۳۵۱ء) سے ملنے کے لیے حضرت سید جلال الدین بخاری جہانیاں جہاں گشت دہلی آئے تو ان کی قیام گاہ سے کسی نے چادر چرالی' ایک معتقد نے کہا: "چور کے لیے آپ بددعا کریں' بار بار چیز چرالے جاتے ہیں۔"

فرمایا: "ہرگز بددعا نہ کروں گا بلکہ چور اگر آجائے تو میں چادر اس کو بخش دوں گا۔ میں نے کبھی کسی کے لیے بددعا نہیں کی۔ بددعا کرنا کسی درویش یا صوفی کا کام نہیں۔ یہ صوفیاء اس رحمۃ للعالمین پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے پیروکار اور متبع سنت تھے جس نے زندگی بھر اپنے رستے میں کانٹے بچھانے والوں کے لیے آنکھیں بچھائیں۔ نازک بدن مبارک پر کوڑا کرکٹ پھینکنے اور پتھر مارنے والوں اور گالیاں دینے والوں کو دعائیں دیں' بڑے سے بڑے دشمن اور مخالف کو معاف کردیا۔" (ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں ص ۱۳۹)

شاہ فخر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور اشیاء چھپانے والے

اکثر ایسا ہوا کہ لوگ آپ کے کتب خانے سے کتابیں چرا کر لے گئے کوئی اجنبی شخص ان کو فروخت کرنے کے لیے بھی حضرت ہی کی خدمت میں آ گیا تو کبھی آپ نے اس سے یہ نہیں پوچھا کہ یہ کتاب تمہیں کہاں سے ملیں؟ ایک مرتبہ ایک شخص آپ کے کپڑے اور چاقو وغیرہ چرا کر لے گیا۔ چور کا پتہ چل گیا لیکن آپ نے اس کے منہ پر قطعاً اس کا اظہار نہیں فرمایا۔ کشمیر کے صوبے دار بلند خان نے آپ کی خدمت میں ایک ہزار روپے بطور نذر بھیجے لانے والے نے صرف کردیئے۔ بلند خان کو معلوم ہوگیا اس سے پہلے کہ صوبہ دار اس کو سزا دے آپ نے لکھ دیا کہ اسی کی قسمت کے تھے اس سے کچھ نہ کہا۔

"قسمت او بود ہیچ نگوید"

ایک مرتبہ نواب خیر النساء بیگم ہمشیرہ شاہ عالم نے کچھ ظروف نقدی اور بارہ سو روپے آپ کی خدمت میں روانہ کیے۔ ملازم نے آپ کو اطلاع بھی نہ کی اور اپنے پاس رکھ لیے

کچھ مدت کے بعد بیگم کو شبہ ہوا اور ملازم سے رسید طلب کی۔ ملازم سخت حیران اور پریشان ہوا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی چاہی۔ آپ نے فوراً سید احمد کو حکم دیا: ''جو کچھ سامان یہ شخص بیان کرے' وہ لکھ دو۔''

اس کے بعد مہر لگا کر اس کو دے دی۔ اخلاق کی یہ بلندیاں لوگوں کے دلوں پر اثر کرتی تھیں اور اکثر ان کی زندگی میں حیرت انگیز انقلاب پیدا ہو جاتا تھا۔

(مناقب فخریہ ص ۳۸)

شاہ فخر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور بدخواہ لوگ

شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت جادو کا اثر رکھتی تھی۔ جو ان کی خانقاہ میں آ جاتا تھا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا جس پر نظر پڑ جاتی وہ شکار ہو جاتا۔ جرائم پیشہ لوگ پناہ تلاش کرتے' خانقاہ میں آتے اور ولی بن کر نکلتے۔ گردن کشاں تکلیف پہنچانے کی نیت سے آتے اور حلقہ بگوشِ ہو جاتے۔ ان کا سر پھوڑنے آتے اور خود اپنا سر پھوڑتے ہوئے جاتے جس طرف نظر اُٹھ جاتی اپنا کام کر جاتی۔

این نگاہ است کہ سطح فلک در گزرد
پردہ دل چہ بود پردہ افلاک درد

ایک شخص ایذاء دینے کی نیت سے آپ کے پاس آیا لیکن یہاں آ کر از خود رفتہ ہو گیا اور نعرہ لگانے لگا: ''رہزن ہمیں است''

ایک قاتل اپنی جان بچانے کے لیے آپ کی خانقاہ میں آیا چند ہی روز میں اس کا یہ حال ہو گیا کہ

در ہر کہ نظری کرد حالتش متغیر میشد

ایک مرتبہ دس افغانی آپ کو شہید کرنے کی نیت سے قطب صاحب میں جمع ہوئے لیکن جب نگاہیں ملیں تو عالم بدل گیا' مناقب فخریہ کے مصنف نے لکھا ہے:

نگاہت دشمناں را دولت کردہ
اثر ہا در رگ و در پوست کردہ

کہ آرے خلیلے زبت خانہ
کنی آشنائے زبیگا نہ

(تاریخ مشائخ چشت ص ۴۹۱ بحوالہ مناقب فخریہ)

شیخ ابوطاہر حرمی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک بدزبان آدمی

شیخ ابوطاہر حرمی رحمۃ اللہ علیہ ایک بار بازار میں جارہے تھے۔ایک شخص نے ان سے کہا:

''اے پیر زندیق کہاں جاتا ہے؟''

ان کے ایک مرید نے اس سے جھگڑا کرنا چاہا مگر انہوں نے روک دیا اور جب گھر آئے تو مرید کو بہت سے خطوط دکھائے جن میں ان کو کسی میں شیخ زاہد' کسی میں شیخ الاسلام اور کسی میں شیخ الحرمین کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا اور فرمایا: ''ہر شخص اپنے اعتقاد کے مطابق جو چاہتا ہے' کہتا ہے مگر یہ سب اسم نہیں ہیں' القاب ہیں کوئی مجھ کو زندیق کہے تو اس کے لیے جھگڑا کیوں کیا جائے۔''

(بزم صوفیہ ص ۱۷)

پیر غلام حیدر شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور مخالفین

پنجاب میں خواجہ شمس العارفین سیالوی کے محبوب خلیفہ پیر غلام حیدر رحمۃ اللہ علیہ کا نام محتاجِ تعارف نہیں۔شاہ صاحب مجسمہ اخلاق تھے' نہایت رقیق القلب اور نرم دل تھے' کبھی کسی پر خفا ہوتے تو صرف اس قدر فرماتے' نیک بختا! تو نے یہ کیا کیا۔پھر اسے آزردہ نہ ہونے دیتے۔فرمایا کرتے تھے

مباش درپے آزار ہرچہ خواہی کن
کہ در طریقت ما غیر ازیں گناہے نیست

ایک شخص مرزا خاں نامی آپ کا سخت مخالف تھا جب اس کی شرارتیں حد سے زیادہ بڑھیں تو لوگوں نے آپ سے بیان کیا۔شاہ صاحب نے اسے بُرا بھلا نہیں کہا' اس کے لیے کوئی بددعا نہیں کی' کوئی انتقام لینے کا نہیں سوچا بلکہ آپ نے فرمایا:

''دعا کرو کہ خدا تعالیٰ اس پر رحم فرمائے۔''

اگر چاہتے تو اس کی گستاخیوں کا مزہ اسے چکھا سکتے تھے۔ ایک اشارہ فرماتے تو عقیدت منداس کی بوٹی بوٹی کر دیتے مگر یہ ان کے مشائخ کا طریقہ نہیں تھا۔ بُرائی کا بدلہ بُرائی سے دینا مردانگی نہیں' مردانگی یہ ہے کہ انسان اس کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرے جو اس کے ساتھ بُرا سلوک کرتا ہے۔ (اقبال کے محبوب صوفیہ ص ۵۰۶)

خواجہ محمد حامد تونسوی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک گستاخ درویش

میاں حافظ احمد جعفر سے منقول ہے کہ آستانہ عالیہ سلیمانیہ میں ایک درویش قیام پذیر تھا۔ خواجہ محمد حامد تونسوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۳ ذوالحجہ ۱۲۵۰ھ) جو اس وقت زیب سجادہ تھے' ہمیشہ اس کی خاطر مدارات فرماتے اور بہت خیال رکھتے۔ ایک دفعہ آپ سفر سے واپس تشریف لائے تو میں نے اس درویش سے کہا: ''حضرت خواجہ صاحب قبلہ سفر سے واپس آئے ہیں' تم بھی جا کر سلام و قدم بوسی کرو۔''

اس نے جواباً آپ کی شان میں چند نازیبا کلمات کہے جو میرے لیے ناقابلِ برداشت تھے۔ میں نے اسے بہت زیادہ سخت سست کہا۔ یہ بات آپ (خواجہ حامد تونسوی رحمۃ اللہ علیہ) تک پہنچ گئی۔ آپ نے مجھے بلا کر یہ حکایت بیان فرمائی: ''حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک آدمی رہتا تھا۔ آپ کے سامنے تو آپ سے عزت واحترام سے پیش آتا مگر آپ کی غیر حاضری میں نازیبا کلمات کہتا۔ ایک دن جب وہ آیا تو حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے اس نے عرض کیا: ''حضرت! میں اس لائق کہاں؟''

فرمایا: ''کہ تم میرے بہت بڑے محسن ہو اس لیے کہ تم ساری رات عبادت کرتے ہو اور دن کے وقت میری شکایتیں کرتے ہو اور مجھے بُرا بھلا کہتے ہو۔ حدیث پاک میں ہے کہ جو دوسرے کی غیبت کرتا ہے اس کی نیکیاں دوسرے کے نامۂ اعمال میں لکھ دی جاتی ہیں۔ اس حدیث کے مطابق تم میرے محسن ہو اس لیے تمہاری تعظیم میں کھڑا ہوں۔''

اس حکایت کے بیان کرنے کے بعد آپ نے فرمایا: ''اگر وہ درویش میری شکایت

کرتا ہے اور مجھے بُرا بھلا کہتا ہے تو وہ اپنی عبادت کا ثواب مجھے دیتا ہے۔ میں اس کے عوض اگر کھانا کپڑا دیتا ہوں تو کونسی بڑی بات ہے؟ وہ میرا خیر خواہ ہے، دشمن نہیں ہے، اسے کچھ نہ کہا کرو۔"

(پروفیسر افتخار احمد چشتی تذکرہ خواجگان تونسوی حصہ اوّل ص ۱۶۵۔۱۶۶ طبع چشتیہ اکیڈمی فیصل آباد پاکستان ۱۹۸۵ء)

خواجہ ضیاء الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک بدزبان عورت

شیخ الاسلام خواجہ محمد قمرالدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے غیور اور مجاہد والد گرامی کے بارے میں ایک مرتبہ فرمایا: "احمد دین لانگری نے بتایا کہ ایک مائی زوجہ فتح محمد یہاں سیال شریف میں رہتی تھی اور حضرت ثالث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں سخت سست کہا کرتی تھی۔ میاں امام بخش صاحب جا کر اس کی حویلی والی دیوار پر چہرہ رکھ کر کہتے:

"سیال شریف کے لوگ پیارے ہیں لیکن اپنے مالک کا کتا جو ہوں، بھونکنا تو ہے۔"

یہ کہہ کر کتے کی طرح آواز نکال کر اواو کرتے اور وہ گالیاں دیتی رہتی۔ یہ اسی طرح آواز نکالتے رہتے آخر وہ تنگ آ کر رُک جاتی تھی۔ حضرت صاحب کا اس مائی کے ساتھ معاملہ یہ تھا کہ ایک مٹھی رقم کی بھرپور کر کے اس مائی کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ وہ خاموش ہو کر بیٹھے بیٹھے استقبال کرتی۔ آپ فرماتے: "بہن کیا حال ہے؟"

یہ فرما کر چارپائی پر بیٹھ جاتے، اُٹھتے وقت وہ رقم وہیں رکھ دیتے۔ لوگ عرض کرتے:

"غریب نواز آپ اس طرح کیوں کرتے ہیں؟ وہ تو ناشائستہ الفاظ کہتی ہے، گالیاں دیتی ہے۔"

آپ فرماتے تھے: "اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی ہے اس لیے میں یہ ضرور کرتا رہوں گا۔ خدا اسے ہدایت دے کچھ کہتی پھرے۔"

جب آپ اس کے گھر سے باہر آتے تو وہ گالیاں بکتی۔

شنیدم کہ مردانِ راہ خدا
دل دشمنان ہم نکردند تنگ

ترا کے میسر شود ایں مقام
کہ باد وستانت خلاف است و جنگ

(انوار قمریہ ص ۲۷۶ ۔ ۲۷۷)

حاجی امداد اللہ کا اپنے مخالف کی رہائی کے لیے سفارش کرنا

رشید احمد گنگوہی بیان کرتے ہیں:

''حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فلاں عزیز جو رشتہ قرابت کے بھائی ہوتے تھے' نہایت تندخو اور تلخ مزاج تھے اور حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دو بدو گستاخانہ و مخاصمانہ گفتگو کرتے تھے۔ غرض حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ایذاء پہنچانے میں بے باک تھے۔ ایک بار جس زمانہ میں کہ مظفر نگر میں جناب مولوی نصر اللہ خان صاحب (کہ درویش اجازت یافتہ وذی علم بھی تھے) ڈپٹی کلکٹر تھے وہی عزیز مذکور کسی سرکاری سپاہی سے کسی بات پر اُلجھ گئے اور اس کے ساتھ سختی سے پیش آئے اس نے شکایت کر دی۔ ڈپٹی صاحب نے طلب کر کے حوالات میں بند کر دیا اور مقدمہ کی تاریخ مقرر کر دی۔ یہ خبر حضرت صاحب کو تھانہ بھون میں پہنچی۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ فی الفور سوار ہو کر مظفر نگر تشریف لے گئے اور ڈپٹی صاحب کے مہمان ہوئے۔ ڈپٹی صاحب بڑی تعظیم سے پیش آئے اور اپنے ایک پیر بھائی کو حضرت صاحب کی خدمت کے لیے متعین فرمایا۔ غرض فرصت کے وقت میں حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس عزیز کی سفارش فرمائی۔ ڈپٹی صاحب کو سخت حیرت ہوئی اور کہا کہ آپ ایسے مفسد و موذی کی سفارش کرتے ہیں؟ آپ رہنے دیجیے۔ یہ بدوں سزا کے نہ مانے گا۔ آپ نے ہمراہیوں سے فرمایا: ''چلنے کی تیاری کرو۔''

ڈپٹی صاحب نے قیام پر اصرار کیا۔ آپ نے فرمایا: ''میں تو خاص اسی کام کے واسطے آیا تھا جب آپ نے اس کو منظور نہ فرمایا' ہمارا ٹھہرنا بے کار ہے۔''

ڈپٹی صاحب آخر عاجز ہوئے اور کہا: ''بہت اچھا میں وعدہ کرتا ہوں' ضرور رہا کروں گا اور رہا تو ابھی کر دیتا لیکن اس میں شبہ ہوگا اس لیے ایک ہفتہ کے بعد چھوڑ دوں گا۔ آپ اطمینان فرمائیں۔''

حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ راضی ہوئے سب میں چرچا تھا کہ دیکھو آ کر پھر حضرت ہی کو ایذاء دے گا مگر آپ کو اصلاً اس کا خیال نہ تھا۔'' (کمالاتِ امدادیہ ص ۳۲' کمال ۵۱)

پیر مہر علی شاہ اور ایک معاند کی سفارش

مولانا فیض احمد فیض مہر منیر میں پیر مہر علی شاہ کے شمائل وعادات کے باب میں لکھتے ہیں: ''مخلصین سے زیادہ معاندین کے ساتھ حسنِ سلوک کی عادتِ کریمہ تھی۔ ایک دفعہ ایک صاحب حضرت کی مجلس میں حاضر ہوئے اور ایک روپیہ نذر رکھ کر مناسب مقام پر بیٹھ گئے جب نذر بردار نذر اٹھانے کے لیے آیا تو آپ نے خلافِ عادت اسے فرمایا کہ اس روپیہ کو پڑا رہنے دو جب تمام لوگ اپنی حاجات پیش کر کے چلے گئے تو ان صاحب کو بلایا اور دریافت فرمایا: ''کیسے آئے ہیں؟''

انہوں نے عرض کی: ''فلاں تحصیل دار جو آپ کا مخلص ہے اس کی طرف سفارش نامہ لکھوانا ہے۔''

آپ نے کاغذ قلم منگوا کر اپنے ہاتھ سے ان تحصیل دار کی طرف خط لکھ کر انہیں دیا اور ہدایت فرمائی کہ یہ خط انہیں گھر پر جا کر دیا جائے' کچہری میں نہیں جب وہ صاحب روانہ ہونے لگے تو فرمایا: ''یہ اپنا روپیہ بھی لیتے جائیں۔''

انہوں نے بہت معذرت کی مگر آپ نے اصرار فرمایا۔ چنانچہ وہ روپیہ لے کر چلے گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد میں نے روپیہ کی واپسی کا سبب پوچھنے کی جرأت کی۔ فرمایا: ''یہ ہمیشہ مجھے بُرے الفاظ سے یاد کرتا ہے اور معاند ہے اب ضرورت کے وقت اس نے یہ خیال کر کے روپیہ پیش کیا تھا کہ اس سے سفارش نامہ لکھوانے میں مدد ملے گی' میں نے اس لیے روپیہ واپس کر دیا اور سفارش نامہ بھی خود لکھ کر دیا۔''

سخاوت بہت پوشیدہ طور پر کرتے۔ ایک دن عصر کی نماز کے بعد مسجد میں تشریف فرما تھے' ملنے والے رخصت ہو کر چلے گئے' میں اکیلا پاس بیٹھا تھا۔ مجھے قریب بلا کر ایک کاغذ کی تھیلی دی کہ اس شخص کو دے آؤ جو لنگر کے دروازہ پر کھڑا ہے۔ میں جا کر دے آیا۔ میں اسے پہچانتا نہیں تھا مگر کوئی سفید پوش حاجت مند معلوم ہوتا تھا۔'' (مہر منیر ص: ۳۱۴ طبع لاہور)

(۵۳)

احسانِ گناہ' شیطان و فرعون اور دردناک عذاب

بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے نفس سے حساب لیا جب اس نے اپنی عمر کا حساب کیا تو وہ ساٹھ برس ٹھہرے اس کے بعد ساٹھ برس کے دنوں کا حساب کیا تو وہ اکیس ہزار چھ سو دن ہوئے۔ پس اس نے ایک چیخ ماری اور کہا: ''ہائے میری خرابی جب کہ میرے لیے ہر دن ایک گناہ ہوا تو ایسی حالت میں گناہوں کی اس تعداد کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے کیونکر ملوں گا۔''

یہ کہہ کر وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا جب اس کو افاقہ ہوا تو اس نے اسی کو اپنے نفس پر دہرایا اور کہا: ''اس شخص کا کیا حال ہوگا جس کے ہر روز میں دس ہزار گناہ ہوں۔''

اس کے بعد وہ بے ہوش ہو کر گرا جب لوگوں نے اس کو ہلایا تو وہ مر چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے۔ (قلیوبی)

☆......حکایت ہے کہ ابلیس لعین ایک دن فرعون کے پاس داخل ہوا اور اس سے کہا: ''کیا تو مجھ کو پہچانتا ہے؟'' فرعون نے کہا: ''ہاں!''

شیطان ملعون نے فرعون سے کہا: ''تو ایک خصلت سے مجھ پر فوقیت رکھتا ہے۔''

فرعون نے کہا: ''وہ کونسی بات ہے؟''

میں نے کہا: ''وہ بات یہ ہے کہ تو نے خدائی کا دعویٰ کر کے اللہ تعالیٰ پر جرأت کی باوجودیکہ میں تجھ سے عمر میں بڑا ہوں اور تجھ سے علم میں زیادہ ہوں اور قوت میں بھی تجھ سے بڑھ کر ہوں تاہم میں نے اس کی جرأت نہ کی اور خدائی کا دعویٰ نہیں کیا۔''

فرعون نے اس سے کہا: "تو نے سچ کہا لیکن میں اس سے توبہ کرتا ہوں۔"

یہ سن کر ابلیس ملعون نے کہا: "ٹھہرا بھی توبہ نہ کر اس لیے کہ اہلِ مصر نے تیری خدائی کو مان لیا ہے جب تو توبہ کرے گا تو وہ لوگ تجھ سے روگرداں ہو کر پیٹھ پھیر لیں گے اور تیرے دشمن کی طرف متوجہ ہو کر تیرا ملک چھین لیں گے تو ذلیل ہو جائے گا۔"

فرعون نے کہا: "تو نے سچ کہا لیکن کیا تو روئے زمین پر مجھ سے زیادہ برتر کسی کو جانتا ہے؟"

ابلیس نے کہا: "ہاں! جس شخص سے معذرت اور عذر خواہی کی جائے اور وہ اس کو قبول نہ کرے۔ پس وہ مجھ سے اور تجھ سے بھی زیادہ بُرا ہے۔"

اس کے بعد ابلیس اس کے پاس سے چلتا بنا۔ ان دونوں پر ایک ساتھ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ (ایضاً)

☆...... بیان کرتے ہیں کہ ہشام بن عبدالملک دمشق میں منبر پر چڑھا اور کہا: "اے شامیو! بے شک اللہ تعالیٰ نے میری خلافت کی برکت سے تمہیں طاعون سے محفوظ رکھا۔"

یہ سن کر ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: "اللہ تعالیٰ ہم پر زیادہ مہربان ہے وہ ہم پر تجھ کو اور طاعون کو جمع نہ کرے گا۔ کیا تجھے نہیں معلوم ہے ایک شخص تھا اور اس کے اولاد اور مال سب کچھ تھا جب اس کے مرنے کا وقت آیا اور قریب مرگ ہوا تو اس نے اپنے لڑکوں سے کہا: "اے میرے لڑکو! میں تمہارا کیسا باپ تھا؟"

لڑکوں نے کہا: "تم مجھے تیز ہوا میں اُڑا دینا شاید کہ اللہ تعالیٰ میری جگہ نہ پہچانے۔"

چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا اس کے بعد اللہ جل شانہ نے اس کو جمع کیا اور اس سے فرمایا: "اے میرے بندے! تو نے یہ کیوں کیا؟"

اس نے عرض کیا: "اے میرے رب! میں نے تیرے خوف سے ایسا کیا اور اس لیے کہ تو اپنے بندہ پر دنیا و آخرت میں دو عذاب نہیں جمع کرے گا۔ چنانچہ اس کو بخش دیا گیا"

(ایضاً)

(۵۴)

سیّد ہونے کی نشانی

علامہ سید شریف مرتضیٰ حسین بغدادی جو سمرقند میں مقیم ہو گئے تھے' بڑے امیر کبیر عالم تھے۔ بادشاہ ماوراالنہر خاقان نے ان کو خلیفۂ بغداد کے پاس اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا' ان کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ ساڑھے چار ہزار دینار سے دس ہزار دینار تک سالانہ علماء اور ائمہ حدیث کی دعوتوں اور نذرانوں پر خرچ کر ڈالتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ نے اپنے ایک باغ میں علمائے کرام کی دعوت کا اہتمام کیا تو بادشاہ خاقان نے بھی اس دعوت میں شرکت کا ارادہ کیا مگر آپ نے صاف صاف فرمایا کہ میں اس دعوت میں بادشاہ کی رضاجوئی کے لیے گانے بجانے اور فسق و فجور کا سامان کر کے اپنے رب کو ناراض کرنے کا گناہِ عظیم اپنے سر پر نہیں لے سکتا۔ خاقان نے ناراض ہو کر آپ کو گرفتار کر لینے کا ارادہ کیا مگر آپ ایک ماہ تک اس طرح روپوش رہے کہ خاقان ہزاروں کوششوں کے باوجود آپ کو گرفتار نہیں کر سکا پھر خاقان نے آپ کے لیے عام امن وامان کا اعلان کر دیا اور آپ کو دربار میں بلا کر فریب سے گرفتار کر کے جیل خانہ میں بند کر دیا اور آپ کی ساری جائے داد اور مال و متاع کو ضبط کر لیا اس وقت ایک دن آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: "جو شخص واقعی اہلِ بیت نبوت میں سے ہوگا' وہ ضرور کبھی نہ کبھی اس قسم کی مصیبتوں میں گرفتار ہوگا۔ ہمیں ہمیشہ ناز و نعمت میں پلا تھا اس لیے کبھی کبھی مجھ کو یہ وہم ہونے لگتا تھا کہ میں سید ہوں یا نہیں؟ مگر اس حادثہ کے بعد مجھے اطمینان ہو گیا کہ یقیناً میرا سلسلہ نسب حضور اکرم ﷺ تک متصل ہے۔"

ظالم خاقان نے جیل خانہ میں آب ودانہ بند کردیا اور بھوک و پیاس سے تڑپ تڑپ کر آپ کی شہادت ہوگئی مگر آپ آخری دم تک صابر وشاکر رہے۔

آپ کے وصال کے بعد ابوالعباس جوہری نے یہ خواب دیکھا کہ علامہ سید شریف مرتضیٰ جنت میں ہیں اور ان کے سامنے کھانا رکھا ہوا ہے اور وہ لوگ ان سے درخواست کر رہے ہیں کہ آپ کھانا تناول فرمالیجیے تو وہ یہ فرمارہے ہیں کہ جب تک میرا بچہ نہیں آجائے گا میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ ابوالعباس جوہری خواب سے بے دار ہوئے تو رمضان کی انیسویں تاریخ تھی اور اسی دن علامہ سید شریف مرتضیٰ کے صاحب زادے شہید کیے گئے۔ آپ ۴۰۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۷۶ میں خاقان خضر بن ابراہیم نے آپ کو شہید کرایا۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۱)

اس رِقت انگیز وعبرت خیز حکایت میں بلاشبہ علمائے حق کے لیے بہت بڑا درس عمل ہے۔ ایک ظالم بادشاہ کے مقابلہ میں خداوندِ قدوس کی رضا جوئی کے لیے بڑے بڑے مصائب وآلام برداشت کرنے کے لیے استقامت کا ہمالیہ بن کر ڈٹ جانا' یہ کسی معمولی دل گردے والے کا کام نہیں ہے۔ بلاشبہ علمائے حق کا یہ جذبہ حق پرستی اپنی رفعت وسربلندی میں ایسی اعلیٰ منزل پر ہے کہ ہمالیہ کی چوٹیاں سر اُٹھا اُٹھا کر حسرت سے اس کا منہ تکتی ہیں اور آسمانوں کی سربلندی جھک جھک کر اس کو سلام کرتی ہیں۔

حضرت علامہ سید شریف مرتضیٰ کا یہ ارشاد کہ جو سید ہوگا' وہ ضرور کبھی نہ کبھی مصائب و آفات کا شکار ہوگا' واقعی آپ کا یہ فرمان والاشان تاریخی شواہد کی روشنی میں آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ مصائب اور بلاؤں کا استقبال خاصانِ خدا کا خاص الخاص حصہ ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل

"سب سے زیادہ سخت امتحان اور آزمائش حضرات انبیاء علیہم السلام کی ہوا کرتی ہے پھر ان کے بعد جو شخص جس درجے کا بلند مرتبہ ہوگا اسی درجے کا اس کے لیے مصائب اور بلاؤں کے ذریعے امتحان ہوا کرے گا کیوں نہ ہو کہ

منزلِ عشق میں تسلیم و رضا مشکل ہے
جن کے رُتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

محبوبانِ خدا خصوصاً حضرات اہلِ بیت کرام چونکہ یہ بزرگیوں اور کرامتوں کے بڑے بڑے انعام واکرام ربانی سے نوازے جاتے ہیں اس لیے اس اصول کے مطابق کے جتنا بڑا انعام اتنا ہی بڑا امتحان' یہ لوگ بڑے بڑے روح فرسا مصائب وآلام کی منزلوں سے گزرتے اور بڑے بڑے مشکل امتحانوں کی آزمائش میں مبتلا کیے جاتے ہیں اور یہ لوگ جب صبر واستقامت کے ساتھ ہر مصیبت کا مقابلہ کر کے امتحان میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو خداوندِ قدوس ان کو ایسے ایسے انعام واکرام کی دولتوں سے مالا مال فرما دیتا ہے کہ قدسی صفت ملائکہ بھی ان کے بلند درجات کے دیدار اور درشن کے تمنائی بن جاتے ہیں۔ کسی شاعر نے اس حقیقت کو نہایت ہی حسین طرزِ بیان میں زیب قرطاس کیا ہے کہ

نامی کوئی بغیر مشقت کوئی نہیں ہوا
سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا

(روحانی حکایات)

(۵۵)

خواب کی بنیاد پر

قاضی ابوعمر محمد بن یوسف کہتے ہیں: "ہمارے پڑوس میں ایک شخص رہتا تھا جس کے بارے میں ایک قصہ زبان زدِ عام تھا کہ فقر و محتاجی کے طویل مراحل سے گزرنے کے بعد دولت و ثروت نے اس کی قدم بوسی کی ہے، تب کہیں جا کر وہ اب زندگی کے ناز و نعم میں پل رہا ہے۔ میں نے ایک روز اس سے لوگوں کے زبان زدِ عام قصے کے متعلق دریافت کیا تو اس جوان نے اپنی روداد کی تفصیل ان الفاظ میں بیان کی:

"مجھے میرے والد کی طرف سے بہت سا مال وراثت میں ملا تھا۔ میں نے بے دریغ اسے خرچ کرنا شروع کر دیا اور انتہائی تھوڑی مدت میں پوری دولت کو ٹھکانے لگا دیا۔ معاملہ یہاں تک آ پہنچا کہ میرے گھر کے دروازے کے ساتھ ساتھ گھر کی چھت بھی بک گئی اب میرے پاس کوئی دنیوی ساز و سامان باقی نہ بچا تھا جس کو بیچ کر کھاؤں اور نہ ہی کسی حیلہ سازی کی کوئی گنجائش تھی جو مجھے مال فراہم کرنے کا ذریعہ بنے۔ مدت تک میری والدہ سوت کات کر مجھے روٹی کھلاتی رہی۔

میں جوان آدمی تھا اور بے روزگاری سے سخت تنگ آ چکا تھا۔ ایک دن میں نے ایک عجیب خواب دیکھا کہ ایک شخص مجھے مشورہ دے رہا ہے کہ تم مصر کیوں نہیں چلے جاتے وہاں اپنی قسمت آزماؤ! ہو سکتا ہے وہاں تمہارے لیے رزق کے دروازے کھل جائیں۔

صبح اٹھا تو میں نے خواب پر غور کیا اور اس کو غیبی مشورہ سمجھا اور مصر جانے کے لیے تیاری شروع کر دی۔ میں نے مناسب سمجھا کہ میرے پاس کوئی تعارفی خط ہو جس سے میں

اس اجنبی جگہ میں اپنی پہچان کرواسکوں۔ چنانچہ اے قاضی ابوعمر! میں آپ کے پاس گیا اور آپ کو اپنے والد کی دوستی اور پڑوسی ہونے کا واسطہ دیا کہ مجھے مصر کے قاضی کے نام خط لکھ دیں۔ آپ نے مجھے ایک تعارفی خط دے دیا جسے میں لے کر مصر پہنچ گیا۔

مصر پہنچ کر میں نے تعارفی خط حکام کو دکھایا اور کوشش بھی کی مگر اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ کسی نے میری پرواہ نہ کی۔ میں خاصہ پریشان ہوا کہ اتنا سفر بھی کیا' مشقت بھی اُٹھائی اور پھر بھی کچھ حاصل نہ ہوا اس سے تو اپنا وطن اچھا تھا یہاں تو فاقوں کی نوبت آ گئی ہے۔

وقت تیزی کے ساتھ گزرتا جا رہا تھا' جو کچھ میرے پاس تھا' ختم ہوتا جا رہا تھا۔ بھیک مانگنے کی نوبت آ گئی۔ میں نے سوچا کہ چلو بھیک مانگ لیتے ہیں مگر اس کے لیے ضمیر اجازت نہیں دیتا تھا۔ ادھر پیٹ تھا کہ کھانے کے لیے مانگ رہا تھا' میں مجبور ہو گیا سوچا چلو رات کا انتظار کرتے ہیں۔ رات کو مانگنے کے لیے نکلا اب مانگنے کا طریقہ بھی نہیں آتا تھا۔ شکل و صورت اور لباس سے میں بہت ہی غریب اور فقیر لگ رہا تھا مگر کسی کو بھی میری حالت پر رحم نہ آیا ادھر رات گہری ہو چلی تھی۔ سڑک پر اِکا دُکا آدمی رہ گئے تھے کہ اچانک پولیس کے سپاہیوں کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ انہوں نے مجھے پکڑ لیا اور مجھ سے پوچھ گچھ کی اب میں اس علاقے میں اجنبی تھا' ان کو مزید شک ہوا اور پولیس نے مجھے مارنا شروع کر دیا۔ میں نے بڑا شور مچایا' رویا چلایا مگر پولیس کو کون روکتا؟

اچانک میں نے زور سے چیخ ماری اور کہا: ''مجھے چھوڑ دو' میں تمہیں ہر چیز سچ سچ بتاتا ہوں۔'' پولیس والوں نے کہا: ''بتاؤ!''

چنانچہ میں نے بغداد سے مصر آنے کا سبب بیان کیا اور تفصیل سے بیان کیا کہ کس طرح میں نے خواب دیکھا اور اس پر عمل کرتا ہوا یہاں پہنچا مگر یہاں بھی کچھ حاصل نہیں ہوا۔

پولیس آفیسر نے کہا: ''میں نے تجھ سے زیادہ احمق آدمی کبھی نہیں دیکھا۔ اللہ کی قسم! میں نے فلاں سال خواب میں دیکھا تھا کہ ایک آدمی مجھ سے کہہ رہا ہے:

''بغداد کی فلاں سڑک کے فلاں محلے میں فلاں آدمی کا گھر ہے..... پولیس آفیسر نے

میرا گھر اور میرا نام بتایا...... اس گھر کے اندر ایک باغیچہ ہے جس میں بیری کا ایک درخت ہے۔ میرے گھر میں واقعی ایک باغیچہ تھا اور بیری کا ایک پیڑ تھا اس بیری کے درخت کے نیچے تیس ہزار دینار مدفون ہیں' جاؤ اور لے لو۔ میں نے اس بات پر کوئی دھیان نہیں دیا اور نہ ہی اس سلسلے میں کچھ سوچنا گوارا کیا لیکن اے احمق! تو کس قدر گدھا اور بے وقوف ہے کہ صرف ایک خواب کی بنیاد پر اپنا وطنِ عزیز چھوڑ کر مصر چلا آیا؟''

میں نے اسے بالکل ہی نہیں بتایا کہ جس گھر اور بیری کی تو بات کر رہا ہے' وہ میرا ہی گھر ہے۔ میں نے اس کی منت سماجت کی اس کو میری حالت پر ترس آ گیا اور مجھے چھوڑ دیا۔ پولیس کے چنگل سے چھوٹا تو سیدھا ایک مسجد میں گیا' وہاں رات گزاری۔ صبح سویرے اُٹھا اور اپنے وطن جانے کے لیے تیاری شروع کی۔ اتفاقاً ایک قافلہ بغداد کی طرف روانہ ہو رہا تھا' میں ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ راستے میں اہلِ قافلہ کی خدمت کرتا رہا اور بغداد پہنچ گیا۔ گھر پہنچ کر میں نے مصری پولیس آفیسر کا خواب سچا پایا۔

زندگی نے مجھے بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔ میں نے اس مال کو غنیمت جانا اور نہایت عقل مندی سے اس کو خرچ کرنا شروع کیا' کاروبار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں مجھے بہت برکت عطا فرمائی اور یہ جو کچھ مال و دولت آپ کو نظر آ رہا ہے سب اسی تجارت کا نتیجہ ہے۔''

(الفرج بعد الشدۃ والضیق للحازمی)

(۵۶)

دل جوئی ودلداری

بیان کیا جاتا ہے کہ جعفر خلدی نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہوئے کہا:

''ایک دن میں ابن کرینی کے پاس گیا اس وقت میرے پاس کچھ درہم تھے جو میں انہیں دینا چاہتا تھا اور میرا خیال تھا کہ انہیں میرے متعلق علم نہیں ہے۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ درہم لے لیں۔ انہوں نے جواب دیا مجھے ان کی ضرورت نہیں اور لینے سے انکار کر دیا۔ میں نے پھر عرض کیا اگر آپ کو ان کی ضرورت نہیں تو میں ایک مسلمان ہوں' آپ کے لے لینے سے مجھے خوشی ہوگی۔ لہٰذا آپ مجھے خوش کرنے کی خاطر لے لیں۔

ظاہر ہے صوفیاء کے نزدیک دل جوئی ودلداری اور دوسروں کو راحت وسرور پہنچانے سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں۔ ابن کرینی اگرچہ پیسوں کی ضرورت محسوس نہ کرتے تھے۔ صوفی کے پاس بظاہر کچھ بھی نہ ہو تو بھی وہ مال ودولت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا۔ اللہ نے اس کے دل کو غنی بنا رکھا ہوتا ہے اور غنا اور دولت مندی اصل میں دل کی دولت مندی کا نام ہے نہ کہ مال ودولت کا۔ (الغنی غنی النفس) بغیر مانگے اور بغیر حرص ولالچ کے انہیں یہ نذرانہ مل رہا تھا مگر اس کے باوجود انہوں نے درہم کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے نہیں دیکھا۔ چنانچہ صرف اور صرف یہ کہ دل کو خوش کرنے کے لیے ان دراہم کو قبول کر لیا۔''

(ابونصر سراج طوسی: کتاب اللمع (مترجم) ص: ۲۹۳)

☆...... حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ کو اصم (بہرا) کہنے کی وجہ بڑی ایمان افروز ہے۔ وہ یہ کہ ایک مرتبہ ایک عورت آپ کے سامنے آئی اور آپ سے مسئلہ دریافت کیا۔ اتفاقاً اس کی ہوا نکل گئی اور وہ بڑی شرمندہ ہوئی۔ آپ نے بلند آواز سے کہا:

"کیا کہتی ہے؟ سنائی نہیں دے رہا میرے کان بہرے ہیں۔"

آپ کا یہ کہنا اس لیے تھا کہ وہ شرمندہ نہ ہو۔ آپ نے اس مسئلے کا جواب دیا اور عورت کو یہی معلوم ہوا کہ آپ نے ہوا کی آواز کو نہیں سنا ہے اور جب تک وہ عورت زندہ رہی' آپ نے اپنے آپ کو بہرہ بنائے رکھا اور اسی سبب سے آپ کو اصم کہتے ہیں۔

(الف) امام ابوالقاسم قشیری: رسالہ قشیریہ (مترجم) ص: ۳۸

(ب) شذرات الذہب فی اخبار من ذہب: ۲: ۸۸ طبع قاہرہ

(ج) تاریخ بغداد للخطیب بغدادی: ۸: ۲۳۳ طبع مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء)

سبحان اللہ کیا حسنِ اخلاق ہے' کتنا حوصلہ ہے۔ ایک خاتون کو وقتی شرمندگی سے بچانے کے لیے کیا حسنِ تدبیر ہے۔ کوئی عام آدمی ہوتا تو یقیناً خاتون کو اس نازیبا حرکت اور آدابِ مجلس کے خلاف چیز پر ضرور ڈانٹ پلا دیتا۔

☆...... حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ خواجہ ذوالنون مصری قدس سرہ العزیز گلی میں جا رہے تھے' دو مسلمانوں کو شطرنج کھیلتے دیکھ کر انہیں فرمایا:

"اگر یہی وقت یادِ الٰہی یا تلاوتِ قرآن میں بسر کیا جائے تو کیسا اچھا ہو؟"

انہوں نے توجہ ہی نہ کی۔ آپ چند قدم آگے بڑھے تو دل میں خیال آیا کہ کہیں اس بات سے وہ ناراض نہ ہو گئے ہوں۔ مومن کا دل دُکھانا ٹھیک نہیں۔ واپس آ کر ان سے معافی مانگی: "صاحبان! مجھے معاف فرما دیں۔ میں نے دیوانہ پن میں کچھ کہہ دیا تھا۔ آپ ناراض تو نہیں ہوئے؟"

خواجہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تیغ اخلاق کام کر چکی تھی' ان کے دل خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس نرمی' محبت اور حسنِ اخلاق سے اتنا متاثر ہوئے' شرم کے مارے پانی پانی ہو گئے اسی وقت شطرنج فضولیات اور دیگر لہو ولعب سے توبہ کی اور ہمیشہ کے لیے پاکباز و صالح بندے بن گئے۔

(افضل الفوائد اردو ترجمہ حصہ اول ص: ۶۳)

(۵۷)

اگر مجھ سے پوچھ لیا گیا......

حضرت سیدنا فتح بن شخرف رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے حضرت سیدنا عمر رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا:

''بھوک کی وجہ سے میرے ماموں حضرت سیدنا بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے پیٹ میں شدید درد ہوا اور پہلو میں بھی بہت تکلیف ہوئی۔ میری والدہ محترمہ سے ان کی یہ تکلیف دیکھی نہ گئی تو کہا: ''بھائی جان! اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے ہاتھوں سے کچھ پیس کر دلیہ پکا لاؤں، نرم غذا پیٹ میں جائے گی تو تکلیف میں کمی ہو جائے گی۔''

فرمایا: ''افسوس! مجھے تو یہ خوف ہے اگر مجھ سے پوچھ لیا گیا کہ تیرے پاس یہ جو کا آٹا کہاں سے آیا تو میں کیا جواب دوں گا؟''

پھر انہوں نے دلیہ پکانے سے منع کر دیا۔ میری والدہ ان کی یہ حالت دیکھ کر رونے لگی، ماموں بھی رونے لگے اور ان کے ساتھ میں بھی رو دیا ان کا سانس گھٹ گھٹ کر آ رہا تھا، بڑی بے کسی کا عالم تھا۔ میری والدہ نے کہا: ''اے میرے بھائی! کاش میری ماں نے تجھے نہ جنا ہوتا۔ اللہ کی قسم! آپ کی تکلیف وغم دیکھ کر میرا جگر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے۔''

میری والدہ کی یہ بات سن کر ماموں جان نے کہا: ''اے کاش! ایسا ہی ہوتا کہ تیری ماں مجھے نہ جنتی اور جب میں پیدا ہو ہی گیا تھا تو کاش! وہ مجھے دودھ ہی نہ پلاتی۔''

(عیون الحکایات)

(۵۸)

دنیا کی محبت

بیان کرتے ہیں کہ خضر علیہ السلام دریا کے کنارے بیٹھے تھے' ناگاہ ایک سائل آیا اور اس نے ان سے کہا: ''اللہ کے واسطے میں تم سے سوال کرتا ہوں کچھ مجھے دو۔ حضرت خضر علیہ السلام پر بے ہوشی طاری ہوگئی جب ہوش آیا تو آپ نے اس سے فرمایا: میں تو صرف اپنی ذات اور جان کا مالک ہوں اور تم نے بحق اللہ مجھ سے سوال کیا ہے' میں نے اپنی ذات تم کو بخشی' تم اس کو بیچو اور اس کی قیمت سے فائدہ اُٹھاؤ۔''

چنانچہ سائل ان کو بازار لے گیا اور ایک شخص کے ہاتھ بیچ ڈالا اس خریدار کا نام ساحم بن ارقم کہا جاتا تھا اس کے بعد وہ ان کو اپنے گھر لے گیا۔ خریدار کا ایک باغ تھا جو اس کے گھر کی پشت پر واقع تھا۔ ساحم خریدار نے حضرت خضر علیہ السلام کو ایک کدال دیا اور ان کو حکم دیا کہ پہاڑ سے مٹی کاٹیں اور باغ میں اس کو ڈال دیں۔ وہ پہاڑ ایک فرسنگ لمبا اور ایک فرسنگ چوڑا تھا (ایک فرسنگ تین میل کا ہوتا ہے) اس کے بعد ساحم اپنی ضرورت کی وجہ سے وہاں سے باہر چلا گیا۔ پس خضر علیہ السلام پہاڑ کاٹنے اور اس کو باغ میں ڈالنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ جب ساحم واپس آیا تو اپنے گھر والوں سے پوچھا: ''کیا تم لوگوں نے غلام کو کھانا کھلایا؟'' ان لوگوں نے اس سے کہا: ''غلام کہاں ہے' ہم کو اس کا علم نہیں۔''

پھر ساحم نے کھانا اُٹھایا اور غلام یعنی خضر علیہ السلام کے پاس آئے تو ان کو اس حال میں پایا کہ وہ پورے پہاڑ کے کاٹنے سے فارغ ہو کر کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر ساحم کو تعجب ہوا اور قریب تھا کہ اس پر بے ہوشی طاری ہو جائے۔ ساحم نے ان سے پوچھا:

''مجھے یہ تو بتلاؤ کہ تم کون ہو؟''

یہ سُن کر خضر علیہ السلام پھر تھوڑی دیر کے لیے بے ہوش ہو گئے پھر جب افاقہ ہوا تو اس سے کہا: ''میں خضر ہوں۔''

ساحم بے ہوش ہو گیا جب افاقہ ہوا تو اس نے توبہ کی اور اپنے پروردگار سے بہت حذر خواہی کی اور ان کو آزاد کر دیا اور کہا: ''اے رب! مجھ سے اس کا مواخذہ نہ کر اس لیے کہ میں ان کو نہیں جانتا تھا۔''

اس کے بعد خضر علیہ السلام نے سجدہ کیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور کہا: ''اے اللہ تعالیٰ! میں تیرے حق میں غلام ہوا اور تیرے حق سے آزاد ہوا۔''

اس کے بعد انہوں نے واپسی کی اجازت مانگی چنانچہ ان کو اجازت دی گئی۔ پس وہ دریا کے کنارے واپس آئے یہاں آ کر انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص دریا پر کھڑا ہو کر کہتا ہے: ''اے میرے رب! خضر علیہ السلام کو غلامی سے رہائی دے اور ان کی توبہ قبول فرما۔''

خضر علیہ السلام نے اس سے کہا: ''تم کون ہو؟''

اس نے جواب دیا: ''میں شادون ہوں۔''

پھر شادون نے خضر علیہ السلام سے پوچھا: ''تم کون ہو؟''

انہوں نے کہا: ''میں خضر ہوں۔''

اس کے بعد شادون نے ان سے کہا: ''اے خضر! تم نے دنیا طلب کی کیونکہ تم نے اپنی ذات کے واسطے رہنے کا مکان بنایا۔''

دریا کے کنارہ پر خضر علیہ السلام کا ایک عبادت خانہ تھا پس فوراً وہ میدان میں نکل آئے اور اسی میں اللہ کی عبادت کرنے لگے اس کے بعد انہوں نے اسی مقام میں ایک درخت لگایا اور اس کے سایہ میں عبادت کرنے لگے۔ پس آواز آئی کہ اے خضر! جس وقت تم نے درخت کے سایہ میں سجدہ کیا تو تم نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی۔ مجھے اپنی عزت اور بزرگی کی قسم ہے دنیا کی محبت میں میری رضامندی نہیں ہے اس کے بعد خضر علیہ السلام نے کہا:

''اے شادون! (غالباً یہ فرشتے کا نام ہے) اللہ تعالیٰ سے دعا کرو یہاں تک کہ وہ میری توبہ قبول فرمائے۔''

چنانچہ شادون نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا سے خضر علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی اس حکایت کی صحت کا حال خدا ہی خوب جانتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ایک بندہ جناب باری کے حضور میں لایا جائے گا اور اس کا حساب کیا جائے گا اس کی بُرائیاں زیادہ ہوں گی۔ چنانچہ اس کو آگ میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا اس کے بعد اس کی آنکھ کا ایک بال عرض کرے گا:

"اے میرے پروردگار! بے شک تیرے نبی محمد ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص خوفِ الٰہی سے روئے گا تو اللہ تعالیٰ آتشِ دوزخ کو اس کی آنکھ پر حرام کرے گا لہٰذا اس کی آنکھ سے مجھے نکال لے پھر اس کو دوزخ میں بھیج (یہ سن کر اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ تو نے مجھ سے بخشائش کی کیوں نہ طلب کی؟ وہ بال عرض کرے گا کہ اے میرے رب! میں نے تجھ سے خوف کیا۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ میں نے تیری وجہ سے اس شخص کی بزرگی کی لہٰذا تو اس کو جنت میں لے جا۔" (قلیوبی)

(۵۹)

مردِ حق باطل کے آگے مات کھا سکتا نہیں

علامہ یعقوب بن اسحاق جو عام طور پر علامہ ابن السکیت کہلاتے ہیں، بہت ہی جلیل القدر عالمِ دین تھے اور بادشاہِ بغداد متوکل باللہ کے دونوں فرزند معتز باللہ اور مؤید باللہ کے معلم تھے اور دربارِ شاہی میں بڑا وقار و اعتبار رکھتے تھے۔ ایک دن متوکل باللہ نے اپنی سلطنت کے غرور میں آپ سے یہ سوال کیا کہ میرے یہ دونوں فرزند آپ کے نزدیک محبوب ہیں یا حضرت امام حسن اور امام حسین؟

یہ سوال سنتے ہی علامہ ابن السکیت کے اسلامی خون میں ایمانی جذبات کا آتش فشاں پھٹ پڑا اور انہوں نے انتہائی جلال میں آ کر فرمایا: ''اے متوکل! خدا کی قسم! میرے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ادنیٰ غلام قنبر تجھ سے اور تیرے بیٹوں سے لاکھوں درجے بہتر اور محبوب ہے۔''

یہ سننا تھا کہ متوکل مارے غصہ کے آگ بگولا ہو گیا اور ظالم نے جلادوں کو حکم دیا کہ ابن السکیت کی زبان کھینچ کر نکال لی جائے اس حق گوئی اور حق پرور عالم حقانی کی زبان کھینچ لی گئی اور وہ شہید ہو گئے۔ (روح البیان ج ۲ ص ۳۱۳)

مسلمانو! دیکھ لو یہ ہے ایک حق پرست عالمِ دین کی شانِ اکبر۔ کسی شاعر حق گو نے کیا خوب کہا ہے

مردِ حق باطل کے آگے مات کھا سکتا نہیں
سر کٹا سکتا ہے لیکن سر جھکا سکتا نہیں

☆......سہل بن مزاحم محدث بڑی حسرت کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر رحم فرمائے بار بار دنیا ان کے قدموں پر گری مگر ہر بار انہوں نے دنیا کو اپنی ٹھوکروں سے ٹھکرا دیا اور دنیاوی جاہ وجلال کو قبول نہیں فرمایا اور کوڑوں کی ضرب شدید کو گوارا فرمالیا۔ دو مرتبہ آپ کو کوڑے لگائے گئے مگر حق پر استقامت سے آپ کے قدم نہیں ڈگمگائے۔

ایک مرتبہ اموی دَورِ حکومت میں کوفہ کے گورنر عمر بن ہبیرہ نے آپ سے عہد قضا قبول کرنے پر اصرار کیا' آپ نے نہایت حقارت کے ساتھ اس عہدہ کو ٹھکرا دیا تو اس ظالم نے آپ کو سو کوڑے لگوائے بالآخر ہار مان کر آپ کو چھوڑ دیا دس دن تک روزانہ جلاد آپ کو دس دس کوڑے مارتا رہا اور آپ ہر روز یہی فرماتے رہے کہ میں ایک ظالم حکومت کا جج بن کر اس کے ظلم میں شریک ہونے کا گناہِ عظیم ہرگز ہرگز اپنے سر لینے کے لیے تیار نہیں۔ دوسری مرتبہ جب عباسی سلطنت کے زمانے میں خلیفہ بغداد منصور نے آپ کو دربار میں طلب کر کے عہدہ قاضی القضاۃ پیش کیا تو آپ برابر انکار کرتے رہے یہاں تک کہ خلیفہ نے جھلا کر کہا:

''خدا کی قسم! تمہیں یہ عہدہ قبول کرنا پڑے گا۔''

آپ نے جواب میں فرمایا: ''خدا کی قسم! میں کبھی بھی یہ عہدہ قبول نہیں کروں گا۔''

ربیع دربان نے کہا: ''اے ابوحنیفہ! کیا غضب کرتے ہو؟ تم امیر المومنین کے مقابلہ میں قسم کھاتے ہو؟''

آپ نے فرمایا: ''امیر المومنین کو اپنی قسم کا کفارہ ادا کر لینا مجھ سے زیادہ آسان ہے۔''

خلیفہ منصور نے غضب ناک ہو کر آپ کو قید کر دیا اور جلاد کو حکم دیا کہ جب تک یہ عہدہ قضا قبول نہ کریں روزانہ ان کو دس کوڑے لگائے جائیں۔ دورانِ قید ایک دن دربار میں بلا کر پھر منصور نے کہا: ''اے ابوحنیفہ! اپنی جان پر رحم کرو اور یہ عہدہ قبول کرلو۔''

آپ نے فرمایا: ''خدا امیر المومنین کا بھلا کرے میں اس عہدہ کے لائق نہیں ہوں۔''

منصور نے بگڑ کر کہا: ''تم جھوٹے ہو۔''

امام نے جواب دیا: ''اب تو امیر المومنین نے خود ہی میرے قول کی تصدیق کر دی کہ

مجھ کو جھوٹا کہا اگر واقعی میں جھوٹا ہوں تو ایک جھوٹا آدمی بھلا قاضی القضاۃ بننے کے لائق کیونکر ہوسکتا ہے اور اگر میں سچا ہوں تو میں کہہ چکا ہوں کہ میں اس عہدہ کے لائق نہیں ہوں۔"

منصور نے آپ کا جواب سن کر پھر آپ کو جیل بھیج دیا۔ چنانچہ آپ اسی قید خانہ میں چھ دن بیمار رہ کر ۱۵۰ھ میں ستر برس کی عمر پا کر وصال فرما گئے۔

امام الحدیث ابن جریج کو جب آپ کی وفات کی خبر ملی تو ایک سرد آہ کھینچ کر انہوں نے انا اللہ پڑھا اور کہا: ای علم ذھب۔

"ہائے! کیسا علم اُٹھ گیا۔" (تبصرہ تاریخ بغداد ص ۴۴)

اللہ اکبر! جیل خانہ اور کوڑوں کی ضربِ شدید اور موت کو امام نے گوارہ فرمالیا مگر حکومت کے سب سے بڑے معزز عہدہ کو قبول نہیں فرمایا اس لیے کہ اس مغرور باقتدار عہدہ کو قبول کر لینے پر اگرچہ دنیاوی جاہ وجلال بہت ہی بڑا حاصل ہو جاتا ہے اور تنخواہ بھی زیادہ ملتی ہے مگر مشکل یہ تھی کہ ظالم حکومت تھی۔ بادشاہ کے ہر ظالمانہ حکم کی بحیثیت چیف جسٹس آپ کو تصدیق وتائید کرنی پڑتی اور سینکڑوں بے گناہوں کے خون ناحق کے ظالمانہ فیصلہ پر آپ کو مہر تصدیق لگانی پڑتی۔ یہ وہ بلائیں تھیں جن کو امامِ اعظم کا تقویٰ ہرگز ہرگز قبول نہیں کرسکتا تھا اسی لیے امام ممدوح نے اپنی جان دے دی مگر اس عہدہ کو قبول نہیں فرمایا اور قیامت تک آنے والے علمائے حق کو اپنے اس عملی شاہکار سے یہ درس دے دیا ہے

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

(۶۰)

نابینا بھکاری یہودی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ

قاضی ابو یوسف نے اپنی کتاب ''الخراج'' میں بیان کیا ہے:
''ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک گلی سے گزر رہے تھے' دیکھا کہ ایک نابینا بوڑھا ہاتھ میں کشکول لیے بھیک مانگ رہا ہے۔ شکل وصورت سے وہ مسلمان کی بجائے ذمی معلوم ہو رہا تھا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس کے بازو پر ہلکی سی ضرب لگائی اور پوچھا: ''اہلِ کتاب کی کس قوم سے تیرا تعلق ہے؟'' نابینا بھکاری: ''یہودی ہوں۔''
امیر المومنین: ''یہ جو میں تجھے کشکول اُٹھائے دیکھ رہا ہوں' آخر ماجرا کیا ہے؟''
نابینا بھکاری: ''ایک تو جزیہ ادا کرنا ہوتا ہے' دوسرے میری زندگی کی ضروریات بھی ہیں اور تیسرے میں بوڑھا ہوں اس لیے کما نہیں سکتا پھر میری ضروریاتِ زندگی کا مسئلہ کیسے حل ہو اور جزیہ کہاں سے ادا کروں؟ لہٰذا بھیک مانگ رہا ہوں۔''
امیر المومنین نے جب اس کی بات سنی تو اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور ممکن حد تک اسے عطا فرمایا پھر بیت المال کے خازن کو بلا کر حکم دیا:
أُنْظُرْ هٰذَا وَضُرَبَاءَهُ، فَوَاللّٰهِ! مَا أَنْصَفْنَا الرَّجُلَ أَنْ أَكَلْنَا شَبِيْبَتَهُ ثُمَّ نَخْذُلَهُ عِنْدَ الْهَرَمِ (إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ)
''اس نابینا بوڑھے یہودی کا اور اس کی طرح دوسرے اہلِ کتاب کا خوب خوب خیال رکھو! اللہ کی قسم! ہم نے اس بوڑھے یہودی کے ساتھ انصاف نہیں کیا اس کی جوانی میں تو ہم اس سے ٹیکس لیتے رہے اور بڑھاپے میں ذلیل کر

رہے ہیں (یقیناً صدقات وخیرات فقراء ومساکین کے لیے ہیں)''

(التوبہ: ۶۰)

لہٰذا یہ بوڑھا نابینا اہلِ کتاب کے مسکینوں میں سے ہے پھر امیر المومنین نے اس بوڑھے سے اور اس کے مانند دوسرے اہلِ کتاب سے جزیہ ساقط کر دیا۔

(الخراج' قاضی ابو یوسف (ص ۱۷۶) دار المعرفۃ بیروت)
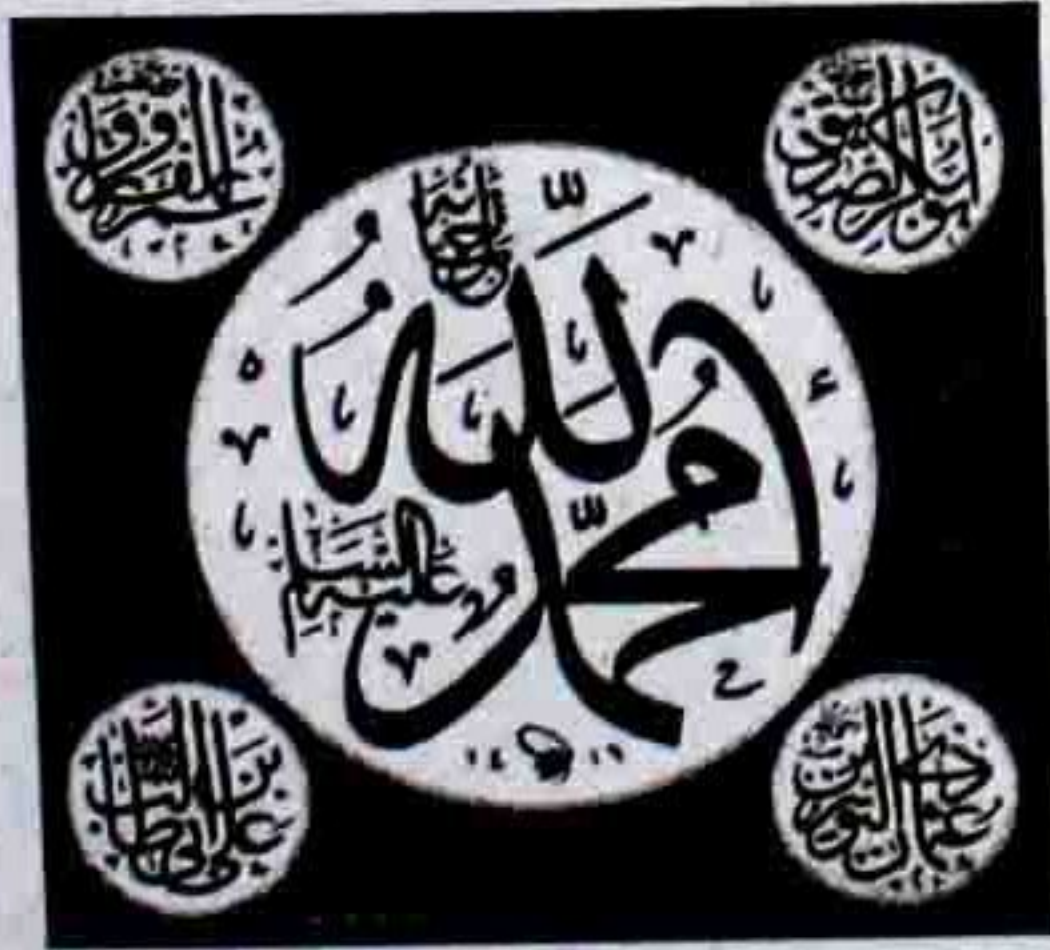
(۶۱)

خواجہ غریب نواز کی غریب نوازی

جب سلطان التمش کی حکومت آئی (۶۳۳ھ/۱۲۳۵۔۱۲۱۰) تو وہ اپنی حکومت کے زمانہ میں بزرگانِ دین خصوصاً خواجگان چشت کا بہت معتقد اور گرویدہ رہا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۳۳ھ/۱۲۳۵ء) کے ہاتھ پر بیعت بھی کی۔ ان سے عرفان وطریقت کی علمی وعملی تعلیم آخری وقت تک حاصل کرتا رہا ایک بار حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۲۷ھ/۱۲۲۹ء) دہلی آئے تو ان کے دیدار سے مشرف ہونے کے لیے دہلی کے تمام خواص وعام ان کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن ان کے پیر بھائی نجم الدین صغریٰ ان سے ملنے نہ آئے جن کو سلطان التمش نے شیخ الاسلام کے عہدہ پر مامور کر رکھا تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین خود ان سے ملنے گئے اس کے باوجود شیخ نجم الدین صغریٰ ان سے گرم جوشی کے بجائے سرد مہری سے ملے۔ حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ نے یہ محسوس کر کے ان سے وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ جب سے ان کے حکم سے حضرت قطب الدین بختیار کاکی دہلی میں مقیم ہوئے ہیں۔ شیخ الاسلام کی عزت و وقعت باقی نہیں رہی ہے۔ تمام لوگ قطب صاحب ہی کی طرف مائل رہتے ہیں کوئی ان کے یعنی نجم الدین صغریٰ کے پاس نہیں آتا۔ حضرت خواجہ معین الدین نے ان کے بار خاطر دُور کرنے کا یقین دِلایا اور قطب صاحب کے پاس آ کر ان کو دہلی چھوڑ دینے اور اپنے ساتھ اجمیر چلنے کا حکم دیا' یہ حکم سن کر دہلی کے تمام باشندے ششدر رہ گئے۔ خود سلطان التمش دَم بخود تھا کہ اس شیخ الاسلام نے اس کے مرشد کے ساتھ زیادتی کی لیکن اپنے شیخ الاسلام سے

باز پرس کرنے کے بجائے اس نے حضرت خواجہ معین الدین سے اس حکم کے بدلوانے کے لیے منت کی مگر حضرت خواجہ صاحب نے اس کی بات نہ مانی کیونکہ ان کا خیال تھا کہ درویش کی شان یہ ہے کہ درویش سے کسی ایک کی بھی دل آزاری نہ ہو جب دونوں بزرگانِ دین دہلی سے رخصت ہونے لگے تو لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ شہر دہلی معرفت کے آفتاب و مہتاب کی تجلیوں سے محروم ہو رہا ہے۔ ہر طرف کہرام مچ گیا' تمام اہلِ شہران دونوں بزرگوں کے پیچھے پیچھے چلنے لگے' ان ہی کے جلوس میں سلطان التمش بھی تھا۔ قطب صاحب کی ذات سے لوگوں کی شیفتگی و فریفتگی کا یہ عالم تھا کہ جس جگہ وہ قدم مبارک رکھتے لوگ اس جگہ کی خاک تبرکاً اُٹھا لیتے تھے اور اس طرح آہ و بکا کرتے تھے جس طرح فراق یار پر عاشق زار کرتے ہیں۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ منظر دیکھا تو ارشاد فرمایا: ''بختیار تم یہیں رہو' میں تم کو اس لیے لے جا رہا تھا کہ دہلی میں تمہارے رہنے سے ایک شخص کی دل آزاری ہوتی ہے لیکن دہلی میں تمہارے نہ رہنے سے دہلی کے تمام لوگوں کے دل خراب و کباب ہوں گے جو گوارہ نہیں کیا جا سکتا اس فیصلہ سے دہلی کے لوگ پھولے نہ سمائے' خود سلطان التمش نے خوشی میں بڑھ کر حضرت خواجہ معین الدین کے قدم چومے اور قطب صاحب کے ساتھ خوش خوش دہلی آیا۔

(ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں از سید صلاح الدین عبدالرحمٰن مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۹۶۸ء ص: ۳۱۔۳۲' سیر الاولیاء ص: ۵۵۔۵۴' سیر الاقطاب (اردو) ص: ۱۰' تاریخ دعوت وعزیمت ج: ۳ ص: ۳۲۔۳۳' تاریخ مشائخ چشت ص: ۱۵۲۔۱۵۳)

(۶۲)

میر کارواں اور خوئے دل نوازی

حضرت سیدنا مصعب بن احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ایک مرتبہ زمانے کے مشہور ولی حضرت سیدنا ابو محمد عبداللہ رباطی رحمۃ اللہ علیہ بغداد تشریف لائے' ان کا مکہ مکرمہ زادھا اللہ شرفاً و تعظیماً جانے کا ارادہ تھا کافی عرصے سے میری خواہش تھی کہ ان کی رفاقت میں سفر کرنے کی اجازت عطا فرما دیں۔ مگر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سال مجھے اپنی رفاقت عطا نہ فرمائی۔ دوسرے سال بھی مجھے یہ سعادت نصیب نہ ہو سکی۔ تیسرے سال میں پھر حاضر ہوا اور اپنی خواہش کا اظہار کیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اس شرط پر تم میرے ساتھ سفر کر سکتے ہو کہ ہم میں سے ایک امیر ہوگا اور اس کی اطاعت لازم ہوگی۔''

میں نے بخوشی یہ شرط قبول کر لی اور کہا: ''حضور! آپ امیر ہیں۔''

فرمایا: ''نہیں! بلکہ تم امیر ہو۔''

میں نے پھر عرض کی: ''حضور! آپ کا مقام و مرتبہ بڑا ہے لہٰذا آپ ہی امیر ہیں۔''

فرمایا: ''ٹھیک ہے' میں ہی امیر ہوں لیکن میری نافرمانی نہ کرنا۔''

میں نے کہا: ''ٹھیک ہے میں ہرگز آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔''

پھر میں اس ولی کامل کے ہمراہ سوئے حرم چل دیا جب کھانے کا وقت ہوا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے بٹھایا اور خود بڑی عاجزی و انکساری کے ساتھ میرے لیے کھانا لائے۔ میں نے چاہا کہ انہیں روکوں اور ان کی خدمت کروں لیکن معاملہ برعکس تھا۔ وہ مجھے بہت زیادہ تعظیم دے رہے تھے میں جب بھی انہیں روکنا چاہتا تو فرماتے:

''کیا تم نے یہ شرط منظور نہ کی تھی کہ تم حکم عدولی نہیں کرو گے؟''

اسی طرح وہ سب میرا کام کرتے رہے۔ میرا سارا سامان بھی انہوں نے اُٹھائے رکھا اب میں دل میں کہنے لگا: ''میری وجہ سے انہیں بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ اے کاش! میں ان کا رفیقِ سفر نہ بنتا مگر اب مجبور ہوں' کیا کروں؟''

سفر طے ہوتا رہا اور وہ ولی کامل ہر طرح سے میری خاطر مدارت کرتے رہے پھر ایسا ہوا کہ دورانِ سفر ہمیں بارش نے آلیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اے ابو احمد رحمۃ اللہ علیہ! میل (یعنی راستے کی پہچان کے لیے بنائے ہوئے نشانات) تلاش کرو جب ہم میل (نشان) کے قریب پہنچ گئے تو مجھے چھوٹی سی بُرجی (یعنی گنبد یا ستون) کی آڑ میں بٹھایا اور خود مجھ پر چادر تان کر کھڑے ہو گئے۔ میرے منع کرنے کے باوجود خود سخت سردی میں بھیگتے رہے لیکن مجھے نہ بھیگنے دیا۔ میں کچھ عرض کرتا تو فرماتے' میں تمہارا امیر ہوں اور ہم نے یہ بات طے کر لی تھی کہ تم میرے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرو گے لہٰذا جو میں کہوں تمہیں اس پر عمل کرنا ہوگا اب میں ان کی رفاقت پر بہت پچھتا رہا تھا کہ میری وجہ سے انہیں کتنی دشواری ہو رہی ہے۔ اے کاش! میں ان کا رفیق نہ بنا ہوتا۔''

الغرض بغداد شریف سے مکہ معظمہ زادھا اللہ شرفاً وتکریماً تک وہ نیک خصلت ولی کامل میری ہر طرح سے خاطر مدارات کرتے رہے یہاں تک کہ ہم مکہ معظمہ زادھا اللہ شرفاً وتعظیماً میں داخل ہو گئے۔''

(عیون الحکایات لابن الجوزی)

(۶۳)

آخرت کا کام اور اسماء الٰہیہ کی برکات

منقول ہے کہ حامد لفاف علیہ الرحمۃ نے جمعہ کی نماز کے واسطے جانا چاہا حالانکہ ان کا گدھا گم ہو گیا تھا' ان کا آٹا چکی میں تھا اور ان کی زمین کی آب پاشی کی باری اور وقت آ گیا تھا۔ انہوں نے اپنی جی میں غور کیا اور کہا کہ اگر جمعہ کی نماز کے واسطے جاتا ہوں تو میرے یہ سب کام فوت ہوتے ہیں پھر انہوں نے کہا کہ آخرت کا کام بہتر ہے چنانچہ وہ جمعہ کے واسطے گئے جب وہ واپس آئے تو اپنی زمین کو سیراب پایا اور اپنا گدھا طویلہ میں پایا اور اپنی بی بی کو روٹی پکاتے پایا چنانچہ انہوں نے اپنی بی بی سے پوچھا۔ بی بی نے ان سے کہا: "گدھا دوڑا آتا ہے اور شیر اس کے گرد ہے جب میں نے دروازہ کھول دیا تو گدھا گھر میں داخل ہو گیا اور ہمارے پڑوسی نے اپنی زمین کو سینچنا چاہا اتفاق سے وہ سو گیا اور پانی جاری ہوا اس نے ہماری زمین کو سیراب کر دیا اور آٹا یوں ہاتھ آیا کہ ہمارے پڑوسی کا آٹا چکی میں تھا پس وہ گیا تا کہ اس کو لائے لیکن اس نے غلطی کی اور ہماری گون اُٹھا لایا جب وہ اپنے گھر آیا تو اس نے اس کو پہچانا اور اس کو ہمارے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد حامد نے اپنا سر آسمان کی طرف اُٹھایا اور کہا: "اے میرے رب! میں نے تیرا ایک حکم پورا کیا اور تو نے میری تین حاجتوں کو پورا کیا۔ تیرا شکر ہے۔"

☆...... بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی پر سوار ہوئے تو کشتی آسمان اور زمین کے درمیان بلند ہوئی' لہروں نے کشتی کو تھپیڑے دیئے' پانی گرم تھا' پانی کی گرمی سے روغن قیر (تارکول) پگھل گیا اور قریب تھا کہ کشتی پانی میں ڈوب جائے۔ چنانچہ اللہ

تعالیٰ نے اپنے ناموں میں سے ایک نام حضرت نوح علیہ السلام کو سکھلایا۔ انہوں نے اس نام کے ذریعہ سے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے روغن قیر جم گیا اور وہ نام اھیا اشر اھیا ہے اور اس کے معنی یا حی یا قیوم ہیں۔ یہ توارت میں ہے اس کی برکت سے ڈوبتا ہوا ڈوبنے سے سلامت رہتا ہے اس نام کو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سکھایا تھا جب وہ آگ میں ڈالے گئے۔ چنانچہ وہ آگ ان پر سرد اور سلامتی ہوگئی تھی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے صاحب زادہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو حرم کی طرف لے گئے تھے اور ان کو وہاں یکہ و تنہا بسایا تھا تو ابراہیم علیہ السلام نے یہ نام ان کو بتایا تھا اور ان کو حکم دیا تھا کہ وہ اس نام کے ساتھ دعا کریں جب ان کو اس کی احتیاج ہو پس جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیاسے ہوئے اور ان کو اور ان کی والدہ کو رنج و تکلیف پہنچی تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اس نام کے ذریعہ سے دعا کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے واسطے چشمۂ زمزم جاری کردیا اور نام اولاد حضرت اسمٰعیل کے مونہوں میں اور ملاحوں کے مونہوں میں قیامت کے دن تک باقی رہے گا۔ (قلیوبی)

(۶۴)

سیاسی مولویوں کے لیے لمحہ فکریہ

عمر بن ہبیرہ سلطنت بنو امیہ کا بڑا ہی ظالم و جابر گورنر تھا' یہی وہ جلاد صفت شخص ہے جس نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو کوڑے لگوائے تھے اس نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرح شیخ الحدیث حضرت منصور بن معتمر کو بھی دربار میں بلا کر جج کا عہدہ پیش کیا مگر اس پیکر علم و عمل محدث کبیر نے فرمایا: "اے امیر! میں ہرگز ہرگز اس عہدہ کو قبول نہیں کر سکتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"قیامت کے دن ظالموں اور ظالموں کے مددگاروں اور ظالموں کی پارٹیوں یہاں تک کہ ان لوگوں کو جنہوں نے ظالموں کو قلم بھی دیا ہوگا یا دوات پیش کی ہوگی' ان سب کو خدا کا منادی پکارے گا پھر ان سب کو ایک ساتھ لوہے کے صندوق میں بند کر کے جہنم میں پھینک دے گا۔" عمر بن ہبیرہ نے آپ کا یہ حقانی کلام سن کر آپ کو دربار سے نکلوا دیا۔

(مستطرف ج ۱ ص ۱۰۵)

اس نورانی واقعہ میں آج کل کے سیاسی مولویوں کے لیے بہت بڑی عبرت کا سامان ہے کہ محض ایک کرسی کے لیے یہ لوگ حکومت کے ظالمانہ فیصلوں پر ہاتھ اٹھا کر ہاں میں ہاں ملاتے رہتے ہیں اور حکومت کے بڑے سے بڑے ظلم پر بھی گونگے بہرے بنے ہوئے اپنی کرسیوں سے چپٹے ہوئے خدا اور رسول اور اپنے ضمیر کی آواز کے خلاف ووٹ اور بیانات دیتے رہتے ہیں اور بجائے اس کے کہ ان لعنتی کرسیوں کو ٹھوکر مار کر کلمہ حق کا اعلان کریں' ایک ایک کرسی کے لیے قرآن کی آیت الکرسی کو بیچتے رہتے ہیں اور حکومت کے مظالم کی

تاویل کرتے پھرتے ہیں اور ملک کے بیرون ملک کے عوام کو جھوٹ بول بول کر گمراہ کرتے پھرتے ہیں اور قیامت کے دن اپنے بُرے انجام کی ذرا بھی فکر نہیں کرتے۔ افسوس! بالکل سچ کہا ہے ڈاکٹر اقبال نے ان سیاسی مولویوں کے بارے میں کہ ؎

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

(رحانی حکایات)

اِنَّ الْقُوَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا

(۶۵)

جو تیرے منہ سے نکلی وہ بات ہو کے رہی

ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھا بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: کُلْ بِیَمِیْنِكَ. ''داہنے ہاتھ سے کھانا کھاؤ۔''

اس آدمی نے کہا: لَا أَسْتَطِيْعُ. ''میں دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکتا (اس نے تکبر سے کہا)''

رسولِ اکرم ﷺ کی زبان سے نکلا: لَا اسْتَطَعْتَ. ''تو اس ہاتھ سے نہ ہی کھا سکے۔''

راوی کا بیان ہے کہ پھر وہ کبھی اپنا ہاتھ اپنے منہ تک نہیں اُٹھا سکا۔ (رسولِ اکرم ﷺ کی نافرمانی کی سزا اسے مل گئی) (مسلم: الأشربۃ باب آداب الطعام والشراب وأحکامھما ۲۰۲۱)

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مال دار شخص صفا اور مروہ کے درمیان گھوڑے پر سوار ہو کر سعی کر رہا تھا' یہ اس وقت کی بات ہے جب مسعیٰ مسجد حرام کے احاطے سے باہر تھا اس کے اردگرد چھوٹے بڑے غلاموں اور نوکروں کا ہجوم تھا جس سے راستہ تنگ پڑ چکا تھا۔ یہ دیکھ کر سعی کرنے والے دیگر لوگوں کو سخت غصہ آیا اور وہ گھور گھور کر اس آدمی کو دیکھنے لگے۔ وہ خاصہ لمبا تڑنگا انسان تھا' اس کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔

اس مال دار نے جس سال حج کیا اسی سال حج کرنے والوں میں سے کسی کی ملاقات چند سالوں بعد اس مال دار سے ہوئی جو اب بغداد کے پل پر بیٹھ کر لوگوں سے بھیک مانگ رہا تھا۔ حاجی نے مال دار سے (جو اب بھکاری کے روپ میں تھا) پوچھا:

''کیا تو وہی آدمی تو نہیں ہے جس نے فلاں سال حج کیا تھا اور تیرے اردگرد غلاموں

اور نوکروں کا اس قدر ہجوم تھا کہ دیگر لوگوں کے لیے مسعیٰ میں راستہ تنگ پڑ گیا تھا؟“

بھکاری نے جواب دیا: ”ہاں! میں وہی شخص ہوں۔“

حاجی نے دریافت کیا: ”پھر کس چیز نے تجھے اس ناگفتہ بہ حالت میں لا پہنچایا ہے؟“

بھکاری نے جواب دیا: تَكَبَّرْتُ فِيْ مَكَانٍ يَتَوَاضَعُ فِيهِ الْعُظَمَاءُ، فَأَذَلَّنِيَ اللّٰهُ فِيْ مَكَانٍ يَتَعَالٰى فِيهِ الْأَذِلَّاءُ.

”میں نے اس جگہ کبر ونخوت کو اختیار کیا جہاں متقی و پرہیزگار لوگ تواضع وانکساری اختیار کرتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس جگہ ذلیل وخوار کیا جہاں ذلیل ورسوا لوگ بڑے بنتے ہیں۔“

گستاخِ رسول کا انجام

عصرِ حاضر کا ایک واقعہ ہے جس کے راوی مصر کے ایک عالم شیخ احمد شاکر ہیں، کہتے ہیں کہ مصر کے گورنر نے نابینا ادیب طٰہٰ حسین کو ایوارڈ سے نوازا اور اس کی عزت وتکریم کی تو جمعہ کی نماز میں ایک خطیب نے اس گورنر کی مدح سرائی شروع کی اس نے اپنے خطبہ کے اندر یہ الفاظ کہے:

جَاءَهُ الْأَعْمٰى طٰهٰ حُسَيْن فَمَا عَبَسَ بِوَجْهِهٖ وَمَا تَوَلّٰى.

”امیر کی خدمت میں نابینا طٰہٰ حسین آیا لیکن امیر نہ تو ترش رو ہوا اور نہ ہی منہ موڑا۔“

نمازِ جمعہ کے بعد فوراً شیخ احمد شاکر کے والدِ محترم شیخ محمد شاکر کھڑے ہوئے اور لوگوں سے کہا: ”اُٹھیں اور اپنی نماز دہرائیں، ان کی نماز نہیں ہوئی اور اب یہ نماز دوبارہ پڑھنا واجب ہے کیونکہ خطیب نے رسولِ اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کر کے کفر کا ارتکاب کیا ہے۔“

چونکہ خطیب کا اشارہ اس واقعہ کی طرف تھا جو مکہ میں پیش آیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ رسولِ اکرم ﷺ قریش کے بڑے بڑے سرداروں کو دعوتِ دین پیش کر رہے تھے، اتنے میں نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن اُمِ مکتوم رضی اللہ عنہ کسی مسئلہ کی دریافت کے لیے رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں آن پہنچے انہیں دیکھ کر آپ ﷺ کے چہرہ پر کچھ ناگواری کے آثار

ظاہر ہو گئے کیونکہ آپ ﷺ قریشِ مکہ کے سرداروں کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَآءَہُ الْاَعْمٰی ۔

''وہ ترش رو ہوا اور منہ موڑ لیا صرف اس لیے کہ اس کے پاس ایک نابینا آیا۔''

شیخ احمد شاکر بیان کرتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے اس مجرم خطیب کو یونہی نہیں چھوڑا بلکہ اس دنیا میں بھی اس کا بُرا حشر کیا اور آخرت میں جو کچھ سزا تیار کر رکھی ہے وہ تو ہے ہی۔ اللہ کی قسم! میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہی خطیب جو چند سال پہلے عزت و شان کا مالک' اپنے تئیں بڑے پن کا اظہار کرنے والا اور بڑے بڑے لوگوں کو بھی خاطر میں نہ لانے والا تھا اب وہ انتہائی ذلت و رسوائی کے ساتھ ایک حقیر نوکر بن کر قاہرہ کی ایک مسجد کے دروازے پر نمازیوں کے جوتوں کی حفاظت کر رہا تھا۔ ذلت و رسوائی اس کے چہرے سے ٹپک رہی تھی' مجھے خود شرم آ رہی تھی کہ کہیں وہ مجھے دیکھ نہ لے کیونکہ میں اس کو جانتا تھا اور وہ بھی مجھ سے واقف تھا۔ یہ منظر عجیب درسِ عبرت و موعظت تھا۔'' (سنہرے اوراق)

(٦٦)

خواجہ نظام الدین اور لوگوں کی دل جوئی

مولانا ضیاء الدین برنی (مصنف تاریخ فیروز شاہی) فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت سلطان المشائخؒ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اشراق سے چاشت تک آپ کی روح پرور' جاں نواز باتیں سنتا رہا اس روز خاص طور پر بہت کثرت سے لوگ بیعت ہوئے۔ یہ دیکھ کر میرے دل میں خیال آیا کہ مشائخ متقدمین نے مرید کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔ سلطان المشائخ نے اپنی فیاضی وعنایت سے اس کا اذن عام دے دیا ہے اور آپ عام وخاص سب کو مرید کر لیتے ہیں۔ میں نے چاہا کہ میں اس بارے میں سوال کروں۔ سلطان المشائخ اپنے کشف سے میرے خطرے پر مطلع ہو گئے' فرمایا:

''مولانا ضیاء الدین! تم ہر طرح کی باتیں پوچھتے ہو یہ نہیں پوچھتے کہ میں بغیر تحقیق کے آنے والوں کو کیوں مرید کر لیتا ہوں؟'' یہ سن کر مجھ پر لرزہ سا طاری ہو گیا اور میں نے آپ کے قدم لے کر عرض کیا: ''ایک عرصہ سے میرے دل میں اشکال تھا آج بھی یہ وسوسہ آیا تھا اللہ نے آپ کے دل میں یہ بات ڈال دی۔''

آپ نے فرمایا: ''اب میں تمہارے سوال کا جواب دیتا ہوں کہ میں مرید کرنے میں کیوں زیادہ احتیاط سے کام نہیں لیتا اور اپنا اطمینان نہیں کرتا۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ میں علی سبیل التواتر سن رہا ہوں کہ بہت سے مرید ہونے والے معصیت سے تائب ہو جاتے ہیں' نماز با جماعت ادا کرنے لگتے ہیں اور ادائے نوافل میں مشغول ہو جاتے ہیں اگر میں بھی شروع ہی سے اس بات کی شرط کروں کہ ان میں ارادت کی حقیقت یعنی انقطاع کلی پایا جاتا ہے یا نہیں اور ان کو توبہ تبرک کا خرقہ (جو خرقہ ارادت کی جگہ پر ہے) نہ دوں تو وہ خیر کی اس

مقدار سے بھی جوان اللہ کے بندوں سے وجود میں آ رہی ہے، محروم ہو جائیں گے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ بغیر اس کے کہ میرے دل میں خیال آئے یا میں اس کی درخواست اور التماس کروں یا کوئی وسیلہ اور سفارش اختیار کروں۔ شیخ کامل و مکمل (شیخ کبیر خواجہ فریدالدین گنج شکر) نے مجھے بیعت لینے کی اجازت دی۔ میں دیکھتا ہوں کہ ایک مسلمان بڑی عاجزی و درماندگی اور بڑی مسکنت و بے چارگی کے ساتھ میرے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے تمام گناہوں سے توبہ کی، میں یہ سمجھ کر کہ شاید اس کی بات سچ ہو اس کی بیعت کر لیتا ہوں۔ خاص طور پر اس لیے کہ بہت سے معتبر لوگوں سے سنتا ہوں کہ بہت سے بیعت کرنے والے اس بیعت کی وجہ سے معاصی سے باز آ جاتے ہیں۔

(بحوالہ سیر الاولیاء ص:۳۴۶ فارسی، ابوالحسن علی ندوی: تاریخ دعوت و عزیمت:۳:۱۳۹۔۱۴۱ طبع لکھنؤ ۱۹۶۳ء، تاریخ مشائخ چشت:۱:۲۷۶ تا ۳۷۸ طبع ادارہ ادبیات دلی)

☆...... منقول ہے کہ ایک دفعہ آپ دوپہر کے وقت حجرے میں سوئے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک درویش آیا اس وقت کوئی چیز موجود نہ تھی۔ اخی مبارک نے اس درویش کو خالی واپس کر دیا اسی دوپہر کو خواب میں سلطان المشائخ نے فریدالحق والدین کو دیکھا۔ آپ نے خدمت کرنی چاہی لیکن شیخ کبیر نے فرمایا کہ اگر گھر میں کچھ نہ ہو تو آنے والے کی حسن رعایت سے دل جوئی کرنی چاہیے، یہ کون ہے جو درویش کو خستہ دل واپس کرتا ہے جب آپ بے دار ہوئے تو اخی مبارک خادم کو بلا کر دریافت فرمایا: ''کیا یہاں کوئی آیا تھا؟''

جب تحقیق ہو گئی تو آپ خادم پر ناراض ہوئے اور فرمایا:

''آئندہ اگر کوئی آئے تو خواہ میں سویا ہوا ہوں، مجھے جگا دیا کرو۔''

(سیر الاولیاء (مترجم) ص:۱۱۵ ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء مرتبہ امیر خسرو)

☆...... سیر الاولیاء میں ہے: اکثر معمول تھا کہ جو لوگ باہر سے آتے وہ کوئی شرینی کا تحفہ خرید کر اپنے ساتھ لاتے تھے اور پیش کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگ اسی ارادے سے آ رہے تھے۔ ایک مولوی صاحب بھی ساتھ تھے اس نے سوچا کہ لوگ مختلف تحائف پیش کریں گے اور اور اکٹھا حضرت کے سامنے رکھیں گے۔ خادم سب کو اُٹھا کر لے جائے گا۔ کیا

پتہ چلے گا کہ کون کیا لایا۔ انہوں نے تھوڑی سی مٹی راستے سے اُٹھا کر کاغذ میں باندھ لی جب سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہر ایک نے اپنی اپنی چیزیں لا کر سامنے رکھ دیں۔ مولوی صاحب نے بھی اپنی پڑیا سامنے رکھ دی۔ خادم وہ سب چیزیں اُٹھا کر لے جانے لگا۔ پڑیا کو بھی اُٹھانا چاہا۔ حضرت نے فرمایا:

''اس کو یہیں چھوڑ دو یہ میری آنکھ کا سرمہ ہے۔''

یہ اخلاق و اعلیٰ ظرفی دیکھ کر ان عالم صاحب نے توبہ کی اور مرید ہو گئے۔

(تاریخ دعوت وعزیمت حصہ سوم ص: ۱۰۸۔۱۰۷)

اللّٰھم اجرنی من النار

(۶۷)

اور مظلومہ کو اس کا حق مل گیا

اگرچہ یہ واقعہ پہلے بھی گزر چکا ہے لیکن اب ابن جوزی کے قلم سے بھی پڑھ لیں۔
واقعہ یہ ہے کہ حضرت سیدنا عمر بن ہیاج بن سعید رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ اسلام کے نامور قاضی حضرت سیدنا شریک رحمۃ اللہ علیہ کمرۂ عدالت میں مسند قضا پر جلوہ فرما تھے' اتنے میں ایک عورت حاضرِ خدمت ہوئی اور اس طرح فریاد کی: ''میں پہلے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتی ہوں پھر قاضی کی' مجھ مظلومہ کو میرا حق دِلوایا جائے۔''

قاضی شریک رحمۃ اللہ علیہ اس عورت کی فریاد سن کر بے چین ہو گئے اور فرمایا: ''بلا جھجک بتاؤ' تم پر کس نے ظلم کیا ہے؟''

کہا: ''امیر موسیٰ بن عیسیٰ نے۔ دریائے فرات کے کنارے میرا کھجوروں کا ایک باغ ہے جو ہمیں وراثت میں ملا ہے' میں نے اپنے بھائیوں سے اپنا حصہ علیحدہ کر کے درمیان میں دیوار تعمیر کروا دی اور ایک فارسی شخص کو اس کی نگہبانی کے لیے مقرر کر دیا۔ امیر موسیٰ بن عیسیٰ نے میرے بھائیوں سے ان کے حصہ کا تمام باغ خرید لیا پھر اس نے مجھے بھی اپنا حصہ بیچنے کو کہا اور خطیر (بہت) رقم کا لالچ دیا' میں نے اپنا حصہ بیچنے سے انکار کر دیا اس نے کل رات پانچ سو آدمی بھیج کر اس دیوار کو گروا دیا۔ میں نے صبح جا کر دیکھا تو دیوار بالکل ختم کر دی گئی تھی اور اب میرے اور میرے بھائیوں کے درختوں میں کوئی نشانی باقی نہ رہی۔ خدارا! مجھے انصاف دِلایئے۔''

اس مظلومہ کی فریاد سن کر وہ عظیم قاضی بے تاب ہو گیا اور خادم کو حکم فرمایا: ''مٹی اور مہر

لاؤ۔"

پھر مہر لگا کر حکم نامہ اس عورت کے سپرد کر دیا اور کہا: "تم امیر موسیٰ بن عیسیٰ کے پاس جاؤ اور یہ حکم نامہ دے کر کہو: "قاضی صاحب کی عدالت میں حاضر ہو جاؤ۔"

چنانچہ وہ عورت حکم نامہ لے کر موسیٰ بن عیسیٰ کی رہائش گاہ پر پہنچی اور اس کے دربان کو قاضی صاحب کا پیغام دیا۔ دربان حکم نامہ لے کر موسیٰ بن عیسیٰ کے پاس گیا اور کہا: "آپ کے خلاف قاضی شریک کی عدالت میں دعویٰ کیا جا چکا ہے' آپ کو عدالت میں طلب کیا گیا ہے۔ یہ دیکھیے! قاضی صاحب کی طرف سے مہر شدہ حکم نامہ آیا ہے۔"

موسیٰ بن عیسیٰ نے دربان سے کہا: "جاؤ اور شہر کے پولیس آفیسر کو ہمارے پاس بلا لاؤ۔"

جب پولیس افسر آیا تو کہا: "تم قاضی شریک کے پاس جاؤ اور کہو کہ تم سے زیادہ عجیب معاملہ میں نے کسی کا نہیں دیکھا۔ ایک عورت نے مجھ پر ناحق دعویٰ کیا اور تم اس کے دعوے پر مجھے عدالت میں طلب کر کے اس کی مدد کر رہے ہو۔"

پولیس افسر نے ڈرتے ہوئے کہا: "حضور! مجھے اس معاملے سے دُور ہی رکھیں تو بہتر ہوگا۔" امیر نے غضب ناک ہو کر کہا: "جاؤ اور ہمارے حکم پر عمل کرو۔"

مجبوراً اسے جانا ہی پڑا۔ جاتے ہوئے اس نے اپنے غلاموں سے کہہ دیا کہ میرے لیے جیل میں بستر وغیرہ کا انتظام کر دو۔ آج میں ضرور جیل بھیج دیا جاؤں گا۔ پولیس افسر کو معلوم تھا کہ اسلام کا یہ انصاف پسند قاضی ایک مجرم کا پیغام لانے پر مجھے ضرور قید میں ڈال دے گا جب پولیس افسر نے قاضی شریک رحمۃ اللہ علیہ کو امیر موسیٰ بن عیسیٰ کا پیغام دیا تو قاضی صاحب نے سپاہی کو حکم دیا: "اسے گرفتار کر کے قید خانے میں ڈال دو۔"

افسر نے کہا: "خدا کی قسم! مجھے معلوم تھا کہ آپ ایسا ہی کریں گے اس لیے جیل میں جانے کے لیے پہلے ہی انتظام کر کے آیا ہوں۔"

جب امیر موسیٰ بن عیسیٰ کو اپنے پولیس افسر کی گرفتاری کی خبر پہنچی تو اس نے دربان کو بلا کر قاضی صاحب کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا: "آپ نے ہمارے قاصد کو گرفتار کر لیا اس

نے تو صرف پیغام پہنچایا تھا اس کا قصور کیا ہے؟''

پیغام پا کر قاضی صاحب نے حکم دیا: ''اسے بھی اس کے ساتھی کے پاس پہنچا دو۔''

چنانچہ اسے بھی قید کر لیا گیا۔ موسیٰ بن عیسیٰ کو اپنے دربانِ خاص کی گرفتاری کی اطلاع بھی پہنچ گئی اس نے عصر کی نماز کے بعد کوفہ کے بااثر اور نمایاں لوگوں کے گروہ جن میں قاضی صاحب کے دوست اسحاق بن صباح اشعثی بھی شامل تھے، کو پیغام بھیجا کہ جاؤ قاضی صاحب کو میرا اسلام کہنا اور انہیں آگاہ کر دینا کہ آپ نے میری بے عزتی کی ہے میں کوئی عام آدمی نہیں۔ کوفہ کے بااثر لوگوں کی یہ جماعت قاضی صاحب کے پاس آئی تو انہیں مسجد میں پایا۔ ان لوگوں نے سلام و آداب کے بعد امیر کا پیغام سنانا شروع کیا جیسے ہی ان کا کلام ختم ہوا فرمایا: ''کیا بات ہے کہ میں تمہیں ایک ایسے شخص کی طرف داری میں کلام کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں جو حق پر نہیں''

پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے باآوازِ بلند فرمایا: ''کیا یہاں قبیلے کے جوان موجود ہیں؟ اگر ہوں تو جلدی سے آجائیں''

تھوڑی ہی دیر میں چند نوجوان آ گئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''ایک ایک کا ہاتھ پکڑو اور جیل پہنچا دو۔ خدا کی قسم! آج کی رات یہ لوگ جیل میں گزاریں گے۔''

کہا: ''کیا آپ سچ مچ ہمیں جیل بھجوا رہے ہیں؟''

فرمایا: ''ہاں! واقعی میں تمہیں جیل بھجوا رہا ہوں تا کہ آئندہ تم کسی ظالم کی طرف داری کرتے ہوئے اس کا پیغام نہ لاؤ۔''

امیر موسیٰ بن عیسیٰ کو ان کی گرفتاری کی اطلاع ملی تو بہت غضب ناک ہوا اور خود جا کر جیل کا دروازہ کھولا اور سب کو رہا کر دیا۔ صبح جب انصاف پسند، جرأت مند قاضی کمرۂ عدالت میں جلوہ گر ہوا تو داروغۂ جیل نے گزشتہ رات کا تمام واقعہ کہہ سنایا۔ قاضی صاحب نے رجسٹر منگوا کر مہر لگائی اور تمام ریکارڈ گھر بھجوا کر غلام کو سواری لانے کا حکم دیا اور کہا:

''اب ہم کوفہ میں نہیں رہیں گے، خدا کی قسم! ہم نے امیر المومنین سے عہدہ طلب نہیں کیا تھا بلکہ ہمیں تو مجبور کیا گیا تھا اور ہماری حفاظت و سرپرستی کی ذمہ داری لی گئی تھی اب

کوفہ میں انصاف قائم کرنا مشکل ہو گیا ہے لہٰذا مجھے یہ عہدہ نہیں چاہیے۔''

یہ کہہ کر آپ رحمۃ اللہ علیہ کوفہ کے اس پل کی طرف چل دیئے جو بغداد جاتا تھا جب موسیٰ بن عیسیٰ کو قاضی صاحب کے جانے کی اطلاع ملی تو وہ فوراً آپ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف دوڑا اور اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتے ہوئے کہا: ''اے عبداللہ! رُک جائیں۔ خدارا! آپ بغداد نہ جائیں دیکھیں تو سہی کہ آپ نے اپنے ہی بھائیوں کو قید کر دیا تھا۔''

فرمایا: ''ہاں! جب انہوں نے ایک ایسے معاملے میں دخل اندازی کی جس کی انہیں اجازت نہ تھی تو میں نے انہیں قید کر دیا لیکن تم نے انہیں آزاد کر دیا جب تک وہ سب کے سب واپس جیل میں نہ بھیج دیئے جائیں میں ہرگز واپس نہیں جاؤں گا اور بغداد جا کر امیر المومنین کی طرف سے دی جانے والی اس ذمہ داری سے استعفیٰ دے دوں گا۔''

امیر موسیٰ بن عیسیٰ نے قاضی صاحب کا یہ پُرعزم فیصلہ سنا تو سپاہیوں کو حکم دیا کہ جن جن کو میں نے رہا کیا تھا ان سب کو واپس جیل بھیج دیا جائے۔ حکم پاتے ہی سپاہی شہر کی طرف چلے گئے لیکن قاضی صاحب اسی جگہ کھڑے رہے جب داروغۂ جیل نے آ کر اطلاع دی کہ ان تمام کو جیل میں بھیج دیا گیا ہے تب آپ وہاں سے واپس پلٹے۔

امیر موسیٰ بن عیسیٰ نے اپنے ایک غلام سے کہا:

''قاضی صاحب کی سواری کی لگام پکڑ کر آگے آگے چلو۔''

چنانچہ وہاں موجود تمام لوگ اور امیر موسیٰ بن عیسیٰ قاضی صاحب کے پیچھے پیچھے چل دیئے۔ مسجد میں پہنچ کر قاضی صاحب نے مجلسِ قضا قائم کی امیر موسیٰ بن عیسیٰ کو مظلوم عورت کے برابر کھڑا کیا اور عورت سے فرمایا: ''جس پر تم نے دعویٰ کیا تھا وہ تمہارے سامنے موجود ہے۔''

امیر موسیٰ بن عیسیٰ نے کہا: ''اے انصاف پسند قاضی! اب میں خود حاضر ہوں لہٰذا میری وجہ سے قید کیے جانے والوں کو آزاد کیا جائے۔'' فرمایا: ''ہاں! اب انہیں آزاد کیا جاتا ہے۔''

یہ کہہ کر ان کی رہائی کا پروانہ جاری کر دیا اور فرمایا: ''اے موسیٰ بن عیسیٰ! اس عورت

نے تم پر جو دعویٰ کیا ہے اس بارے میں کیا کہتے ہو؟'' کہا: ''یہ سچ کہتی ہے۔''

فرمایا: ''وہ تمام چیزیں جو اس سے لی گئی تھیں اسے واپس کی جائیں اور جو دیوار گرائی گئی تھی، اسے فوراً تعمیر کروایا جائے۔''

امیر نے کہا: ''ٹھیک ہے میں ابھی یہ کام کروا دیتا ہوں۔ کیا اس کے علاوہ بھی کوئی دعویٰ ہے؟'' قاضی صاحب نے اس عورت سے پوچھا: ''کیا تمہارا کوئی اور دعویٰ ہے؟''

کہا: ''ہاں! میرے فارسی خادم کا گھر بھی گرا دیا گیا ہے اور اس کا سامان بھی ٹوٹ پھوٹ گیا ہے۔'' امیر نے کہا: ''میں اس نقصان کا بھی ازالہ کیے دیتا ہوں۔''

قاضی صاحب نے پھر پوچھا: ''کیا کوئی اور دعویٰ باقی ہے؟''

عورت نے کہا: ''اب میرا کوئی دعویٰ باقی نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اچھی جزا عطا فرمائے۔'' پھر وہ عورت دعائیں دیتی ہوئی چلی گئی۔

اب حق ظاہر ہو گیا تھا اور مظلوم کو اس کا حق مل چکا تھا چنانچہ قاضی صاحب فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور امیر موسیٰ بن عیسیٰ کا ہاتھ تھام کر اپنی نشست پر بٹھایا خود اس کے سامنے کھڑے ہو گئے اور کہا: ''اے امیر! اے موسیٰ بن عیسیٰ! السلام علیکم! شرعی فیصلہ ہو گیا ہے اب آپ امیر ہیں، میرے لائق کوئی حکم ہو تو ارشاد فرمائیں۔''

امیر موسیٰ بن عیسیٰ نے ہنستے ہوئے کہا: ''اب آپ کو کیا حکم دوں؟''

پھر اسلام کے اس عظیم قاضی کی عدالت سے چلا گیا۔ (عیون الحکایات)

(۶۸)

شہیدِ راہِ وفا

بیان کرتے ہیں کہ خلیفہ ہارون رشید نے محمد بطال (بہادر) سے اس واقعہ عجیب و غریب تر کے بارے میں پوچھا جو بلادروم میں ان کو پیش آیا تھا۔ محمد بطال نے جواب دیا کہ میں روم کی چراگاہوں میں سے ایک چراگاہ میں جارہا تھا' ٹوپی میرے سر پر اور کتاب اللہ میری گردن میں تھی اور سر نیچے کیے ہوئے تھا کہ میں نے اپنے پیچھے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنی اور میں اس کی طرف متوجہ ہوا۔ ناگاہ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سوار ہتھیار بند ہے اور نیزہ اس کے ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ وہ مجھ سے قریب ہوا اور مجھے سلام کیا۔ میں نے اس کے سلام کا جواب دیا اس نے مجھ سے کہا: ''کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جس کو بطال کہتے ہیں۔''

میں نے اس سے کہا: ''بطال تو میں ہی ہوں۔''

پس وہ اپنے گھوڑے سے اُترا اور مجھ سے معانقہ کیا اور میرے پاؤں چومے۔ میں نے اس سے کہا: ''تم یہ کیوں کرتے ہو؟''

اس نے کہا: ''میں اس لیے آیا ہوں کہ تمہاری خدمت کروں۔''

میں نے اس کو دعا دی چنانچہ ہم اسی حالت میں تھے کہ ناگاہ ہماری جانب چار سوار آتے دِکھائی دیئے۔ میرے ساتھی نے مجھ سے کہا:

''مجھے اجازت دیتے ہو کہ میں ان کی طرف نکلوں۔''

میں نے اس سے کہا: ''ہاں! چنانچہ تھوڑی دیر تک وہ باہم ایک دوسرے کو دفع کرتے رہے اس کے بعد ان سواروں نے میرے ساتھی کو مار ڈالا پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور

مجھ پر حملہ کیا۔ میں نے کہا: ''اگر تم لوگ مجھ سے لڑنا چاہتے ہو تو اتنی مہلت دو کہ میں اپنے ساتھی کے ہتھیاروں سے مسلح اور اس کے گھوڑے پر سوار ہو لوں۔''

ان سواروں نے کہا: ''تجھ کو اتنی مہلت ہے۔''

اس کے بعد میں نے ہتھیار پہنے اور گھوڑے پر سوار ہوا پھر میں نے کہا: ''تم چار ہو میں اکیلا ہوں۔ انصاف یہ ہے کہ میرے لیے تم میں سے ایک ایک شخص کو نکلنا چاہیے۔''

چنانچہ ان میں سے ایک آدمی نکلا یا امیر المومنین! میں نے اس کو مار ڈالا اس کے بعد دوسرا نکلا میں نے اس کو بھی قتل کیا پھر تیسرا آیا اس کو بھی میں نے مار ڈالا اس کے بعد چوتھا نکلا تو ہم نیزوں کے ساتھ ایک دوسرے کو ہٹاتے رہے یہاں تک کہ میرا نیزہ اور اس کا نیزہ دونوں ٹوٹ گئے پھر ہم اپنے گھوڑوں سے اُترے اور ہم دونوں نے اپنی اپنی ڈھال اور تلواریں لیں۔ چنانچہ ہم ایک دوسرے کو دفع کرتے رہے حتیٰ کہ میری ڈھال اور اس کی ڈھال دونوں ٹوٹ گئیں اور ہم دونوں کی تلواروں کے قبضے الگ الگ ہو گئے اور وہ ٹوٹ کر زمین پر گر پڑے پھر ہم نے باہم کشتی کی یہاں تک کہ ہم نے شام کر دی اور آفتاب ڈوب گیا' نہ وہ مجھ پر قادر ہوا اور نہ میں نے اس پر قابو پایا اس کے بعد میں نے اس سے کہا: ''اے شخص! میرے دین میں جو نماز فرض ہے وہ آج مجھ سے فوت ہو گئی۔'' اس نے کہا: ''میں بھی ایسا ہی ہوں۔''

وہ نصاریٰ کا پیشوا اور پادری تھا۔ میں نے کہا:

''کیا تم سے ہو سکتا ہے کہ تم واپس جاؤ حتیٰ کہ ہم اپنی فوت شدہ نمازیں قضا کریں اور رات میں آرام کریں جب صبح ہو تو اپنی لڑائی کی جانب واپس آئیں۔''

اس نے کہا: ''تیرے لیے اس کا اختیار ہے اس کے بعد میں نے اللہ تعالیٰ کی توحید بیان کی اور اپنی نماز قضا کی۔ اس نے بھی جو کرنا تھا کیا جب سونے کا وقت ہوا تو اس نے مجھ سے کہا: ''تم گروہ عرب سے ہو' تم میں بے وفائی ہے' میرے کانوں میں دو جھانجھ (ایک قسم کا زیور ہے جو حرکت کرنے سے بجتا ہے) ہیں ان میں سے ایک جھانجھ کو اپنے کان میں لٹکا لو اور اپنا سر اس پر رکھو اگر تم حرکت کرو گے تو تمہارا جھانجھ بجے گا اور میں جاگ جاؤں گا۔''

میں اس پر راضی ہو گیا۔ چنانچہ ہم اسی حالت پر سوئے اور رات گزاری جب صبح ہوئی تو میں نے اللہ تعالیٰ کی توحید بیان کی اور اپنی فرض نماز ادا کی اور اس کے بعد ہم کشتی لڑے اور میں نے اس کو پچھاڑا اور اس کے سینہ پر بیٹھنا چاہا کہ اس کو ذبح کر دوں۔ اس نے کہا: ''اس مرتبہ مجھے معاف کر دو۔''

میں نے چھوڑ دیا پھر ہم دوسری مرتبہ کشتی لڑے، میرا پاؤں پھسل گیا اور اس نے مجھے پچھاڑ دیا، وہ میرے سینے پر چڑھ بیٹھا اور مجھے ذبح کرنے کا ارادہ کیا۔ پس میں نے کہا: ''میں نے تم کو معاف کیا ہے، کیا تم مجھے معاف نہ کرو گے؟''

اس نے مجھے چھوڑ دیا اس کے بعد ہم تیسری مرتبہ لڑے اور چونکہ میرا دل ٹوٹ چکا تھا اس لیے اس نے مجھے اس مرتبہ بھی پچھاڑ دیا اس اور میرے سینہ پر بیٹھ کر مجھے ذبح کرنا چاہا۔ پس میں نے اس سے کہا: ''ایک مرتبہ ایک مرتبہ کے بدلے تھا اب تم اس مرتبہ سے مجھ پر احسان کرو۔'' اس نے کہا: ''تیرے واسطے یہ بھی منظور ہے۔''

پھر ہم نے چوتھی بار کشتی کی لیکن اس نے اس مرتبہ بھی مجھے گرا دیا اور کہا: ''میں نے اب پہچانا کہ تو بطال ہے، میں تجھ کو ضرور ذبح کروں گا اور زمین روم سے تجھ کو آرام دوں گا۔''

میں نے کہا: ''اگر میرے رب نے چاہا تو تو ہرگز مجھے قتل نہیں کر سکتا۔''

اس نے کہا: ''اپنے رب سے کہو کہ وہ مجھے روکے۔''

اور اس نے خنجر اُٹھایا تا کہ مجھے ذبح کرے۔ پس یا امیر المومنین میرا مقتول ساتھی کھڑا ہوا اور تلوار اُٹھا کر اس کا سر اُڑا دیا اور یہ آیہ کریمہ پڑھی:

وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتًا ؕ الآیہ.

''جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے ہیں ان کو تم مردہ نہ خیال کرو تا آخر۔''

(انوار محبوبی ترجمہ نوادر القلیوبی)

(۶۹)

امام حسن بصری کا کلمۂ حق

عمر بن ہمیرہ جب یزید بن عبدالملک بادشاہ دمشق کی طرف سے عراق وخراسان کا گورنر بن کر آیا تو اس نے خواجہ حسن بصری و امام محمد بن سیرین، امام شعبی کو اپنے دربار میں طلب کیا اور ان علمائے حق کے سامنے یہ تقریر کی کہ یزید بن عبدالملک کو خداوندِ عالم نے اپنے بندوں پر خلیفہ مقرر فرمایا ہے اور مجھ کو خلیفہ کی طرف سے گورنری کا عہدہ ملا ہے لہٰذا مجھے خلیفہ کی طرف سے جو حکم ملتا ہے میں بلاچون وچرا اس کی تعمیل کرتا ہوں اس بارے میں آپ حضرات کی کیا رائے ہے؟ گورنر کی اس پولیٹیکل گفتگو کا خواجہ حسن بصری نے جو صاف اور سچا جواب دیا ہے، وہ انتہائی عبرت انگیز ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ''اے ابن ہمیرہ تو یزید بن عبدالملک کے بارے میں خدا سے ڈر اور خدا کے بارے میں ہرگز ہرگز یزید بن عبدالملک کا خوف مت کر کیونکہ خداوند تعالیٰ تجھ کو دونوں جہان میں یزید بن عبدالملک کے شر سے بچا سکتا ہے مگر یزید بن عبدالملک خدا کے قہر وعذاب سے تجھ کو ہرگز ہرگز نہیں بچا سکتا ہے۔ یاد رکھ وہ قہار و جبار عنقریب تیرے پاس ملک الموت کو بھیجے گا جو تجھ کو تیرے وسیع گورنمنٹ ہاؤس اور شان دار تخت سے یک لخت اندھیری اور تنگ قبر میں پہنچا دے گا۔ وہاں تجھ کو بجز تیرے اعمال کے کوئی کام آنے والا نہیں ہے لہٰذا تو خدا کے فرمان کے خلاف کسی بادشاہ کے حکم سے جسارت مت کر کیونکہ خالق کی معصیت میں کسی مخلوق کی فرماں برداری ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے۔'' حسن بصری کی اس ولولہ انگیز اور ہدایت افروز تقریر کو سن کر گورنر ایک عالمِ ربانی کی مجاہدانہ جرأت پر محوِ حیرت ہو کر خاموش ہو گیا اور تینوں علمائے حق دربار سے اُٹھ کر اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ (ابن خلکان ج۱ ص۱۲۸)

(۷۰)

مٹی کا اثر

ایک صاحب کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ سفر کے دوران راستہ بھٹک گیا' چلتے چلتے بیابان میں مجھے ایک گھر نظر آیا' میں اس گھر کے پاس پہنچا تو ایک اعرابیہ (دیہاتی خاتون) گھر کے اندر تھی اس نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا: ''تم کون ہو؟'' میں نے جواب دیا: ''مہمان!''

اعرابیہ نے میرے لیے کھانا حاضر کیا اور میں نے کھانا تناول کیا ابھی میں پانی پی رہا تھا کہ اتنے میں اس کا شوہر آیا اور پوچھا: ''یہ کون ہے؟'' عورت نے جواب دیا: ''مہمان''

شوہر نے کہا: لا أھلا ولا مرحبا۔ ''مہمان کا آنا' نامبارک ہو''

ہمیں مہمان کی مہمان نوازی سے کیا واسطہ؟ میں نے جب اعرابیہ کے شوہر کی یہ بات سنی تو اسی وقت اپنا راستہ لیا اور چل پڑا۔ دوسرے دن بیابان ہی میں ایک جگہ دوسرا گھر نظر آیا۔ میں نے اس گھر کا رُخ کیا' گھر کے دروازے پر پہنچا تو وہاں ایک اعرابیہ تھی اس نے پوچھا: ''تم کون ہو؟'' میں نے جواب دیا: ''مہمان'' اس نے کہا: "لا أھلا ولا مرحبا بالضیف۔

''مہمان کے لیے کوئی گنجائش نہیں اس کی آمد' نامبارک ہو۔''

اتنے میں اس کا شوہر آن پہنچا جب اس نے مجھے دیکھا تو پوچھا:

''یہ کون ہے؟'' عورت نے جواب دیا: ''مہمان ہے۔''

اس نے بڑے پرتپاک انداز میں میرا استقبال کیا اور گویا ہوا:

مرحبا وأهلا بالضيف. ''مہمان کا آنا مبارک ہو، یہ اپنا ہی گھر سمجھو۔''

پھر اس نے میرے لیے عمدہ اور لذیذ کھانا حاضر کیا اور میں نے مزے سے تناول کیا۔ مجھے گزشتہ کل کا واقعہ یاد آ گیا تو یکایک میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ چھا گئی۔ میزبان نے دریافت کیا: ''کیوں مسکرا رہے ہو؟'' میں نے جواباً گزشتہ کل کا قصہ اس کے گوش گزار کیا اور جو کچھ اعرابیہ اور اس کے شوہر کی گفتگو سنی تھی، وہ بتائی۔

میزبان نے مجھ سے کہا: ''بھئی! تعجب مت کرو جس عورت کو کل تم نے دیکھا تھا، وہ میری بہن تھی اور اس کا شوہر میری اس بیوی کا بھائی ہے اس لیے فطری اعتبار سے یہ دونوں ایک ہی مٹی سے بنے ہیں۔'' (سنہرے اوراق)
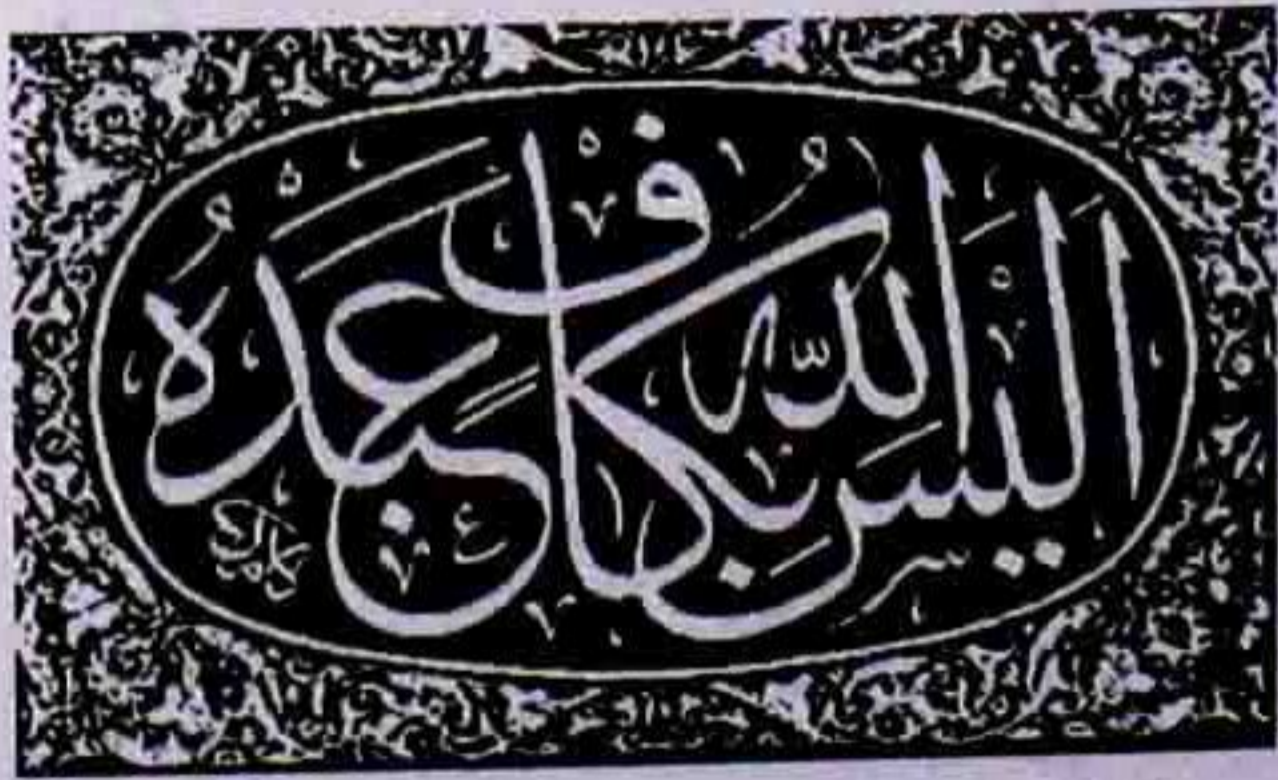
(۷۱)

مشائخ چشت اہلِ بہشت اور مخلوق کی دل جوئی

آپ (حضرت محبوب الٰہی) نے شیخ عثمان رحمۃ اللہ علیہ کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''اگر کوئی شخص ان کے پاس آتا اور کھوٹا درہم دے کر جو کچھ ان کے پاس پکا ہوتا اسے خریدنا چاہتا تو وہ اس سے درہم لے لیتے اگرچہ انہیں پتہ ہوتا تھا کہ درہم کھوٹا ہے لیکن وہ خریدار کے منہ پر کچھ نہ کہتے۔ نیز جو کھرا درہم لاتا اسے بھی اسی طرح پورا سالن دیتے حتیٰ کہ لوگوں کو گمان ہونے لگا کہ یہ کھوٹے اور کھرے سکے میں امتیاز ہی نہیں کر سکتے چنانچہ بہت سے لوگ آتے اور انہیں کھوٹے درہم دیتے۔ جنہیں وہ کھرا سمجھ کر لے لیتے مگر ان پر ظاہر نہ کرتے اور انہیں سالن دے دیتے جب ان کے انتقال کا وقت آیا تو انہوں نے اپنا منہ آسمان کی طرف کیا اور کہا: ''اے خداوند تعالیٰ! تو دوسروں سے زیادہ آگاہ ہے کہ لوگ مجھے کھوٹے درہم دیتے تھے اور میں انہیں کھرا سمجھ کر قبول کر لیتا اور ان کو رد نہ کرتا تھا اگر مجھ سے بھی کھوٹی عبادت عمل میں آئی ہے تو تو اسے اپنی عنایت سے قبول فرمالینا اور اس کو رد نہ کرنا۔'' (فوائد الفواد ص: ۹۷۔۹۸)

☆...... میر خیر الدین اور میر شفیع الدین دونوں صالح اور متقی ہیں' نہایت عزت دار اور فن سپہ گری میں ماہر۔ رات دن مولانا خواجہ فخر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں اور ان سے خاص خدمتیں متعلق ہیں۔ حضرت اگر کہیں تشریف لے جاتے تو کسی کو بہت کم ساتھ لے جاتے مگر یہ دونوں ہمیشہ ساتھ رہتے اور دعوت کے متعلق حضرت کا یہ اصول تھا کہ جو کوئی آپ کو تنہا بلاتا تو آپ اکیلے تشریف لے جاتے اور اگر ساتھیوں کی تعداد

مقرر کر دیتا تو جتنی تعداد مقرر کرتا آپ اتنے ہی آدمیوں کو ساتھ لے جاتے یا راستے میں لوگوں سے فرما دیتے: ''تم جاؤ مجھے فلاں جگہ تنہا جانا ہے۔''

یا دو ہی صاحب ساتھ جاتے اور دعوت کھانے کے لیے جانے کو دل سے بُرا جانتے تھے۔ تاہم جب کوئی ایسی درخواست کرتا تو قبول فرما لیتے اور بلانے والے کی خواہش کو اپنی خواہش پر مقدم رکھتے اور ہر معاملے میں مولانا (خواجہ صاحب) کا یہی طریقہ تھا مگر جہاں تکلف نہ ہوتا وہاں بخوشی تشریف لے جاتے اور ذوق شوق سے بیٹھتے۔ شادی میں بھی برابر شرکت فرماتے' شادی میں طلبی پر اور غمی میں بغیر بلائے تعزیت کے لیے جاتے اور اپنے ملنے والوں کی جنازے کی نماز کو کبھی فراموش نہ فرماتے اگر ملنے والوں میں ایسا کوئی انتقال کرتا جس کے مکان پر کوئی نہ ہوتا تو اس کی قبر پر جا کر فاتحہ پڑھ کر آتے جس سے صرف سلام دعا ہوتی اس کے ساتھ بھی حضرت مولانا کا یہی عمل ہوتا اور یہ ہم لوگوں کی تربیت کے لیے ہوتا اور اگر ملنے والوں میں کوئی غریب ومحتاج ہوتا اور اس کے یہاں شادی ہوتی یا غمی تو اس کی دل جوئی کے لیے بار بار تشریف لے جاتے اور احباب سے فرماتے کہ اس غریب کی دل جوئی کے لیے ضرور جانا چاہیے اور جن لوگوں سے ربط ضبط ہوتا وہاں جانے کے لیے اصرار فرماتے تا کہ اس کا غمگین دل کچھ بہل جائے' مطمئن ہو جائے آخر وہ خوش ہو جاتا۔

(فخر الطالبین ملفوظات شاہ فخر الدین دہلوی مرتبہ سید نور الدین حسین ص: ۵۲۔۵۳)

غریب نوازی وتوسل پروری

غریب نوازی اور توسل پروری ایسی تھی کہ حاضر وغائب سب کی حالت پر نظر رہتی جو لوگ عادت کے موافق آتے جاتے اگر ان کو کبھی دیر ہو جاتی تو خود ان کے لیے کوئی نہ کوئی انتظام کر دیتے۔ پیر محمد سرکاری خاک روب تھے' انہیں دو دن گزر گئے نہیں آ سکا تو خود یا کسی دوسرے کو معلوم کرنے کے لیے بھیج دیا اور فرمایا کہ دو دن سے یہاں پیر محمد نظر نہیں آئے' خیر تو ہے کیا بات ہے؟ معلوم ہوا بیمار ہے اسی وقت اُٹھے اور اس کے مکان پر گئے' بہت مہربانی سے پیش آئے۔ حال دریافت کر کے کچھ نقد رقم اس کو مرحمت فرمائی اور سید احمد سے کہا کہ سرکاری دواخانہ سے دوا آنا چاہیے اور کہا کہ سرکاری طبیب میر حسین صاحب سے ان کا

باضابطہ علاج کرایا جائے پھراس طرح عیادت فرمائی۔میاں پیر محمد تم دو دن سے نہیں آئے‘ تمہاری خیریت دریافت کرنے میں تاخیر ہوگئی‘ معاف کرنا۔اتنے بڑے بزرگ ہو کر یہ اخلاق برتنا آپ ہی کے شایانِ شان ہے۔

شاہ فخر الدین دہلوی غریبوں کی دعوت ہمیشہ قبول فرما لیتے اور تشریف لے جاتے۔ اتفاق سے اگر دن میں کئی جگہ دعوت ہوتی اور مکان دُور ہوتا تو کھانے کی رغبت چاہے ہوتی یا نہ ہوتی مگر ضرور جاتے یعنی کسی کی دل شکنی نہ فرماتے اخلاقاً کم سے کم دو ہی لقمے کھا لیتے جس سے کھانے میں برکت ہو جاتی۔اخلاق کی ان ہی بلندیوں کو دیکھ کر مناقب فخریہ کا مصنف بے اختیار پکار اُٹھتا ہے۔

بہ دہلی مظہر ماہ حجازی
تو گوئی نائب شاہ حجازی

(۱) مناقب فخریہ مؤلفہ غازی الدین خان نظام ص:۲۳۶‘ وص:۲۳۹‘ مناقب فخریہ (فارسی) ص:۱۹)

دین را بہ دنیا مفروش

حضرت قبلہ قدس سرہ (شاہ سلیمان تونسوی) نے فرمایا:

’’حضرت اورنگ آبادی قدس سرہ کی خانقاہ مبارک کے دس دروازے تھے‘ ہر دروازہ پر دو منشی بیٹھے رہتے تھے جو حاجت مند آتا اس کی حاجت کو لکھ کر اسے دیتے۔ نیز فرمایا کہ حضرت اورنگ آبادی قدس سرہ کی دو مہریں تھیں ایک مہر کا سجع مبارک یہ تھا: ذکر مولیٰ از ہمہ اولیٰ اور دوسری مہر کا سجع مبارک یہ تھا

اے نظام در رعایت دلہا بکوش
دین را بہ دنیا مفروش

فرمایا کہ محبوب الٰہی قدس سرہ نے فرمایا: ’’مجھے واقعہ میں یہ شعر دیا گیا ہے

ے کوش کہ راحتے بجانے برسد
یا دست شکستہ بنانے برسد

زائرین کے ساتھ حسنِ سلوک

شیخ نظام الدین اورنگ آبادی لوگوں کی دل گیری کو اپنا اولین فرض تصور کرتے تھے۔ ہر شخص سے خواہ آشنا ہو یا بیگانہ ایک ہی طریقہ سے ملتے تھے۔ لکھا ہے ہر شخص کی تعظیم کے لیے وہ سروقد کھڑے ہو جاتے تھے اور اس کی تعظیم بجالاتے تھے۔ حد یہ ہے کہ چار سال کے بچے کے ساتھ بھی وہی طریقہ اختیار کرتے تھے جو ستر سال کے بوڑھے یا اکابر و فضلاء کے لیے اختیار کیا کرتے تھے۔

ہر آنے والے کو کچھ نہ کچھ ضرور کھلاتے اگر کچھ نہ ہوتا تو عطر ہی عنایت فرما دیتے تھے جب تک لوگ ان کے پاس رہتے وہ دوزانوں بیٹھے رہتے چارزانوں بیٹھے ہوئے ان کو کسی شخص نے نہیں دیکھا جب کوئی کتاب مجلس میں پڑھی جاتی تھی تو حکم ہوتا تھا کہ سب حاضرین بالکل خاموش بیٹھیں۔ دل گیری کو انہوں نے مقصد حیات بنالیا تھا۔ کسی شخص کو رنجیدہ کرنا یا اس کے جذبات کو ٹھیس لگانا انہیں نہیں آتا تھا:

(۱) نافع السالکین ملفوظات خواجہ سلیمان تونسوی مترجم ص: ۲۲۰

(۲) تاریخ مشائخ چشت ج: ۵، ص: ۱۶۸۔ ۱۶۹ (بحوالہ تکملہ سیر الاولیاء)

☆...... ایک فقیر صاحب حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے، حسب معمول حاضر ہوئے اور اپنے کمالات کا اظہار کرنے لگے۔ آخر کار یہاں تک کہہ دیا:

"میں توجہ کے شغل سے بہت واقف ہوں اور میری توجہ میں بڑی تاثیر ہے اگر نسبت کا ذوق ہے تو مجھ سے تربیت حاصل کرلو اور میں تمہارے لیے کبھی دریغ نہ کروں گا۔"

چونکہ اخلاق حضرت کا شیوہ تھا اس لیے اس کے سامنے مؤدب ہو کر بیٹھ گئے اور اس نے توجہ دینا شروع کر دی۔ آپ کے دوستوں کو یہ بات بہت ناگوار تھی، روزانہ یہی ہوتا تھا لیکن حضرت صاحب کی وجہ سے لوگ کچھ کہہ نہ سکتے تھے یہاں تک کہ اسی طرح دو سال گزر گئے اس بے وقوف کو خوش کرنے کے لیے حضرت صاحب اپنی عادت میں فرق نہ لائے۔ ادب سے اس کے سامنے بیٹھے رہتے اور وہ فقیر صاحب انتہائی مسرت و فخر سے جگہ جگہ کہتے پھرتے کہ فلاں بزرگ مجھ سے توجہ لیتے ہیں اور اچھی گزار رہے ہیں۔ اتنے میں میاں

عبدالقادر سفر سے واپس آ گئے اور حضرت صاحب کی خدمت میں کچھ روز رہے جو لوگ اس بے وقوف کی حرکت سے ناخوش تھے انہوں نے سب قصہ عبدالقادر صاحب سے کہہ دیا کہ یہاں ایک صاحب آتے ہیں اور حضرت صاحب کو توجہ دیا کرتے ہیں اسی میں دو سال گزر گئے ہیں۔ حضرت صاحب بھی اس کے سامنے ادب سے بیٹھے رہتے ہیں اور ان توجہ دینے والے صاحب نے سب جگہ یہ مشہور کر رکھا ہے۔ عبدالقادر صاحب نے کہا: ''ذرا مجھے ان کا پتہ بتاؤ۔'' جب دوسرے دن حسبِ معمول وہ صاحب آئے' دوستوں نے چپکے سے میاں عبدالقادر سے کہا: ''یہی وہ صاحب ہیں۔''

میاں عبدالقادر خانقاہ کے دروازے میں کھڑے ہوئے تھے جیسے ہی انہوں نے اس کو دیکھا وہ صاحب یک دَم گھوڑے سے گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے۔ میاں عبدالقادر صاحب چلے آئے اور حضرت صاحب کو خبر کی کہ جو صاحب توجہ دینے آیا کرتے تھے' آج گھوڑے سے گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے ہیں۔ حضرت صاحب نے دریافت کیا: ''آخر ان کو کیا ہوا؟''

لوگ ان کو اُٹھا لائے۔ آخر معلوم ہوا کہ میاں عبدالقادر کا یہ سارا کرشمہ ہے۔ حضرت صاحب بہت ناراض ہوئے اس واقعہ کے بعد ان فقیر صاحب کو بڑی شرمندگی ہوئی چپکے سے چلے گئے کچھ دن بعد حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خطاؤں کی معافی چاہی۔ حضرت صاحب نے فرمایا: ''نہیں! نہیں کوئی بات نہیں! آپ کی ذات سے مجھے جو عقیدت تھی اب بھی وہی ہے۔''

اس کے بعد میاں عبدالقادر کا قصور بھی معاف ہو گیا مگر حضرت صاحب نے فرمایا: ''کسی کی دل شکنی کیوں کی جائے اگر میں تھوڑے دن اس طرح ان کے سامنے بیٹھ گیا تو اس میں کیا حرج ہوا۔''

(فخر الطالبین۔ ملفوظات شاہ فخر دہلوی ص: ۱۲۳۔۱۲۴ طبع کراچی)

دل بدست آور کہ حج اکبر است

کسی بندۂ خدا کا دل توڑنا آپ کے مشرب میں گناہ تھا۔ صوفیہ صافیہ کا قدیم زمانہ سے

شیخ سعدی کے اس مقولہ پر عمل رہا: ''آزردن دل دوستاں جہل است و کفارہ یمین سہل''
(دوستوں کے دل کو دُکھانا جہالت ہے اور قسم کا کفارہ ادا کر دینا آسان ہے)

ایک مرتبہ آپ (شیخ شرف الدین یحییٰ منیری علیہ الرحمہ) نفلی روزہ رکھے ہوئے تھے' ایک شخص بڑے اہتمام اور عقیدت ومحبت سے آپ کی خدمت میں ایک تحفہ لایا اور کہا:

''میں بڑے شوق سے آپ کی خدمت میں لایا ہوں کہ آپ تناول فرمائیں۔''

آپ نے اسی وقت تناول فرمالیا اور فرمایا: ''روزہ توڑنے کی قضا ہے لیکن دل توڑنے کی قضا نہیں۔'' (ابوالحسن علی ندوی: تاریخ دعوت وعزیمت: ۳: ۲۱۴ طبع لکھنؤ ۱۹۶۳ء)

یہی تو خوبی کی باتیں ہیں

عام اور خاص سب سے آپ (حضرت خواجہ محمد دین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ) اس طرح ملتے اور مہربانی سے پیش آتے کہ ہر ایک بجائے خود یہ سمجھتا تھا کہ مجھ جیسی محبت آپ کو کسی اور سے نہیں ہوگی۔ وعدہ کی پابندی بہت تھی۔ ایک بار زبان مبارک سے اقرار کرلیں پھر خلاف نہیں ہوتا تھا۔ ہر کس وناکس سے کچھ نہ کچھ سلوک ضرور کرتے۔ عجب ہی تو ہے کہ بیماری ہو ضعف ہو ناتوانی ہو آنے جانے والوں کے ساتھ اُٹھ اُٹھ کر بغل گیر ہوتے کئی دفعہ تو میں نے بھی دیکھا ہے کہ کان کا درد ہے اور کمزوری انتہا کی مگر ادھر کوئی آیا اور ادھر مہر خان کو ارشاد ہوا کہ مجھے اُٹھا کر بٹھاؤ۔ دل شکنی جہاں تک ممکن تھا کسی کی گوارا نہ تھی۔ بعض اوقات اس قدر ہجوم ہوتا تھا کہ بات کرنی مشکل ہو رہی ہے اور لوگ دعا کے خواست گار ہیں۔ ایک ایک گھنٹہ میں برابر تمام دن پچاس پچاس بار ہاتھ اُٹھا کر دعا کر رہے ہیں اور شکستہ دِلوں کو تسلی دے رہے ہیں۔ خدا رحم کرے اور آسان کرے سائیں فضل کرے وغیرہ۔ غرضیکہ اس قدر وسیع اخلاق آپ کی ذات ستودہ صفات میں موجود تھے کہ دشمن اور بدخواہ کی نظر بھی خوبیوں ہی پر پڑتی۔ ایک دفعہ کسی نے حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی کی خدمتِ اقدس میں آپ کی شکایات لکھیں: ''میاں محمد الدین سیالوی صاحب میں چند ایسے عیوب پائے جاتے ہیں جو لائق سجادہ نشینوں کے نہیں۔ آپ ان کو تنبیہہ کریں۔ اوّل یہ کہ جب کبھی گاؤں میں یا اس علاقہ میں کوئی شخص مرجاتا ہے تو وہ خود تعزیت یا فاتحہ کے واسطے چلے جاتے ہیں اس میں ایک

طرح کی ہتک ہے۔ دوسرے یہ صاحب اپنے والد کے خلیفہ کی قبر کو بوسہ دیتے ہیں' یہ اچھا نہیں۔ اپنے گھر کے غلام کی قبر کی ایسی عزت نہیں کرنا چاہیے اس میں اپنی کسر شان ہوتی ہے۔''

حضرت خواجہ بلند شان نے اس کاغذ کی دوسری طرف اس گم نام خط کا یہ جواب لکھ کر:

''میاں! خدا تجھے ہدایت دے یہ جو تو بُرائی سمجھتا ہے یہی تو وہ خوبی ہے جو ہر ایک مسلمان میں ہونی چاہیے۔''

حضرت صاحب کے پاس سیال شریف (ضلع سرگودھا' پاکستان) بھیج دیا اور ارشاد فرمایا: ''کاتب کا پتہ لگا کر اسے میرا جواب پہنچا دیا جائے۔''

حضرت کو رِقت ہو گئی اور فرمانے لگے: ''خدا بھلا کرے میرے اور عیوب حضور میں لکھتا تا کہ آپ توجہ فرماتے کچھ مدت بعد آپ کو لکھنے والے کا پتہ چل گیا لیکن آپ نے اسے جتایا نہیں۔'' (محبوب سیال' مرتبہ غلام دستگیر خان بے خود ص: ۷۳-۷۴)

بپاس خاطر ودلداری

☆......صوفی محمد صادق صاحب اگرچہ دنیوی لحاظ سے شکستہ حال تھے مگر محبت ورابطۂ شیخ کی دولت سے مالا مال تھے' ان کے گھر سونے کی دو بالیاں تھیں۔ خیال آیا کہ حضرت اقدس (مولانا محمد عبداللہ خانقاہ سراجیہ کندیاں ضلع میانوالی) کی صاحب زادی کی شادی کے وقت نا معلوم میرے پاس کوئی چیز موجود ہو یا نہ ہو اس لیے یہ بالیاں ہی آپ کی خدمت میں پیش کر دینی چاہئیں۔ چنانچہ انہوں نے خانقاہ شریف حاضر ہو کر یہ ہدیہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرت اقدس نے بپاس دل داری قبول کر لیا مگر گھر جا کر اہلیہ محترمہ سے فرمایا: ''یہ بالیاں ہمارے ایک مسکین ساتھی محمد صادق کی امانت ہیں' انہیں محفوظ رکھیں۔ کسی موزوں وقت پر انہیں لوٹانا ہے۔''

حضرت اقدس کی وفات حسرت آیات کے بعد حسب ارشاد حضرت مائی صاحبہ نے صوفی صاحب کی وہ امانت ان کے حوالہ کر دی اب صوفی صاحب کو معلوم ہوا کہ حضرت کا اس وقت قبول فرما لینا محض دل داری کے لیے تھا ورنہ آپ مال و دولت دنیا کی طرف نظر اُٹھا

کر دیکھنا بھی پسند نہ کرتے تھے۔

درویش را کہ کنج قناعت مسلم است

درویش نام دارد و سلطان عالم است

(تحفہ سعدیہ قدوۃ السالکین حضرت ابوالسعید احمد خان نقشبندی خانقاہ سراجیہ کندیاں کے احوال طیبہ واقوال ترکہ) مؤلفہ مرزا نذیر عرشی ص:۳۱۰ مطبوعہ ادارہ سعدیہ مجددیہ لاہور ۱۹۷۳ء)

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمۃ

ایک روز ظہر کے بعد احقر (مولانا تھانوی) رباط سے (جس میں مقیم تھا اور حضرت صاحب حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ کے دولت خانہ سے تھوڑے فاصلہ پر ہے) نکلا تو دیکھتا کیا ہوں کہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ رباط کی طرف تنہا تشریف لا رہے ہیں۔ میں نے دوڑ کر استقبال کیا اور وجہ تکلیف فرمانے کی دریافت کی۔ ارشاد فرمایا: "بھائی تم لوگ اللہ کے واسطے ہر روز میرے پاس آنے کی تکلیف اُٹھاتے ہو' مجھ کو ایک بار بھی تم لوگوں کے پاس قصد کر کے نہ آنا چاہیے؟"

مجھ کو حضرت صاحب کی وسعت اخلاق سے کمال تاثر ہوا۔ غرض رباط میں تشریف لا کر نیچے کے درجے میں بیٹھ گئے اور سب اوپر کے درجوں کے لوگ اتر اتر کر حضرت صاحب کے پاس جمع ہو گئے۔ میں اپنے دل میں یہی سمجھتا تھا کہ بس یہاں ہی سے دولت خانہ واپس تشریف لے جائیں گے لیکن تھوڑی دیر میں اُٹھ کر زینہ کی طرف چلے اور اوپر کے درجہ میں پہنچے۔ میں نے عرض کیا: "کیا ضرورت ہے کہ تکلیف فرمائی جائے؟"

ارشاد فرمایا: "بھائی! سب ہی کا حق ہے۔"

غرض یہ کہ اس کے سب درجوں میں جو کہ پانچ یا چھ تھے' تشریف لے گئے اور بوجہ کمال ضعف جسمانی کے نہایت تعجب ہوا لیکن محض سب کی دل داری کی غرض سے اس کا تحمل فرمایا۔

(کتاب کمالات امدادیہ از مولوی اشرف علی تھانوی ص:۲۲ ۲۲ کمال نمبر ۳۲)

(۷۲)

پانی پہ مصلیٰ

حضرت سیدنا حارث اولاسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ میں مکہ مکرمہ زادھا اللہ شرفاً وتکریماً سے شام کی طرف روانہ ہوا' دورانِ سفر ایک قافلہ نظر آیا میں قریب گیا تو سب لوگ کسی بات پر گفتگو کر رہے تھے۔ میں نے سلام کیا اور کہا: ''میں بھی آپ کے ہمراہ سفر کرنا چاہتا ہوں' کیا آپ مجھے اپنے ساتھ رکھنے کو تیار ہیں؟'' کہا: ''جیسے تمہاری مرضی۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔''

چنانچہ میں بھی اس قافلے میں شامل ہو گیا۔ مسافر اپنی اپنی مطلوبہ منزل پر ٹھہرتے رہے آخر میں میرے ساتھ صرف ایک شخص بچا اس نے مجھ سے پوچھا: ''اے جوان! کہاں کا ارادہ ہے؟'' میں نے کہا: ''ملکِ شام میں ''کوہِ لکام'' میری منزل ہے وہاں حضرت سیدنا ابراہیم بن سعد علوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لیے جا رہا ہوں۔''

میرا وہ رفیق چند دن میرے ساتھ رہا پھر مجھ سے جدا ہو گیا۔ میں اکیلا ہی سفر کرتا ہوا ''اولاس'' پہنچا اور سمندر کی جانب چلا گیا وہاں کا منظر ہی عجیب تھا۔ ایک شخص سمندر کی لہروں پر اتنے سکون سے نماز پڑھ رہا تھا گویا زمین پر ہے۔ یہ عجیب وغریب منظر دیکھ کر مجھ پر ہیبت طاری ہونے لگی جب اس نے محسوس کیا کہ کوئی مجھے دیکھ رہا ہے تو نماز کو مختصر کر کے میری طرف متوجہ ہوا۔ میں نے دیکھا تو فوراً انہیں پہچان لیا۔ وہ حضرت سیدنا ابراہیم بن سعد علوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا: ''ابھی تم یہاں سے چلے جاؤ تین دن بعد آنا۔''

میں فوراً واپس چلا آیا اور حسبِ ارشاد تین دن بعد دوبارہ ساحلِ سمندر پر پہنچا تو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ میرے قدموں کی آہٹ سن کر انہوں نے نماز مختصر کی اور فراغت کے بعد میرا ہاتھ پکڑ کر سمندر کے پانی کے بالکل قریب کھڑا کر دیا۔ پھر ان کے ہونٹوں نے جنبش کی اور وہ آہستہ آہستہ کچھ پڑھنے لگے۔ میں نے دل میں کہا: ''اگر آج یہ سمندر کے پانی پر چلے تو مجھے بھی ان کے ساتھ سمندر کے پانی پر چلنے کا موقع مل جائے گا۔''

میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک سمندر کے پانی میں دو اژدھے ظاہر ہوئے' وہ سر اُٹھائے منہ کھولے ہماری طرف بڑھنے لگے۔ میں نے اپنے دل میں کہا: ''کاش! یہاں کوئی شکاری ہوتا جو انہیں پکڑ لیتا۔''

جیسے ہی میرے دل میں یہ خیال آیا فوراً وہ دونوں اژدھے پانی میں غائب ہو گئے۔ حضرت سیدنا ابراہیم بن سعد علوی رحمۃ اللہ علیہ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

''یہاں سے چلے جاؤ' ابھی تم اپنی طلب کو نہیں پہنچ سکتے۔ جاؤ ابھی پہاڑوں میں گوشہ نشینی اختیار کرو' دنیوی زندگی کو بہت کم سمجھو اور جو کچھ مل جائے اسی پر صبر کرو یہاں تک کہ تمہیں پیغامِ اَجل آ جائے۔'' اتنا کہہ کر آپ رحمۃ اللہ علیہ مجھے وہیں چھوڑ کر ایک سمت تشریف لے گئے۔''

(عیون الحکایات)

(۷۳)

خوشنودیٔ باری تعالیٰ

ابو یوسف یعقوب بن یوسف سے منقول ہے کہ میرا ایک دوست اور ساتھی نہایت ہی پرہیز گار اور متقی تھا لیکن اس کی یہ حالت تھی کہ وہ اپنی ذات سے لوگوں پر یہ ظاہر کرتا تھا کہ وہ بدکاری اور بدچلنی کا مرتکب ہے۔ وہ بدکاروں اور بدچلنوں کا لباس پہنتا تھا اس کی پیشانی رندوں اور بے باکوں کی پیشانی کی طرح تھی۔ وہ خانہ کعبہ کا طواف دس برس سے میرے ساتھ کرتا تھا ایک دن روزہ رکھتا تھا اور ایک دن افطار کرتا تھا۔ میں ہمیشہ روزے رکھتا تھا پس وہ اکثر مجھ سے کہا کرتا تھا: ''تم کو اس روزہ پر اجر نہ ملے گا کیونکہ تمہارا نفس اس کا عادی ہو گیا ہے۔''

وہ پورے عشرہ محرم کا روزہ رکھتا تھا۔ وہ پہلے میدان میں رہتا تھا پھر وہ میرے ساتھ شہر طرطوس میں داخل ہوا۔ ہم ایک مدت تک وہاں ٹھہرے اس کے بعد وہ مر گیا۔ مرنے کے وقت میں اس کے ساتھ ایسے ویرانے میں تھا کہ وہاں کوئی نہ تھا۔ پس میں ویرانے سے نکلا تاکہ اس کے لیے کفن اور خوشبو حاصل کروں۔ ناگاہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اس کے مرنے کی باتیں کر رہے ہیں اور اس کے جنازہ اور اس پر نماز پڑھنے کے واسطے آرہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ میں سے ایک شخص مر گیا جو پرہیز گار اور عبادت گزار تھا۔ چنانچہ میں نے اس کے واسطے کفن اور خوشبو خریدی جب میں واپس آیا تو لوگوں کی بھیڑ کی وجہ سے اس ویرانے تک پہنچنے پر قدرت نہ ہوئی۔ میں نے کہا: ''سبحان اللہ! لوگوں کو اس کے مرنے کی کس نے خبر دی کہ لوگ اس کے جنازہ پر نماز پڑھنے کے واسطے آئے۔''

وہ لوگ اس پر روتے تھے۔ پس جب محنت اور مشقت کے بعد میں اس ویرانہ میں داخل ہوا تو میں نے اس کے پاس ایسا کفن پایا کہ اس طرح کا کفن دیکھنے میں نہیں آیا تھا اور اس پر سبز خط سے لکھا ہوا تھا: "یہ اس شخص کی جزا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی خوش نودی کو اپنے نفس کی رضامندی پر ترجیح دی اور اس نے ہمارے دیدار کو محبوب رکھا اس لیے ہم نے اس کی ملاقات کو دوست رکھا۔"

اس کے بعد ہم نے اس پر نماز پڑھی اور مسلمانوں کے مقبرہ میں اس کو دفن کیا پھر میری آنکھوں پر نیند غالب ہوئی اور میں سو گیا۔ میں نے اس کو دیکھا کہ وہ ایک سبز گھوڑے پر سوار ہے اس کے بدن پر سبز لباس ہے' اس کے ہاتھ میں جھنڈا ہے اس کے پیچھے ایک جوان خوب صورت ہے اس سے نہایت ہی پاکیزہ خوشبو آ رہی ہے اس جوان کے پیچھے دو بوڑھے ہیں پھر ان کے پیچھے ایک بوڑھا اور ایک جوان ہے۔ میں نے اس سے کہا: "یہ کون لوگ ہیں؟"

اس نے جواب دیا: "یہ جوان ہمارے نبی محمد ﷺ ہیں۔ یہ دونوں بوڑھے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہیں اور ایک بوڑھا اور ایک جوان یہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما ہیں اور میں ان حضرات کے سامنے ان کا علمبردار ہوں۔"

میں نے اس سے کہا: "یہ حضرات کہاں کا ارادہ رکھتے ہیں؟"

اس نے جواب دیا: "کسی کی ملاقات کو جاتے ہیں۔"

اس کے بعد میں نے اپنے رفیق سے کہا: "تم کو یہ بزرگیاں کس وجہ سے حاصل ہوئیں؟" اس نے کہا: "میں نے اللہ تعالیٰ کی خوش نودی کو اپنی رضامندی پر ترجیح دی اور عشرہ محرم کے روزے رکھے۔ انہیں وجوہ سے مجھے یہ بزرگیاں ملیں۔"

میں اپنے خواب سے بے دار ہوا اور جب تک میں زندہ رہا عشرہ محرم کے روزے نہ ترک کیے۔ واللہ اعلم۔ (قلیوبی)

(۷۴)

خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں

والی مصر احمد بن طولون بڑا ہی سفاک اور خون ریز بادشاہ تھا مگر اس کے باوجود اس کو مقدمات میں ظالم ومظلوم کے درمیان عدل کرنے کا بڑا جذبہ تھا۔ ایک دن اس کا لڑکا عباس ایک گانے والی عورت کے ساتھ چلا جا رہا تھا اور اس کا غلام ہاتھ میں ''ستار'' لیے جا رہا تھا۔ ایک عالم حقانی نے یہ منظر دیکھا تو ایک دم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جذبہ سینے میں بے دار ہو گیا۔ غضب وجلال میں بے قرار ہو کر دوڑ پڑے اور غلام کے ہاتھ سے ستار چھین کر زمین پر اس طرح پٹخ دیا کہ وہ چور چور ہو کر بکھر گیا۔ عباس نے غضب ناک ہو کر اپنے باپ احمد بن طولون کی کچہری میں اس حقانی عالم پر مقدمہ دائر کر دیا جب یہ پیکر علم وعمل کچہری میں پہنچا تو احمد بن طولون نے سوال کیا: ''کیا واقعی تم نے ستار کو توڑا ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''جی ہاں!'' احمد بن طولون نے تیور بدل کر بڑے غصہ میں پوچھا: ''کیا تم کو علم تھا کہ وہ ستار کس کا ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''جی ہاں! وہ آپ کے فرزند عباس کا تھا۔''

احمد بن طولون نے پوچھا: ''پھر بھی تم نے میرے اعزاز کا کچھ بھی خیال نہیں رکھا؟''

عالم حقانی نے نہایت ہی بے خوفی کے ساتھ جواب دیا: ''عزت مآب یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ میں ایک گناہ ہوتے ہوئے دیکھوں اور آپ کے اعزاز کے خیال سے خاموش رہوں حالانکہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَّاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ .

''تمام مومنین اور مومنات ایک دوسرے کے دوست رہیں' ان کا یہی کام ہے کہ یہ لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم دیں اور بُری باتوں سے منع کرتے ہیں۔''

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ .

''خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔''

عالم حقانی کی یہ حق نما تقریر تاثیر کا تیر بن کر احمد بن طولون کے دل میں پیوست ہو گئی۔ ایک دَم اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور اس نے یہ کہہ دیا: ''میں آپ کو مجاز بناتا ہوں کہ آپ پورے شہر میں جو بات بھی خلافِ شرع دیکھیں اس کو برباد اور تہس نہس کر دیجیے۔ میں آپ کا معین و مددگار ہوں۔''

اس حکایت سے یہ روشنی ملتی ہے کہ اگر کوئی حق پرست واقعی جذبۂ اخلاص اور جوشِ صداقت سے کوئی کلمہ حق کہے تو خداوند عالم اس کے کلام میں ایسی تاثیر پیدا فرما دیتا ہے کہ بڑے بڑے ظالموں کے سینوں میں آہنی دل بھی پگھل کر موم بن جاتے ہیں اور حق کہنے والے کی نصرت وحمایت کے لیے آسمانوں سے قدسیوں کی ایسی فوج اُتر پڑتی ہے جس کی ہیبت وجلالت سے ظالموں کے جسم کا رونگٹا اور بدن کا بال بال لرزنے لگتا ہے اور فتح مبین انتہائی جذبۂ عقیدت کے ساتھ حق پرست انسان کے قدموں کا بوسہ لینے لگتی ہے۔

سبحان اللہ! سچ کہا ہے شاعرِ مشرق نے

مثلِ کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی
اب بھی درختِ طور سے آتی ہے بانگِ لاتخف

حق گو لقب کی وجہ تسمیہ

حضرت مولانا شیخ شہاب الدین بن مولانا فخر الدین زاہدی کا لقب ''حق گو'' ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بادشاہ دہلی محمد بن تغلق بڑا ہی ظالم تھا مگر ایک دَم اس کے سر پر یہ خبط بھوت بن کر سوار ہو گیا کہ سب مجھے ''محمد عادل'' کہیں۔ چنانچہ اس نے حضرت مولانا کو دربار میں بلایا اور حکم دیا: ''آپ مجھے ''محمد عادل'' کے لقب سے پکاریں۔''

یہ سن کر آپ نے نہایت ہی مجاہدانہ لہجے میں ارشاد فرمایا: ''میں ایک ظالم کو ہرگز ہرگز

کبھی عادل نہیں کہہ سکتا۔'' بادشاہ نے غضب ناک ہو کر جلادوں کو حکم دے دیا کہ ان کو قلعہ کی دیوار سے نیچے پھینک دو۔ چنانچہ جلادوں نے آپ کو دیوار سے نیچے پھینک دیا اور آپ شہید ہو گئے۔ آپ کی قبر شریف قلعہ کے نیچے بنی ہوئی ہے اس واقعہ کے بعد لوگ آپ کو شہاب الدین حق گو کہنے لگے۔ (مستطرف ج ۱ ص ۱۰۰ اخبار الاخیار ۱۲۷)

پاخانہ مت کھا کیا بک رہا ہے

بادشاہ دہلی محمد تغلق ظالم ہونے کے ساتھ انتہائی گستاخ' بے ادب بھی تھا اور اپنی سلطنت کے غرور اور گھمنڈ میں کبھی کبھی مسائلِ شریعت پر بھی جرح وقدح کرنے لگتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ اس نے یہ کہہ دیا: ''خدا کا فیض منقطع نہیں ہوتا پھر فیض نبوت کیونکر منقطع ہو سکتا ہے؟ اگر اب کوئی نبوت کا دعویٰ کرے اور معجزہ دِکھائے تو اس کی تصدیق کرو گے یا نہیں؟'' مولانا عماد نے اسی وقت بھر دربار میں یہ کہہ دیا:

''گہ مخور چہ می گوئی''

''پائخانہ مت کھا' کیا بک رہا ہے؟''

محمد تغلق نے حکم دیا: ''ان کو ذبح کر کے زبان کھینچ لی جائے۔''

چنانچہ جلادوں نے آپ کو ذبح کر کے آپ کی زبان کھینچ لی۔

مولانا شہاب الدین اور مولانا عماد وغیرہ سینکڑوں علماء سلف ایسے ہوئے جنہوں نے کلمۂ حق کی وجہ سے جامِ شہادت نوش کیا۔ بلاشبہ یہ مقدس ہستیاں ''شہدائے حق'' ہیں جو خود کٹ گئے مگر حق کو کٹنے نہیں دیا' خود مٹ گئے مگر حق کو مٹنے نہیں دیا یقیناً ان کی قربانیوں کی بدولت سارے عالم میں حق کا بول بالا ہو گیا۔ ظالم بادشاہوں کی تلواروں سے ان حقانی شہیدوں کی گردنیں تو کٹ گئیں لیکن ان کی حقانیت کی شہ رگ نہ آج تک کٹی نہ قیامت تک کٹ سکتی ہے بلکہ قیامت تک ان کی حقانیت زندہ رہے گی اور ان کی حقانیت کا پرچم ہمیشہ فضا آسمانی میں لہراتا ہوا زبانِ حال سے یہ وجد آفریں اور روح پرور پیغام نشر کرتا رہے گا کہ

زندہ ہے ملتِ بیضاء شہداء کے دَم سے
ان کی روحوں پر ہو سو بار درود و سلام

(۷۵)

ایک کمسن بچہ مگر......

خلافتِ عباسیہ میں قبیلہ شیبان کا ایک آدمی بادشاہ کے پاس ایک نہایت ہی رازدارانہ کارِ منصبی انجام دیا کرتا تھا اس کا کام یہ تھا کہ وہ روزانہ صبح سے دوپہر تک بازار میں جا کر گھومتا پھرتا اور وہاں لوگوں کی چہ میگوئیاں اور ان کی جو کچھ سرگرمیاں ہوتیں، ان کی رپورٹ تیار کر کے اس پر اپنی مہر لگاتا اور اسے اپنے افسر کے پاس بھیجتا پھر وہ افسر ان رپورٹوں کو ترتیب دے کر بادشاہ کے روبرو پیش کرتا ایسا اس لیے کیا جاتا کہ ملک کے اندر امن وامان برقرار رکھا جا سکے اور عامۃ الناس کو درپیش خطروں سے نمٹا جا سکے۔ ایک مرتبہ رپورٹ لکھنے والا یہ آدمی اپنی کسی سخت ضرورت کے پیشِ نظر مشغول ہو گیا اور بازار پہنچ کر رپورٹ نہ لکھ سکا۔ بعد میں بازار میں ہونے والی چہ میگوئیوں اور لوگوں کی سرگرمیوں کے متعلق جو کچھ سنا، آ کر ضبطِ تحریر میں لایا اور سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر رپورٹ تیار کر کے اس پر اپنی مہر لگا دی پھر اپنے کمسن بھتیجے کو آواز دی جس کا نام احمد تھا اور اس سے پوچھا: ''اے احمد! کیا تجھے اس افسر کا دفتر معلوم ہے جو روزانہ مجھ سے رپورٹ وصول کرتا ہے؟'' بچے نے جواب دیا: ''ہاں! مجھے معلوم ہے۔'' چچا نے کہا: ''آج میری یہ رپورٹ لے جا کر افسر کے پاس جمع کرا دو، میں نے اس پر مہر ثبت کر دی ہے اور افسر سے کہہ دینا کہ میرے چچا اچانک کسی مصروفیت میں پڑ گئے ہیں اس لیے آج وہ حاضر نہیں ہو سکے لہٰذا انہوں نے یہ رپورٹ میرے ہاتھ بھیجی ہے۔''

بچے نے اپنے چچا سے رپورٹ لی اور شہر کے بیچ والی سڑک سے امن وامان کے افسر کے دفتر کی طرف روانہ ہو گیا لیکن قبل اس کے کہ وہ اپنے چچا کی رپورٹ کے اوراق افسر کی

خدمت میں پیش کرتا' اسے یاد آیا کہ چچا نے رپورٹ کے اوراق بغیر تاریخ لکھے ہی حوالے کر دیئے ہیں چنانچہ بچے نے خود تصرف کر کے اس میں تاریخ درج کر دی ابھی وہ بچہ آگے کی طرف قدم بڑھا رہا تھا کہ اس کا گزر راستے میں ایک نہر کے پل سے ہوا' بچے کے ذہن و دماغ میں خود بخود یہ باتیں آنے لگیں: ''اے احمد! تو اگرچہ ایک چھوٹا بچہ ہے لیکن تجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ تیرے چچا کا یہ فعل شرعاً کیسا ہے؟ تیرا چچا بازار میں ہونے والی لوگوں کی چہ میگوئیاں اور ان کے کاموں کی تفصیل لکھ کر افسر کو پہنچاتا ہے جو کہ شریعت کی نگاہ میں ایک حرام کام ہے کیونکہ یہ بھی جاسوسی کی ایک قسم ہے اور جاسوسی سے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَلَا تَجَسَّسُوْا ۔

''اور جاسوسی مت کیا کرو۔'' (الحجرات:۱۲)

لہٰذا اے احمد! تو بھی ایک ممنوع فعل کا ارتکاب کر رہا ہے اور اس کام میں دوسرے کا تعاون کر رہا ہے جس کام سے قرآن نے روکا ہے۔''

بچے کے دل میں آنے والی باتوں نے اس کے ضمیر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور اس نے فوراً اپنے چچا کی دی ہوئی رپورٹ نہر میں پھینک دی اور واپس اپنے گھر آ گیا۔

جب امن و امان کے افسر کے پاس رپورٹ پہنچنے میں تاخیر ہوئی تو اس نے اپنے آدمیوں کو اپنے رپورٹر کی خدمت میں بھیجا کہ آخر بات کیا ہے کہ رپورٹ نہیں پہنچ سکی جب افسر کے کارندے رپورٹر کے پاس پہنچے تو اس نے انہیں بتایا: ''میں نے اپنے احمد نامی بھتیجے کے ذریعے رپورٹ افسر کے پاس بھیج دی تھی۔''

یہ سن کر افسر کے کارندے بچے کے پاس پہنچے اور اس سے پوچھا: ''تمہارے چچا نے جو رپورٹ افسر تک پہنچانے کے لیے دی تھی' وہ کہاں ہے؟''

بچے نے جواب دیا: ''وہ تو میں نے نہر میں پھینک دی۔''

یہ سنتے ہی افسر کے کارندے تعجب اور خوف سے چیختے ہوئے بول اُٹھے: ''کیوں؟ کس وجہ سے تم نے رپورٹ نہر میں پھینک دی...... کیا بات ہے؟''

بچے نے جواب دیا: ''کیونکہ یہ فعل شرعاً حرام ہے...... یہ رپورٹ جاسوسی کی ایک قسم

ہے جسے شریعتِ اسلامیہ نے ممنوع قرار دیا ہے اس لیے میں نہیں چاہتا کہ اس ناجائز فعل پر میری طرف سے کوئی تعاون ہو۔''

کارندوں نے بچے کا جواب سن کر فوراً افسر کے پاس یہ بات پہنچائی۔ افسر نے جب بچے کے بارے میں یہ کچھ سنا تو بچے کی بات اس کے دل کو لگی اور بول اُٹھا: ''یہ بچہ اتنا پرہیز گار ہے پھر ہمیں کس قدر پرہیز گار ہونے کی ضرورت ہے' ہم کہاں ہیں؟''

پھر اس دن سے ان کی نگاہیں اس بچے پر جم گئیں اور انہیں ایسا محسوس ہونے لگا جیسے وہ بچے کو نہیں بلکہ کسی جوان کو دیکھ رہے ہوں۔

کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ بچہ کون تھا؟ یہ بچہ وہی نامی گرامی شخصیت ہے جس کو پوری دنیا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے جانتی ہے جو محدثِ کبیر اور فقیہ عظیم ہیں جن کو ''امام الورع'' (تقویٰ کا امام) کہا جاتا ہے جنہوں نے خلیفہ مامون کے دَورِ حکومت میں ابتلاء و آزمائش کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور عقیدۂ اسلام کی طرف سے کھل کر دفاع کیا' حق بات کی آواز بلند کرنے میں ہر مصیبت برداشت کی اور انتہائی سخت مصیبت کی حالت میں بھی قرآن و حدیث سے ہٹ کر اللہ کے دین میں ایک کلمہ کہنا گوارا نہیں کیا۔ جی ہاں! یہ بچہ وہی ہے جو ''امام احمد کے نام سے مشہور ہوا جس کی زندگی کے درپے ہونے والے تمام کے تمام مٹ گئے' کوئی ان کا اچھے طریقے سے نام تک لینے والا نہیں لیکن ''احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ'' کا نام آتے ہی ایک اسلامی ہیرو کا تصور آج بھی لوگوں کے دل و دماغ پر چھا جاتا ہے۔ یہ بچہ آگے چل کر ایک عظیم محدث اور امام بنا لیکن بچپن ہی سے حسبِ لیاقت ہر بات کو قرآن و سنت کی کسوٹی پر رکھنا اس پر عمل کرنا اس کی شان تھی۔

(مجلّہ ''النور'' عدد ۱۴۵ شوال ۱۴۱۷ھ)

(۷۶)

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک گاہک

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۵۷ھ) سوداگری کیا کرتے تھے اور پانچ فی صدی سے زیادہ منافع نہ لیتے تھے۔ ایک بار آپ نے ساٹھ روپے کے بادام خریدے اور بعد میں باداموں کی قیمت چڑھ گئی۔ ایک ایجنٹ نے آپ سے بادام لیے تو آپ نے تریسٹھ روپے میں فروخت کر دیئے اس نے کہا: ''آج کل تو ان کی قیمت نوے روپے ہے۔''

تو آپ نے فرمایا: ''میں نے اللہ سے عہد کر رکھا ہے کہ پانچ فیصدی سے زیادہ منافع نہ لوں گا۔'' ایجنٹ نے کہا: ''میں بھی آپ کا مال کم قیمت پر فروخت نہیں کرنا چاہتا۔''

نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے کم قیمت پر لیے نہیں اور آپ نے زیادہ قیمت پر دیئے نہیں۔

یہ ہے ایک دوسرے کی خیر خواہی جسے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ''دین'' کا نام دیا ہے۔ دین لمبی چوڑی تسبیحوں اور جبوں قبوں کا نام نہیں جو تاجر اور دُکان دار لوگوں کی جیبیں کاٹتا ہے، ظلم کی حد تک نفع وصول کرتا ہے، کاروبار میں اجارہ دار بن کر بیٹھ جاتا ہے اور گاہکوں و ضرورت مندوں سے من مانی اور منہ مانگی قیمت وصول کرتا ہے اس تاجر اور دُکان دار کی نمازوں تسبیحوں اور جبوں کی عنداللہ کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

(کیمیائے سعادت، ص ۲۸۲، تاریخ بغداد للخطیب بغدادی: ۹: ۱۸۹، طبع مصر)

(۷۷)

مدینے کا سفر ہے اور میں نم دیدہ نم دیدہ

حضرت سیدنا علی بن محمد سیروانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میں نے حضرت سیدنا ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "ایک مرتبہ ایک وادی میں مجھے بہت زیادہ پیاس لگی، شدتِ پیاس سے میں نیم بے ہوش ہو کر گر پڑا اچانک میرے چہرے پر پانی کے قطرے گرے جن کی ٹھنڈک میں نے اپنے دل پر محسوس کی۔ آنکھیں کھولیں تو خوب صورت سفید گھوڑے پر سوار سبز کپڑے زیب تن کیے، زرد عمامے کا تاج سر پر سجائے ایک شکیل وجمیل نوجوان نظر آیا جس کے ہاتھ میں ایک پیالہ تھا ایسا خوب صورت نوجوان میں نے آج تک نہ دیکھا تھا اس نے مجھے پیالے میں سے شربت پلایا اور کہا: "میرے پیچھے سوار ہو جاؤ۔"

میں گھوڑے پر اس کے پیچھے سوار ہو گیا ابھی وہ گھوڑا اپنی جگہ سے چلا ہی تھا کہ اس نوجوان نے مجھ سے پوچھا: "تم سامنے کیا دیکھ رہے ہو؟"

میں نے کہا: "میرے سامنے اس وقت مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفاً وتعظیماً کا پُر کیف نظارہ ہے۔ سبحان اللہ! میں تو اپنے آقا و مولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں پہنچ چکا ہوں۔" نوجوان نے کہا: "اب اُتر جاؤ اور جب روضۂ رسول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر حاضری ہو تو میرا بھی باادب سلام عرض کر دینا اور کہنا: "کہ رضوانِ جنت آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں خوب خوب سلام عرض کرتا ہے۔"

اتنا کہہ کر وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔" (عیون الحکایات)

(۷۸)

زہر بے اثر، کوہ قاف کے فرشتے، بہترین نگہبان

کٹا ہوا ہاتھ، میزبان ومہمان

بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک ایسی لونڈی تھی جوان سے بغض اور عداوت رکھتی تھی اور ان کو زہر پلاتی تھی لیکن وہ ان پر کچھ اثر نہ کرتا تھا جب اس طرح عرصہ گزر گیا تو اس لونڈی نے ابو مسلم رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: ''میں نے تم کو زمانہ دراز تک زہر پلایا مگر وہ تم پر اثر نہیں کرتا ہے۔'' ابو مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے کہا: ''تو یہ کیوں کرتی ہے؟''

اس نے کہا: ''تم بہت بوڑھے ہو گئے ہو۔''

ابو مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے کہا: ''زہر کے اثر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ میں کھانے اور پینے کے وقت بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ لیتا ہوں۔'' پھر انہوں نے اس لونڈی کو آزاد کر دیا۔

☆......مقاتل رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے، وہ کہتے ہیں کہ کوہِ قاف کے پیچھے ایک زمین ہے جو چاندی کی طرح روشن نرم اور چکنی ہے اور اس کی وسعت دنیا کی ہفت گونہ ہے اور فرشتوں سے ایسی بھری ہوئی ہے کہ اگر سوئی گرائی جائے تو وہ ان کے اوپر گرے گی اور ان فرشتوں میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک جھنڈا ہے اور اس پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے اور وہ فرشتگان ہر رات کو ماہِ رجب میں کوہِ قاف کے گرد جمع ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں گریہ وزاری کر کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کی سلامتی کی دعا کرتے ہیں اور کہتے

ہیں: ''اے ہمارے رب! اُمتِ محمد ﷺ پر رحم فرما اور محمد ﷺ کی اُمت کو عذاب نہ دے۔''

وہ روتے ہیں اور عاجزی وانکساری کرتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ان سے فرماتا ہے:

''تم لوگ کیا چاہتے ہو؟''

وہ کہتے ہیں: ''ہم چاہتے ہیں کہ تو محمد ﷺ کی اُمت کی مغفرت فرمادے۔''

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''بے شک میں نے ان کو بخش دیا۔''

☆...... بیان کرتے ہیں کہ رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا کے گھر میں ایک چور گھسا وہ سوئی ہوئی تھیں' چنانچہ چور نے ان کے گھر کا اسباب جمع کر کے دروازہ سے نکلنے کا قصد کیا مگر اس پر دروازہ پوشیدہ ہو گیا' اس کے بعد وہ بیٹھ گیا اور دروازہ کے ظاہر ہونے کا انتظار کرنے لگا ناگاہ اس نے سنا کہ ہاتفِ غیب اس سے کہتا ہے: ''کپڑے رکھ اور دروازہ سے باہر جا۔''

چنانچہ اس نے کپڑے رکھ دیئے' دروازہ ظاہر ہوا پھر اس نے کپڑے لے لیے دوبارہ پھر دروازہ چھپ گیا اس کے بعد اس نے کپڑے رکھ دیئے پھر دروازہ ظاہر ہوا پھر اس نے وہ کپڑے لیے پھر دروازہ پوشیدہ ہو گیا اسی طرح اس نے تین مرتبہ سے زائد کیا اس کے بعد منادیٔ غیب نے اس کو آواز دی: ''اگر رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا سو گئی ہے تو اس کا حبیب تو نہیں سوتا ہے نہ وہ اونگھتا ہے نہ اسے نیند آتی ہے۔'' چور نے کپڑے رکھے اور دروازہ سے باہر چلا گیا۔

☆...... بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک غلام حبشی تھا جس نے چوری کی تھی' لوگوں نے پیش کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: ''کیا تو نے چوری کی ہے؟'' اس نے کہا: ''ہاں!''

چنانچہ آپ نے اس کلمہ کو اس پر تین مرتبہ دہرایا اور وہ کہتا رہا: ''ہاں! میں نے چوری کی ہے۔''

اس کے بعد آپ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا اور وہ کاٹ لیا گیا پھر اس نے وہ کٹا ہوا ہاتھ لیا اور باہر نکلا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اس کو ملے اور اس سے فرمایا: ''تیرا ہاتھ کس نے کاٹا ہے؟''

اس نے جواب دیا: ''دین کے بازو رسول اللہ کے داماد فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا کے شوہر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی امیر المومنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس کو کاٹا ہے۔''

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: ''انہوں نے تو تیرا ہاتھ کاٹا اور تو ان کی تعریف کرتا ہے؟''

اس نے کہا: ''ہاں! انہوں نے ایک ہاتھ کے بدلے مجھے دردناک عذاب سے نجات دی۔''

اس کے بعد حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دی۔ پس آپ نے اس غلام حبشی کو بلایا۔ چنانچہ وہ حاضر کیا گیا پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ کٹے ہوئے ہاتھ کی جگہ میں رکھا اور رومال سے اس کو چھپایا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی چنانچہ اللہ کے حکم سے وہ ہاتھ اچھا ہو گیا۔

☆...... نقل ہے کہ قیصر بادشاہ روم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو لکھا:

''کیا میزبان کو یہ زیبا ہے کہ مہمان کو اپنے گھر سے نکال دے۔''

یعنی حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کو جنت سے نکال دینے کے بارہ میں قیصر نے یہ لکھا تھا۔ پس ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''میزبان نے ان کو نکالا نہیں بلکہ اس نے ان سے فرمایا: ''تم دونوں اپنا لباس رکھو پھر قضا حاجت کو جاؤ جس طرح کہ مہمان اپنے کپڑے نکالتا ہے اور بیت الخلاء (پاخانہ) جاتا ہے تاکہ اپنی ضرورت پوری کرے پھر دسترخوان کی طرف واپس آئے۔'' (قلیوبی)

(۷۹)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور خلیفہ منصور

علامہ قاضی عیاض ناقل ہیں کہ خلیفہ بغداد مسجدِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے گفتگو کرتے ہوئے اس کی آواز کچھ بلند ہوگئی تو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ڈانٹ کر فرمایا: ''اے امیر المومنین! خداوندِ عالم کا فرمان ہے:

لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ۔

''اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے بلند مت کرو۔''

اے امیر المومنین! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ادب واحترام اب بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ ظاہری حیاتِ مبارکہ میں تھا اس لیے قبرِ انور کے پاس ہرگز ہرگز بلند آواز سے گفتگو نہ کیجیے۔ امام ممدوح کی ڈانٹ سن کر خلیفہ منصور بالکل خاموش ہو گیا پھر نہایت ہی پست آواز سے یہ مسئلہ دریافت کیا: ''اے مالک! میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں سلام عرض کر چکا اب میں قبرِ انور ہی کی طرف اپنا رخ کر کے دعا کروں؟''

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: ''تم اپنا چہرہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کیوں اور کس طرح پھیرو گے؟ جب کہ وہ بارگاہِ خداوندی میں تمہارا اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کا بھی وسیلہ ہیں۔ تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منہ کر کے خدا سے دعا مانگو اور ان کو بارگاہِ الٰہی میں اپنا شفیع بناؤ تو خداوندِ کریم ان کے وسیلہ سے تمہاری دعاؤں کو قبول فرمائے گا۔'' خداوندِ قدوس کے اس پیغام کو یاد رکھو:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ

الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۔

"اگر لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرلیں تو انہیں چاہیے کہ اے محبوب وہ آپ کے پاس حاضر ہو جائیں پھر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کریں اور رسول بھی ان کے لیے مغفرت طلب کریں تو یقیناً گناہ گار لوگ اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ توبہ قبول فرمانے والا اور بخشنے والا پائیں گے۔"

(وفاء الوفاء ج۴ ص ۱۳۷۶)

(۸۰)

یہ ہے اصل حکومت

اشعث بن شعبہ مصیصی کہتے ہیں کہ خلیفہ ہارون رشید ایک دفعہ رَقہ (فرات کے کنارے ایک مشہور شہر) آیا اس کے بعد عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی وہاں تشریف آوری ہوئی۔ رَقہ کے لوگ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ لوگوں کے جوتوں کی آواز فضا میں گونجنے لگی اور ان کے تسمے ٹوٹ گئے اور فضا گرد آلود ہوگئی اس شور و شغب کو سن کر ایک خاتون نے محل کے دریچے سے جھانکا۔ یہ خاتون بنو اُمیہ کے آخری خلیفہ مروان بن محمد بن الحکم کی والدہ تھی اس نے لوگوں کا یہ اُمڈتا ہجوم دیکھ کر پوچھا: ''یہ ماجرا کیا ہے؟''

اسے بتایا گیا کہ خراسان کے ایک عالم رَقہ تشریف لائے ہیں جن کا اسمِ گرامی ''عبداللہ بن مبارک'' ہے۔ وہ خاتون بے ساختہ بولی:

هٰذَا وَاللّٰهِ الْمَلِكُ لَا مَلِكُ هَارُوْنُ الَّذِیْ لَا یَجْمَعُ النَّاسَ اِلَّا بِسَوْطٍ وَّأَعْوَانٍ.

''اللہ کی قسم! یہی شخص اصل بادشاہت کا مالک ہے نہ کہ ہارون رشید جو کہ لوگوں کو کوڑوں اور سپاہیوں کی مدد سے اکٹھا کرتا ہے۔''

(المنتظم فی تاریخ الامم والملوک' ابن الجوزی ۹/۶۰' تاریخ بغداد ۱۰/۱۵۶)

(۸۱)

ایک سوداگر کی کمال خیر خواہی

ایک سوداگر بصرے میں تھا اس کے ملازم نے اس کو لکھا کہ اس سال شکر کافی گراں ہو جائے گی لہٰذا جلد از جلد زیادہ سے زیادہ خرید لی جائے۔ سوداگر نے خرید لی اور مہنگا ہونے پر فروخت کی تو تیس ہزار درہم کا منافع ہوا لیکن پھر سوچا کہ میں نے ایک مسلمان کو دھوکہ دیا ہے اور شکر کی گرانی کے لیے اس کو نہ بتایا لہٰذا اپنے منافع کا سب روپیہ لے کر اس سوداگر کے پاس پہنچا اور کہا: ''یہ تمہارا روپیہ ہے۔''

سوداگر نے حیران ہو کر دریافت کیا تب اس نے پورا قصہ بیان کر دیا۔ سوداگر یہ سن کر خوش ہوا اور اس کو سب روپیہ معاف کر دیا جب واپس ہوا تو سوچا ہو سکتا ہے کہ اس نے لحاظ کی وجہ سے روپیہ لینے سے انکار کیا ہو۔ چنانچہ دوبارہ پھر گیا اور انتہائی اصرار کر کے روپیہ دے دیا۔ ایسے تاجروں کے کاروبار گھر بار اور زندگی میں کیوں نہیں خیر و برکت ہوگی اور آخرت میں اللہ کریم ان کے درجات کو کیوں نہیں بلند فرمائے گا۔ ایسے ہی خوش نصیب تاجروں کے متعلق حضور اکرم ﷺ نے یہ وعدہ اور پیشین گوئی فرمائی ہے:

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ رَوَاہُ التِّرْمَذِیُّ ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴۳ طبع سعید کمپنی کراچی)

''وہ تاجر وہ جو اپنے کاروبار میں کھرا، سچا اور امانت دار ہے، قیامت کے روز انبیاء، صدیقین اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔'' (کیمیائے سعادت، ص ۲۸۱)

(۸۲)

وصالِ باکمال

حضرت سیدنا ابراہیم بن اشتر رحمۃ اللہ علیہ اپنے والدِ محترم کے حوالے سے فرماتے ہیں:
''حضرت سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت سیدہ اُم ذر رضی اللہ عنہا نے فرمایا:''جب حضرت سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ صحرائی سفر پر تھے' میں بھی ان کے ساتھ تھی' میں رونے لگی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:'' کیوں روتی ہو؟''

میں نے کہا:'' آپ اس بے آب وگیارہ ویران صحرا میں انتقال کر رہے ہیں اور اس وقت نہ تو میرے پاس کوئی ایسی چیز ہے جس سے آپ کے کفن ودفن کا انتظام ہو سکے اور نہ آپ کے پاس پھر میں کیوں نہ روؤں؟'' فرمایا:'' رونا چھوڑ! تیرے لیے خوش خبری ہے۔''

ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:'' کوئی بھی دو مسلمان جن کے دو یا تین بچے فوت ہو جائیں اور وہ اس پر صبر کریں اور اجر کی امید رکھیں تو وہ کبھی بھی جہنم میں داخل نہ ہوں گے۔''

اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم چند لوگوں کو مخاطب کر کے (غیب کی خبر دیتے ہوئے) ارشاد فرمایا:'' تم میں سے ایک شخص صحرا میں مرے گا اور اس کی وفات کے وقت مومنین کا ایک گروہ اس کے پاس پہنچے گا۔''

(مسند احمد حدیث ابی ذر الغفاری الحدیث ۲۱۴۳۶ ج ۸ ص ۸۶ الطبقات الکبریٰ لابن سعد' ابوذر جندب بن جنادہ' الرقم ۳۳۲ ج ۴ ص ۱۷۶)

اب ان تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے کوئی زندہ نہیں رہا صرف میں اکیلا باقی

ہوں اور ان سب کی وفات یا تو شہر میں ہوئی یا آبادی میں اور میں صحرا میں فوت ہورہا ہوں یقیناً وہ شخص میں ہی ہوں اور اللہ کی قسم! نہ میں نے جھوٹ کہا اور نہ ہی مجھے جھوٹی خبر ملی تو جا اور دیکھ ضرور کوئی نہ کوئی ہماری مدد کو آئے گا۔''

میں نے کہا: ''اب تو حجاجِ کرام بھی جا چکے اور راستہ بند ہو گیا۔''

فرمایا: ''تو جا کر دیکھ تو سہی۔''

چنانچہ میں ریت کے ٹیلے پر چڑھی اور راستے کی طرف دیکھنے لگی' تھوڑی دیر بعد واپس ان کے پاس آ گئی اور تیمارداری کرنے لگی پھر دوبارہ ٹیلے پر چڑھ کر راہ تکنے لگی اچانک کچھ دُور مجھے چند سوار نظر آئے۔ میں نے کپڑا اہلا کر انہیں اس طرح متوجہ کیا تو وہ بڑی تیزی سے میری طرف آئے اور پوچھا: ''اے اللہ کی بندی! کیا بات ہے؟''

میں نے کہا: ''مسلمانوں میں سے ایک مرد داعیٔ اجل کو لبیک کہنے والا ہے' کیا تم اسے کفن دے سکتے ہو؟'' انہوں نے کہا: ''وہ کون ہے؟''

میں نے کہا: ''ابوذر رضی اللہ عنہ''

کہا: ''وہی ابوذر جو پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں؟''

میں نے کہا: ''ہاں! وہی ابوذر جو صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔''

یہ سنتے ہی وہ کہنے لگے: ''ہمارے ماں باپ ان پر قربان! وہ عظیم ہستی کہاں ہے؟''

میں نے انہیں بتایا تو وہ آپ رضی اللہ عنہ کی طرف تیزی سے لپکے اور حاضرِ خدمت ہو کر سلام عرض کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیتے ہوئے انہیں ''مرحبا'' کہا اور فرمایا: ''تمہیں خوش خبری ہو! میں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''کوئی بھی دو مسلمان جن کے دو یا تین بچے فوت ہو جائیں اور وہ اس پر صبر کریں اور اجر کی امید رکھیں تو وہ کبھی بھی جہنم میں داخل نہ ہوں گے۔''

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گروہِ مسلمین سے مخاطب ہو کر فرما رہے تھے جس میں میں بھی موجود تھا: ''تم میں سے ایک شخص صحرا میں وفات پائے گا اور مومنین کا ایک قافلہ اس کے پاس پہنچ جائے گا۔'' (المرجع السابق)

اب میرے علاوہ ان میں سے کوئی زندہ نہیں' ان میں سے ہر ایک یا تو آبادی میں فوت ہوا یا پھر کسی بستی میں اب میں ہی وہ اکیلا شخص ہوں جو صحرا میں انتقال کر رہا ہوں۔ اللہ کی قسم! نہ میں نے جھوٹ بولا اور نہ ہی مجھے جھوٹ بتایا گیا جب میں مر جاؤں اور میرے پاس یا میری زوجہ کے پاس کفن کا کپڑا ہو تو مجھے اسی میں کفنا دینا اور اگر کفن کا کپڑا نہ ملے تو میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ تم میں سے جو شخص حکومتی عہدے دار ہو یا کسی امیر کا دربان ہو یا کسی بھی حکومتی عہدے پر ہو تو وہ مجھے ہرگز ہرگز کفن نہ دے۔ اتفاق کی بات تھی کہ ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی حکومتی عہدے پر رہ چکا تھا یا ابھی عہدے پر قائم تھا۔ صرف ایک انصاری نوجوان بچا جو کسی طرح بھی حکومت کا نمائندہ نہ تھا۔ وہ نوجوان آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: ''میرے پاس ایک چادر اور کپڑے ہیں جنہیں میری والدہ نے کاٹ کر بنایا ہے' میں انہیں کپڑوں میں آپ رضی اللہ عنہ کو کفن دوں گا۔''

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہاں! تم ہی مجھے کفن دینا۔''

پھر آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو اسی انصاری نوجوان نے کفن دیا اور نمازِ جنازہ کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کو وہیں دفنا دیا گیا۔'' (عیون الحکایات)

(۸۳)

کبھی اے نوجوان مسلم تدبر بھی کیا تو نے

بیان کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے زمانہ میں دو بھائی تھے۔ ایک مومن اور دوسرا کافر اور وہ دونوں بھائی دریا کے شکاری تھے۔ چنانچہ کافر بت کو سجدہ کرتا تھا لیکن جب وہ جال دریا میں پھینکتا تھا تو مچھلیوں سے بھر جاتا تھا حتیٰ کہ اس کا نکالنا اس پر بھاری ہوتا تھا اور مسلمان کی یہ حالت تھی کہ جب وہ اپنا جال دریا میں ڈالتا تھا تو اس میں صرف ایک مچھلی پھنستی تھی۔ وہ اللہ کی تعریف اور اس کا شکر کرتا تھا اور قضائے الٰہی اور تقدیرِ خداوندی پر صابر تھا۔ ایک دن اس کی بیوی اپنے مکان کی چھت پر چڑھی اور اپنے شوہر کے کافر بھائی کی بیوی کو دیکھا کہ وہ زیوروں اور لباسوں سے آراستہ ہے اس کا دل اس میں مشغول ہو گیا۔ شیطان نے اس کو وسوسہ دیا اور بہکایا۔ چنانچہ کافر کی بی بی نے اس سے کہا: ”تو اپنے شوہر سے کہہ کہ وہ میرے شوہر کے معبود کی پوجا کرے یہاں تک کہ تیرے پاس بھی میرے برابر مال ہو جائے۔“

وہ عورت غمگین ہو کر چھت سے نیچے اتری اس کے بعد اس کا مومن شوہر اس کے پاس گھر کے اندر آیا تو اس کو ایسی حالت میں پایا کہ اس کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ اس نے عورت سے کہا: ”تیرا کیا حال ہے؟“

اس نے اپنے شوہر سے کہا: ”تم مجھے طلاق دو یا اپنے بھائی کے معبود کی پوجا کرو۔“

اس کے جواب میں شوہر نے اس سے کہا: ”اے اللہ کی لونڈی! کیا تو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتی؟ کیا تو ایمان کے بعد کفر کرتی ہے؟“

عورت نے اس سے کہا: ”مجھ سے زیادہ باتیں نہ کرو میں ننگی نہ رہوں گی حالانکہ

میرے علاوہ عورتیں یعنی تیرے بھائی کی بی بی زیوروں اور لباسوں سے آراستہ ہیں۔''

جب بندۂ مومن نے اس کی بات میں اصرار دیکھا تو اس سے کہا: ''تو بے قرار نہ ہو ان شاء اللہ میں کل کاریگروں کے مقام میں جاؤں گا اور ہر روز دو درہم کماؤں گا' وہ تیرے پیشِ نظر کروں گا تا کہ تو ان سے اپنی حالت درست کرلے۔''

چنانچہ وہ عورت اس پر راضی ہوگئی اور جو کچھ اس کو رنج و غم تھا' اس کو سکون ہو گیا اس کے بعد وہ مردِ مومن سویرے ہی کاریگروں کے گھر اور مقام میں آیا اور ان کے درمیان میں بیٹھا لیکن اس کو کسی نے کام کے واسطے نہ لیا پس جب وہ کام لینے والے سے مایوس ہوا تو دریا کے کنارے گیا اور رات تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی پھر اپنے گھر واپس آیا تو اس کی بی بی نے اس سے کہا: ''تم کہاں تھے؟''

اس نے جواب دیا: ''میں بادشاہ کے پاس تھا اور اس نے مجھ سے تیس دن کے کام کی شرط لی ہے۔'' عورت نے اس سے کہا: ''بادشاہ تم کو کیا دے گا؟''

اس نے عورت سے کہا: ''بادشاہ کریم ہے اور اس کے خزانے بھرے ہیں' وہ مجھے وہی دے گا جو میں چاہتا ہوں۔''

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس کی یہ حالت ہوئی کہ ہر دن اپنے مقام میں جا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے لگا یہاں تک کہ تیسویں رات آئی اس کی عورت نے اس سے کہا: ''اگر تم کل مزدوری نہ لاؤ گے تو تم پر مجھے طلاق دینا لازم ہوگا۔''

چنانچہ وہ مردِ مومن اس بات سے ڈرتا ہوا گھر سے نکلا۔ پس اس نے ایک یہودی کو پایا اور اس سے کہا: ''کیا تم مجھے مزدوری پر رکھتے ہو؟'' یہودی نے کہا: ''ہاں!''

لیکن یہودی نے مردِ مومن سے یہ شرط لی کہ وہ اس کے پاس کچھ نہ کھائے۔ چنانچہ اس نے اس دن روزہ رکھا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ انتیس اشرفیاں ایک نور کے طباق میں رکھو اور اس کو اس مومن کی بی بی کے پاس لے جاؤ اور اس سے کہو کہ میں بادشاہ کا قاصد ہوں اور اس نے مجھے تیرے پاس بھیجا ہے اور وہ تجھ سے کہتا ہے کہ تیرا شوہر ہمارے کام میں تھا اور ہم نے اس کو نہ چھوڑا یہاں تک کہ اس

نے ہم کو چھوڑا اور یہودی کے پاس چلا گیا اور یہ کمی اسی وجہ سے ہے اور اگر وہ ہمارا کام زیادہ کرتا تو ہم اس کو زیادہ دیتے۔ اس کے بعد عورت نے ان اشرفیوں میں سے ایک اشرفی لی اور اس کو بازار لے گئی لوگوں نے اس ایک اشرفی کی قیمت میں ایک ہزار درہم دیئے کیونکہ اس پر لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لکھا ہوا تھا' شام کو جب وہ مرد مسلمان اپنے گھر آیا تو اس کی بی بی نے اس سے کہا: ''اے شخص! تم کہاں تھے؟''

اس نے کہا: ''میں ایک یہودی مرد کے کام میں تھا۔''

عورت نے کہا: ''اے مسکین! تم بادشاہ کی خدمت ترک کر کے دوسرے کی خدمت کیوں کرتے ہو؟''

اس کے بعد عورت نے واقعہ گزشتہ کی اس کو اطلاع دی۔ وہ مردِ مومن رویا حتیٰ کہ اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی جب اس کو ہوش آیا تو اس نے اپنی بی بی سے کہا: ''میں نے بادشاہ دو جہاں کی خدمت اور بندگی کا حق اپنے اوپر لازم نہ کیا۔''

پھر اس نے عورت کو چھوڑ دیا اور پہاڑوں کے اطراف میں چل دیا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی یہاں تک کہ وہ مر گیا' اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے۔

(انوار محبوبی ترجمہ نوادر قلیوبی)

(۸۴)

نجدی ذہنیت کا رد

مدینہ منورہ کا اموی گورنر مروان بن الحکم روضۂ منورہ کے پاس حاضر ہوا تو یہ دیکھا کہ ایک شخص قبرِ انور سے چمٹا ہوا پڑا ہے۔ مروان نے اس کی گردن پکڑ کر اُٹھایا اور کہا: ''اے شخص! تجھے کیا خبر ہے کہ تو کیا کر رہا ہے؟''

تو اس شخص نے سر اُٹھا کر جواب دیا: ''ہاں! میں جانتا ہوں کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ اے مروان! میں مٹی اور پتھر کے پاس نہیں آیا ہوں بلکہ میں رسول اللہ ﷺ کے دربار میں حاضر ہوں۔ اے مروان! جب دین دار لوگ والی بنیں تو رونے کی ضرورت نہیں ہے لیکن جب نا اہل لوگ دین کے والی بنیں تو رونا چاہیے۔''

مروان یہ گرم گرم جملے سن کر خاموشی کے ساتھ چلا گیا۔ مطلب بن عبداللہ کہتے ہیں کہ یہ بزرگ جنہوں نے مروان گورنر کو جھنجھوڑ کر ڈانٹ دیا وہ جلیل القدر صحابی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ (وفاء الوفا ص ۱۴۰۲)

اوپر ذکر کی ہوئی حکایت اور چند صفحات پہلے بیان کی گئی امام مالک اور خلیفہ منصور کی حکایت میں بڑے بڑے ایمان افروز روح پرور نتائج کی تجلیاں ہیں۔

☆...... حضرت امام مالک خلیفہ کے جاہ و جلال اور رعب و داب سے بال برابر بھی مرعوب نہیں ہوئے اور دربارِ رسول میں ادب کی کمی دیکھ کر تڑپ گئے اور منصور کو ڈانٹ کر چپ کرا دیا اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ پر بھی بنواُمیہ کے ظالم گورنر کی ہیبت کا کوئی اثر نہیں پڑا اور آپ نے اس کے منہ پر انتہائی جرأت و بے باکی سے کلمۃ الحق سنا کر اس کو

ڈانٹ کر جھنجھوڑ ڈالا بلاشبہ ان دونوں بزرگوں کے اسوۂ میں تمام اُمت رسول کے لیے بہت بڑا درس ہے کہ کلمۃ الحق کہنے اور شریعتِ مطہرہ کے مسائل کو علی الاعلان بیان کرنے میں کسی گورنر یا بادشاہ کا خوف دامن گیر نہیں ہونا چاہیے مگر حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کا کام نہیں اس افضل الجہاد کی فضیلت سے وہی شخص سرفراز ہو سکتا ہے۔ جس کے سر پر رب العزت خوش نصیبی کا تاج رکھ دے اور جذبۂ ایمانی وجوشِ اسلامی کی دولتِ لازوال سے مالا مال ہو جائے اور کلمۃ الحق کہہ دینے کی پاداش میں اپنا سر کٹا دینے کو اپنے سر کی معراج سمجھتا ہو

یہ رُتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں؟

ذکر خدا جوان سے جدا چاہو نجدیو

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''اے منصور! تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منہ کر کے ان کو دربارِ خداوندی میں اپنا شفیع بنا کر خدا سے دعا مانگو کیونکہ رحمتِ عالم کی ذاتِ اقدس تم تو کیا تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا بھی بارگاہِ خداوندی میں وسیلہ ہیں۔''

سبحان اللہ! کس قدر ایمان افروز تعلیم آپ نے خلیفہ منصور کو دی اور اس مسئلہ کو قیامت تک کے لیے حل کر دیا کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں روضۂ انور کے مواجہہ اقدس میں دعا مانگنے کا مؤدب طریقہ یہی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منہ کر کے دعا مانگے کیونکہ اس جگہ کعبہ مکرمہ کی طرف منہ کرنے سے قبرِ انور کی طرف پشت ہو جاتی ہے۔ جس کو محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھرا ہوا دل کبھی گوارا نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ہم نے بارہا مدینہ منورہ میں قیام کر کے بچشم خود دیکھا کہ عرب وعجم حل وحرم کے تمام اکابر علماء ومشائخ قبرِ انور ہی کی طرف منہ کر کے دعائیں مانگتے ہیں ہاں البتہ منحوس نجدیوں اور ہندوستان کے چند کھوسٹ وہابیوں کو دیکھا کہ یہ لوگ خود بھی روضۂ اقدس کی طرف پیٹھ کر کے دعائیں مانگتے ہیں اور دوسروں کو بھی سوادب کا حکم دیتے ہیں۔ چنانچہ اس مسئلہ پر ایک نجدی سے بحث ہو تو وہ لاجواب ہو کر خاموش ہو گیا۔

کاش! اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کے یہ دو شعر ان کورچشموں کے لیے ذریعہ ہدایت بنیں

ذکر خدا جو ان سے جدا چاہو نجدیو
واللہ ذکر حق نہیں' کنجی سقر کی ہے
بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے
حاشا۔ غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے مروان گورنر کو ڈانٹ کر جھڑک دیا اور یہ فرمایا:
''میں مٹی اور پتھر کے پاس نہیں آیا ہوں بلکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں۔''

صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر ''ہمیشہ کے لیے اس مسئلہ پر مہر تصدیق ثبت فرمادی کہ روضۂ انور پر حاضری دینے والا یہ یقین و ایمان رکھے کہ میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا ہوں اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبرِ انور میں زندہ ہیں اور میں اور میرے سب اعمال ان کے پیشِ نظر ہیں اس لیے ہر زائر قبرِ انور کے پاس وہی ادب و احترام اور تعظیم و تکریم ملحوظ رکھے جو صحابہ کرام علیہم الرضوان بارگاہِ نبوت میں حاضر ہونے کے وقت ملحوظ رکھتے تھے کیونکہ آج بھی حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام لوازم حیات کے ساتھ اسی طرح زندہ اور اپنی اُمت کے اعمال و احوال سے باخبر ہیں کہ ہر شخص قبرِ منور کے پاس پورے یقین و اعتقاد کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہے کہ:

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
مری چشم عالم سے چھپ جانے والے

پھر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے نجدیوں کے اس عقیدے کی دھجیاں اُڑانے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی کہ مدینہ کے سفر کے وقت مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری کی نیت کرے۔ روضۂ منورہ کی حاضری کی نیت نہ کرے۔

حضرت ابوایوب انصاری نے صاف صاف فرما دیا: ''میں اینٹ اور پتھر کے پاس نہیں آیا ہوں بلکہ خاص دربارِ رسالت کی حاضری کے قصد و نیت سے یہاں آیا ہوں۔''

سبحان اللہ! صحابیٔ رسول ﷺ کی ایمان افروز والہانہ محبت کا کیا کہنا۔ خداوندِ قدوس ہر مسلمان کے قلب و دماغ میں محبتِ رسول ﷺ کا ایسا ہی آفتاب و ماہتاب روشن فرما دے جس سے جسم کا رونگٹا رونگٹا اور بدن کا بال بال نورِ ایمان کی دولت سے مالا مال ہو جائے اور قبرِ انور کے پاس حاضر ہوتے ہی دو شعر وردِ زبان ہو جائیں کہ :

اللہ اکبر! اپنے قدم اور یہ خاکِ پا
حسرتِ ملائکہ کو جہاں وضع سر کی ہے
معراج کا سماں ہے کہاں پہنچے زائرو
کرسی سے اونچی کرسی اسی پاک در کی ہے

(روحانی حکایات)

(۸۵)

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

جنگِ بدر میں جب مشرکینِ مکہ اسلام اور مسلمانوں کو تہ تیغ کرنے کے ارادے سے آگے بڑھے تو رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

قُوْمُوْا اِلٰی جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۔

''جنت کی طرف اُٹھ کھڑے ہو جس کی چوڑائی سارے آسمان اور زمین ہیں۔''

یہ سن کر حضرت عمیر بن حمام انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا (شہادت کے عوض) آسمانوں اور زمین کی چوڑائی کے برابر جنت ہے؟''

رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ہاں!'' حضرت عمیر بن حمام کہنے لگے: ''بخ بخ''

رسولِ اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا: وَمَا يُحْمِلُكَ عَلٰى قَوْلِكَ بَخٍ بَخٍ؟''

''بخ بخ کہنے پر تجھے کس بات نے اُبھارا؟''

حضرت عمیر بن حمام نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! قسم اللہ کی میں نے یہ جنت کی امید میں کہا ہے۔'' رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

فَاِنَّكَ مِنْ اَهْلِهَا ۔ ''تم جنت والوں میں سے ہو۔''

اس کے بعد حضرت عمیر بن حمام اپنے ترکش سے کھجوریں نکال کر کھانے لگے پھر شوقِ شہادت میں کہنے لگے: لَئِنْ اَنَا حَيِيْتُ حَتّٰى اٰكُلَ تَمَرَاتِىْ هٰذِهٖ اِنَّهَا لَحَيَاةٌ طَوِيْلَةٌ ۔ ''اگر میں ان کھجوروں کے کھانے تک زندہ رہوں تو یہ بڑی ہی طویل زندگی ہو جائے گی۔'' چنانچہ انہوں نے بقیہ ساری کھجوریں پھینک دیں اور آگے بڑھ کر مردانہ وار جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ (مسلم: کتاب الامارۃ / باب ثبوت الجنۃ للشہید ۱۹۰۱)

(۸۶)

عجب خیر خواہی کا نظارہ

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی (م ۲۹۷ھ) کے ماموں اور ان کے استاذ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی انسانی خیر خواہی کا ایک عجیب اور باسند واقعہ حافظ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں لکھا ہے: ''احمد بن عمر خلقانی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ عید کے روز حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ میرے ساتھ مسجد سے باہر نکلے۔ رستے میں ایک بزرگ اور جلیل القدر آدمی سے ان کی ملاقات ہوئی تو آپ نے ان سے سلام دعا کی مگر انتہائی اختصار کے ساتھ۔ سلام میں بزرگوں کے واسطے جو ''ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' وغیرہ کے الفاظ بڑھائے جاتے ہیں، وہ آپ نے نہ بڑھائے اور نہ کوئی زیادہ خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ سلام دے کر آگے گزر گئے۔ میں (احمد بن عمر) نے عرض کیا: ''حضور! کیا آپ نے اس آدمی کو پہچانا نہیں؟ یہ فلاں بزرگ اور جلیل المرتبہ آدمی ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''میں اسے اچھی طرح پہچانتا ہوں۔''

میں نے عرض کیا: ''تو آپ نے سلام میں کمی کیوں کی؟'' فرمانے لگے۔

''کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک روایت ہے کہ جب دو مسلمان آدمی باہم ملتے ہیں اور ایک دوسرے سے سلام دعا اور مصافحہ کرتے ہیں تو اللہ کی طرف سے سو رحمتیں ان پر نازل ہوتی ہیں جن میں سے نوے رحمتیں اس آدمی پر نازل ہوتی ہیں جو زیادہ خندہ پیشانی سے اور ہشاش بشاش طریقے سے پیش آتا ہے تو میں نے چاہا کہ زیادہ رحمتیں ان بزرگ کے حصے میں آجائیں۔''

(ابونعیم اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ: حلیۃ الاولیاء، ج دہم، ص ۱۲۳۔۱۲۴، طبع مصر، رسالہ قشیریہ، ص ۳۸۹)

عیسائی کے لئے دعا

شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ ایک روز اپنے مریدین کو لے کر باہر نکلے اس وقت آپ کے ساتھ چالیس آدمی تھے۔ آپ نے فرمایا:

''اے لوگو! اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو رزق پہنچانے کا کفیل ہو چکا ہے۔''

چنانچہ ارشاد ہے:

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّ یَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ ۔

''کوئی اللہ سے ڈرے تو اللہ اس کی خلاصی کی صورت پیدا کر دیتا ہے اور اس کو وہاں سے رزق پہنچاتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہو اور جو اللہ پر توکل کرے اللہ اسے کافی ہے۔''

لہٰذا تم سب اللہ پر توکل کرو اور اسی کی طرف دھیان کرو اور کسی کا خیال نہ کرو۔ یہ فرما کر انہیں وہیں چھوڑا اور آپ چل دیئے۔ تین دن تک یہ لوگ وہیں رہے لیکن ان پر کوئی بھید نہ کھلا جب چوتھا روز ہوا شیخ تشریف لائے اور فرمایا: ''اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے (روزی تلاش کرنے کو) سبب پیدا کرنا مباح کر دیا اور اس کی اجازت دے دی۔''

چنانچہ اسی کی بابت ارشاد ہے:

ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِھَا وَکُلُوْا مِنْ رِّزْقِہٖ ۔

پس چاہیے کہ تم اپنے میں سے ایک آدمی جسے سچا سمجھتے ہو اسے بھیج دو۔ امید ہے کہ وہ تمہارے لیے کچھ کھانے کے لیے لے آئے گا۔ چنانچہ انہوں نے (اس کام کے لیے) ایک کو پسند کر کے جو سب میں زیادہ غریب تھا' بھیجا وہ وہاں سے چل کر بغداد میں پہنچا اور وہاں پھرتا رہا۔ معاش کی کوئی صورت اس سے نہ بنی اور بھوک کی وجہ سے نوبت یہ ہو گئی کہ چلنے سے مجبور ہو کر ایک نصرانی ڈاکٹر کے شفاخانہ کے سامنے بیٹھ گیا اس ڈاکٹر کے پاس بہت مخلوق آتی تھی اور وہ سب کا حال خود بتا دیتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کی نگاہ اس فقیر پر پڑ

گئی اس نے پوچھا: ''تمہیں کیا تکلیف ہے؟''

اس نے اسے نصرانی سمجھ کر اپنی بھوک کی کیفیت کہنی مناسب نہ سمجھی۔ (نبض دکھانے کے لیے) اپنا ہاتھ آگے کر دیا اس نے نبض دیکھ کر کہا: ''میں نے تمہارے مرض کو بھی تشخیص کر لیا ہے اور اس کی دوا بھی سمجھ گیا ہوں۔ (تم اطمینان سے بیٹھے رہو)''

پھر اپنے غلام سے کہا: ''فوراً بازار جاؤ اور آدھا سیر روٹی اور اسی قدر ہی قیمہ اور اتنا ہی حلوا لے آؤ۔''

غلام بازار گیا اور یہ اشیاء لے آیا۔ نصرانی نے لے کر خود اس فقیر کو دی اور یہ کہہ دیا: ''میرے خیال میں تو تمہارے مرض کی بس یہی دوا ہے۔''

فقیر نے کہا: ''اگر تم اپنی طبابت میں سچے ہو تو مہربان چالیس اور آدمیوں کو یہی مرض ہے۔''

نصرانی نے غلام سے کہا: ''اچھا پھر جلدی سے بازار جاؤ اور ایسا ہی کھانا چالیس آدمیوں کا اور لے آؤ۔''

غلام لے آیا اور فقیر کو دے کر ایک قلی کو ساتھ لیا کہ جہاں یہ کہے اُن کے ساتھ لے جا۔ ادھر فقیر سے کہا: ''آپ جاؤ اور فقیر بتاتے ہیں' یہ ان کے پاس لے جائیے۔''

چنانچہ یہ فقیر اور اس کے ساتھ وہ قلی ان لوگوں کے پاس پہنچے اور ڈاکٹر بھی تھوڑے فاصلے سے ان لوگوں کے پیچھے پیچھے رہا تا کہ فقیر کے سچا ہونے کو دیکھے جب اس غار میں پہنچا جہاں اس کے ساتھی تھے تو ڈاکٹر دروازے کے باہر ایک روزن کے پیچھے کھڑا ہو گیا اس نے وہ کھانا رکھا اور سب نے شیخ شبلی کو آواز دی اور سارا کھانا ان کے سامنے رکھ دیا۔ شیخ نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا اور فرمایا: ''اے فقیرو! اس کھانے میں تو عجیب بھید ہے۔''

پھر آپ اس فقیر کی طرف متوجہ ہوئے جو کھانا لایا تھا اور فرمایا: ''اس کھانے کا پورا قصہ بیان کر کس طرح ہوا ہے؟''

اس نے سب قصہ بیان کیا: ''یا شیخ! ہم (غریب فقیر آدمی) اس کا عوض کس طرح دے سکتے ہیں؟''

فرمایا: ''کھانا کھانے سے پہلے اس کے حق میں دعا کرو۔''

وہ نصرانی یہ سب قصہ سن رہا تھا جب اس نے دیکھا کہ یہ لوگ اس قدر بھوک کے کھانا کھانے سے رُک گئے ہیں اور جو شیخ نے فرمایا تھا' وہ سن لیا تو اس وقت دستک دی۔ انہوں نے دروازہ کھول دیا اس نے اندر جا کر اپنا جنیو توڑ کر پھینک دیا اور کہا: ''اے شیخ! ہاتھ بڑھاؤ! میں مسلمان ہوتا ہوں۔''

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

پھر تو نصرانی پکا مسلمان ہو کر شیخ شبلی رضی اللہ عنہ کے مریدوں میں ہو گیا۔

(نزہۃ البساتین اردو ترجمہ روضۃ الریاحین مصنفہ امام ابی محمد عبداللہ ابن سعد یمنی یافعی ص ۱۶۰ تا ۱۶۲ ترجمہ مولانا جعفر علی صاحب نگینوی مطبوعہ سعید کمپنی' کراچی)

(۸۷)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص سے دعا کروائی

حضرت سیدنا کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل قحط سالی میں مبتلا ہو گئے اس سال بارش بالکل نہ ہوئی۔ لوگ پریشانی کے عالم میں حضرت سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ''آپ علیہ السلام ہمارے لیے بارش کی دعا فرمائیں۔''

حضرت سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''تم لوگ میرے ساتھ فلاں پہاڑ کی طرف چلو۔''

چنانچہ لوگ آپ علیہ السلام کے ساتھ چل دیئے۔ آپ علیہ السلام نے پہاڑ پر چڑھ کر ارشاد فرمایا: ''تم میں سے کوئی بھی ایسا شخص میرے ساتھ نہ رہے جس نے کبھی کوئی گناہ کیا ہو۔''

یہ سن کر آدھے سے زیادہ لوگ واپس پلٹ گئے۔ آپ علیہ السلام نے دوبارہ ارشاد فرمایا: ''جس سے کبھی کوئی گناہ سرزد ہوا ہو وہ واپس پلٹ جائے۔''

سب واپس چلے گئے۔ صرف ''برخ'' نامی شخص باقی بچا۔ جس کی ایک آنکھ ضائع ہو چکی تھی۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''کیا تم نے میری بات نہیں سنی؟''

عرض کی: ''حضور! میں آپ علیہ السلام کی بات سن چکا ہوں۔''

فرمایا: ''کیا تم سے کبھی کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا؟''

کہا: ''حضور! مجھ سے ایک فعل سرزد ہوا ہے۔ میں آپ علیہ السلام کے سامنے عرض کیے دیتا ہوں اگر وہ گناہ ہے تو میں واپس چلا جاؤں گا۔''

آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''بتاؤ! تم سے کون سا فعل سرزد ہوا ہے؟''

کہا: ''ایک مرتبہ میں ایک ایسے گھر کے قریب سے گزرا جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اچانک میری نظر گھر میں موجود ایک شخص پر پڑی' میں نہیں جانتا کہ وہ مرد تھا یا عورت۔ مجھے احساس ہوا تو میں نے اپنی آنکھ سے کہا: ''تو نے ایک غلط کام میں جلدی کی اب تو میرے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ میں نے اپنی وہ آنکھ نکال ڈالی اگر میرا دیکھنا گناہ تھا تو میں واپس چلا جاتا ہوں؟''

حضرت سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''تمہارا یہ فعل گناہ نہیں اب تم ہی اللہ تعالیٰ سے بارش طلب کرو۔''

یہ سن کر اس ''برخ'' نامی عابد نے دعا کے لیے ہاتھ بلند کر دیئے اور بارگاہِ خداوندی میں اس طرح عرض گزار ہوا:

''یا قدوس! یا قدوس! تیرے خزانوں میں کوئی کمی نہیں اگر تو کوئی چیز عطا فرما دے تو تیرے خزانوں میں کمی نہ ہو گی۔ میرے مولیٰ! تو بخل سے پاک ہے' کوئی ایسی چیز نہیں جسے تو نہ جانتا ہو۔ میرے مولیٰ! ہمیں بارانِ رحمت سے سیراب کر دے۔''

ابھی دعا ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ چھما چھم رحمت کی برسات ہونے لگی' ہر طرف جل تھل ہو گیا اور یہ دونوں حضرات بارش میں بھیگتے ہوئے واپس پلٹے۔

(عیون الحکایات)

(۸۸)

نیکی کا اجر و ثواب

بیان کرتے ہیں کہ ایک فقیر عاشورہ محرم کے دن قاضی کے پاس آیا اور اس سے کہا:
"اللہ تعالیٰ قاضی کو عزت دے، میں ایک فقیر بال بچہ دار آدمی ہوں اور تیرے پاس اس دن کو سفارشی لے کر آیا ہوں کہ تو مجھے ایک من (من دو رطل کا ہوتا ہے اور ایک رطل تقریباً آدھ سیر کا ہوتا ہے) روٹی کا دس من گوشت اور دو درہم دے تاکہ میں آج کے دن اپنے بچوں کا پیٹ بھروں اور تیرے واسطے اللہ کے نزدیک جزائے خیر ہوگی۔"
چنانچہ قاضی نے ظہر تک کا اس سے وعدہ کیا جب ظہر کا وقت آیا اور وہ فقیر اس کے پاس پھر آیا تو اس نے عصر تک کا وعدہ کیا پھر جب عصر کا وقت آیا تو وہ بے چارہ قاضی کے پاس پھر آیا اس کے بچوں کی گھر میں یہ حالت تھی کہ بھوک سے ان کے کلیجے پگھل گئے تھے۔ پس قاضی نے اس سے مغرب کا وعدہ کیا۔ چنانچہ وہ مغرب کے وقت اس کے پاس پھر گیا اس کے بعد قاضی نے اس سے کہا: "میرے پاس کوئی چیز ایسی نہیں جو میں تجھ کو دوں وہ فقیر شکستہ دل روتا ہوا اپنے بچوں سے خوف زدہ واپس آیا اور اس کو غم اور ڈر اس کا تھا کہ بچوں کو کیا جواب دوں گا۔ وہ اسی حالت میں غم و خوف میں روتا ہوا ایک نصرانی کے پاس سے گزرا اور وہ اپنے دروازہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ نصرانی نے اس کو روتا ہوا دیکھا تو اس سے کہا: "اے شخص! تیرا رونا کیسا ہے اور تو کیوں روتا ہے؟" اس نے اس کو جواب دیا: "میرا حال نہ پوچھو۔"
اس پر نصرانی نے اس سے کہا: "میں تجھ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ مجھے اپنے حال کی خبر دے۔"

چنانچہ فقیر نے قاضی کا حال اس سے بیان کیا اس کے بعد نصرانی نے اس سے کہا: ''تیرے نزدیک یہ دن کیا اور کیسا ہے؟'' پس فقیر نے اس سے کہا: ''یہ عاشورہ محرم کا دن ہے۔''

اور اس کے ساتھ فقیر نے اس دن کی کچھ برکتیں بیان کیں (یہ سن کر) نصرانی کو رحم آیا اس نے فقیر کو اس سے زیادہ دیا جو اس نے روٹی اور گوشت کی مقدار کہی تھی اور اس نے فقیر کو دو درہموں سے اوپر بیس درہم اور دیئے اور اس سے کہا: ''اس کو لو اور اس دن کی بزرگی کی وجہ سے جو اللہ نے اس کو بزرگی دی ہے' تیرے بچوں کے واسطے ہر مہینے میں مجھ پر اسی قدر لازم ہے۔''

چنانچہ وہ فقیر اپنے بچوں کے واسطے ان چیزوں کو شاداں و فرحاں لے گیا جب اس کے بچوں نے اس کو دیکھا تو بہت ہی خوش ہوئے پھر انہوں نے اپنی بلند آوازوں سے ندا دی اور دعا کی: ''اے ہمارے معبود! جس نے ہم کو خوش کیا ہے تو اس کو جلد سے جلد اپنی خوشی ظاہر کر کے خوش کر۔''

پس جب رات ہوئی اور قاضی سویا تو اس نے منادی غیب کی آواز سنی کہ اس سے کہتا ہے: ''اپنا سر اُٹھا۔''

چنانچہ اس نے سر اُٹھایا۔ ناگاہ کیا دیکھتا ہے کہ دو محل ایسے ہیں جو ایک اینٹ سونے اور ایک اینٹ چاندی سے بنے ہوئے ہیں۔ قاضی نے کہا: ''اے میرے اللہ یہ دونوں محل کس کے واسطے ہیں؟''

اس کو جواب دیا گیا: ''بلاشک یہ دونوں تیرے لیے تھے بشرطیکہ تو نے فقیر کی حاجت پوری کی ہوتی۔ جب تو نے اس کو ناکام واپس کر دیا تو اب یہ فلاں نصرانی کے لیے ہو گئے۔''

اس کے بعد قاضی ڈرتا ہوا اور ہائے خرابی اور ہلاکت کہتا ہوا خواب سے بیدار ہوا اور اس نصرانی کی طرف چلا اس سے کہا: ''تو نے شب گزشتہ کونسی نیکی کی ہے؟''

نصرانی نے اس سے کہا: ''تیرا یہ سوال کیوں ہے؟''

چنانچہ قاضی نے جو خواب میں دیکھا تھا اس سے بیان کیا پھر نصرانی سے کہا:

''جو نیکی تم نے کل کی رات میں فقیر کے ساتھ کی ہے اس کو میرے ہاتھ ہزار درہم پر بیچ دو۔''

نصرانی نے اس سے کہا: ''میں زمین بھر سونے کے عوض بھی اس کو نہ بیچوں گا لیکن اے قاضی تم کو اس پر گواہ بناتا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوائی کوئی معبود برحق نہیں ہے اور محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''

پس اللہ تعالیٰ نے نیکی اور زیادتی (حسنیٰ وزیادہ) کے ساتھ اس کا خاتمہ کیا اور اس کو کلمہ شہادت پر موت دی۔ اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو سیراب کرے اور اس کا مقام جنت میں بنائے۔

(انوار محبوبی ترجمہ نوادر قلیوبی)

(۸۹)

امام اعمش اور ابن طاؤس

بنو اُمیہ کے بادشاہ ہشام بن عبدالملک نے اپنے ایک معتمد خاص کے ساتھ ایک شاہی فرمان امام الحدیث حضرت اعمش کے پاس اس مضمون کے ساتھ بھیجا: ''آپ حضرت امیر المومنین جناب عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خوبیاں اور حضرت امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ کی بُرائیاں لکھ کر میرے پاس روانہ کیجیے۔''

امام اعمش نے سلطان کا خط پڑھ کر ایک بکری کے منہ میں دے دیا جب بکری خط کو چبا چکی تو آپ نے شاہی قاصد سے فرمایا: ''بادشاہ سے کہہ دینا کہ یہی اس کے شاہی فرمان کا جواب ہے۔''

سلطانی قاصد گڑگڑا کر کہنے لگا: ''حضرت! ہمیں تو آپ سے تحریری جواب لانے کا حکم ہے اگر ہم خالی ہاتھ لوٹے تو ہماری جان کی خیر نہیں۔''

قاصد کی گریہ زاری اور بے قراری دیکھ کر آپ کو رحم آ گیا تو آپ نے یہ خط تحریر فرما کر قاصد کے حوالے کر دیا۔

''اے امیر المومنین! اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں تمام دنیا بھر کی خوبیاں تھیں تو تجھ کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ میں جہاں بھر کی خوبیاں تھیں تو اس سے تجھ کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا لہٰذا تو خاص اپنے نفس کی خبر لے اور اپنے اچھے بُرے عمل کی فکر کر۔'' والسلام (ابن خلکان ج ۱ ص ۲۱۳)

☆......خلیفۂ بغداد ابو جعفر منصور نے مشہور امام الحدیث عبداللہ بن طاؤس کو دربارِ

شاہی میں بلایا اس وقت دربار میں چند جلاد ننگی تلواریں لیے کھڑے تھے جو بادشاہ کے حکم سے لوگوں کا سر اُڑا دیتے تھے۔ خلیفہ نے عبداللہ بن طاؤس سے فرمائش کی کہ آپ اپنے والد کی سند سے کوئی حدیث سنایئے۔ اس فرمائش سے عبداللہ بن طاؤس کو گویا ایک بہترین موقع ہاتھ لگا کہ خلیفہ کو اس کی بے اعتدالیوں پر کچھ تنبیہ فرمائیں۔ چنانچہ انہوں نے اس وقت منتخب کر کے یہ حدیث سنائی:

اَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ رَجُلٌ اَشْرَکَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْ سُلْطَانِهٖ فَاَدْخَلَ عَلَیْهِ الْجَوْرَ ۔

”قیامت کے دن سب سے بڑھ کر اس شخص کو عذاب ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ اپنی سلطنت میں سے ایک حصہ عطا فرمائے پھر وہ ظلم کرے۔“

خلیفہ منصور جیسے ظالم وسفاک بادشاہ کے سامنے جلادوں کی موجودگی میں عبداللہ بن طاؤس کی یہ مجاہدانہ جراٴتِ ایمانی دیکھ کر پورا دربار دہل گیا اس وقت حضرت امام مالک بھی دربار میں موجود تھے، ان کا بیان ہے: ”مجھے عبداللہ بن طاؤس کے قتل کا پورا پورا یقین ہو گیا۔ چنانچہ میں نے اپنے دامن کو سمیٹ لیا کہ کہیں ان پر خون کے قطرات نہ پڑ جائیں۔ منصور تھوڑی دیر خاموش رہا اور دربار میں سناٹا چھا گیا مگر اس خوف ناک وقت میں بھی عبداللہ بن طاؤس کی پیشانی پر کوئی بل نہیں آیا اور وہ سکون واطمینان کا پہاڑ بنے بیٹھے رہے پھر منصور نے عبداللہ بن طاؤس کو حکم دیا کہ آپ ذرا دوات اُٹھا کر مجھے دیجیے تو آپ نے نہایت بے رُخی کے ساتھ انکار فرما دیا اور ارشاد فرمایا: ”مجھے ڈر ہے کہ تم اس دوات سے کوئی گناہ کی تحریر لکھو گے تو میں بھی تمہارے اس گناہ میں شامل ہو جاؤں گا۔“

یہ سن کر منصور مارے غصے کے سرخ ہو گیا پھر قہر آلود نگاہوں سے عبداللہ بن طاؤس اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف دیکھ کر بولا: قُوْمَا عَنِّیْ۔

”تم دونوں میرے پاس سے اُٹھ جاؤ۔“

عبداللہ بن طاؤس بادشاہ کے قہر وغضب سے ذرا بھی مرعوب نہیں ہوئے اور نہایت اطمینان کے ساتھ فرمایا: ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۔

یہی تو ہماری عین مراد ہے اور اُٹھ کر چل دیئے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس دن سے میں عبداللہ بن طاؤس کے فضل وکمال کو مان گیا۔ (مستطرف ج ا ص ۷۹)

مذکورہ بالا حکایات میں خواجہ حسن بصری، امام اعمش، امام عبداللہ بن طاؤس کا گورنروں اور بادشاہوں کے مقابلے میں یہ مجاہدانہ اعلانِ حق اور انتہائی بے خوفی کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنا دورِ حاضر کے مصلحت اندیش اور مال داروں کی چاپلوسی کرنے والے مولویوں کے لیے تازیانۂ عبرت ہے۔ غور فرمایئے کہ ان حق گو، حق شناس اور حق پرست علماء سلف نے ظالم بادشاہوں کے مقابلہ میں اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر جس طرح حق کا بول بالا کیا ہے یہ جوشِ ایمانی اور جذبۂ ایمانی کی فراوانی یہ سرفروشانہ استقامت واستقلال اس حقیقت کی نشانی نہیں ہے کہ علمائے حق ملتِ اسلامیہ کی عمارت کے ستون اور حریتِ اسلام کی سلطنت کے تاج دار تھے۔ خدا شاہد ہے کہ ان علمائے حق کا ہی کارنامہ ہے کہ آج تک بڑے بڑے ظلم وعدوان اور ضلالت وطغیان کے طوفان میں بھی ملتِ اسلامیہ کا جہاز غرقاب ہونے سے بچا رہا اور لامذہبیت اور بے دینی کی بڑی سے بڑی خوف ناک آندھیوں میں بھی نورِ اسلام کا چراغ روشن ہی رہا۔ خداوندِ قدوس ان علمائے حق اور مردانِ احرار کی مقدس قبروں کو گلزار بنائے کہ ان باخدا بزرگوں نے حریتِ اسلام کا جو شاہکار پیش کر دیا، قیامت تک کی گردشِ لیل ونہار بھی اس کے نقش ونگار کو نہیں مٹا سکتی۔ سبحان اللہ سچ ہے

وہی ہے بندۂ حر جس کی ضرب ہے کاری
نہ وہ کہ حرب ہے جس کی تمام عیاری
زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے
انہیں کی خاک میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری

(روحانی حکایات)

(۹۰)

کار بد تو خود کرے، لعنت کرے شیطان پر

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جو ۵۸۳ء میں مکہ میں پیدا ہوئے اور ۶۴۴ء میں مدینہ منورہ میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔ آپ کی کنیت ابوحفص تھی۔ جرأت و بے باکی کا مجسمہ تھے، سچی بات علی الاعلان کہہ دیتے تھے۔ آپ ساڑھے دس سال منصبِ خلافت پر مامور رہے۔ اسلام کی تبلیغ و اشاعت آپ کے عہد کا زریں کارنامہ ہے۔ آپ اسلام کے اتنے بڑے جرنیل تھے کہ آپ نے اپنے عہد کی دو عظیم سلطنتوں ایران اور روم کو شکستِ فاش دے کر اسلام کا پرچم دُور دُور تک لہرا دیا۔ آپ کی صفات و حسنات بے پایاں ہیں۔ ان کے تذکرے کے لیے ایک ضخیم کتاب بھی ناکافی ہے۔ اعمال بدل جانے سے نتائج بھی بدل جاتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایمان اور حسنِ عمل کی جس معراج پر تھے اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ساری دنیا کی باطل قوتیں ان کے آگے سرنگوں ہوگئیں۔ آج ہم اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنتوں کو چھوڑ کر ذلت و ہلاکت کی جس انتہا کو پہنچ گئے ہیں، وہ سراسر ہمارے کرتوتوں کا نتیجہ ہے اس میں کسی دوسرے کا کیا قصور؟

یوں ہنسی آتی ہے مجھ کو حضرتِ انسان پر
کارِ بد تو خود کرے لعنت کرے شیطان پر

پیا ہے دودھ جن لوگوں نے غیرت والی ماؤں کا

ایک رات امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے خادم کے ساتھ گشت کے

لیے نکلے' وہ مدینے کی گلیوں میں لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے گھومتے پھرتے رہے۔ چلتے چلتے انہیں تھکاوٹ محسوس ہوئی' وہ ایک گھر کی دیوار سے ٹیک لگا کر آرام کی غرض سے کھڑے ہوگئے' اتنے میں صبح بھی روشن ہوگئی۔

اس گھر کے اندر سے ایک بوڑھی عورت کی آواز آرہی تھی' وہ اپنی بیٹی کو دودھ میں پانی ملانے کا حکم دے رہی تھی لیکن لڑکی ماں کے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی: ''امیر المومنین نے دودھ میں پانی ملانے سے منع کیا ہوا ہے اور بذریعہ منادی اس کا اعلان بھی کرادیا ہے۔''

ماں نے بیٹی سے کہا: ''کیا اس وقت عمر تمہیں دیکھ رہا ہے جو تم اس سے ڈر رہی ہو؟''

لڑکی نے جواب دیا: وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ عُمَرُ یَرَانَا فَاِنَّ رَبَّ عُمَرَ یَرَانَا ۔

''اگر عمر ہمیں نہیں دیکھ رہا تو کیا ہوا عمر کا رب تو یقیناً ہمیں دیکھ رہا ہے۔''

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس نوجوان لڑکی کی دین داری اور امانت داری سے بہت مسرور اور متاثر ہوئے۔ غلام سے فرمایا: ''اس گھر کو نظر میں رکھو۔''

دن چڑھے اس لڑکی کے بارے میں پوچھا۔ لوگوں نے بتایا: ''وہ سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ کی بیٹی اُم عمارہ ہے۔''

جب یہ معلوم ہوا کہ وہ ابھی کنواری ہے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام بیٹوں کو بلوایا اور پوچھا: ''تم میں سے کون اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے؟''

ان کے بیٹے عاصم کہنے لگے: ''میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

فاروقی رنگ وجلوہ

چنانچہ ان کے لیے امیر المومنین نے اس لڑکی کا رشتہ مانگ لیا اور عاصم کی شادی اس نیک بخت لڑکی سے ہوگئی۔ عاصم کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی اس کا نام اُم عاصم رکھا گیا۔ یہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پوتی تھیں جب سنِ بلوغت کو پہنچیں تو ان کی شادی مروان بن حکم کے بیٹے عبدالعزیز سے ہوئی اب اُم عاصم کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا اس کا نام انہوں نے اپنے دادا کے نام پر عمر رکھا۔ یہی وہی عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو خلیفۃ المسلمین بنے جنہیں پانچواں

خلیفہ راشد بھی کہا جاتا ہے کیونکہ ان کے دور میں اسلام کا شباب لوٹ آیا تھا۔ یہ ثمرہ تھا ایک نیک اور متقی لڑکی کی خدا خوفی کا۔

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے عہد (۹۹ھ تا ۱۰۱ھ) میں بنواُمیہ نے اپنی ناجائز جائے دادیں ضبط ہونے سے بچانے کے لیے ان کی پھوپھی فاطمہ بنت مروان کو سفارشی بنا کر ان کے پاس بھیجا۔ انہوں نے پھوپھی کو سمجھا بجھا کر واپس کر دیا۔ فاطمہ نے واپس آ کر بنواُمیہ سے کہا: ''تم نے فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی پوتی سے رشتہ کیا تھا لہٰذا وہی فاروقی رنگ ان کی اولاد میں بھی موجود ہے۔''

(یہ واقعہ تاریخ کی متعدد کتابوں میں مذکور و معروف ہے دیکھیے تاریخ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تالیف: علامہ ابن جوزی ۱۰۴)

الکلمۃ الطیبۃ صدقۃ

(۹۱)

دِلوں کے جاسوس

حضرت ابو جعفر غلدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ خلوت میں درگاہِ الٰہی میں مناجات کر رہے تھے۔ میں جا کر آپ کی مناجات ایسے طور پر سننے لگا کہ آپ کو معلوم نہ ہو۔ آپ نہایت اضطراب میں کہہ رہے تھے:

"بارِ خدایا! اہلِ دوزخ کو تو عذاب دے گا اور وہ سب تیرے علم اور قدرت اور ارادہ سے تیرے ہی پیدا کیے ہوئے ہیں اور اگر دوزخ کو تو آدمیوں سے بھرنا ہی چاہتا ہے تو تو اس بات پر قادر ہے کہ اس دوزخ اور اس کے تمام طبقات کو مجھ سے بھر دے اور ان کو بہشت میں بھیج دے۔" ابو جعفر فرماتے ہیں:

"میں آپ کے معاملہ میں متحیر ہو گیا' کچھ دنوں بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی آنے والا آ کر کہتا ہے کہ خداوند نے فرمایا ہے کہ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ سے کہہ دو کہ ہم نے تمہیں اس شفقت اور تعظیم کی وجہ سے بخش دیا ہے جو تمہیں ہم سے اور ہمارے بندوں سے ہے اور آپ کو نوری اس لیے کہتے ہیں کہ تاریک مکان میں جب آپ کلام کرتے تو آپ کے نورِ باطن کی وجہ سے مکان روشن ہو جاتا اور دوسرا یہ کہ نورِ حق تعالیٰ سے آپ اپنے مریدوں کے اسرار معلوم کر لیتے تھے یہاں تک کہ حضرت جنید نے فرمایا کہ ابوالحسن دلوں کے جاسوس ہیں۔ یہ آپ کے مذہب کی بڑی خصوصیت ہے۔" (کشف المحجوب (ترجمہ) ص ۲۹۶)

☆...... حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ کا حال لکھا ہے جو بغداد میں تھے' ان کو خواجہ محمد منکدر کہتے تھے' دُکان بزازی کی کیا کرتے' موسمِ سرما میں لبادے

(پوشاکیں) بنوا کر بیچتے جب دُکان سے کہیں کام کو جاتے تو غلام کو بٹھا جاتے اور تاکید کر جاتے کہ خبردار! یہ لبادہ دو دینار کو دینا اور یہ تین دینار کو اس میں کمی بیشی نہ کرنا۔ ایک دن ایک اعرابی (بدو) آیا اور غلام سے پوچھا: ''فلاں لبادہ کس قیمت کو دے گا؟''

وہ لبادہ دو دینار کی قیمت کا تھا۔ غلام نے کہا: ''تین دینار کا۔''

اعرابی کو سستا معلوم ہوا۔ تین دینار دے کر خرید لیا۔ راہ میں اسے محمد منکدر رملے اپنا لبادہ پہچان کر اس سے پوچھا: ''شیخ یہ لبادہ کتنے کو لیا ہے؟''

اس نے کہا: ''تین دینار میں۔''

محمد منکدر رنے کہا: ''اس قسم کے لبادے دو دینار کو آتے ہیں۔ دُکان دار نے ایک دینار تجھ سے زیادہ لیا ہے۔ لوٹ آؤ اور لبادہ پھیر دو اور یہ ظاہر نہ کیا کہ یہ لبادہ میری دُکان کا ہے۔''

اعرابی نازک مزاج ہوا کرتے ہیں۔ سمجھا اس نے یہ پسند کر لیا ہے اور سستا جان کر واپس کرواتا ہے تاکہ خود خرید لے۔ غصہ میں آ کر کہا: ''خواجہ یہ لبادہ ہمارے ملک میں دس بارہ دینار کا ہے تو براہِ فریب مجھ سے پھروا کر خود خریدنا چاہتا ہے۔''

حضرت منکدر رنے جب دیکھا کہ اس کے دل میں شک پیدا ہوا ہے اس لیے غصے میں آ گیا ہے تو کہا: ''شیخ ناراض نہ ہو یہ لبادہ میری دُکان کا ہے۔ میں غلام سے کہہ آیا تھا کہ اس قسم کا لبادہ دو دینار کو دینا اس نے تم سے تین دینار لے لیے ہیں۔ میرے ہمراہ چلو ایک دینار تم کو پھیر دوں گا یا اس سے عمدہ لبادہ تین دینار والا تم کو دوں گا۔''

اعرابی یہ سن کر ہمراہ آیا۔ حضرت منکدر رنے ایک دینار اس کو دُکان سے واپس دِلوایا۔ اعرابی نے وہاں سے لوٹ کر لوگوں سے پوچھا: ''یہ دُکان دار کون ہے' نہایت امین دیانت دار معلوم ہوتا ہے۔'' انہوں نے کہا: ''ان کو شیخ محمد منکدر رکہتے ہیں۔''

اعرابی نے تعجب سے کہا: ''شیخ محمد منکدر ریہی ہیں' ہم تو اپنے وطن میں بڑے سخت حوادث میں ان کے نام کو اپنا شفیع کرتے ہیں۔ ان کے نام کی برکت سے سب مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ ہم جانتے تھے محمد منکدر رکوئی بڑا شیخ ہے' خانقاہ میں رہتا ہوگا۔ یہ نہ معلوم تھا کہ وہ

یوں زمرہ تاجروں میں ہوں گے۔"

(کیمیائے سعادت ص ۲۸۲' خیر المجالس ملفوظات حضرت خواجہ نصیر الدین محمد چراغ' ص ۸۸)

گالیاں دیتا ہے کوئی تو دعا دیتے ہیں

ایک روز حضرت معروف کرخی بازار سے گزر رہے تھے کہ شراب خوروں کی ایک جماعت سے ان کا آمنا سامنا ہو گیا۔ یہ شیخ سے گستاخانہ پیش آئے۔ آپ کے ہمراہیوں نے ان کے حق میں بددعا کی درخواست کی تاکہ یہ بداعمال اپنے کیے کی سزا پائیں۔ شیخ نے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھا دیئے۔ لوگ منتظر تھے کہ شیخ کے ان شرابیوں کے خلاف بددعا کرنے کی دیر ہے' ان شرابیوں کو سزا مل کر رہے گی کیونکہ شیخ مستجاب الدعوات تھے۔ اللہ اپنے بندوں کی دعا کو رد نہیں فرمایا کرتا مگر شیخ نے جب دعا مانگنا شروع کی تو لوگ حیران رہ گئے۔ شیخ نے پوری توجہ اور خلوص دل سے گڑگڑا کر بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا: "یا الٰہی! جس طرح تو نے اس گروہ کو دنیا میں خوش کیا ہے اسی طرح آخرت میں بھی انہیں خوش حال رکھ۔"

دعا قبول ہوئی' شراب خوروں نے شراب کے مٹکے توڑ دیئے' لرزتے کانپتے اور گرتے پڑتے خدمت شیخ میں تائب ہوئے اور اپنے کیے پر معذرت چاہی۔ اس پر شیخ نے اپنے دوستوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: "تم نے دیکھا جہاں میری دُعائے خیر سے ہم سب ان کے رنج و آزار سے آزاد ہو گئے وہاں یہ شراب خوری کی آفت سے نجات پا گئے۔ گویا دونوں فریق اپنی مراد پا گئے۔"

(ترجمہ رسالہ قشیریہ' ص ۲۱۳' مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی' اردو ترجمہ خزینۃ الاصفیاء مرتبہ مفتی غلام سرور لاہوری' ج اوّل ص ۱۲۹۔۱۲۸' طبع مکتبہ المعارف گنج بخش روڈ لاہور)

بجائے بددعا کے دُعا

ایک روز حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمہ اپنے رفیقوں کے ساتھ کشتی میں بیٹھے ہوئے تھے' اتفاق سے سامنے سے ایک دوسری کشتی آ رہی تھی جس میں" مر کے کھیل کود والے لوگوں کا گروہ بیٹھا ہوا تھا اور حسب معمول شرارتیں اور شور و غل کر رہے۔ تھے۔ آپ کے

مریدوں کو ان سے بہت نفرت ہوئی اور کہنے لگے: ''اے شیخ! دعا کیجیے کہ ان سب کو اللہ تعالیٰ غرق کرے تا کہ ان کی نحوست لوگوں سے دُور ہو جائے۔''

تو حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۴۵ھ) نے اُٹھ کر ہاتھ کھڑے کیے اور دعا کی: ''بارِ خدایا! جیسا کہ اس جماعت کو تو نے اس جہان میں اچھی زندگی عطا فرمائی ہے ان کو اس جہان میں بھی اچھی زندگی مرحمت فرما۔''

مرید آپ کے اس کلام کو سن کر بڑے متعجب ہوئے جب وہ کشتی ذرا اور نزدیک آئی اور ان لوگوں کی نظر حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ پر پڑی تو وہ رونے لگے اور ساز سب توڑ ڈالے اور توبہ کر کے خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔ آپ نے اپنے مریدوں سے فرمایا: ''آخرت کی اچھی زندگی دنیا کی توبہ ہے تم نے دیکھ لیا کہ سب کو مراد حاصل ہو گئی' تم اور ان سب لوگوں نے اپنی مراد پالی اور کسی کو کوئی رنج نہ پہنچا اور کلام اس پیر حقانی کا نہایت شفقت پر دلالت کرتا ہے اور اس میں آپ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتداء کیا ہے کہ جس قدر کفار حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم و ستم کی زیادتی کرتے آپ رنجیدہ اور خفا نہ ہوتے بلکہ فرماتے:

اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔

''اے اللہ! میری قوم کو ہدایت فرما کیونکہ وہ مجھے نہیں جانتے۔''

(کشف المحجوب (ترجمہ) ۱۶۴' مطبوعہ فیروز سنز)

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست

دین صرف نماز' روزے' نوافل اور تسبیحات کا نام نہیں بلکہ خلقِ خدا کی سراسر اور مقدور بھر خیر خواہی کا نام ہے۔ نبی پاک علیہ التحیۃ والثناء کا معروف ارشاد ہے:

اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ ''دین خیر خواہی کا نام ہے۔''

صوفیائے کرام نے اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ اپنی زندگی کا معمول بنائے رکھا اور خیر خواہی کے کمال نمونے چھوڑے۔ حضرت بکر بن عبداللہ المزنی رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر کی چھت کا پرنالہ کسی راہگذر پر گرنے کے خیال سے رستے کو چھوڑ کر اپنے گھر کے اندر رکھے۔ ایک مرتبہ آپ کی ایک بلی مر گئی تو آپ نے اسے گھر کے صحن میں ہی دفن کر دیا اور باہر نہ پھینکا تا کہ

لوگوں کو اس کی بدبو سے تکلیف نہ پہنچے۔

(اخلاق صالحین ترجمہ تنبیہ المغترین' از عبدالوہاب الشعرانی' ص ۲۲۵ مطبوعہ لاہور)

☆...... حضرت یونس بن عبید رحمۃ اللہ علیہ چادریں اور اوڑھنیاں فروخت کیا کرتے تھے لیکن جب کبھی آسمان پر بادل ہوتے تو ان کو فروخت نہ کرتے اور نہ بازار لے کر جاتے تھے۔ کسی نے ایسا کرنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا: "ابر کے دن خریدار کو اکثر معیوب اشیاء صاف نظر نہیں آتیں اور اس طرح گاہک دھوکہ کھا جاتا ہے اور کسی گاہک کو دھوکہ دینا ہمارے دین میں جائز نہیں۔ اپنا نقصان برداشت کر لینا تو گوارا ہے لیکن کسی دوسرے آدمی کا خسارہ کسی قیمت پر منظور نہیں۔ دنیوی مال و دولت کا خسارہ کوئی خسارہ نہیں۔ مال آنی جانی چیز اور ڈھلتی چھاؤں ہے' آج ہے تو کل نہیں ہوگی اصل نقصان تو دین کا نقصان اور آخرت کا نقصان ہے۔ اخروی نقصان نہیں ہونا چاہیے' دنیا کے نقصان کی خیر ہے۔ آج لوگوں کو آخرت کی فکر کی بجائے دنیا کی فکر ہے۔ عاقبت سنوارنے کی بجائے دنیا سنوارنے میں اپنی تمام صلاحیتوں کو کھپا رہے ہیں۔ انسان کی آنکھوں پر عام طور پر غفلت کی پٹی پڑی رہتی ہے۔ یہ غفلت کی پٹی اس وقت کھلے گی جب انسان اس دنیا سے رختِ سفر باندھے گا۔ مال و دولت اور عزیز و اقارب میں سے کوئی بھی اس کے ساتھ قبر میں نہیں جائے گا۔ قبر کے اندھیرے اور وحشت و تنہائی کو صرف اعمال صالحہ ہی دُور کریں گے۔"

تربت میں کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا
شمعیں بھی جلاؤ تو اُجالا نہیں ہوتا

(اخلاق صالحین ترجمہ تنبیہ المغترین' ص ۲۲۶)

☆...... دو درویش طویل سفر کے بعد جب جب حضرت عبداللہ خفیف علیہ الرحمہ کے یہاں حاضر ہوئے تو معلوم ہوا کہ آپ شاہی دربار میں ہیں۔ یہ سن کر ان لوگوں نے سوچا کہ یہ کس قسم کے بزرگ ہیں جو دربار شاہی میں حاضری دیتے ہیں۔ یہ سوچ کر دونوں بازار کی جانب نکل گئے اور اپنے خرقہ کی جیب سلوانے کے لیے درزی کی دُکان پر پہنچے اسی دوران درزی کی قینچی گم ہوگئی اور اس نے ان دونوں کو چوری کے شبہ میں پولیس کے حوالے کر دیا اور

جب پولیس ان دونوں کو لے کر شاہی دربار میں پہنچی تو حضرت عبداللہ خفیف نے بادشاہ سے سفارش کرتے ہوئے فرمایا: ''یہ دونوں چور نہیں ہیں لہٰذا ان کو چھوڑ دیا جائے۔''

چنانچہ آپ کی سفارش پر ان دونوں کو رہا کر دیا گیا اس کے بعد آپ نے ان دونوں سے فرمایا: ''میں دربارِ شاہی میں صرف اس غرض کے لیے موجود رہتا ہوں۔

یہ سن کر وہ دونوں معذرت خواہی کے بعد آپ کے ارادت مندوں میں داخل ہو گئے اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خدا کے مقبول بندوں سے بے اعتقادی بھی وجہ مصیبت بن سکتی ہے۔ (شیخ عطار' تذکرۃ الاولیاء (اردو) ص ۲۵۰)

مظلوم کی مدد کرنا عبادت ہے

عوام کی خدمت' ان کی دردمندی' عوام کی تکالیف کو محسوس کرنا اور خود تکلیف اُٹھا کر ان کے درد دُکھ کو دُور کرنا' انسانی قلوب کو ایک رشتہ اُلفت میں پرونا' تصوف کی تعلیم کا اصل مقصد اور منشا ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کی زندگی میں ہمیں یہ کردار نمایاں نظر آتا ہے۔ ایک مرتبہ سرکاری کارندوں نے ایک کسان کے کھیت ضبط کر لیے اس نے آ کر آپ سے عرض کیا کہ دہلی کے حاکم نے میرے کھیت ضبط کر لیے ہیں اب وہ کہتا ہے کہ شاہ التمش کے فرمان کے بغیر یہ کھیت تم کو واپس نہیں مل سکتے اگر آپ شاہ التمش سے میرے کھیتوں کی بحالی کی سفارش فرمائیں تو میری اراضی مجھے واپس مل سکتی ہے۔ ارشاد فرمایا: ''میں تمہارے اس کام کے لیے خود تمہارے ساتھ دہلی جاؤں گا۔''

چنانچہ آپ اس مظلوم کسان کے ساتھ دہلی تشریف لائے۔ سلطان التمش کو خبر ہوئی تو وہ خود حاضرِ خدمت ہوا اور قدم بوسی کی سعادت حاصل کرنے کے بعد تشریف آوری کی وجہ دریافت کی۔ آپ نے کسان کا سارا واقعہ بیان کر کے اس کی سفارش فرمائی۔ سلطان شمس الدین التمش نے عرض کیا: ''آپ نے اس کام کے لیے اتنی زحمت فرمائی اگر آپ اپنے کسی ادنیٰ خادم سے کہلا بھیجتے تو مجھے تعمیل میں کیا عذر ہو سکتا تھا؟''

فرمایا: ''مظلوموں کی امداد بھی عبادت میں داخل ہے اس لیے میں خود ہی اس کام کو

انجام دینے کے لیے چلا آیا۔"

(کتاب اقبال کے محبوب صوفیاء ص ۱۳۰۔۱۳۱)

☆...... سلطان غیاث الدین حضرت خواجہ فرید الدین سے معتقدانہ تعلق رکھتا تھا' دہلی کی سلطنت کا حصول بھی حضرت کی دعا اور محبت کا نتیجہ سمجھتا تھا اور خدام کی خدمت کو اپنی سعادت تصور کرتا تھا۔ حضرت خواجہ نے ایک مرتبہ ایک شخص کے اصرار پر سلطان کو ایک سفارشی رقعہ لکھا جو سفارش و بے نیازی کا عجب مجموعہ ہے۔ فرماتے ہیں:

"میں اس شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بعد آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں اگر آپ اس کو کچھ دیں گے تو حقیقی عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہوگا اور آپ مشکور ہوں گے اور اگر آپ نہ دیں گے تو اس کا مانع اللہ تعالیٰ ہوگا اور آپ معذور ہوں گے۔"

(بحوالہ اخبار الاخیار' تاریخ دعوت وعزیمت حصہ سوم' ص ۴۱)

ورحمتی وسعت کل شیء

۱۴۲۰

(۹۲)

کوئی نہیں بھروسہ اے بھائی زندگی کا

حضرت سیدنا عمر بن واصل رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے' ایک مرتبہ حضرت سیدنا سہل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا: ''اے ابومحمد! لوگ کہتے ہیں کہ دنیا میں ایسے عظیم بزرگ بھی ہیں جن کی صبح ''بصرہ'' میں ہوتی ہے اور شام مکہ مکرمہ زادھا اللہ شرفاً وتعظیما میں۔ کیا واقعی ایسا ہے؟''

فرمایا: ''ہاں! اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے بندے بھی ہیں جو پہلو کے بل لیٹے ہوتے ہیں اور کروٹ بدلتے ہیں تو جہاں چاہتے ہیں' پہنچ جاتے ہیں۔''

پھر کچھ دیر خاموش رہے اور فرمایا: ''کیا ہم دیکھتے نہیں کہ بادشاہ اپنے وزیروں اور مشیروں میں سے جسے زیادہ فرماں بردار' بہادر اور اچھی نیت والا دیکھتے ہیں اسے اپنے خزانوں کی چابیاں دے دیتے ہیں اور اجازت دے دیتے ہیں کہ امورِ مملکت میں جو چاہے کرو' تم بااختیار ہو۔''

اسی طرح بندہ جب اپنے پاک پروردگار کی اطاعت وفرماں برداری کرتا رہتا ہے جن کاموں کا حکم دیا گیا انہیں بجالاتا ہے جن سے منع کیا گیا ان سے باز رہتا ہے اور ہر اس کام کو بخوشی کرتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہو تو اللہ تعالیٰ اسے اپنا مقرب بنالیتا ہے۔

اے لوگو! بے شک تم غفلت کا شکار ہو۔ ارے! یہ دنیا تم سے رخصت ہونے والی اور تم اس سے کوچ کرنے والے ہو جلدی کرو' غفلت کی نیند سے بیدار ہو جاؤ۔ بے شک معاملہ (آخرت) بہت قریب ہے جو کچھ کرنا ہے' جلدی جلدی کرلو۔

کوچ' ہاں! اے بے خبر ہونے کو ہے
کب تلک غفلت ؟ سحر ہونے کو ہے

کچھ نیکیاں کما لے جلد آخرت بنا لے
کوئی نہیں بھروسہ اے بھائی زندگی کا

☆...... حضرت سیدنا ابوبکر کتانی اور مشائخ کرام رحمہم اللہ علیہم اجمعین کے ایک گروہ سے منقول ہے: ''حضرت سیدنا جعفر دینوری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بھائی ملکِ شام میں رہتا تھا۔ وہ کسی بھی بستی یا شہر میں ایک دن یا ایک رات سے زیادہ نہ ٹھہرتا۔ ایک مرتبہ وہ ایک گاؤں میں گیا تو بیمار ہو گیا۔ سات دن بیمار رہا' نہ تو گاؤں والوں میں سے کوئی اس کی بیمار پرسی کے لیے آیا نہ ہی کھانے پینے کا پوچھا۔ آٹھویں رات بھوک و پیاس کی شدت میں اس کا انتقال ہو گیا۔ صبح گاؤں والوں نے اسے مردہ پایا تو غسل دے کر خوشبو لگائی' کفن پہنایا اور نمازِ جنازہ ادا کرنے چل پڑے۔ اتنے میں آس پاس کی بستیوں کے لوگ جوق در جوق وہاں پہنچ گئے اور کہنے لگے: ''ہم نے آج ایک غیبی آواز سنی' کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا:

''تم میں سے جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ولی کے جنازہ میں حاضر ہونا چاہے وہ فلاں بستی میں چلا جائے۔'' بس وہی آواز سن کر ہم یہاں آئے ہیں۔

پھر سب نے نمازِ جنازہ ادا کی اور اس ولی کو دفنا کر اپنے اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔

صبح کی نماز کے بعد لوگوں نے مسجد کی محراب میں ایک کفن دیکھا اور ساتھ ہی ایک پرچہ تھا جس پر یہ لکھا ہوا تھا: ''تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کا ایک ولی سات دن تک بھوکا پیاسا اور بیمار پڑا رہا مگر تم نے اس کا حال تک نہ پوچھا نہ اس کی بیمار پُرسی کی نہ ہی کھانا وغیرہ کھلایا۔ ہمیں تمہارے کفن کی کوئی حاجت نہیں' تمہارا کفن تمہیں واپس کیا جا رہا ہے۔''

لوگوں نے یہ رقعہ پڑھا تو بہت شرمندہ ہوئے پھر اپنے علاقے میں ایک عمدہ مکان بنا کر مہمانوں اور مسافروں کے لیے خاص کر دیا اور مہمانوں اور مسافروں کی خوب خاطر مدارات کرنے لگے۔'' (عیون الحکایات)

کچھ نیکیاں کما لے جلد آخرت بنا لے

حضرت سیدنا احمد بن محمد بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے' میں نے حضرت سیدنا ابوبکر عطار رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جب حضرت سیدنا جنید رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو میں اور

میرے کچھ رفقاء وہاں موجود تھے، ہم نے دیکھا کہ انتقال سے کچھ دیر قبل ضعف (کمزوری) کی وجہ سے آپ رحمۃ اللہ علیہ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے، آپ کے دونوں پاؤں متورم (سوجھے ہوئے) تھے جب رکوع وسجود کرتے تو ایک پاؤں موڑ لیتے جس کی وجہ سے بہت تکلیف اور پریشانی ہوتی۔ دوستوں نے یہ حالت دیکھی تو کہا: ''اے ابوقاسم رحمۃ اللہ علیہ! یہ کیا ہے؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں متورم کیوں ہیں؟'' فرمایا: ''اللہ اکبر! یہ تو نعمت ہے۔''

حضرت سیدنا ابومحمد حریری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

''اے ابوقاسم! اگر آپ لیٹ جائیں تو کیا حرج ہے؟''

فرمایا: ''ابھی وقت ہے جس میں کچھ نیکیاں کر لی جائیں اس کے بعد کہاں موقع ملے گا۔'' پھر اللہ اکبر کہا اور آپ کی روح اس دارِ فانی سے عالمِ بالا کی طرف پرواز کر گئی۔

یہ بھی منقول ہے کہ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا: ''حضور! اپنی جان پر کچھ نرمی کیجیے۔'' تو فرمایا: ''اب میرا نامۂ اعمال بند کیا جا رہا ہے اس وقت نیک اعمال کا مجھ سے زیادہ کون حاجت مند ہوگا؟'' (ایضاً)

(۹۳)

شیر کے ساتھ رات گزاری

ابراہیم بن ادہم رضی اللہ عنہ سے نقل ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں بہ نیت حج بیت اللہ الحرام (خانہ کعبہ) کی طرف گھر سے نکلا۔ مجھے شدت کی سردی لاحق ہوئی۔ چنانچہ میں نے پہاڑ میں ایک غار کی طرف پناہ لی۔ دفعتاً کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بڑا شیر میرے پاس غار کے اندر آیا جب اس نے مجھے دیکھا تو مجھ سے کہا: "میری بلا اجازت تجھ کو میرے گھر میں کس نے داخل کیا؟"

میں نے کہا: "میں مسافر ہوں اور سامانِ سفر ختم ہو چکا ہے اور میں اس رات میں تیرے پاس مہمان آیا ہوں۔"

چنانچہ وہ شیر مجھ سے کنارے پہ ہو گیا اور میرے پہلو میں سویا اور میں نے صبح تک قرآن مجید کی تلاوت میں رات کاٹی جب میں نے واپسی کا ارادہ کیا تو شیر نے مجھ سے کہا: "اے ابراہیم! تم تعجب نہ کرو اور یہ نہ کہو کہ میں شیر کے پاس سویا تھا اور اس سے سلامت رہا۔ اللہ کی قسم ہے میں نے تین دن سے کچھ نہیں کھایا ہے اگر تم میرے مہمان نہ ہوتے تو میں تم کو ضرور کھا جاتا۔"

پس میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور وہاں سے چل دیا۔ چنانچہ جب میں اپنا حج ادا کر کے اپنی عبادت گاہ کی طرف واپس چلا تو میرا نفس ایک زمانہ یعنی بیس برس سے مجھ سے انار کی خواہش کرتا تھا اور میں اس سے ٹال مٹول کرتا تھا۔ ایک رات کو میرے دل نے مجھ سے کہا: بخدا اگر میری خواہش پوری نہ کرو گے تو میں عبادت میں سستی کروں گا اس کے بعد میں نے کہا: "جب میں آبادی میں داخل ہوں گا تو تیری خواہش پوری کروں گا۔"

چنانچہ میدان کی طرف میری توجہ کا وقت آ گیا۔ میں نے ایک درخت دیکھا اور اس کی طرف گیا وہ انار کا درخت تھا اور اس پر بکثرت انار تھے میں نے اس سے ایک انار لیا لیکن اس کو ترش پایا اور اسی طرح دوسرا اور تیسرا اور چوتھا لیا اور میرا نفس کہتا تھا کہ میں نے تو میٹھے انار کی خواہش کی ہے اس کے بعد میں آبادی کی طرف چلا۔ چنانچہ میں نے ایک باغ میں ایک شخص کو پایا اور اس سے انار کا سوال کیا اس نے مجھ کو انار دیا مگر میں نے اس کو بھی ترش ہی پایا جب اس کو اس کی خبر کی تو اس نے مجھ سے کہا: ''اے ابراہیم! تمہارا نفس جو کچھ چاہتا ہے' تم اس کی تابع داری کرتے ہو۔ بخدا مجھے اس باغ میں چالیس برس رہتے ہو گئے لیکن میں اب تک میٹھے کو کھٹے سے تمیز نہیں کر سکتا یعنی میں نہیں پہچانتا کہ میٹھا کون ہے اور کھٹا کون ہے۔''

مجھے تعجب ہوا اور میں چل دیا پھر میں ایک ایسے جوان کے پاس پہنچا جو مبتلائے مصائب تھا۔ بھڑیں اس کے جسم میں ڈنک مارتی تھیں اور کیڑے اس کے ہاتھ اور پاؤں سے جھڑتے تھے اور وہ شخص کہتا تھا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاکَ بِہٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا ''اللہ کا شکر ہے کہ مجھے اس سے عافیت دی جس میں اس نے تجھے مبتلا کیا اور اس نے مجھے اپنی بہت ساری مخلوق پہ فضیلت عطا فرمائی۔''

میں نے حیران ہو کر اس سے پوچھا: ''اے شخص! اس سے بڑی بلا اور کیا ہو گی؟''

(یہ سن کر) اس نے میری طرف دیکھا اور کہا: ''اے ابراہیم! بدنوں میں بھڑوں کا ڈنک مارنا انار کی خواہش سے بہتر ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ تو ایسا بندہ ہے جس کا امتحان کیا گیا یعنی تو جو کچھ چاہتا ہے خدا اس کے خلاف کرتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے تیرے واسطے شیریں کو ترش سے بدل دیا۔''

یہ سن کر میں بے ہوش ہو کر گر پڑا جب مجھے ہوش آیا تو میں نے اس جوان سے کہا: ''اے شخص! جب تیرا یہ مقام اور یہ رتبہ ہے تو تو اللہ تعالیٰ سے کیوں نہیں سوال کرتا کہ وہ تجھے ان تکلیفوں سے آرام دے؟''

اس کے جواب میں اس نے کہا: ''اے ابراہیم! اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں تصرف کرتا

ہے جو چاہتا ہے وہ حکم کرتا ہے اور جو چاہتا ہے ان کے ساتھ کرتا ہے اور یہ دیکھتا ہے کہ کس قدر بندے ہیں جو اس کی آزمائش پر صابر اور اس کے حکم سے راضی ہیں۔ بخدا ابراہیم! اگر اللہ تعالیٰ میرے عضو کو کاٹ ڈالے تو بھی میں اس کی نسبت محبت ہی کو زیادہ کروں گا۔“

اس کے بعد میں اس کے حال سے تعجب کرتا ہوا اس سے علیحدہ ہوا۔ واللہ اعلم

(قلیوبی)

(۹۴)

امراء و علماء

مشہور اور مایۂ ناز محدث ابراہیم علیہ الرحمۃ کو خلیفہ دمشق ہشام بن عبدالملک نے خراج مصر کی تولیت کا عہدہ پیش کیا۔ آپ نے یہ کہہ کر انکار فرما دیا: ”میں اس کا اہل نہیں ہوں۔“

خلیفہ آپ کا انکار سن کر آگ بگولہ ہو گیا اور غضب ناک ہو کر کہنے لگا: ”آپ کو یہ عہدہ قبول کرنا پڑے گا ورنہ آپ سخت سزا کے مستحق ہوں گے۔“

آپ ہشام کی قہر آلود دھمکیوں کو نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ سنتے رہے جب ہشام خاموش ہو گیا تو آپ نے فرمایا: ”اے امیر المومنین! قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

> اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا ۔
>
> ”ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو ان سبھوں نے خائف ہو کر اس بار امانت کو اُٹھانے سے انکار کر دیا۔“

اے امیر المومنین! جب بار امانت اُٹھانے سے انکار کرنے پر اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر ناراض نہیں ہوا تو آپ مجھ کو بار امانت اُٹھانے سے انکار کرنے پر اس قدر ناراض ہو کر کس طرح سزا دے سکتے ہیں؟ ابراہیم محدث کی یہ حقانی تقریر سن کر ہشام کے ہوش و حواس کا طوطا اُڑ گیا اور بالکل لاجواب ہو کر خاموش ہو گیا اور اس عہدہ پر کسی دوسرے شخص کو مقرر کر دیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۷۳)

☆...... مولانا علاء الدین اپنے دَور کے مشاہیر علماء میں ایک امتیازی حیثیت رکھتے

تھے۔ عمر بھر درس وتدریس کا مشغلہ رکھا۔ شاہجہان بادشاہ کے دربار کے ساتھ منسلک رہے۔ شاہجہان کے بعد عالمگیر کے دربار سے تعلق ہو گیا۔ منقول ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے بھائیوں کو قتل کرانے اور اپنے باپ شاہجہان کو آگرہ کے قلعہ میں قید کرنے کے بعد ایک دربار خاص منعقد کیا جس میں ملک بھر کے علماء اور دوسرے دانش وروں کو مدعو کیا۔ مولانا علاء الدین بھی حاضرِ دربار تھے۔ عالمگیر نے حاضرین کے سامنے تقریر کرتے ہوئے یہ یقین دِلایا کہ میرا حکومت پر قبضہ کرنا میرے کسی دنیاوی مفاد کی خاطر نہیں ہے بلکہ صرف خلقِ خدا کے فائدے کے لیے ہے۔ تمام حاضرین نے بادشاہ کی تائید کی اور بے شک بے شک بجاہے' درست ہے کا نعرہ لگایا مگر مولانا علاء الدین کا جذبۂ حق گوئی برداشت نہ کر سکا۔ آپ نے کھڑے ہو کر بھرے دربار میں بادشاہ کے منہ پر کہہ دیا: ''جو شخص اپنے باپ کو جیل خانہ میں ڈال سکتا ہے اس سے خلقِ خدا کو اگر فائدہ پہنچ جائے تو بڑے تعجب کی بات ہے۔'' مولانا علاء الدین کی اس صاف گوئی پر تمام حاضرینِ دربار حیرت زدہ ہو گئے اور بادشاہ عالمگیر بھی آپ کا منہ تکتا رہ گیا اور کوئی جواب بن نہیں پڑا۔ (علماء حق ص ۴۷)

قاضی کی بے باکی

☆......خلیفۂ بغداد منصور کے دَورِ حکومت میں قاضی سوار بن عبداللہ بصرہ کے قاضی تھے۔ کچھ لوگوں نے دربارِ خلافت میں چغلی کھائی کہ قاضی صاحب لوگوں کی شخصیت سے متاثر ہو کر اور منہ دیکھ کر فیصلہ کر دیا کرتے ہیں۔ خلیفہ منصور نے آپ کو دربارِ خلافت میں جواب دہی کے لیے طلب کیا۔ قاضی صاحب جیسے ہی دربار میں منصور کے سامنے کھڑے ہوئے منصور کو ایک دَم چھینک آ گئی۔ قاضی صاحب نے منصور کی چھینک پر یرحمك الله کیوں نہیں کہا۔ منصور نے ڈانٹ کر پوچھا: ''آپ نے میری چھینک پر یرحمك الله کیوں نہیں کیا؟'' قاضی صاحب نے برجستہ جواب دیا: ''اس لیے کہ آپ نے الحمدللہ نہیں کہا۔''

منصور نے کہا: ''میں نے دل میں الحمدللہ کہہ لیا تھا۔''

قاضی صاحب نے کہا: ''میں نے بھی دل میں یرحمک اللہ کہہ دیا تھا۔''

خلیفہ منصور قاضی سوار کی بے خوفی اور حاضر جوابی سے بے حد متاثر ہوا اور کہا:

”آپ جائیے اور اپنے عہدہ پر برقرار رہیے۔“

جب آپ مجھ سے مرعوب نہیں ہوئے اور میری ہاں میں ہاں نہیں ملائی تو پھر مجھے یقین ہے کہ آپ کسی کی شخصیت سے مرعوب نہیں ہو سکتے اور ہرگز ہرگز کسی کا منہ دیکھ کر یا کسی کے دباؤ سے کوئی غلط فیصلہ نہیں کر سکتے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۸۵)

سلطنت کی قیمت

منقول ہے کہ ایک مرتبہ ”ابن سماک“ خلیفۂ بغداد ہارون الرشید کے دربار میں تشریف لے گئے۔ ایک دَم ہارون الرشید کو پیاس لگی اور اس نے پانی طلب کیا۔ خادم نے پانی کا گلاس ہارون الرشید کے ہاتھ میں دیا تو ابن سماک نے فرمایا: ”اے امیر المومنین! ذرا ٹھہر جائیے اور مجھے بتائیے کہ اگر پیاس کے وقت کہیں پانی نہ ملے اور آپ پیاس سے بے قرار ہو جائیں تو یہ ایک گلاس پانی آپ کتنی قیمت دے کر خریدیں گے؟“ ہارون الرشید نے جواب دیا: ”آدھی سلطنت“۔

پھر ابن سماک نے پوچھا: ”اگر یہ پانی آپ کے پیٹ پر پہنچ جائے اور آپ کا پیشاب بند ہو جائے اور یہ پانی آپ کے بدن سے نہ نکل سکے تو آپ اس کے علاج پر کتنی رقم خرچ کر دیں گے؟“ ہارون الرشید نے کہا: ”پوری سلطنت“۔

یہ سن کر ابن سماک نے فرمایا: ”اے امیر المومنین! وہ سلطنت جس کی قیمت پر ایک گلاس پانی اور اس کا پیشاب ہو بھلا کب اس قابل ہے کہ اس کی رغبت کی طرف جائے اور اس پر گھمنڈ کیا جائے۔“ ابن سماک کے ان کلمات کو سن کر ہارون الرشید چیخ مار مار کر رونے لگا اور کچھ جواب نہیں دیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۰۳)

☆...... احمد بن علی بصری ناقل ہیں کہ ایک دن خلیفہ بغداد متوکل باللہ نے علامہ احمد بن معدل اور دوسرے علمائے بغداد کو اپنے دربار میں بلایا جب تمام علماء مجتمع ہو گئے۔ خلیفہ اپنے پورے کروفر اور شاہانہ شان وشوکت سے دربار میں آیا۔ خلیفہ کو دیکھتے ہی سب لوگ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے مگر علامہ احمد بن معدل بدستور بیٹھے رہے اور اپنی جگہ سے ہلے بھی نہیں۔ خلیفہ نے علامہ کی اس حرکت پر دل میں ناراض ہو کر اپنے خادم عبید اللہ سے

دریافت کیا: ''کیا انہوں نے میری بیعت نہیں کی ہے؟ کیا یہ مجھے امیر المومنین نہیں تسلیم کرتے؟''

عبیداللہ نے عرض کیا: ''کیوں نہیں! لیکن اے امیر المومنین! ان کی بصارت میں کچھ کمی آ گئی ہے اور نظر بہت کمزور ہو گئی ہے غالباً انہوں نے آپ کو دیکھا نہیں۔''

یہ سن کر علامہ احمد بن معدل نے بلند آواز سے فرمایا: ''نہیں! اے امیر المومنین! میں اندھا نہیں ہوں لیکن میں نے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے آپ کو بچایا ہے کیونکہ حضورِ اکرم کا فرمان ہے: ''جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں اس کو چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔''

یہ سن کر متوکل باللہ علامہ بن معدل کے پہلو میں بیٹھ گیا اور کوئی جواب نہیں دیا۔

غیر حق کے سامنے مؤمن کا سر جھکتا نہیں

مذکورہ بالا پانچویں حکایتوں میں اس حقیقت کی تجلی ہے کہ علمائے سلف ''کلمہ الحق'' کا اعلان کرنے میں ہرگز ہرگز کبھی بادشاہوں کے رعب وجلال سے مرعوب یا خائف وہراساں نہیں ہوتے تھے بلکہ انتہائی بے خوف اور نڈر ہو کر امراء وسلاطین کو نصیحت کرتے تھے اور اعلاء کلمۃ الحق کے معاملہ میں اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ یہ درحقیقت ان علمائے حق کی ایمانی قوتوں اور روحانی توانائیوں کا کرشمہ تھا کہ بڑے بڑے ظالم وجابر بادشاہوں کی تلواریں ان قدسی صفت عالموں کی سیف زبانی کے مقابلہ میں کند ہو کر رہ جاتی تھیں اور ان باخدا بزرگوں کی ہر تقریر صداقت تاثیر کی شمشیر بن کر ظالموں کے ظالمانہ عزائم کے پرخچے اُڑا دیا کرتی تھی۔ درحقیقت یہی وہ مقدس جماعت ہے جس کے بارے میں خداوندِ قدوس نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے: لَا یَخَافُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ۔

''یہ وہ لوگ ہیں جن کے سینوں میں اللہ کے خوف کے سوا کسی غیر اللہ کے خوف کی گنجائش ہی نہیں۔''

یہ لوگ صرف خدا سے ڈرتے ہیں اور ساری خدائی میں کسی سے نہیں ڈرتے جس کا نتیجہ اور ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ خداوندِ قدوس ان کے سروں پر لاخوف علیھم ولاھم یحزنون کا تاج

رکھ کر ان کو امن و بے خوفی اور مجاہدانہ جرأت وہمت کا ایسا سلطان بنا دیتا ہے کہ یہ لوگ صرف خدا سے ڈرتے ہیں اور ساری خدائی ان سے ڈرنے لگتی ہے اور ان کو وہ شان نظر آتی ہے کہ ان کے دشمن بھی ان کو دیکھ کر پکار اُٹھتے ہیں کہ

غیر حق کے سامنے مومن کا سر جھکتا نہیں
یہ وہ طوفان ہے پہاڑوں سے بھی جو رُکتا نہیں

آج کل کے علمائے کرام ومشائخ عظام جو محض اس خوف سے کہ لوگ ہمیں ''جھگڑالو'' یا ''تشدد پسند'' یا ''خشک ملا'' کہیں گے۔ کلمہ حق کہنے سے رُکتے اور جھجکتے ہیں اور بداعمالیوں اور بداعتقادوں کا رد نہیں کر سکتے۔ کاش ان بزرگانِ سلف وعلمائے حق کے نقشِ قدم کی پیروی کرتے تو آج کل ملک کے ماحول کا نقشہ ہی بدل جاتا مگر افسوس صد ہزار افسوس کہ اس دَور میں علمائے کرام کا عمل وکردار اس قدر پست اور جوش حقانیت وجذبۂ جہاد اتنا مردہ ہو چکا ہے کہ ہر دیکھنے والا ان کو دیکھ کر یہی کہنے لگتا ہے کہ

میں نے اے میر سپہ تیری سپہ دیکھی ہے
قل ھو اللہ کی شمشیر سے خالی ہے نیام

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ ان علمائے حق میں سے ہیں جو اکبری دَور کے مشرکانہ وملحدانہ مراسم اور جہانگیری عہد کی کفر نوازیوں کو مٹانے کے لیے اپنی زبان وقلم سے عمر بھر مصروف جہاد وسرگرم عمل رہے۔ دربار کے خوشامدی علماء سو نے آپ کے خلاف جہانگیر کے سامنے ایسے ہی اُلٹی سیدھی لگائی کہ جہانگیر اپنی سلطنت کے غرور میں آپ کے درپے آزار ہو گیا اور آپ کو دربار میں طلب کر کے نہایت تلخ کلامی کے ساتھ آپ سے گفتگو کی۔ آپ نے جہانگیر کے تمام سوالوں کا نہایت ہی معقول ومسکت جواب دیا اور جہانگیر کی قہر آلود دھمکیوں کا ذرہ بھر بھی آپ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ آپ کی کھری کھری باتوں سے جہانگیر جل بھن گیا۔ کوئی جواب نہ بن پڑا مگر حکومت کے نشہ میں آپ کی توہین کرنے لگا اور گوالیار کے قلعہ میں آپ کو قید کر دیا۔ آپ نے جہانگیر کے اس ظالمانہ

سلوک کونہایت خندہ پیشانی کے ساتھ قبول فرمالیااور قلعہ کی چہار دیواری میں محبوس ہوکر قیام پذیر ہو گئے۔

ہندوستان میں آپ کے لاکھوں مریدین و معتقدین تھے بلکہ دربار کے بعض امراء سلطنت بھی آپ ہی کے مرید و معتقد تھے۔ آپ کے ایک ادنیٰ اشارے پر جہانگیری حکومت کا تختہ اُلٹ پلٹ ہو سکتا تھا مگر آپ نے حکومت کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں فرمایا لیکن اکبرو جہانگیر کے خلافِ شرع' مشرکانہ رسوم اور کفرنوازیوں کے خلاف برابراپنی زبان و قلم سے نعرۂ جہاد بلند فرماتے رہے۔ جہانگیر کو جب آپ کی جلالت شان اور تبلیغی کارناموں کا علم ہوااور امراء دربار کی نگاہیں کچھ پھری پھری سی نظر آنے لگیں تو اس کو ہوش آیا۔ فوراً آپ کو قید سے رہا کر کے دربار میں انتہائی اعزاز و اکرام کے ساتھ مدعو کیا۔ معافی کا خواست گار ہوا بلکہ آپ کے دستِ حق پرست پر تائب ہو کر آپ کا مرید ہو گیا اور یہ خواہش ظاہر کی کہ میرے فرزند شاہزادہ خرم (شاہجہان) کو آپ اپنی خدمت میں رکھ کر اس کی تربیت فرمائیں۔ (علماء حق وغیرہ ص ۴۷)

سبحان اللہ! حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ کے ان ہی مجاہدانہ کارناموں سے متاثر ہو کر ڈاکٹر اقبال نے سرہند شریف میں مزارِ پُر انوار پر حاضر ہو کر اس طرح نذرانہ عقیدت پیش کیا۔

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار

اس خاک کے ذرّوں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیِ احرار

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو بے دار

کی عرض یہ میں نے کہ عطا فقر ہو مجھ کو
آنکھیں میری بینا ہیں ولیکن نہیں بے دار

آئی یہ صدا سلسلہ فقر ہوا بند
ہیں اہلِ نظر کشور پنجاب سے بے زار

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(۹۵)

یہ میرے رب کا فیصلہ ہے

بنی اسرائیل میں ایک عبادت گزار تھا اس نے پہاڑ کی کھوہ میں اپنا مسکن بنا رکھا تھا' وہ لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل تھا' لوگ بھی اس کی نظروں سے دُور تھے اس کے قریب پانی کا ایک چشمہ تھا جس سے وہ وضو کرتا' اپنی تشنگی دُور کرتا اور نباتات سے اپنی غذا حاصل کرتا تھا۔ دن کو روزے سے رہتا اور رات اللہ کی عبادت میں گزارتا۔ اس کا ہر پل اور ہر لمحہ اطاعت و بندگی کی نذر ہوتا تھا چنانچہ سعادت و کامرانی کے آثار اس کے چہرے سے نمایاں تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس عبادت گزار کی خبر ہوئی تو آپ ایک دن اس کے پاس پہنچے لیکن اسے نماز اور ذکر اذکار میں مشغول دیکھ کر واپس چلے گئے پھر رات کو اس کے پاس گئے تو اسے عزیز و غفار رب العالمین کے دربار میں سرگوشی و مناجات میں مگن پایا۔

موسیٰ علیہ السلام نے اسے سلام کیا اور فرمایا: "جنابِ والا! اپنے آپ پر نرمی کیجیے۔"

عبادت گزار: "اے اللہ کے نبی! مجھے خدشہ ہے مبادا اچانک غفلت میں انتقال کر جاؤں اور اپنے پروردگار کے حضور مجھ سے کوئی کوتاہی ہو جائے۔"

موسیٰ علیہ السلام: "کیا آپ کو کوئی حاجت ہے؟"

عبادت گزار: "آپ میرے لیے پروردگار سے اس کی رضا و خوشنودی کی دعا کر دیں اور میری یہ التجا بھی پہنچا دیں کہ وہ مجھے زندگی بھر صرف اپنی ہی خوشنودی کے کاموں میں مشغول رکھے حتیٰ کہ میں اس سے جا ملوں۔"

موسیٰ علیہ السلام دعا و مناجات میں مشغول ہو گئے اور اپنے مولیٰ سے لذتِ کلام میں اس

قدر ڈوب گئے کہ عبادت گزار کی باتیں یاد ہی نہ رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا:
''آپ سے میرے عبادت گزار بندے نے کیا کہا تھا؟''
موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: ''میرے پروردگار! تو ہی زیادہ جانتا ہے اس نے تیری رضاو خوشنودی طلب کی ہے اور یہ درخواست بھی کی ہے کہ اس کی زندگی تیری ہی یاد میں گزرے حتیٰ کہ وہ تیرے دربار میں حاضر ہو جائے۔''
اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: ''اس عبادت گزار کے پاس جائیے اور کہیے کہ رات دن جتنی عبادت چاہے کر لے لیکن ہے وہ بہر حال جہنمی کیونکہ میرے صحیفے میں اس کا نام گناہ گاروں کی فہرست میں درج ہے۔''
موسیٰ علیہ السلام جب اس عابد کے پاس گئے اور پروردگار کے فیصلے سے آگاہ کیا تو عابد نے کہا: ''سبحان اللہ! میں اپنے پروردگار کے فیصلے کو خوش آمدید کہتا ہوں' ہر چیز میرے پروردگار کے فیصلے کے مطابق رواں دواں ہے اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور اس کے فیصلے کو کوئی روک نہیں سکتا۔''
یہ کہہ کر وہ عبادت گزار زور زور سے گریہ وزاری کرنے لگا...... پھر کچھ دیر کے بعد بولا: ''اے موسیٰ! میرے پروردگار کے جاہ وجلال اور عزت وشان کی قسم! میں اس کے در سے پلٹنے والا نہیں اور اس فیصلے کو سن کر ہرگز مایوس نہیں بلکہ اب اپنے پروردگار سے میری محبت دوبالا ہو گئی ہے۔''
اس کے بعد جب موسیٰ علیہ السلام دوبارہ اپنے پروردگار سے دعا ومناجات میں مشغول ہوئے تو عرض کیا: ''میرے رب! جو کچھ تیرے عبادت گزار بندے نے کہا ہے اس سے تو اچھی طرح واقف ہے۔''
اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے موسیٰ! میرے اس بندے کو یہ خوش خبری سنا دیجیے کہ وہ جنتی ہے۔ میری رحمت نے اسے جا لیا۔ اسے یہ بھی بتا دیجیے کہ اس نے میرا یہ خوش کن فیصلہ اپنے صبر ورضا کے عوض حاصل کیا ہے کیونکہ میرا سابقہ کڑوا فیصلہ سن کر بھی وہ چیں بہ جبیں نہ ہوا تھا اگر وہ آسمان وزمین بھر گناہ بھی ساتھ لائے تب بھی میں اسے بخش دوں گا' میں کریم اور غفار

ہوں۔"

جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ خوش خبری اس عبادت گزار کو سنائی تو وہ سجدے میں گر گیا' پروردگار کی حمد و ثنا کرنے لگا اور زبانِ حال سے کہنے لگا۔

سب کے دل میں ہے جگہ میری جو تو راضی ہوا
مجھ پہ گویا اِک زمانہ مہرباں ہو جائے گا

پھر اس طویل سجدے ہی میں اس نے اپنی جان جانِ آفریں کے حوالے کر دی۔

(سنہرے نقوش مطبوعہ دارالسلام)
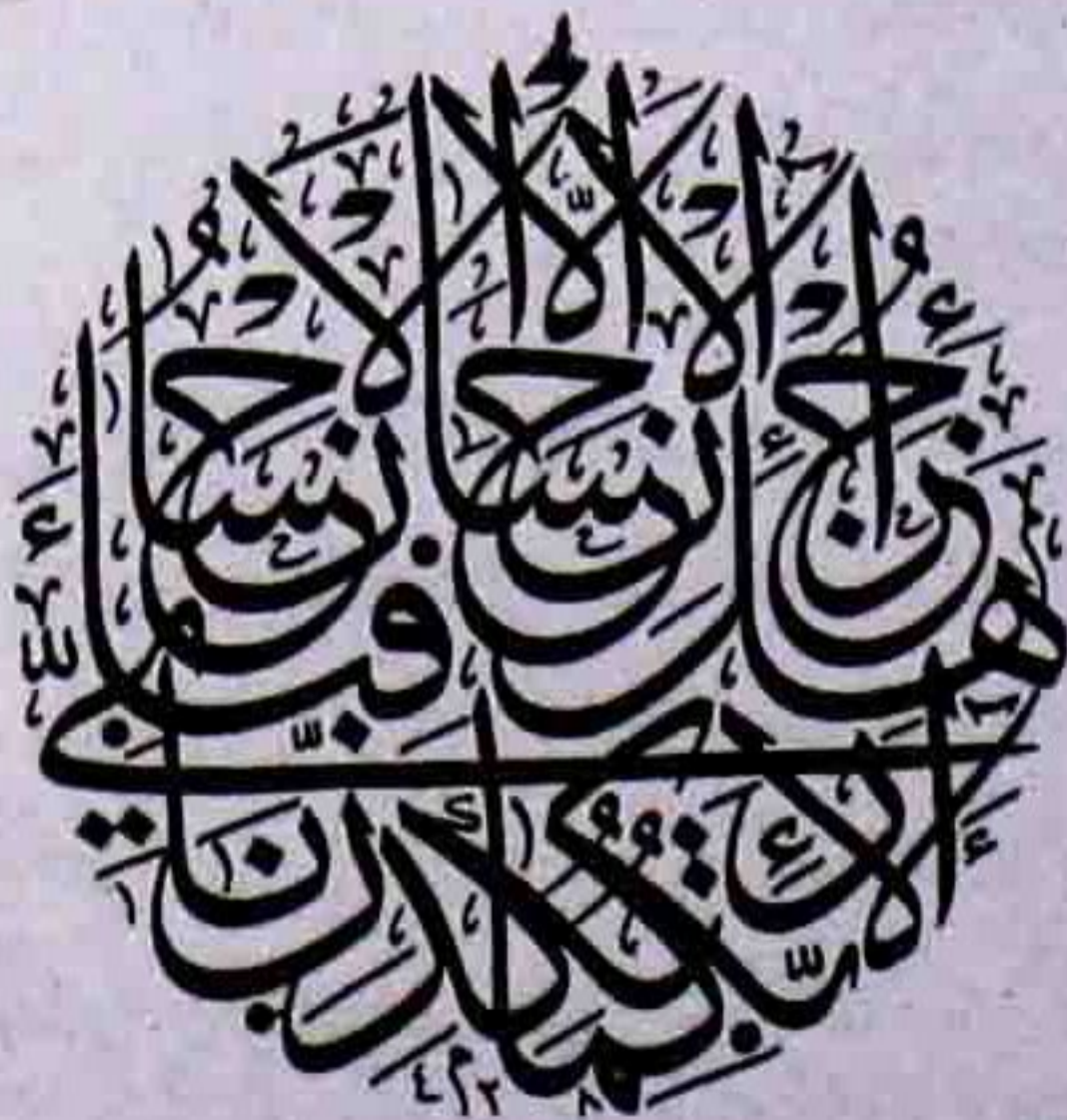
(۹۶)

سلطان المشائخ اور خیر خواہیٔ عالم

مولانا ضیاء الدین برنی فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اشراق کے وقت سے چاشت کے وقت تک آپ کے جان بخش کلمات اور روح افزاء گفتگو سننے میں مشغول رہا اس روز بہت سے بندگانِ خدا سلطان المشائخ کی خدمت میں بیعت کی نیت سے حاضر ہوئے اور دولتِ ابدی سے مشرف ہوئے اس وقت میرے دل میں خطرہ گزرا کہ مشائخ سلف مرید کرنے میں نہایت احتیاط کرتے تھے اور خوب غور و تامل کے بعد کسی کو مرید کیا کرتے تھے۔ سلطان المشائخ انتہا درجہ کے کرم اور مہربانی کی وجہ سے عام و خاص کی دست گیری کرتے اور بغیر امتحان و امتیاز کے لوگوں سے بیعت لیتے ہیں۔ میرے دل میں آیا کہ آپ سے اس بارے میں دریافت کرنا چاہیے لیکن چونکہ حضور مکاشف عالم تھے' فوراً میرے اس خیال سے واقف ہو گئے اور میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے: ''مولانا ضیاء الدین! تم ہر بات کو مجھ سے دریافت کرتے ہو لیکن کبھی یہ نہیں پوچھتے کہ میں بغیر تحقیق کیے آنے والوں کو بیعت کیوں کر لیتا ہوں؟''

سلطان المشائخ کی یہ بات سن کر میں سر سے پاؤں تک لرز اُٹھا اور حضور کے قدموں میں گر کر عرض کیا: ''عرصہ سے یہ مشکل اور دشواری مجھے درپیش تھی' آج بھی میرے دل میں یہ خیال گزرا تھا۔''

فرمایا: ''تو سنو! خدا تعالیٰ نے ہر زمانے میں اپنی حکمتِ بالغہ کی ایک خاصیت پیدا کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے کے آدمیوں کا طریقہ اور رواج و رسم علیحدہ ہوتا ہے اور زمانے

کی رفتار لوگوں میں اس درجہ اثر کرتی ہے کہ زمانہ موجودہ کے لوگوں کے مزاج اور طبیعت گزشتہ لوگوں کے طبائع سے بالکل مشابہت نہیں رکھتے البتہ بہت کم آدمی ایسے ہوتے ہیں جن کی طبیعتیں پہلے لوگوں کی طبیعتوں سے ملتی جلتی ہیں اور یہ بات تجربات سے خوب واضح ہوتی ہیں جب اس قدر بات معلوم کر چکے تو یہ بھی معلوم کرو کہ مرید کی اصل ارادت یہ ہے کہ وہ غیر حق سے قطع تعلق کر کے مشغول بحق ہو جائے۔"

سلف کا قاعدہ تھا کہ جب تک مرید میں کلی انقطاع نہ دیکھتے تھے اس کے ہاتھ میں دستِ بیعت نہ دیتے تھے لیکن شیخ ابوسعید ابوالخیر کے زمانے سے شیخ سیف الدین باخرزی کے عہد تک اور شیخ شیوخ العالم شہاب الدین سہروردی کے عہد مبارک سے حضرت شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے زمانے تک ایک اور ہی طریقہ نے جلوہ گری کی تھی۔ ان اولوالعزم اور جلیل القدر بادشاہوں کے دروازوں پر جن کے علو درجات اور کرامات شرح سے مستغنی ہیں، ہر وقت ہجوم خلائق رہتا تھا اور ہر چار طرف سے بادشاہ، امراء، مشاہیر اور دیگر لوگ جوق در جوق آتے تھے اور اخروی مہلکات کے خوف سے اپنے تئیں ان عاشقانِ خدا کی پناہ میں ڈال دیتے تھے کیونکہ یہ ممکن نہ تھا کہ محبوبانِ خدا کا سا معاملہ ہر شخص کے ساتھ دوسروں پر قیاس کر کے برتا جاتا۔ پس شیخ ابوسعید ابوالخیر اور شیخ سیف الدین باخرزی اور شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ اسرارہم۔ لوگوں کو اسی طرح مرید کیا کرتے تھے جس طرح کہ میں کرتا ہوں اور اس زمانے کے موافق یہی ٹھیک بات ہے کیونکہ اگر خدا تعالیٰ کا ایک محبوب اور پسندیدہ شخص ایک جہاں کے گناہ گاروں کو اپنے سایہ حمایت میں لینا چاہے تو لے سکتا ہے اب میں تمہارے جواب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

"سنو! میں جو مریدوں سے بیعت لینے میں زیادہ احتیاط اور تفتیش نہیں کرتا تو اس کی چند وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ میں سنتا ہوں کہ بہت سے لوگ میری بیعت میں داخل ہونے سے معصیت و گناہ سے باز رہتے ہیں، نماز جماعت سے ادا کرتے ہیں اور اوراد و نوافل میں مشغول و مصروف ہوتے ہیں اگر میں پہلے ہی سے ارادت کے شروط و قیود ان سے بیان

کروں اوران شرائط کے بجالانے پر مجبور کروں نیز خرقہ توبہ تبرک جوخرقہ ارادت کے قائم مقام ہیں، نہ دوں تو اس قدر بھلائیاں جو ان سے ظہور میں آتی ہیں وہ ان سے محروم و بے نصیب رہیں۔ دوسرے یہ کہ مجھے شیخ سے اس بات کی اجازت ہے کہ بغیر کسی سفارش یا التماس یا وسیلہ کے بدون کسی تفتیش و کرید کے لوگوں سے بیعت لوں اور جب میں دیکھتا ہوں کہ ایک مسلمان آدمی عجز و اضطراب اور مسکنت و بیچارگی کے ساتھ میرے پاس آتا اور بصد الحاح کہتا ہے کہ میں تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہوں تو مجھے اس سے بیعت لینے میں کونسی چیز مانع ہوسکتی ہے؟ خاص کر جب کہ میری نیت میں اس کے صادق ہونے کا غالب احتمال ہوتا ہے۔ پس ایسی صورت میں مجھے اس سے بیعت لینا ضروری ہو جاتا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ میں نے نہایت ثقہ اور راست باز لوگوں سے سنا ہے کہ جو لوگ میری ارادت و بیعت میں داخل ہوتے ہیں، وہ تمام گناہوں سے الگ ہو جاتے ہیں۔''

(تاریخ مشائخ چشت، ص ۲۸۹ تا ۲۹۲)

(۹۷)

یہ غازی یہ تیرے پُراسرار بندے

حضرت سیدنا حذیفہ مرعشی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جب حضرت سیدنا شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ مکہ مکرمہ زادھا اللہ شرفاً وتعظیماً آئے تو حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ بھی وہاں موجود تھے دونوں عظیم بزرگ مسجدِ حرام میں جمع ہوئے۔ حضرت سیدنا ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سیدنا شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: ''رزق کے معاملے میں تمہارا کیا حال ہے؟''

فرمایا: ''جب کھانے کو مل جاتا ہے تو کھالیتے ہیں اگر نہ ملے تو صبر کرتے ہیں۔''

حضرت سیدنا ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''یہ حال تو ہمارے بلخ کے کتوں کا ہے کہ جب کھانے کو مل جائے تو کھالیتے ہیں اور نہ ملے تو صبر کرتے ہیں۔''

پھر حضرت سیدنا شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: ''اچھا! آپ کی اس معاملے میں عادت کیا ہے؟'' فرمایا: ''ہمارا تو حال یہ ہے کہ کوئی چیز کھانے کو ملے تو صدقہ کر دیتے ہیں اور جب بھوکے رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی تعریف بجالاتے اور شکرادا کرتے ہیں۔''

جب حضرت سیدنا شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سنا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بیٹھ گئے اور کہا: ''اے ابواسحاق رحمۃ اللہ علیہ! آج سے آپ ہمارے استاذ ہیں۔''

(عیون الحکایات)

☆......حضرت سیدنا احمد بن محمد صوفی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ میں نے اپنے استاذ حضرت سیدنا ابوعبداللہ بن ابوشیبہ رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا:

''ایک مرتبہ میں بیت المقدس میں تھا' میری خواہش تھی کہ آج رات مسجد میں ہی قیام

کروں اور تنہا عبادتِ الٰہی میں مصروف رہوں لیکن مجھے رات گزارنے کی اجازت نہ ملی۔ کچھ دنوں بعد دوبارہ مسجد میں گیا تو برآمدے میں کچھ چٹائیاں رکھی دیکھیں، میں عشاء کی نماز باجماعت ادا کر کے چٹائیوں کے پیچھے چھپ گیا۔ نمازیوں کے چلے جانے کے بعد دروازے بند کر دیئے گئے جب مجھے اطمینان ہو گیا کہ اب کوئی نہیں تو میں صحن میں آ گیا۔ اچانک محراب کی دیوار شق ہوئی اور ایک شخص اندر داخل ہوا پھر دوسرا اور تیسرا اسی طرح سات آدمی وہاں جمع ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ انہیں دیکھ مجھ پر ہیبت طاری ہو رہی تھی۔ میں سکتہ کے عالم میں اپنی جگہ کھڑا انہیں دیکھتا رہا پھر صبح صادق سے کچھ دیر قبل وہ جس راستے سے آئے تھے اسی سے باہر چلے گئے پھر دیوار برابر ہو گئی۔" (ایضاً)

(۹۸)

بندوں کا رزق

ابراہیم خواص رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ بعض سرداروں نے سیر وسیاحت میں جو کام میں نے زیادہ تعجب کا کیا تھا اس کا حال مجھ سے پوچھا' میں نے کہا: ''میں اپنی سیر وسیاحت میں دریا کے کنارے پر دنوں اور مہینوں جس قدر اللہ نے چاہا' مقیم رہا اور میں تونبیاں بناتا تھا اور ان کو دریا میں ڈالتا تھا۔ وہ تونبیاں دریا کی نہر خلیج (شاخ دریا) کی طرف جاتی تھیں۔ ایک دن میں نے غور کیا کہ یہ تونبیاں کہاں جاتی ہیں؟ چنانچہ میں ان کے مقابل میں دریا کے کنارے پر چلا۔ ناگاہ میں نے دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت نہر پر بیٹھی رو رہی ہے' میں نے اس سے کہا: ''تجھے کیا چیز رُلاتی ہے اور تیرے رونے کی وجہ کیا ہے؟''

اس نے کہا: ''میری پانچ لڑکیاں ہیں اور ان کا باپ مر گیا ہے اور ہم کو فاقہ پہنچا ہے اور میں نہیں جانتی تھی کہ میں کیا کروں۔ میں اس نہر کی طرف نکلی۔ چنانچہ میں نے تونبیاں پائیں اور ان کو لیا اور واپس گئی اس کے بعد میں نے ان کو فروخت کیا اور لڑکیوں کے واسطے کھانے کا غلہ وغیرہ خریدا۔ جب وہ ختم ہو گیا تو پھر نہر کی طرف نکلی اور تونبیاں پائیں اور ان کو لیا اور فروخت کیا اور اس سے کھانا خریدا اور اب میری یہ حالت ہو گئی کہ میں اور میری لڑکیاں اسی سے اپنی خوراک بناتی اور بسر اوقات کرتی رہیں لیکن آج جو میں یہاں آئی تو تونبیوں کا کچھ نشان نہ پایا اور میری لڑکیاں میری واپسی کی منتظر ہوں گی۔''

جب میں نے یہ سنا تو میں رویا اور کہا: ''اے میرے رب! اگر میں جانتا کہ اس کے پانچ اہل وعیال ہیں تو کام میں ضرور زیادتی کرتا۔''

میں نے اس سے کہا: ''تم غمگین نہ ہو میں ہی تو نبیاں بنانے والا ہوں۔''

اس کے بعد میں اس کے ساتھ اس کے گھر آیا اور ان کے واسطے مدت تک تو نبیاں بنائیں پھر اللہ تعالیٰ کی صنعت میں غور کرتا ہوا میدان کی طرف واپس آیا اور ایک درخت کے نیچے سویا۔ میرے پاس شیطان آیا اور مجھ سے کہا: ''یہاں سے اُٹھو۔''

میں نے اس سے کہا: ''تھوڑی دیر کے لیے میرے پاس سے الگ ہو تا کہ میں آرام کرلوں۔''

اس نے مجھ سے کہا: ''اے ابراہیم! میرے ساتھ حلال اور حرام ہیں حلال تو اس پہاڑ کا انار ہے جو مباح ہے اور حرام وہ مچھلیاں ہیں جن کو میں نے شکاریوں سے لیا ہے جن میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے خیانت کی تھی۔ پس تم حلال کو لو اور حرام کو چھوڑ دو۔''

اس کے بعد میں نے انار لیا اور اس بڑھیا کی طرف واپس آ کر اس کو وہ انار دیا۔ چنانچہ اس نے اپنی لڑکیوں کے ساتھ اس کو کھایا اس کی عمدگی اور شیرینی سے وہ تعجب کرتی تھیں اس کے بعد میں صبح وشام ان کی خبر گیری کرنے لگا۔ ایک دن میں مسجد میں ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا تھا ناگاہ میں نے ایک بُری آواز سنی اس کے بعد میں مسجد سے اس گلی کے سرے پر گیا جہاں سے وہ بُری آواز آئی تھی اور تھوڑی دیر میں نے توقف کر کے واپسی کا ارادہ کیا مگر میرے نفس نے مجھے پھیرا اور میں گلی میں داخل ہوا۔ ناگاہ میں نے دیکھا کہ ایک کتا مجھ پر بھونکتا ہے اور میرے منہ کے سامنے کھڑا ہے اس کے بعد میں مسجد کی جانب واپس آیا تھوڑی دیر غور کیا پھر میں اسی جگہ لوٹ آیا جب میں نے کتے کی طرف نظر کی تو اس نے اپنی دُم ہلائی۔ میں اس کے گھر کے دروازے کے قریب ہوا ناگاہ میں نے ایک جوان خوش رو پسندیدہ خو کو دیکھا کہ وہ گھر سے نکلا اور میری طرف دیکھ کر کہا: ''اس کتے کے بھونکنے سے تعجب نہ کرو اس لیے کہ جو شخص سمجھتا ہے اس کے لیے یہ تادیب ہے' میں ایک بدکار آدمی ہوں اور میں فلاں فلاں گناہوں کا ارتکاب کر چکا ہوں اور جو میری تقدیر میں لکھا جا چکا ہے میں اس کو کر چکا ہوں لیکن تم مجھ سے عہد و پیاں لو کہ میں جس حالت پر تھا اب اس کی طرف نہ پلٹوں گا۔''

چنانچہ اس جوان نے توبہ کی اور اس کی توبہ قبول ہوئی پھر تو اس کی یہ حالت ہوگئی کہ وہ بغیر اللہ کے اور کسی چیز سے اُلفت نہیں کرتا تھا اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نہیں تھکتا تھا نہ اس کی بندگی میں کمی کرتا تھا حتیٰ کہ اس کی موت آ گئی اور وہ پروردگارِ عالم سے جا ملا بعد اس کے کہ وہ اللہ کے تابعدار اولیاء سے اور اس کے برگزیدہ محبوں سے ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اس پر اور تمام اولیاء پر نازل ہو۔ (انوار محبوبی ترجمہ نوادر قلیوبی)

(۹۹)

بڑے پاک صورت بڑے نیک سیرت

تابعی محدث یزید بن حبیب ایک مرتبہ بیمار ہو گئے تو مصر کا گورنر ابن سہیل ان کی عیادت کے لیے آیا۔ درمیان گفتگو گورنر نے یہ مسئلہ پوچھا: ''جس کپڑے پر مچھر کا خون لگ گیا ہو وہ کپڑا پہن کر نماز جائز ہے یا نہیں؟''

امام ممدوح گورنر کا یہ سوال سن کر غصہ میں بھر گئے اور انتہائی غضب میں ہو کر حقارت کے ساتھ اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کوئی جواب نہ دیا اور جب گورنر چلنے لگا تو اس کی طرف قہر بھری نگاہوں سے دیکھ کر فرمایا: ''تو روزانہ خدا کے بندوں کا خوق ناحق بہاتا رہتا ہے اور آج مچھر کے خون کا فتویٰ پوچھنے چلا ہے۔''

(ابن خلکان ج ۲' ص ۱۶۳)

ظالم و بدکار اور فساق و فجار کی تنبیہ کے لیے ان کے سوالوں کا اس طرح جواب دینا اور بلا خوف ان کی بداعمالیوں پر انہیں جھڑک کر جھنجھوڑ دینا اکثر علمائے سلف کا طریقہ رہا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر صحابی رضی اللہ عنہما کا مشہور واقعہ ہے کہ حج کے ایام میں ایک کوفی ان سے یہ مسئلہ پوچھنے کے لیے آیا کہ احرام کی حالت میں مچھر مارنا ناجائز ہے یا نہیں؟ آپ نے انتہائی غضب و جلال میں آ کر یہ فرمایا کہ آج یہ کوفی مچھر مارنے کا فتویٰ پوچھنے چلے ہیں کل جب ان ہی کوفیوں نے جگر گوشۂ رسول اور فرزند بتول حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا کربلا میں خون بہایا تو اس وقت یہ لوگ مجھ سے کیوں نہیں مسئلہ پوچھنے کے لیے آئے تھے؟

(بخاری شریف)

دورِ حاضر کے علمائے کرام کو بھی یہی طریقہ کار اختیار کرنا چاہیے کہ اکثر مال دار لوگ اپنی سیاہ کاریوں پر پردہ ڈالنے کے لیے علمائے کرام سے کبھی کبھی تقویٰ اور تقدس مآبی کے مسائل پوچھا کرتے ہیں تو علمائے کرام کو چاہیے کہ بالکل نڈر ہو کر یہ کہہ دیں کہ

بڑے پاک صورت بڑے نیک سیرت
نیاز آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ

(۱۰۰)

بادشاہ اور جادوگر کا قصہ

جلیل القدر صحابی حضرت صہیب بن سنان بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ بنی مالک بن عمرو بن تمیم سے ہیں' آپ کے والد اور چچا کسریٰ کی طرف سے اُبلہ کے حاکم تھے' انہیں صہیب رومی اس لیے کہا جاتا ہے کہ رومیوں نے آپ کو بچپن میں قید کر لیا تھا۔ آخر کار صہیب کو بنوکلب کے ایک شخص نے خرید کر مکہ میں عبداللہ بن جدعان کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ آپ ان کمزور ترین مسلمانوں کی صف میں تھے جنہیں اللہ کی راہ میں بے حد ظلم و ستم سہنا پڑا۔ آپ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ غزوۂ بدر اور دیگر غزوات میں شریک رہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو جب شہید کیا گیا تو انہوں نے شدید زخمی حالت میں وصیت کی کہ ان کی نمازِ جنازہ صہیب رضی اللہ عنہ پڑھائیں اور جب تک مسلمانوں کا کوئی خلیفہ مقرر نہ ہو' ان کی امامت بھی یہی کراتے رہیں۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی وفات ستر سال کی عمر میں شوال ۳۸ھ میں ہوئی۔ حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے' رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تم سے پہلے لوگوں میں ایک بادشاہ تھا اس کے پاس ایک جادوگر تھا۔ وہ جادوگر بوڑھا ہو گیا اس نے بادشاہ سے عرض کیا:

"بادشاہ سلامت! میری عمر بھر اب بڑھاپے کی سرحد پار کرنے والی ہے اس لیے کوئی لڑکا میری خدمت میں بھیجیں تاکہ میں اسے اپنا فن سکھلا دوں۔ (اور وہ میری وفات کے

بعد میرا قائم مقام ہو سکے)"

بادشاہ نے جادوگر کے ہاں جادوگری سیکھنے کے لیے ایک لڑکا روانہ کر دیا۔ راستے میں ایک راہب تھا' وہ راہب کے پاس بیٹھ گیا اور اس کا کلام سنا۔ راہب کی بات اسے بڑی بھلی معلوم ہوئی اس کے بعد جب لڑکا جادوگر کے پاس جاتا تو جاتے جاتے اس راہب کی خدمت میں بھی حاضری دیتا اور کچھ دیر کے لیے بیٹھتا رہتا (اس وجہ سے جادوگر کے پاس پہنچنے میں تاخیر ہو جاتی تھی) جب وہ جادوگر کے پاس پہنچتا تو اس کی پٹائی ہوتی تھی۔ لڑکے نے اس بات کی شکایت راہب سے کی تو اس نے یہ ترکیب بتائی کہ اگر جادوگر کی مار کا خوف ہو تو اس سے کہہ دینا کہ گھر والون نے مجھے روک رکھا تھا اور جب گھر والوں کا خوف ہو تو یہ بہانہ کر دینا کہ جادوگر نے روک رکھا تھا۔

اس کے لیل ونہار اسی معمول کے مطابق گزر رہے تھے کہ ایک دن راستے میں ایک بھاری بھرکم جانور پر اس کی نگاہ پڑی جس نے لوگوں کی آمد ورفت میں رکاوٹ ڈال رکھی تھی۔

لڑکے نے اپنے دل میں کہا:

"آج میں جان لوں گا کہ جادوگر حق پر ہے یا راہب۔"

پھر لڑکے نے ایک پتھر لے کر کہا:

"اے اللہ! اگر جادوگر کے مقابلے میں راہب کا طریقہ تجھے محبوب ہے تو اس جانور کو مار دے۔"

(یہ کہہ کر جانور کو پتھر دے مارا) اللہ کے حکم سے وہ بھاری بھرکم جانور وہیں ڈھیر ہو گیا۔

جب وہ لڑکا راہب کے پاس پہنچا اور اسے حقیقتِ حال سے آگاہ کیا تو اس نے کہا:

"اے بچے! اب تو مجھ سے افضل ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تیرا معاملہ حد کو پہنچ چکا۔ عنقریب تجھے ابتلاء وآزمائش کا سامنا کرنا پڑے گا اگر تجھے آزمائش میں

ڈالا گیا تو میرا پتہ نہ بتلانا۔"

بیمار شفایاب ہونے لگے

پھر یہ حال ہو گیا کہ وہ لڑکا اللہ کے حکم سے پیدائشی اندھوں کو ٹھیک کرنے لگا' برص کی بیماری والے بھی اس کے علاج سے شفایاب ہونے لگے اس کے علاوہ بھی وہ ہر قسم کی بیماریوں کا علاج معالجہ کرنے لگا اسی دوران بادشاہ کے ایک خاص آدمی کو جو اندھا تھا' لڑکے کے کمالات معلوم ہوئے تو وہ بھی بہت سے تحائف لے کر لڑکے کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا:

"اگر تو نے مجھے شفایاب کر دیا تو میں یہ جو کچھ لایا ہوں' تجھے دے دوں گا۔"

لڑکے نے کہا:

"میں کسی کو شفایاب نہیں کرتا بلکہ شفا عنایت کرنا تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے اگر تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے تو میں اللہ تعالیٰ سے تیرے لیے دعا کروں گا۔ ممکن ہے وہ تجھے شفا دے دے"۔

وہ آدمی اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے بینائی بخش دی۔

پھر وہ آدمی بادشاہ کی خدمت میں پہنچا اور حسبِ معمول اس کے پاس بیٹھ گیا۔

بادشاہ نے پوچھا: "تیری بینائی کس نے بحال کر دی؟"

اس نے جواب دیا: "میرے پروردگار نے۔"

بادشاہ طیش میں آکر بولا: "کیا میرے سوا بھی تیرا کوئی رب ہے؟"

اس نے ڈٹ کر کہا: "میرا اور تیرا رب صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔"

یہ سن کر بادشاہ بھڑک اُٹھا اور اس آدمی کو مسلسل دردناک سزائیں دیتا رہا یہاں تک کہ اس نے عاجز آکر لڑکے کا پتہ بتا دیا اب بادشاہ نے اس لڑکے کو بلوا بھیجا۔

لڑکا حاضر ہوا تو بادشاہ نے کہا: "ارے واہ! تیری جادوگری کا فن اس قدر کامیاب ہو گیا کہ تو نابیناؤں کو بینائی عطا کرتا ہے اور برص کے مریضوں کو ٹھیک کر دیتا ہے اور ساری بیماریاں تیرے علاج سے ٹھیک ہو جاتی ہیں۔"

لڑکے نے کہا: ''بادشاہ سلامت! میں اپنی طرف سے کسی کو شفا نہیں دیتا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی مریضوں کو شفایاب فرماتا ہے۔''

چنانچہ بادشاہ نے اسے بھی قید کر دیا اور طرح طرح کی سزائیں دینی شروع کر دیں یہاں تک کہ لڑکے نے راہب کا پتہ بتا دیا۔

راہب کو پکڑ کر لایا گیا اور اسے اپنے دین سے منحرف ہونے کا حکم دیا گیا لیکن اس نے صاف انکار کر دیا اس کے لیے ایک آرا لایا گیا اور اسے راہب کے سر کی مانگ پر رکھ کر چلا دیا گیا جس سے اس کے جسم کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

پھر بادشاہ کا وہ خاص آدمی لایا گیا جسے بینائی مل گئی تھی' اسے بھی اپنا دین چھوڑنے کو کہا گیا لیکن اس نے بھی انکار کر دیا چنانچہ اس کی مانگ پر بھی آرا چلا دیا گیا جس سے اس کا وجود کٹ کر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔

پھر وہ لڑکا پیش ہوا اس سے بھی اپنا عقیدہ ترک کرنے کا مطالبہ کیا گیا لیکن اس نے بھی اپنا دین چھوڑنے سے انکار کر دیا۔

لشکر ہلاک ہونے لگا

بادشاہ نے اس لڑکے کو اپنے سپاہیوں کی ایک ٹولی کے حوالے کر دیا اور حکم دیا: ''اسے فلاں پہاڑ پر لے جاؤ اور پہاڑ کی چوٹی پر پہنچنے کے بعد اسے اپنا دین چھوڑنے کو کہو اگر یہ اپنا دین ترک کر دے تو ٹھیک ہے ورنہ وہیں سے اسے دھکا دے کر نیچے پھینک دو۔''

سپاہی لڑکے کو لے کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ لڑکے نے دعا کی: ''الٰہی! تو ہی کارساز ہے' ان لوگوں سے نپٹ لے۔''

چنانچہ پہاڑ ڈگمگانے لگا' سارے سپاہی گر کر ہلاک ہو گئے اور لڑکا صحیح سلامت واپس بادشاہ کے دربار میں پہنچ گیا۔

لڑکے کو دربار میں دیکھ کر بادشاہ بہت حیران ہوا اس نے پوچھا: ''تیرے ساتھ جانے والے سپاہیوں کو کیا ہوا؟''

لڑکے نے جواب دیا: ''اللہ تعالیٰ نے میری کفالت و کفایت فرمائی اور انہیں تباہ کر

کے مجھے نجات عطا فرمائی۔"

بادشاہ نے لڑکے کو دوبارہ اپنے مصاحبین کی ایک جماعت کے حوالے کر دیا اور حکم دیا: "اسے کشتی میں سوار کر کے عین سمندر کے بیچ لے جاؤ اگر یہ اپنے دین سے باز آ جائے تو ٹھیک ہے ورنہ اسے سمندر میں غرق کر دو۔"

یہ جماعت لڑکے کو لے کر جب بیچ سمندر پہنچی تو لڑکے نے دعا کی:

"الٰہی! تو ہی بے نواؤں کا سہارا ہے' میری طرف سے ان سے نمٹ لے۔"

یہ دعا کرنا تھی کہ کشتی اُلٹ گئی اور بادشاہ کے حواریوں کی پوری جماعت ڈوب گئی مگر لڑکا بادشاہ کے دربار میں صحیح سلامت واپس پہنچ گیا۔

بادشاہ نے چونک کر لڑکے سے پوچھا: "تیرے ساتھ بھیجی گئی جماعت کا کیا ہوا؟"

لڑنے نے جواب دیا: "اللہ تعالیٰ نے میری طرف سے ان سے نمٹ لیا۔"

پھر لڑکے نے بادشاہ سے کہا: "اے بادشاہ! تو مجھے ہرگز قتل نہیں کر سکے گا' مجھے قتل کرنے کا ایک ہی راستہ ہے۔" بادشاہ نے پوچھا: "وہ کیا ہے؟"

ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے

لڑکے نے بتایا: "لوگوں کو ایک کھلے میدان میں جمع کرو' کھجور کے تنے پر مجھے سولی پر لٹکا دو پھر میرے ترکش سے ایک تیر کھینچ لو اور اسے کمان کے بیچ میں رکھ کر یوں کہو: بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلَامِ ۔

"اس لڑکے کے رب اللہ کے نام سے تیر چلاتا ہوں۔"

پھر مجھے نشانہ بناؤ جب ایسا کرو گے تو مجھے قتل کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔"

چنانچہ بادشاہ نے لوگوں کو ایک کھلے میدان میں جمع کیا' لڑکے کو کھجور کے تنے پر لٹکا دیا پھر اس کے ترکش سے ایک تیر کھینچا اور اسے کمان میں رکھ کر کہا: بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلَامِ ۔

"پھر نشانہ لے کر تیر چھوڑا تو وہ لڑکے کی کنپٹی پر جا لگا۔ لڑکے نے کنپٹی پر وہاں ہاتھ رکھا جہاں تیر لگا تھا پھر وہ مر گیا۔ لوگ یہ ماجرا دیکھ کر ربِ کائنات کی حقیقت اور الٰہ واحد کی توحید سمجھ گئے اور بے اختیار پکار اُٹھے: آمَنَّا بِرَبِّ الْغُلَامِ، آمَنَّا بِرَبِّ الْغُلَامِ، آمَنَّا بِرَبِّ

الْغُلَامِ ۔

''ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے' ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے' ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے۔''

لوگوں نے بادشاہ سے کہا: ''آپ جس چیز سے ڈرتے تھے' اللہ کی قسم وہ ہو کر رہا اور آپ کے سامنے آ گیا اب سب لوگ اللہ پر ایمان لے آئے ہیں۔''

بادشاہ طیش میں آ گیا اس نے حکم دیا کہ سڑکوں کے کنارے کنارے خندقیں کھودی جائیں اس کے حکم کی تعمیل میں خندقیں کھود دی گئیں اور ان میں آگ بھڑکا دی گئی۔

بادشاہ نے حکم دیا: ''جو اپنے دین سے نہ پھرے اسے اس آگ میں جھونک دو یا اس سے کہو آگ میں کود پڑو۔''

خندقوں والے برباد ہو گئے

انہوں نے ایسا ہی کیا حتیٰ کہ ایک عورت آئی اس کے ہاتھوں میں ایک بچہ تھا' وہ آگ میں گرنے سے جھجکی تو بچے نے کہا: ''اماں! صبر کر یقیناً تو حق پر ہے۔''

اسی واقعہ کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانِ عالی شان ہے:

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ○ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ○ وَشَاهِدٍ وَّ مَشْهُوْدٍ ○ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ○ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ○ اِذْهُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ○ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ○ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ○ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ○

''برجوں والے آسمان کی قسم! اور اس دن کی (قسم) جس کا وعدہ کیا گیا اور حاضر ہونے والے کی اور حاضر کیے گئے کی (قسم) ہلاک کیے گئے ایندھن بھری آگ کی خندقوں والے جب کہ وہ ان خندقوں کے کنارے بیٹھے تھے اور جو کچھ وہ مومنوں کے ساتھ کر رہے تھے' اسے دیکھ رہے تھے اور انہیں ان (مومنوں) کا یہی کام برا معلوم ہوا کہ وہ غالب و بالا' قابلِ تعریف اللہ پر

ایمان لے آئے تھے۔ وہ ذات کہ اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اور اللہ ہر چیز پر شاہد ہے۔"

چنانچہ خاتون نے بے دھڑک آگ میں چھلانگ لگا دی اس بادشاہ کا نام ذونواس تھا اور علامہ ابن کثیر اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس ظالم اور متعصب بادشاہ نے صبح سے دوپہر تک بیس ہزار مومنین صادقین کو کھائیوں میں گرا کر شہید کر دیا۔

(البروج ۸۵:۱۔۹ واقعہ کی تفصیل کے لیے کتب تفسیر ملاحظہ فرمائیں جب کہ یہ حدیث صحیح مسلم میں ۳۰۰۵ پر موجود ہے)

وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ

(۱۰۱)

گناہوں سے حفاظت

بیان کرتے ہیں کہ قوم بنی اسرائیل میں ایک ایسا عبادت گزار تھا جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے واسطے ایک ویران عبادت گاہ میں تنہا رہتا تھا اور رئیس موضع ہر روز صبح وشام اس کے پاس آتا تھا اور اس کی اس عبادت پر بہت سے لوگ اس کی تعریف کرتے تھے اس کے بعد لوگوں نے اس کو ایک ایسی حسینہ عورت کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی کہ اس کے زمانہ میں کوئی عورت اس سے زیادہ خوب صورت نہ تھی اور یہ یوں ہوا کہ وہ عورت عابد کے پاس آئی اور اپنی بلند آواز سے پکارا: ''اے وہ شخص جو انسانوں اور جنوں سے بہت جزا دینے والے کی عبادت کے واسطے علیحدہ ہوا ہے، میں تجھ سے اللہ یکتا اور بڑے احسان کرنے والے کا واسطہ دے کر درخواست کرتی ہوں۔'' نیز حضرت موسیٰ بن عمران اور محمد (ﷺ) جو کہ آخر زمانہ میں مبعوث ہوں گے، ان کے وسیلہ سے تجھ سے سوال کرتی ہوں کہ مجھے اندھیری رات میں ہر شیطان سے بچا اس لیے کہ رات بہت اندھیری ہے اور گاؤں دُور ہے اور میں ان حادثات سے جو رات کو پیش آتے ہیں، ڈرتی ہوں۔ چنانچہ عابد نے اس کے لیے دروازہ کھول دیا پس جب وہ عورت عبادت خانے میں داخل ہوئی تو اس نے اپنا کپڑا عابد کے سامنے پھیلایا اور ننگی ہو کر کھڑی ہوگئی اور اپنا جسم اس پر ظاہر کر دیا (یہ دیکھ کر) عابد نے اپنی آنکھ اس سے بند کر لی اور اپنے نفس کو اس سے محفوظ رکھا اور اس سے کہا: ''کیا تجھے اس ذات پاک سے شرم نہیں آتی جو تجھے دیکھ رہا ہے اور تیرا بھید اور راز جانتا ہے؟''

اس بے حیا عورت نے اس سے کہا: ''مجھ سے بات نہ بڑھاؤ تم کو میرے حسن وجمال

سے ضرور فائدہ اُٹھانا پڑے گا۔"

پس عابد نے اس سے کہا: "تیری عقل پر افسوس ہے' کیا تو روغن قطران (تارکول کی طرح ایک روغن ہے جو پہاڑی سرو سے نکالا جاتا ہے) اور اس آگ سے نہیں ڈرتی جو بدنوں کو جلا دیتی ہے۔ کیا تو گزشتہ زمانہ کی میری عبادت کو برباد کرے گی؟ کیا تجھ کو اس آگ سے جو بجھتی نہیں اور اس عذاب سے جو فنا نہیں ہوتا' خوف نہیں ہے؟"

اللہ کی مدد اور شیطان کا واویلا

اس کے بعد اس عورت نے عابد سے اپنی خواہش پھر طلب کی اور اپنے مطلب کا اعادہ کیا۔ چنانچہ عابد نے اس سے کہا: "میں تجھ پر چھوٹی آگ پیش کرتا ہوں۔"

اس نے چراغ تیل سے بھرا اور بتی کو اس میں مخلوط کیا اور وہ عورت دیکھ رہی تھی پھر اس نے اپنا انگوٹھا اس پر رکھا چنانچہ آگ اس کو کھا گئی پھر وہ آگ انگشت شہادت تک پہنچی اور زائل نہ ہوئی حتیٰ کہ اس کی ہتھیلی کو بھی کھا گئی اور وہ عابد کہتا تھا: "یہ دنیا کی آگ ہے' آخرت کی آگ کا کیا حال ہوگا۔"

یہ دیکھ کر عورت نے سخت چیخ ماری اور مردہ ہو کر گر پڑی۔ چنانچہ عابد اس کے حال سے متحیر ہو گیا اس نے عورت کے کپڑے سے اس کو چھپا دیا اور خود نماز کے واسطے کھڑا ہو گیا اس کے بعد ابلیس نے شہر میں پکارا: "فلاں عابد نے فلانی عورت سے زنا کیا اور اپنے عبادت خانہ میں اس کو مار ڈالا۔"

امیر شہر نے یہ سنا اور صبح بھی نہ ہونے پائی تھی کہ وہ عابد کے پاس پہنچ گیا اس کو آواز دی عابد نے اس کو جواب دیا پھر امیر شہر نے کہا: "فلانی عورت کہاں ہے؟"

عابد نے کہا: "خبردار ہو کہ وہ میرے پاس ہے۔"

امیر شہر نے اس سے کہا: "اس عورت سے کہو کہ ہمارے پاس نیچے اُترے۔"

عابد نے اس سے کہا: "وہ تو مردہ ہے۔"

(یہ سن کر) امیر نے گمان کیا کہ جو کچھ اس نے سنا ہے' سچ ہے اس نے کہا:

"اے زاہد! جس عبادت پر تو قائم تھا اس کو تو نے توڑ ڈالا اور برباد کیا اور تو نے اس

سے خوف نہ کیا جو تجھ کو پرہیزگاری کی حالت میں دیکھتا تھا یعنی تو نے اللہ تعالیٰ کا خوف نہ کیا اور تو نے اس کی لونڈی کے قتل پر کیونکر جرأت کی اور اس کام اور اس کے انجام سے تو نہ ڈرا۔"

عابد اس کے سوال کی ہیبت سے متحیر ہو چکا ہو گیا اور اس کو یہ نہ معلوم ہوا کہ اس کا کیا جواب دے اس کے بعد امیر نے اس کے عبادت خانہ کے گرا دینے کا حکم دیا اور یہ حکم دیا کہ اس کی گردن میں زنجیر ڈال دی جائے اور وہ عذاب کے مقام تک گھسیٹا جائے۔ وہ عورت لکڑیوں کے تختہ پر اس کے ساتھ تھی۔ امیر نے عابد کو آرا سے چیرنے کا حکم دیا کیونکہ اس اطراف میں زانیوں کی سزا کا یہی طریقہ اور عادت تھی۔ اس نے یہ بھی حکم دیا کہ عابد کے بارہ میں نہ تو کوئی سفارش کرے اور نہ اس کو منع کرے اور نہ اس کی کوئی حمایت کرے۔ چنانچہ جب اس کے سر پر آرا رکھا گیا تو اس نے حاسدوں کے انتقام اور ان کے کینہ کی وجہ سے ایک آہ کھینچی اور اپنے دل اور زبان سے ندا دی: "اے بھیدوں کے جاننے والے! اتنا ہی اس کی زبان سے نکلا تھا کہ ناگاہ اس نے یہ آواز سنی کہ اپنی دعا کم کرو کیونکہ میرے آسمان والے تم پر رو رہے ہیں اور میں تمام حالات میں تیری جانب دیکھتا ہوں اگر تم نے دوسری مرتبہ آہ کی تو سب آسمان اپنی جگہ سے ٹل جائیں گے۔"

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی روح اس پر واپس کر دی اور وہ زندہ ہو کر کھڑی ہو گئی۔ لوگ اس کی طرف دیکھنے لگے۔ چنانچہ اس عورت نے آواز دی: "واللہ یہ عابد مظلوم ہے، اس نے مجھ سے زنا نہیں کیا ہے۔ میں اب تک اپنے رب کی مہربانی سے باکرہ اور دوشیزہ ہوں۔" پھر اس عورت نے لوگوں سے وہ قصہ بیان کیا جو عابد نے اپنے ہاتھ کے ساتھ کیا تھا۔ چنانچہ لوگوں نے اس کا ہاتھ نکالا تو اس کو ویسا ہی دیکھا جیسا کہ اس عورت نے ذکر کیا تھا۔ امیر اپنے فعل پر نادم ہوا اور کہا: "یہ بہت بڑا مکر ہے۔"

پھر عابد نے ایک سخت چیخ ماری اور مر گیا اس کے بعد لوگوں نے اس کو اس عورت کے ساتھ اس کے دوبارہ مرنے کے بعد دفن کیا۔ پس نہیں ہے گناہوں سے پھرنا اور نہ عبادت کی طاقت مگر اللہ برتر اور بڑے کی مدد اور توفیق دائمی سے۔ (قلیوبی)

(۱۰۲)

شاہ ولی اللہ اور نجف خاں

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اس دَور میں جب کہ ہندوستان کی درس گاہوں میں ہر طرف منطق وفلسفہ کا دَور دورہ تھا' آپ نے قرآن وحدیث کے درس کا چرچا کیا۔ فارسی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ لکھا اور دوسری مفید کتابیں تصنیف فرمائیں۔ کچھ عرصہ کے لیے حرمین شریفین میں بھی مقیم رہے۔ شاہ عالم بادشاہ کے دَور میں نواب ذوالفقار الدولہ نجف خان ایرانی امیر الامراء تھا اس کے عہد میں رافضیت کی بڑی ترویج واشاعت ہوئی یہاں تک کہ دہلی میں عام طور پر خلفائے راشدین کی منقبت نہیں بیان کی جاسکتی تھی۔ ہر طرف تعزیہ پرستی اور تفضیلیت کی گرم بازاری اور دھوم دھام تھی۔ حضرت شاہ صاحب نے اسی گمراہی کے استیصال کے لیے قلم اُٹھایا اور اپنی مشہور کتاب ''ازالۃ الخفاء'' تصنیف فرمائی اس کتاب کا شائع ہونا تھا کہ روافض میں کہرام مچ گیا یہاں تک کہ امیر الامراء نجف خاں کو اس کی خبر کی گئی اس نے آپ سے کہا: ''آپ کوئی ایسی کتاب نہ لکھیں جس سے روافض کو تکلیف پہنچے۔''

آپ نے انتہائی ایمانی جرأت کے ساتھ یہ جواب دیا: ''میرا بحیثیت عالمِ دین کے فرض ہے کہ میں حق بات کا اپنی زبان وقلم سے ضرور ضرور اظہار کرتا رہوں اس لیے میں مذہب اہلِ سنت کی حمایت سے کبھی بھی اپنے قلم کو نہیں روک سکتا۔''

نجف خاں نے آپ کے اس مجاہدانہ جواب سے آپ کو اور آپ کے بھائی حضرت شاہ عبد القادر کو دہلی سے شہر بدر کر دیا۔ چنانچہ نجف خاں کے مرنے کے بعد آپ پھر دہلی واپس آ

گئے۔ ۲۵ رمضان ۱۱۵۹ھ میں آپ پیدا ہوئے اور ۷ شوال ۱۲۳۹ھ میں وصال فرمایا۔
(علماء حق ص ۵۱)

دو عبرت خیز نتائج

مندرجہ بالا حکایت سے دو عبرت خیز نتائج بہت ہی صاف طور پر برآمد ہوتے ہیں:

۱) علمائے سلف نے دین کی حفاظت و خدمت میں ظالم امراء اور بادشاہوں کے ہاتھوں کیسی کیسی ہوش ربا مصیبتیں اُٹھائی ہیں مگر مصائب و آلام کے ان طوفان میں بھی وہ برابر ملتِ اسلامیہ کی کشتی کی ناخدائی کرتے رہے اور تعلیم رسول کے مقدس سفینہ کو غرقاب ہونے سے بچاتے رہے یہاں تک کہ دینِ اسلام صحیح وسلامت حالت میں ہم لوگوں تک پہنچا۔ یہ علمائے سلف کا اُمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنا بڑا احسانِ عظیم ہے کہ قیامت تک اُمتِ مسلمہ ہزاروں شکریہ ادا کرنے کے باوجود اس بارِ منت سے سبکدوش نہیں ہوسکتی لہٰذا ان مسلمانوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں جو دن رات علمائے اُمت پر طعنہ زنی کرتے رہتے ہیں اور برملا یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ مولویوں نے سوائے مسجد کا لوٹا توڑنے اور مفت خوری کے قوم کے لیے کچھ کام ہی نہیں کیا۔ للہ! انصاف کیجیے کہ اکبر بادشاہ اور جہانگیر بادشاہ کی کفری رسومات اور اکبر کے ایجاد کردہ ''دینِ الٰہی'' کے خلاف اگر حضرت مجدد الف ثانی نے نعرۂ جہاد نہ بلند کیا ہوتا تو شاید ملحدوں نے اب تک اسلام کا حسین وجمیل نورانی چہرہ مسخ کردیا ہوتا اور ہندوستان میں حقیقی اسلام کا خدوخال لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہوجاتا اسی طرح اگر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی و حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے کمر کس کر رد روافض کا بیڑا نہ اُٹھایا ہوتا تو روافض حکام نے اپنے ظالمانہ جبر و قہر سے غالباً اہلِ سنت کا جنازہ نکال دیا ہوتا مگر آج انہی علمائے حق کی مجاہدانہ مساعی کا نتیجہ ہے کہ اکبر کا ''دینِ الٰہی'' اور اس کی مشرکانہ رسومات دفن ہوگئیں اور ان کی قبروں کا بھی کہیں نام ونشان نہیں ملتا اور حقیقی اسلام کا آفتاب اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ ہندوستان کے گوشے گوشے میں آج بھی چمک رہا ہے اور بحمدہ تعالیٰ اہلسنت کا پرچمِ عظمت اپنی قدیمی شان کے ساتھ سربلند ہوکر باشندگانِ ہند کے دل و دماغ کی دنیا میں لہرا رہا ہے۔

اب خدا ہی میری کشتی کو بچائے تو بچے

زمانۂ حال کے علماء کے لیے بھی ان نورانی حکایت میں بہت بڑی عبرت کا سامان ہے کہ ہمارے بزرگوں کی خدمتِ دین اور تبلیغِ اسلام میں جو مشکلات ومصائب درپیش ہوا کرتے تھے اور علمائے سلف جیسے جیسے ہوش رُبا اور حوصلہ شکن آفتاب ومحن کا شکار ہوا کرتے تھے۔ آج ہمارے لیے ان مشکلات ومصائب کا سواں حصہ بھی نہیں ہے پھر بھی ہم پست ہمت ہو کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہوئے ہیں نہ کوئی تبلیغی مرکز قائم کرتے ہیں' نہ تصنیفات کر کے قوم کو صاف ستھرا لٹریچر دیتے ہیں نہ کوئی تنظیم کر کے اجتماعی حیثیت سے کوئی مذہبی تحریک چلاتے ہیں۔ الحاد وبے دینی کا سیلاب کمیونزم کی شکل میں اور بدمذہبیت کا طوفان مختلف تحریکوں کی صورت میں پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے جارہا ہے اور علماء اہلِ سنت خاموش تماشائی بنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ انہیں کچھ فکر ہی نہیں کہ کتنا بھیانک انقلاب اژدھے کی طرح منہ پھاڑے چلا آرہا ہے۔ بار بار پکارنے اور فریاد کرنے کے باوجود کوئی ''لبیک'' کہنے والا تو کجا؟ کوئی پکار سننے کو بھی تیار نہیں اور بالکل وہی حال ہوگیا ہے جو کسی عربی شاعر نے اپنے ایک قطعہ میں ارشاد فرمایا:

فَلَوْ نَادَيْتَ حَيًّا لَا مُسْتَجَابَا
وَلٰكِنْ لَّا حَيَاةَ لِمَنْ تُنَادِيْ
وَلَوْ نَارًا نَفَخْتَ بِهَا اَضَاءَتْ
وَلٰكِنْ اَنْتَ تَنْفَخُ فِي الرَّمَادِ

''اگر تم کسی زندہ کو پکارتے تو وہ ضرور تمہاری پکار کا جواب دیتا لیکن تم تو اس شخص کو پکار رہے ہو جس میں زندگی ہی نہیں اگر تم آگ میں پھونک مارتے تو وہ ضرور روشن ہو جاتی لیکن تم تو راکھ میں پھونک مار رہے ہو۔'' خداوندِ کریم اپنا فضل وکرم فرمائے اور غیب سے دین ومذہب کی بقاء وترقی کا سامان پیدا فرمائے۔ آمین!

اب خدا ہی مری کشتی کو بچائے تو بچے
ظلمتیں یاس کی ہیں شام ہے طوفانوں کی

(۱۰۳)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زندگی کا آخری دن

ذوالحجہ ۲۳ ہجری کے آخری ایام میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نمازِ فجر کے لیے نکلے' آپ کا معمول تھا کہ جب تک مقتدیوں کی صفیں بالکل سیدھی نہ ہو جاتیں' تکبیر تحریمہ نہیں کہتے تھے۔ آپ نماز پڑھانے کے لیے مصلّٰی پر کھڑے ہوئے اچانک نمازیوں کی صفوں میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا مجوسی غلام ابولولوہ آ پہنچا اس کے ہاتھ میں ایک خنجر تھا جس کے دونوں طرف دھار تھی۔ وہ نمازیوں کے بیچ سے نکلتا ہوا سیدھا امیر المومنین کے پاس پہنچا اور خنجر کے تابڑ توڑ وار کرنے لگا اس نے امیر المومنین پر چھ وار کیے ایک وار آپ کے زیرِ ناف کیا۔ یہی وہ کاری ضرب تھی جس سے آپ جانبر نہ ہو سکے اور اللہ کو پیارے ہو گئے۔

آپ کے پیچھے کلیب بن ابوالکبیر رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے۔ ابولولوہ نے انہیں بھی خنجر مار دیا اس طرح ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ امیر المومنین کو خنجر کا زہر لگا تو آپ گر پڑے اسی حالت میں دریافت فرمایا: ''کیا مقتدیوں میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ موجود ہیں؟''

پھر آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھا دیا تاکہ وہ نماز پڑھائیں۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بدستور زمین پر پڑے رہے۔ نماز کے بعد آپ کو اٹھا کر گھر لایا گیا' آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا:

اِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ اَعْهَدَ اِلَیْکَ ۔ ''میں آپ کو ایک ذمہ داری دینا چاہتا ہوں۔''

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف: ''میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ آپ مجھے خلافت قبول کرنے کا مشورہ تو نہیں دیں گے؟'' امیر المومنین: ''اللہ کی قسم! نہیں۔''

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: وَاللّٰہِ! لَا اَدْخُلُ فِیْہِ اَبَدًا۔
''اللہ کی قسم! پھر تو میں خلافت کے پیچ وخم میں کبھی نہیں پھنسوں گا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بس اب اس سلسلے میں خاموش رہو' کسی سے کوئی بات نہ کرو یہاں تک کہ میں ان لوگوں کو خلافت کی پیش کش کروں جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخر دم تک راضی تھے۔ میرے پاس علی' عثمان اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کو بلالاؤ اور طلحہ رضی اللہ عنہ کا بھی انتظار کرلو اگر وہ بھی آجاتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ تم لوگ انہی میں سے کسی کو اپنا خلیفہ منتخب کرلو۔''

پھر آپ رضی اللہ عنہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''اے علی! میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں اگر تم مسلمانوں کے کسی کام کے ذمہ دار بنو تو اپنے خاندان کے افراد کو دوسرے لوگوں پر ترجیح مت دینا۔''

یہی بات آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان اور حضرت سعد رضی اللہ عنہما سے بھی کہی۔ پھر فرمایا:۔
''تم لوگ جاؤ اور باہمی مشورے سے کسی ایک کو اپنا خلیفہ منتخب کرلو۔''

پھر آپ نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ مسلمانوں کی نمازوں میں امامت کریں پھر حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بلا کر تاکید فرمائی کہ آپ یہاں دروازے پر کھڑے رہیں اور کسی کو ان کے مشوروں میں مداخلت نہ کرنے دیں پھر آپ نے یہ وصیتیں فرمائیں: ''میں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ انصارِ مدینہ کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے اور ان کا خیال رکھے کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر بے حد قربانیاں دی ہیں اور ایمان وآخرت ہی کو جائے پناہ بنائے رکھا۔ میری وصیت ہے کہ انصار کے اچھے لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے اور ان میں سے جو لوگ بُرے ہیں ان کی غلطیوں کو نظرانداز کیا جائے۔ میں اپنے بعد کے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ عربوں کا خیال رکھے کیونکہ دراصل عرب ہی اسلام کی جڑ ہے۔ ان کے مال داروں سے صدقے اور خیرات لیے جائیں اور غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کردیے جائیں۔ میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اہلِ کتاب یعنی یہود ونصاریٰ کو جو عہدوپیمان

دے اسے پورا کرے۔ یہی رسولِ اکرم ﷺ کی تعلیم ہے۔ اے اللہ! تو گواہ رہ! میں نے اپنی حد تک تیرا پیغام پہنچا دیا۔"

ان ارشادات کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: یَا عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عُمَرَ! اُخْرُجْ فَانْظُرْ مَنْ قَتَلَنِیْ۔

"عبداللہ بن عمر! جا کر دیکھو کہ میرا قاتل کون ہے۔"

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "اے امیر المومنین! آپ کا قاتل حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا نصرانی غلام ابولؤلؤہ ہے۔"

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر ٹھنڈا سانس بھرا اور فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَجْعَلْ مِیْتَتِیْ بِیَدِ رَجُلٍ سَجَدَ لِلّٰہِ سَجْدَۃً وَّاحِدَۃً۔

"تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے میری موت کسی ایسے آدمی کے ذریعے واقع نہیں ہونے دی جس نے اللہ کے لیے ایک بھی سجدہ کیا ہو۔"

پھر آپ نے اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اِذْھَبْ اِلٰی عَائِشَۃَ فَسَلْھَا اَنْ تَاْذَنَ لِیْ اَنْ اُدْفَنَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَبِیْ بَکْرٍ۔

"اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اور پوچھو کہ کیا وہ اجازت دیتی ہیں کہ میں رسولِ اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن کیا جاؤں؟"

جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اُم المومنین کے پاس اجازت لینے کے لیے پہنچے تو وہ زاروقطار رو رہی تھیں۔ انہوں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو جواب دیا: "میری تمنا تھی کہ مجھے رسولِ اکرم ﷺ اور اپنے والد کی قبر کے پاس دفن کیا جائے مگر آج میں اپنے آپ پر امیر المومنین کو ترجیح دوں گی۔"

چنانچہ ان کی مکرر اجازت کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں دفن کیے گئے۔

(البدء والتاریخ ۵/۱۸۹ والکامل فی التاریخ ۲/۳۴۷ وتاریخ ابن خلدون ۲/۵۶۹)

(۱۰۴)

کرو مہربانی تم اہلِ زمین پر

سیر الاولیاء کے مصنف امیر خورد کرمانی نے لکھا ہے کہ جب شیخ رُکن العالم ڈولے میں سوار ہو کر حضرت سلطان المشائخ کی ملاقات کے لیے آئے اور مصنف کے والد ڈولے میں شیخ کے لیے کھانا رکھنے لگے تو ڈولے میں ہر طرف کاغذ ہی کاغذ پڑے ہوئے تھے۔ مصنف کے والد نے انہیں ایک طرف کر کے کھانا رکھنے کے لیے جگہ نکالنی چاہی تو شیخ رُکن العالم نے حضرت شیخ سلطان المشائخ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: ''آپ کو معلوم ہے یہ کاغذات کیسے ہیں؟''

پھر خود ہی کہنے لگے: ''یہ حاجت مندوں کی عرضیاں ہیں جو وہ مجھے اس لیے دیتے ہیں تا کہ میں بادشاہ تک پہنچاؤں لیکن انہیں کیا معلوم کہ میں آج کس بادشاہ کے پاس جا رہا ہوں۔'' (سیر الاولیاء مترجم ص ۱۲۳)

سیر العارفین میں لکھا ہے کہ آپ کا قاعدہ تھا کہ آپ ان سب عرضیوں کے ساتھ جو ضرورت مند آپ کے تختِ رواں پر ڈال دیتے' بادشاہ کے پاس پہنچتے اور ایک خادم کو ہدایت کرتے کہ یہ عرضیاں بادشاہ کے سامنے رکھے۔ چنانچہ بادشاہ یہ سب عرضیاں آپ کی موجودگی میں پڑھواتا۔ ہر عرضی پر حکم لکھواتا اور جب تک لوگوں کی مطلب براری نہ ہو جاتی آپ وہاں سے نہ ہلتے۔ (آبِ کوثر ص ۲۶۶۔۲۶۵)

☆...... نقل ہے کہ سلطان علاؤ الدین کے بیٹے سلطان قطب الدین کے زمانے میں بھی (حضرت رکن الدین ملتانی علیہ الرحمۃ) دو مرتبہ دہلی تشریف لائے۔ اکثر ان دونوں

بزرگوں میں رابطہ خلوص ومحبت قائم رہتا۔ حضرت شیخ رکن الدین ملتانی کی عادت تھی کہ جب سلطان قطب الدین سے ملنے کی خواہش ہوتی اور دربار کو جاتے تو وہ تخت رواں کہ جس پر بیٹھے تھے اس کو کچھ دیر انتظار میں روکے رکھتے تھے اور ضرورت مند لوگ اپنی اپنی عرضیاں لکھ کر ان کے تختِ رواں پر ڈال دیتے تھے اور اپنی اپنی حاجتیں بیان کرتے۔ وہ تختِ رواں پر سوار ہو کر شاہی محل کو روانہ ہوتے۔ تیسری دہلیز پر سلطان استقبال کے لیے آتا اور اندر سے جاتا دو زانو ہو کر باادب حضرت کے سامنے بیٹھ جاتا اور حضرت کے آنے کو بہت بڑی سعادت سمجھتا۔ حضرت سلطان المشائخ اپنے خادم کو حکم دیتے کہ وہ لوگوں کی تمام عرضیاں لائے اور سلطان کے سامنے رکھ دے۔ سلطان تمام عرضیوں کو پڑھتا اور ہر عرضی کا مناسب جواب اس کی پشت پر لکھتا اور مہر لگا دیتا۔ حضرت اس وقت تک وہاں سے واپس نہ ہوتے جب تک کہ مخلوق کے تمام معاملات طے نہ ہو جاتے۔ (سیر العارفین (مترجم) ص۲۰۲)

سیّد کی غیرت

☆...... حضرت شیخ المشائخ سماء الدین سے منقول ہے کہ خان جہاں قلنگی سلطان فیروز شاہ کا وزیر تھا۔ وہ حضرت (مخدوم جہانیاں) کا بالکل معتقد نہ تھا بلکہ ان کو بُرا بھلا کہتا تھا اگرچہ سلطان ان کے کمترین معتقدین میں سے تھا۔ ایک مرتبہ خان جہاں مذکور نے ایک محرر کے لڑکے کو جیل بھیج دیا اور وہ اس پر سختی کرتا تھا جب اس محرر نے اپنے لڑکے کی آزادی کی کوئی صورت نہ دیکھی تو حضرت مخدوم جہانیاں کی خدمت میں آیا اور حضرت کو اپنے لڑکے کی سفارش کے لیے خان جہاں کے دروازے پر لے گیا۔ یہ خبر خان مذکور تک پہنچی اس نے اندر سے اپنے ملازم کے ہاتھ کہلا بھیجا: ''سید سے کہو کہ میں تمہاری سفارش ہرگز نہ مانوں گا اور تمہارا منہ بھی نہیں دیکھوں گا۔ دوبارہ میرے یہاں سفارش کے لیے مت آنا۔''

کہا جاتا ہے آپ تقریباً انیس مرتبہ خاں جہاں کے دروازے پر سفارش کے لیے گئے وہ ہر مرتبہ یہی جواب دیتا یہاں تک کہ جب بیسویں مرتبہ پھر سفارش کے لیے گئے تو اس نے اندر سے کہلا بھیجا:

''سید تم کو غیرت نہیں آتی کہ میں نے اتنی مرتبہ تم کو جواب دے دیا ہے لیکن پھر تم

میرے پاس چلے آتے ہو؟''

حضرت سید نے کہا: ''اے عزیز! میں جتنی مرتبہ آتا ہوں' مجھے ثواب ملتا ہے مگر مظلوم کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ چاہتا ہوں کہ اس مظلوم کو تمہارے ہاتھوں رہائی دِلواؤں اور تم کو ثواب پہنچاؤں۔''

خان جہاں مذکور نے جب یہ بات سنی تو اپنا سر ننگا کیا' گلے میں ایک رسی باندھی اور حضرت کے قدموں پر گر پڑا اور مرید ہو گیا اور اس مظلوم کو خلعت اور گھوڑا دیا اور رہا کر دیا اس نے کافی نذرانہ حضرت سید کو پیش کیا۔ حضرت نے وہ تمام نذرانہ مظلوم کو دے دیا اور اپنے گھر چلے آئے۔ (سیر العارفین مترجم' ص ۲۲۷)

☆...... فیروز شاہ ہر دوسرے تیسرے روز حضرت سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی قیام گاہ پر ان سے ملاقات کے لیے حاضر ہوتا اور یہ دونوں بزرگ ایک جگہ بیٹھ کر محبت آمیز گفتگو فرماتے۔ اچ اور دہلی کے باشندے اپنی اپنی حاجت اور عرض سید جلال الدین بخاری کی خدمت میں پیش کرتے اور حضرت سید جلال الدین بخاری اپنے خدام کو حکم دیتے کہ ان کی حاجات کو قلم بند کر لیں۔

جب بادشاہ ملاقات کے لیے آتا تو وہ حاجت مندوں کے کاغذات کو اس کی خدمت میں پیش کرتے۔ سلطان فیروز ان کاغذات کو غور سے پڑھ کر ہر حاجت مند کی اس کے معروضے کے مطابق حاجت روائی کرتا۔ (تذکرہ صوفیائے پنجاب' بحوالہ تاریخ فیروز شاہی' ص ۲۰۱)

وہ لوگ زیادہ مستحق ہیں

بروایت مولوی منور علی حب مسموع ہوا کہ ایک شخص مخلصین میں سے انتقال کرنے لگے' ان کے پاس کچھ مال تھا جس میں ان کو حق وصیت حاصل تھا۔ انہوں نے حضرت صاحب کے معتمد خاص مولوی منور علی صاحب مرحوم دربھنگوی کو اپنا وصی بنایا کہ میرا مال مستحقین کو تقسیم کر دیں۔ انہوں نے ایک فہرست مستحقین کی مرتب کی جس میں متوکلین کے نام لکھے اور مشورہ کی غرض سے حضرت صاحب کی خدمت میں اس کو پیش کیا۔ آپ نے بعض آدمیوں کے نام لیے جو اہلِ حاجت تھے مگر متوکل نہ تھے اور ادھر ادھر سے پھر پھرا کر اپنا

کام نکال لیتے تھے اور دریافت فرمایا کہ ان لوگوں کے نام آپ نے کیوں نہیں لکھے؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ لوگ تو دنیاداروں سے مل ملا کر اپنا کام چلا لیتے ہیں۔ میں نے ایسے لوگوں کے نام لکھے ہیں جو کسی سے تعلق نہیں رکھتے۔ آپ نے تبسم فرمایا اور بعنوان لطیفہ ارشاد فرمایا:

''واہ صاحب! خوب سمجھے۔ میاں چیز دیا کرتے ہیں ایسے شخص کو جو اس کی قدر کرے اور اس کو ضرورت ہو یہ متوکلین جن کی آنکھ میں اس کی کچھ قدر نہیں اور نیز اللہ تعالیٰ ان کا کفیل ہے' ان کو تم دیتے ہو اور جن بے چاروں کے لیے کفالت خاصہ نہیں اور وہ اس کے قدر دان بھی ہیں' ان کو محروم کرتے ہو اس حیثیت خاص سے وہ لوگ زیادہ مستحق ہیں۔''

(کتاب' کمالات امدادیہ' ص ۱۳' کمال نمبر ۱۴' از مولوی اشرف علی تھانوی' مکتبہ الفرقان گوالمنڈی لاہور)

مہر علی ہے حب نبی

مولانا فیض احمد فیض مہر منیر (سوانح حیات پیر مہر علی شاہ' گولڑہ شریف) میں پیر مہر علی شاہ کی چشم دید اور آزمودہ خیر خواہی کے متعلق لکھتے ہیں:

''حضرت کی عادت مبارک تھی کہ اپنے متعلقین سے نہایت وفاداری کا معاملہ فرماتے تھے۔ ہمیشہ انہیں نصح اور خیر خواہی سے نوازتے۔ ان کے حالاتِ دریافت فرماتے' ان پر اس قدر نوازش فرماتے تھے کہ لوگ آپ کو محض پیر نہیں بلکہ اپنا ملجا و ماویٰ اور سب سے زیادہ خیر خواہ سمجھتے تھے۔ ہر غم کی کشادگی' ہر درد کی دوا' ہر تکلیف کا مداوا' حضرت کی ذات تھی۔

ایک دفعہ مجھے عرق النساء کی تکلیف ہوئی یہاں تک کہ چارپائی سے اُٹھنا دشوار ہو گیا۔ درد کی شدت کے باعث غشی طاری ہو جاتی تھی' کروٹ بدلنے کی ہمت بھی نہ تھی۔ انہی دنوں حضرت کو پاک پتن شریف لے جاتے ہوئے ٹھٹھہ محبوب میں قیام فرمانا تھا جہاں پر حاضری میری عادت مستمرہ تھی مگر تکلیف کی وجہ سے حاضری محال تھی۔ طلبہ کی ایک جماعت آپ کی خدمت میں وہاں حاضر ہوئی تو حضرت نے استفسار فرمایا:

''تمہارا مولوی کہاں ہے؟''

انہوں نے میری حالت بیان کیا۔ آپ نے اسی وقت میاں شیخ احمد مرحوم کو فرمایا:

''ایسے سوت کی سات تاندیں (تاریں) لاؤ جس کے کاتنے والی عورت کا باپ اور خسر دونوں زندہ ہوں۔''

وہ منگوا کر ان پر دَم کر کے اور چند گانٹھیں لگا کر طلبہ کو دیں اور فرمایا:

''انہیں مولوی صاحب کے گلے میں باندھا جائے۔''

اتفاقاً مجھے اس شام نیند آ گئی اور دوبارہ وہی حالت دیکھی اس کے بعد میں نے محسوس کیا کہ درد جاتا رہا اور جسم میں ایک گنا طاقت بھی آ گئی ہے۔ فوراً حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کو تیار ہو گیا اور دوسرے روز صبح کے وقت سناواں ریلوے سٹیشن پر حضرت کی قدم بوسی کے لیے کھڑا تھا۔ حضرت تشریف لائے تو دُور ہی سے فرمایا: ''سنا ہے تم بیمار ہو گئے ہو؟''

میں نے عرض کیا: ''آپ نے بے توجہی جو فرمائی تھی، بیمار کیوں نہ ہوتا۔''

فرمایا: ''کیا توجہ نہیں کی؟''

میں نے عرض کیا تو پھر کیا میں حاضر نہیں ہو گیا؟''

(مہر منیر از مولانا فیض احمد فیض، ص ۳۱۳، طبع لاہور)

(۱۰۵)

ایمان افروز جواب

حضرت سیدنا شقیق بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ایک مرتبہ رات کے پچھلے پہر مکہ مکرمہ زادھا اللہ شرفاً وتکریماً میں مولد رسول (حضور پاک ﷺ کی پیدائش کی جگہ) کے قریب میری ملاقات حضرت سیدنا ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی۔ وہ ایک جگہ بیٹھے رو رہے تھے میں ان کے قریب جا کر بیٹھ گیا اور کہا:

"اے ابواسحاق رحمۃ اللہ علیہ! خیریت تو ہے آپ کیوں رو رہے ہیں؟"

میں نے دو تین مرتبہ پوچھا تو فرمایا: "اے شقیق رحمۃ اللہ علیہ! اگر میں بتا دوں تو میرے معاملے کو چھپائے رکھو گے یا لوگوں سے بیان کر دو گے؟"

میں نے کہا: "آپ بے فکر ہو کر بتائیں۔"

فرمایا: "میرا نفس تیس سال سے مسلسل سکباج (گوشت اور سرکہ ملا کر پکایا ہوا سالن) کھانے کی خواہش کر رہا تھا میں نے اسے تیس سال تک روکے رکھا' آج رات بیٹھے بیٹھے مجھے اونگھ آئی تو دیکھا کہ ایک نوجوان ہاتھوں میں سبز پیالہ لیے کھڑا ہے جس سے گرم گرم سکباج کی خوشبو آ رہی ہے نوجوان نے وہ پیالہ میرے قریب کرتے ہوئے کہا:

"اے ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ! یہ سکباج کھالو۔"

میں نے کہا: "جس چیز کو میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ترک کر چکا ہوں اسے ہرگز نہیں کھاؤں گا۔"

وہ کہنے لگا: "اگر یہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے نہیں ملا تو بے شک نہ کھاؤ۔ ارے! یہ بھی تو اللہ

تعالیٰ کا عطا کردہ ہے پھر تم کیوں نہیں کھا رہے؟"

اب میرے پاس رونے کے سوا کوئی جواب نہ تھا۔ میں زار وقطار رونے لگا تو اس نے کہا: "اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے' یہ کھالو۔"

میں نے کہا: "ہمیں یہ تاکید کی گئی ہے کہ جب تک معلوم نہ ہو کہ کھانا کن ذرائع سے حاصل کیا گیا ہے تب تک اس کی طرف ہاتھ نہ بڑھاؤ۔"

کہا: "اے ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ! مجھے یہ کھانا دے کر کہا گیا:

"اے خضر علیہ السلام! یہ کھانا ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لے جا کر اسے کھلاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی جان پر رحم کیا کیونکہ انہوں نے عرصہ دراز تک اپنے نفس کو سکباج نہ کھلایا اور صبر سے کام لیا۔"

اے ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ میں نے ملائکہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: "ایسا کون ہوگا کہ رزق دیا جائے اور وہ قبول نہ کرے اور ایسا کون ہے جو طلب کرے اور اسے عطا نہ کیا جائے؟"

میں نے نوجوان سے کہا: "اگر واقعی یہ کھانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے اور معاملہ اسی طرح ہے جس طرح آپ نے بتایا تو پھر میں اللہ تعالیٰ کی نعمت سے انکار نہیں کر سکتا۔"

پھر میں کھانے کی طرف متوجہ ہوا تو اچانک ایک اور نوجوان نمودار ہوا اس نے پہلے نوجوان (حضرت سیدنا خضر علیہ السلام) سے کہا: "اے خضر علیہ السلام! آپ اپنے مبارک ہاتھوں سے انہیں یہ کھانا کھلائیں۔"

چنانچہ حضرت سیدنا خضر علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مبارک ہاتھوں سے مجھے کھلانا شروع کیا یہاں تک کہ میں خوب سیر ہو گیا پھر میری آنکھ کھل گئی لیکن اس کھانے کی مٹھاس اب تک میں اپنے منہ میں محسوس کر رہا ہوں۔"

حضرت شقیق بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "آپ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ایمان افروز خواب سن کر میں نے ان کی ہتھیلی چوم لی اور بارگاہِ خداوندی میں اس ولی کامل کو وسیلہ بناتے ہوئے اس طرح عرض گزار ہوا:

"اے بھوکوں کو ان کی پسندیدہ اشیاء کھلانے والے! اے محبین کو اپنی محبت کے جام بھر

بھر کر پلانے والے! کیا تیرے ہاں شقیق کا کوئی مرتبہ ہے؟ اے میرے پاک پروردگار! تجھے اپنے اسی ولی اور اس کے ہاتھ کا واسطہ اور تجھے تیرے اس کرم کا واسطہ جو تو نے اپنے اس ولی پر فرمایا اپنے اس بندے پر بھی ایک نگاہِ کرم فرمادے جو تیرے فضل اور احسان کا محتاج ہے اگرچہ وہ اس قابل نہیں کہ اس کو یہ نعمتیں عطا کی جائیں تو محض اپنی رحمت سے فضل فرمادے۔"

جب میں دعا سے فارغ ہوا تو حضرت سیدنا ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ اٹھ کر مسجد حرام کی طرف چل دیئے اور میں بھی ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

(عیون الحکایات)

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(۱۰۶)

انفاق فی سبیل اللہ کا اجر

بیان کرتے ہیں کہ ایک فقیر خود اور اس کی بیوی اور اس کی اولاد تین دن تک بھوکے رہے اور انہوں نے کچھ نہ کھایا اس کی بی بی نے اس سے کہا: ”اے شخص! کیا تم ان لڑکوں کو نہیں دیکھتے ہو کہ ان کے چہرے زرد ہو گئے ہیں اور ان کے کلیجے پگھل گئے ہیں' ان کو ہمارے مانند صبر اور قوت نہیں ہے۔“

شوہر نے کہا: ”بخدا میں نے کئی بار چکر لگایا کہ کوئی مجھے دو دانگ کی مزدوری پر کام میں لگائے تا کہ میں ان دو دانگوں سے بچوں کی خوراک حاصل کروں لیکن میں نے کسی شخص کو بھی نہ پایا۔ بے شک ان بچوں کی وجہ سے میرے جگر میں آگ لگی ہے۔“

بی بی نے اپنے شوہر سے کہا: ”یہ میرا مقنع (دہان بند) لو اور جس قیمت سے ہو اس کو بیچو اور اس کے ثمن سے بچوں کے واسطے کھانے کی چیز خرید و کہ وہ اس کو کھائیں۔ چنانچہ اس نے وہ مقنع لیا اور دو درہم اس کی پوری قیمت پر اسے فروخت کیا پھر وہ غلہ کے بازار کی جانب چلا تا کہ غلہ خریدے اس نے راستہ میں ایک شخص کو یہ کہتے سنا: ”اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے واسطے یہ دو درہم دے دو۔ چنانچہ انہوں نے دے دیے۔“

اس کے بعد بغیر کھانے اور غلہ لینے کے بی بی کے پاس جانے سے اس کو شرم آئی کیونکہ اس کو یہ ڈر رہا کہ وہ اس کو بُری باتوں سے ایذاء دے گی اس کے بعد وہ اپنے اس کام میں جو اللہ تعالیٰ ہی کی رضا کے واسطے کیا تھا' فکر کرتا ہوا نماز کے واسطے مسجد کی طرف چلا گیا۔

چنانچہ جب رات آ گئی تو وہ اپنی بی بی بچوں کے پاس آیا اس کے وعدہ کا وقت گزر چکا تھا اس کی بی بی نے اس سے کہا: ”تم نے میرے دہان بند کو کیا کیا؟ بے شک تم نے ہمارے بچوں کو بھوک کی حالت میں چھوڑ دیا۔“

اس کے بعد شوہر نے اس کو ان حالات کی اطلاع کی جو اس کو پیش آئے تھے یعنی اپنے کاموں اور مسائل اور درویش کے سوال کو قبول کرنے کی کیفیت سے اس کو خبر دی۔ (یہ سن کر) عورت نے اس سے کہا: ”اگر تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ کیا ہے تو وہ بے نیاز صاحب نعمت اور وفادار ہے۔ کیا اچھا وہ کام ہے جو تم نے بادشاہ برتر کے ساتھ کیا ہے۔“

پھر اس نے شوہر سے کہا: ”یہ پورا بقچہ لو اس کو بیچو اور ہمارے لیے اس سے غلہ خریدو۔“

چنانچہ اس نے لے کر چکر لگایا لیکن کسی نے نہ خریدا اس کو انتہا درجے کا رنج ہوا اور اس نے وہ بقچہ لے کر اپنی بی بی کے پاس واپس آنا چاہا۔ ناگاہ راہ میں ایک شکاری کو دیکھا کہ اس کے ساتھ ایک بڑی مچھلی ہے اور وہ لوگوں کو اس مچھلی کی خریداری کے واسطے بلاتا ہے اس مردِ فقیر نے شکاری سے کہا: ”اے بھائی! تم اس بقچہ کو لو جو مجھ پر ارزاں اور بے قیمت ہو رہا ہے اور مجھے یہ مچھلی دو جو تم پر ارزاں ہو رہی ہے اور کوئی نہیں پوچھتا ہے۔“

چنانچہ جو کچھ اس نے کہا شکاری نے اس کو قبول کر لیا فوراً اس کو مچھلی دے دی۔ وہ شخص وہ مچھلی اپنی بی بی کے پاس لایا۔ چنانچہ اس نے مچھلی دیکھی تو خوش ہو گئی اور مچھلی کا پیٹ چاک کرنے کے لیے جلدی کی جب اس نے پیٹ چاک کیا تو اس میں پتھر کی شکل کی ایک چیز دیکھی جس کو وہ پہچانتی نہ تھی اس کے بعد اس پتھر کو اس کے شوہر نے لیا اور تاجروں کے پاس گیا جب انہوں نے اس کو دیکھا تو کہا: ”یہ پتھروں کی قسم سے نہیں بلکہ یہ ایسا دُر یکتا ہے کہ جس کی قیمت اور ثمن نہیں ہے یعنی یہ موتی بے بہا ہے۔“

تاجروں نے اس کی قیمت میں مبالغہ اور زیادتی کی۔ چنانچہ اس کی قیمت چودہ ہزار درہم تک پہنچی اس کے بعد اس نے اس کو اس مقدار پر فروخت کر دیا اور اس کو لے کر اپنی بی بی کے پاس گھر میں آیا۔ وہ سب اس سے بے حد خوش ہوئے اور ان سے رنج اور غم جاتا رہا اسی حال میں ناگاہ دروازہ پر ایک سائل آ موجود ہوا۔ وہ کہتا تھا:

''اے اللہ کے بندو! جو کچھ اللہ نے تم کو عطا فرمایا ہے اس میں سے مجھے بھی دو۔''

یہ سن کر وہ مرد فقیر اس کی طرف نکلا اور اس سے کہا:

''ہم سب کے واسطے آدھا مال ہے اور تیرے لیے تنہا پورا آدھا ہے اگر تم کو یہ تقسیم راضی کرے اور تم خوش ہو تو فبہا ورنہ ہم تم کو زیادہ کر دیں گے۔''

اس کے بعد اس سائل نے کہا: ''میں راضی ہوں۔''

اور وہ چلا گیا تا کہ کوئی پلہ دار لائے اور اس پر لادے پھر وہ واپس نہیں آیا اور یہ شخص اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگا اس کے بعد وہ شخص سویا۔ پس اس نے سائل کو خواب میں دیکھا اور اس سے اس کے متعلق سوال کیا۔ سائل نے کہا:

''اے شخص! میں سائل نہیں ہوں۔ میں تو وہ فرشتہ ہوں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تیرے پاس بھیجا تھا تا کہ وہ اس دولت میں جو تم کو اس نے عطا کی ہے' تیرے صبر کو معلوم کرے اور میں تم کو یہ خوش خبری دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے بے شبہ تجھ سے دو درہموں کو قبول فرمایا اور ان دو درہموں کے بدلے تم کو یہ چودہ ہزار درہم ادا کیے اور دنیا کی نعمت کے علاوہ تمہارے لیے آخرت میں ایسی نعمت تیار کی ہے کہ نہ تو آنکھ نے اس کو دیکھا اور نہ کان نے اس کو سنا اور نہ کسی آدمی کے دل پر اس کا گذر ہوا اس لیے کہ تم نے اس کے ساتھ خلوصِ نیت سے اس کی بزرگ ذات کی خوش نودی کے واسطے معاملہ کیا اور اللہ تعالیٰ اس کو محروم نہیں کرتا جو اس کے ساتھ معاملہ کرتا ہے اور بے شبہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض ان کتابوں میں فرمایا ہے جو اس کے انبیاء مرسلین علیہم السلام پر نازل ہوئی ہیں کہ اگر وہ تین چیزوں کو تین چیزوں پر مسلط نہ کرتا تو دنیا کے کام با انتظام نہ رہتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مصیبت زدہ کے دل پر صبر کو مقرر فرمایا ہے اور اگر وہ ایسا نہ کرتا تو مبتلائے مصیبت بے صبری سے مر جاتا' بدبو مردہ پر مقرر کی گئی ہے اور اگر یہ نہ ہوتی تو ہرگز کوئی مردہ دفن نہ کیا جاتا اور گھن (کیڑے) گیہوں پر مسلط کیے گئے ہیں اور اگر یہ نہ ہوتا تو بادشاہ سونے چاندی کی طرح اس کو بھی جمع کرتے۔ پس میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں اور میں بادشاہ صاحب کرم اور صاحبِ بزرگی ہوں۔'' واللہ اعلم

(نوادر قلیوبی)

(۱۰۷)

قصوں میں عبرت ہوتی ہے

ایک دن خلیفہ بغداد ابو جعفر منصور اپنے تخت شاہی پر انتہائی متکبرانہ ادا کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور ایک مکھی بار بار اس کی ناک پر بیٹھتی رہی اور وہ بار بار اُڑاتا رہا جب تنگ آ گیا تو اس نے جھلا کر ابن سلیمان مفسر سے پوچھا: ''آخر مکھی پیدا کرنے کی خدا کو کیا ضرورت تھی؟'' اس حق گو عالمِ حقانی نے برجستہ جواب دیا: ''خلاقِ عالم نے متکبروں کا غرور اور گھمنڈ توڑنے کے لیے مکھی پیدا فرمائی ہے۔''

خلیفہ منصور یہ جواب سن کر خاموش رہ گیا اور ابن سلیمان کا منہ تکنے لگا۔

(ابن خلکان ج ۲' ص ۱۱۲)

سبحان اللہ! علمائے حق کی عالمانہ جرأت اور مجاہدانہ شجاعت کا کیا کہنا؟ ان کی بے نیازی اور استغناء کی ٹھوکروں سے بڑے بڑے بادشاہوں کے تاج پامال ہو گئے مگر افسوس کہ آج کل کے مولویوں نے مال داروں کی چاپلوسی اور خوشامد میں اپنے علم کے دامنِ عظمت کو ذلت و رسوائی کے بدترین داغوں سے داغ دار بنا ڈالا اور اپنے تلامذہ اور شاگردوں کو بھی اپنے طرزِ عمل سے اسی ذلت وخواری کی دلدل میں پھنسا رہے ہیں۔ افسوس صد ہزار افسوس

شکایت ہے مجھے یارب خداوندان مکتب سے
سبق شاہین بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

حق گوئی و بے باکی

☆......خلیفہ بغداد ہارون الرشید نے ایک دن مشہور حافظ حدیث عبداللہ بن ادریس کو دربارِ شاہی میں طلب کیا اور کہا: ''میں آپ کو عہدہ قضا سونپتا ہوں۔''

آپ نے نہایت حقارت کے ساتھ بادشاہ کی اس فرمائش کو ٹھکرا دیا اور اس عہدہ کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ خلیفہ نے انتہائی غیض وغضب میں آ کر یہ کہا: ''کاش! میں تیری صورت نہ دیکھتا۔''

عبداللہ بن ادریس نے بھی نہایت ہی متانت کے ساتھ یہ جواب دیا: ''کاش! میں بھی تیری صورت نہ دیکھتا۔'' یہ فرمایا اور دربار سے اُٹھ کر چلے گئے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج اص ۲۶۱)

مشہور ظالم حجاج بن یوسف ثقفی ایک مرتبہ حج کے لیے آیا اور اتفاق سے عالمِ مدینہ حضرت سعید بن میتب تابعی کے برابر نماز کے لیے کھڑا ہوا اور امام سے پہلے رکوع وسجدہ کرنے لگا۔ حضرت سعید بن میتب نے نماز سے فارغ ہوتے ہی اپنا جوتا اُٹھا کر فرمایا: ''اے چور! اے خائن! تو اس طرح نماز پڑھتا ہے؟ میرا جی چاہتا ہے کہ یہی جوتا تیرے منہ پر ماروں۔''

اس کے بعد حجاج دمشق گیا تو حجاز کا گورنر بن کر مدینہ منورہ آیا اور فوراً مسجدِ نبوی ﷺ میں حضرت سعید بن میتب کی درس گاہ حدیث میں پہنچا اور کہنے لگا: ''آپ ہی نے حج کے موقع پر جوتا اُٹھا کر مجھے نماز کا چور اور خائن کہا تھا؟''

سعید بن میتب نے نہایت جرأت واستقلال کے ساتھ فرمایا: ''ہاں! میں نے ہی کہا تھا اور بالکل حق کہا تھا۔''

حجاج آپ کا عالمانہ تیور دیکھ کر آپ کی روحانی طاقت سے اس قدر مرعوب ہوا کہ بالکل ہی سہم گیا اور کہنے لگا: ''خداوندِ کریم آپ کو جزائے خیر دے، آپ نے مجھے بڑی اچھی تعلیم دی تھی اب میرا یہ حال ہے کہ جب نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو آپ کا جوتا میری نظروں کے سامنے ہو جاتا ہے اور آپ کے کلمات مجھے یاد آ جاتے ہیں تو میں بہت سنبھال سنبھال کر نماز پڑھتا ہوں۔'' (روح البیان ج ۸ ص ۲۲۱)

امام مالک کا بہت اللہ شریف کے بارے میں فتویٰ

خلیفۂ بغداد ہارون الرشید نے ایک مرتبہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کہا:

"میری تمنا ہے کہ میں حجاج بن یوسف ثقفی کا تعمیر کیا ہوا کعبہ شریف منہدم کر کے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بنائے کعبہ کے مطابق تعمیر کرا دوں جس کی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خواہش فرمائی تھی۔"

یہ سن کر حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت جرأت وجلال کے ساتھ فرمایا:

"اے امیر المومنین! میں آپ کو قسم دِلاتا ہوں کہ خبردار آپ ہرگز کعبہ معظمہ کو بادشاہوں کا کھلونا نہ بنائیں اگر یہ دستور نکل پڑا تو ہر آنے والا بادشاہ کعبہ کو توڑتا اور بناتا رہے گا اس طرح کعبہ معظمہ کی ہیبت وعظمت لوگوں کے دِلوں سے جاتی رہے گی۔"

امام ممدوح کا یہ جواب سن کر ہارون الرشید کا حوصلہ پست ہوگیا اور اس نے تعمیر کعبہ کا خیال چھوڑ دیا اور اس کے بعد سے آج تک کسی بادشاہ کو یہ ہمت وجرأت نہیں ہوئی کہ کعبہ کو منہدم کر کے اس کی تعمیر کرتا۔ (روح البیان ج ا ص ۲۳۲)

☆......شیخ الاسلام علامہ سلفی بڑے بارعب اور جاہ وجلال کے محدث تھے' مذہبی اختلافات کے باوجود شاہانِ مصر کے دربار میں آپ کا بڑا اثر واقتدار تھا۔ حضرت ممدوح کا یہ طریقہ تھا کہ باوجودیکہ عمر شریف سو برس سے زیادہ تھی مگر انتہائی وقار کے ساتھ حدیث بیان فرماتے تھے اور درمیانِ درس نہ پانی پیتے' نہ تھوکتے' نہ پہلو بدلتے' نہ کوئی دنیاوی گفتگو کرتے۔ ایک مرتبہ بادشاہ مصر اپنے بھائی کے ساتھ آپ کی درس گاہ میں آ گیا اور درس کے دوران بادشاہ نے اپنے بھائی سے کوئی بات کہہ دی تو آپ کو اس قدر جلال آیا کہ آپ نے تڑپ کر بادشاہ کو جھڑک دیا اور فرمایا: "ہم اس لیے حدیث نہیں پڑھتے کہ تم دونوں باتیں کرتے رہو۔"

آپ انتہائی مفلسی کی حالت میں اپنے وطن سے اسکندریہ جا کر آباد ہو گئے تھے مگر وہاں کی ایک مال دار خاتون نے آپ سے نکاح کر لیا اس لیے آپ کی مالی حالت قدرے بہتر ہوگئی اور آپ تمام عمر حدیث شریف کے درس اور کتابیں جمع کرنے میں مصروف رہے۔ ۵۷۲ھ میں ایک سو چھ برس کی عمر پا کر دار البقاء کو روانہ ہو گئے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۹۵)

(۱۰۸)

اہلِ عرب اور عہد و پیمان کی حفاظت

خلیفہ سفاح ابوالعباس پہلا عباسی خلیفہ تھا اس کا اصل نام عبداللہ تھا۔ ۱۳۲ ہجری میں برسر اقتدار آیا اور ۱۳۶ ہجری میں الانبار میں انتقال کر گیا۔ اس کے عہدِ حکومت میں عباسی تحریک انقلابی دَور سے گزر کر آئینی دَور میں داخل ہو گئی اس کے کردار اور کارناموں کے بارے میں مؤرخین خاموش ہیں البتہ بعض مؤرخین نے لکھا ہے: "وہ سمجھ دار اور فیاض حکمران تھا۔"

سفاح کے معنی ہی خونریز کے ہیں، یہ شخص بنواُمیہ کا جانی دشمن تھا اس نے بنواُمیہ کے افراد کا بے دریغ قتلِ عام کرایا اس لیے سفاح کے نام سے مشہور ہو گیا۔

بہر حال بنوعباس کی خلافت قائم ہوئی تو بنواُمیہ کے تمام سرکردہ افراد روپوش ہو گئے۔ انہیں خوف تھا کہ ان سے نہایت بُرا سلوک کیا جائے گا۔ ادھر بنوعباس کے لوگ بھی ان لوگوں کی بو سونگھ رہے تھے اور انہیں جا بجا تلاش کر رہے تھے۔

بنواُمیہ کے چھپے ہوئے سرکردہ افراد میں ابراہیم بن سلیمان بن عبدالملک بن مروان بھی شامل تھا۔ خلیفہ سفاح کے خاص آدمی نے اس کی سفارش کی اور امان طلب کی جو دے دی گئی۔ ابراہیم بن سلیمان خلیفہ کے پاس آیا، اپنی غلطیوں کی معافی مانگی۔ خلیفہ نے اسے عزت و اکرام سے نوازا، شاہی لباس پہنایا اور اپنے خواص میں جگہ دی۔

ایک دن خلیفہ سفاح ابراہیم سے کہنے لگا: "تم ایک مدت تک چھپے رہے اگر اس دوران کوئی ایسا واقعہ پیش آیا ہو جو دلچسپ اور سبق آموز ہو تو ہمیں سناؤ۔"

ابراہیم بن سلیمان نے اپنی زندگی کا سب سے نرالہ واقعہ بیان کرنا شروع کیا۔ سنیے اور عربوں کے صبر وثبات' حوصلوں اور عہد و پیاں کے احترام کی داد دیجیے۔

اب ایسے لوگ زمانے میں روز روز کہاں؟

ابراہیم بن سلیمان نے بتایا: "میری تلاش اور گرفتاری کا شاہی پروانہ جاری ہو چکا تھا میں ادھر ادھر بھاگتا پھر رہا تھا' کہیں سکون نہ تھا۔ بھاگتے بھاگتے میں حیرہ پہنچا اور صحرا میں ایک بدو کے ہاں پناہ گزیں ہوا۔ موت میرے تعاقب میں تھی اور میں اس سے بھاگتا پھر رہا تھا۔ میرے سر پر ہر وقت خوف منڈلاتا رہتا تھا کہ نجانے مجھے کب دھر لیا جائے۔ ایک دن میں چھت پر بیٹھا تھا' صحرا پر نگاہیں گاڑھ رکھی تھیں کہ دُور سے کالے جھنڈے نظر آئے۔ کوفہ سے نکلنے والا یہ قافلہ حیرہ کی جانب آ رہا تھا۔ مجھے خوف محسوس ہوا۔ میری چھٹی حس کہنے لگی کہ یہ لوگ مجھے گرفتار کرنے آ رہے ہیں۔ ممکن ہے کسی نے مخبری کر دی ہو۔ قافلہ ابھی دُور تھا' میں نے موقع غنیمت جانا اور وہاں سے نکل بھاگا۔ کوفہ آ گیا۔ سامنے کوئی منزل نہ تھی' نہ میں کسی گھرانے کو جانتا تھا جو مجھے پناہ دیتا یا مدد کرتا میں ادھر ادھر ٹامک ٹوئیاں مارتا پھر رہا تھا۔ لوگوں کی نگاہیں ایسی چبھتی ہوئی محسوس ہوئیں جیسے وہ میری تلاش میں ہیں۔ اچانک مجھے ایک بڑا گھر نظر آیا اس کا دروازہ بہت بڑا تھا اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ صاحبِ خانہ کوئی امیر کبیر اور بارسوخ آدمی ہے۔ میں غیر ارادی طور پر اس گھر میں گھس گیا اس کا صحن بہت کشادہ تھا۔ وہاں بہت اُجلے کپڑے پہنے ہوئے ایک باوقار شخص نظر آیا جو نہایت معزز اور محترم نظر آ رہا تھا اس نے مجھے دیکھا تو فوراً پوچھا: "تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟"

میں نے کہا: رَجُلٌ خَائِفٌ عَلٰی دَمِہٖ' جَاءَ یَسْتَجِیْرُ بِکَ.

"میں ایسا آدمی ہوں جو اپنی موت سے ڈرتا پھر رہا ہوں اور تم سے پناہ کا طلب گار ہوں۔"

اس نے مجھے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ اندرونِ خانہ اس کی بیویوں کے حجروں کے ساتھ ایک کمرہ تھا اس نے مجھے وہاں ٹھہرا دیا' میں ٹھہر گیا۔ صاحبِ خانہ کا حسنِ سلوک یہ تھا کہ روزانہ میرے لیے انواع واقسام کے کھانے چنے جاتے' میں نہایت سکون سے رہ رہا تھا

اس نے مجھ سے کبھی کوئی گفتگو کی نہ میرے بارے میں پوچھا کہ میں کون ہوں‘ میرا جرم کیا ہے اور وہ کون لوگ ہیں جو میری تلاش میں ہیں۔ ہاں! ایک بات میں اچھی طرح نوٹ کرتا تھا کہ وہ روزانہ صبح سویرے کہیں نکل جاتا تھا اور ظہر سے پہلے واپس آتا تھا۔

ایک دن میں نے اس سے پوچھ ہی لیا: ”میں تمہیں روزانہ جاتے دیکھتا ہوں‘ تم کہاں اور کس کام کے لیے جاتے ہو؟“

اس نے بتایا: ”میرے باپ کو ابراہیم بن سلیمان بن عبدالمالک بن مروان نے قتل کر دیا تھا‘ مجھے باوثوق ذرائع سے پتہ چلا ہے کہ وہ حیرہ ہی میں چھپا ہوا ہے۔ میں روزانہ اس کا کھوج لگانے جاتا ہوں تاکہ اس سے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لے سکوں۔“

امیر المومنین! جونہی میں نے یہ بات سنی‘ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ مجھے اپنی موت یقینی نظر آنے لگی۔ میں نے اس سے اس کا نام اور اس کے والد کا نام پوچھا اس کے جواب سے فوراً معلوم ہو گیا کہ وہ صحیح کہہ رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا: ”تم بہت دنوں سے میری میزبانی کر رہے ہو اب وقت آ گیا ہے کہ میں بھی تمہارا حق ادا کروں۔ تم نے مجھ سے بہت اچھا سلوک کیا ہے یقیناً اس کا بدلہ میری طرف سے بھی ملنا چاہیے۔ میں بتاتا ہوں کہ تم جس شخص کو تلاش کر رہے ہو وہ کہاں ہے؟“

اس نے بے تابی سے کہا: ”ہاں! ہاں! جلدی بتاؤ وہ شخص کہاں چھپا ہوا ہے؟“

میں نے کہا: ”میرے معزز مہربان! میں ہی وہ شخص ہوں جسے تم ڈھونڈ رہے ہو۔ تمہارے باپ کا قاتل تمہارے سامنے کھڑا ہے۔ میں تمہیں یہ بتانے کے لیے موجود ہوں کہ میرا نام ابراہیم بن سلیمان بن عبدالمالک بن مروان ہے‘ تم بڑی خوشی سے اپنا بدلہ لے لو۔“

اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ کہنے لگا: ”یوں لگتا ہے کہ مسلسل چھپے رہنے اور اپنے گھر والوں کی جدائی کی وجہ سے تم موت کو پسند کرنے لگے ہو۔“

میں نے کہا: ”نہیں! ایسی کوئی بات نہیں‘ میں تم سے یہ حقیقت چھپانا نہیں چاہتا کہ تمہارے باپ کا مطلوبہ قاتل میں ہی ہوں۔ میں نے تمہارے والد کو فلاں مقام پر فلاں دن

اور فلاں تاریخ کو قتل کر دیا تھا۔"

جب اس نے تفصیل سے سارا واقعہ سنا اور میری بیان کی ہوئی جزئیات پر غور کیا تو اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور اس کی آنکھوں میں غیظ وغضب کے شرارے کوندنے لگے۔ وہ دیر تک خلا میں گھورتا رہا اور کچھ سوچتا رہا پھر یوں لگا جیسے اس نے ایک قطعی فیصلہ کر لیا ہو۔ وہ دفعتاً میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا: "تم ایک دن میرے قادرِ مطلق پروردگار اور منصف حاکم کے روبرو میرے والد سے ضرور ملو گے اور وہ تم سے تمہارے ظلم' تمہاری سفا کی اور خونِ ناحق کا بدلہ لے لے گا اب رہا میرا معاملہ تو امر واقعہ یہ ہے کہ میں نے تمہیں پناہ دی تھی۔ تمہیں بچانے کا عہد کیا تھا لہٰذا میں اپنا وعدہ توڑنے کے لیے تیار نہیں کیونکہ میں بدعہدی کرنا اپنی توہین سمجھتا ہوں لیکن اب میں چاہتا ہوں کہ تم فوراً میری نظروں سے دُور چلے جاؤ۔ ممکن ہے میں اپنے نفس پر قابو نہ پا سکوں اور اپنے باپ کے خون کا بدلہ لے لوں۔"

پھر اس نے ایک ہزار دینار میری طرف بڑھا دیئے اور کہا: "یہ رقم بطورِ زادِ راہ ہے' یہ لے لو اور چلتے بنو۔" مجھے بڑی شرم آئی میں نے دینار لینے سے انکار کر دیا اور وہاں سے چل دیا۔

امیر المومنین! یہ میری زندگی کا سب سے انوکھا واقعہ ہے جو میری توقع سے ماورا نہایت عجیب وغریب' منفرد اور نرالا ہے۔ امیر المومنین! میں نے اپنی ساری زندگی میں آپ کے علاوہ اگر کسی شخص کو نہایت سخی اور اپنے وعدے کی پاس داری کرنے والا پایا ہے تو یہ وہی شخص تھا جس نے مجھے میری وحشت کے دنوں میں پناہ دی تھی اور یہ جان لینے کے باوجود کہ میں اس کے باپ کا قاتل ہوں' مجھے معاف کر دیا تھا۔

(تاریخ مدینہ دمشق لابن عساکر ۶/۳۱۶)

(۱۰۹)

سیدنا غوثِ اعظم کی غریب پروری

حضرت شیخ عبدالقادر الحسنی الحسینی الجیلانی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حج کے ارادہ سے نکلے جب بغداد کے قریب حلہ نامی موضع میں پہنچے تو آپ نے حکم دیا کہ یہاں کوئی ایسا گھر تلاش کرو جو سب سے زیادہ ٹوٹا پھوٹا اور اجڑا ہوا ہو۔ ہم اس میں قیام کریں گے اگرچہ وہاں کے امیروں اور رئیسوں نے بڑے اچھے مکانات آپ کے سامنے قیام کرنے کے لیے پیش کیے لیکن آپ نے انکار فرما دیا۔ تلاش بسیار کے بعد ایسا ایک مکان مل گیا جس میں بڑھیا' بڈھا اور ایک بچی تھی۔ آپ نے بڑے میاں سے اجازت لے کر رات اس مکان میں گزاری اور وہ تمام نذرانے اور ہدایا جو نقد' جنس اور حیوانات کی صورت میں آپ کو پیش کیے گئے تھے' آپ نے یہ کہہ کر کہ میں اپنے حق سے دست بردار ہوتا ہوں' وہ تمام کے تمام بڑے میاں کو دے دیے۔ حاضرین نے بھی آپ کی موافقت میں تمام مال واسباب ان بڑے میاں کو دے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بوڑھے کو آپ کے مبارک قدموں کی برکت سے ایسی دولت عطا فرمائی کہ ان کی اطراف میں کسی کو نہ ملی۔ (ترجمہ اخبار الاخیار' ص ۴۷۔۴۶)

☆...... حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روز ایک فقیر کو شکستہ خاطر ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا دیکھا' دریافت فرمایا: "کس خیال میں ہو اور کیا حال ہے؟"

عرض کیا: "میں دریا کے کنارے گیا تھا' ملاح کو دینے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں تھا کہ کشتی میں بیٹھ کر پار اُترتا۔"

ابھی اس فقیر کی بات پوری نہ ہوئی تھی کہ ایک شخص نے تیس اشرفیوں سے بھری ہوئی

ایک تھیلی آپ کی نذر کی۔ آپ نے وہ تھیلی فقیر کو دے دی اور فرمایا: ''جاؤ ملاح کو دے دو۔''

(اخبار الاخیار (ترجمہ) ص ۴۷ شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

☆...... ابوالحسن علی ندوی نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے اوصاف واخلاق کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: ''آنجناب کو غرباء' مساکین اور حاجت مند لوگوں پر خرچ کرنے اور انہیں کھانا کھلانے کا شوق جنون کی حد تک تھا۔ علامہ نجار نے اپنی تاریخ میں جمائی کے حوالے سے حضرت شیخ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''میں نے تمام اعمال کی تفتیش اور چھان بین کی تو میں نے ان میں کھانا کھلانے اور حسنِ اخلاق سے بڑھ کر کوئی افضل اور اشرف عمل نہ پایا۔ میں چاہتا ہوں کہ اگر ساری دنیا بھی میرے ہاتھ میں ہو تو میں وہ بھوکوں کو کھلا دوں۔''

آپ نے فرمایا: ''میری ہتھیلیاں سوراخ دار ہیں جن میں کوئی چیز نہیں ٹھہرتی اگر میرے پاس ہزار دینار آ جائیں تو شام تک ایک دینار بھی نہیں بچے گا۔''

صاحب قلائد الجواہر نے بیان کیا ہے کہ ہر رات آپ دستر خوان بچھانے کا حکم فرماتے جس پر ہزاروں مسلمان' مسافر' امیر غریب سب مل کر کھانا کھاتے۔ آپ خود ضعیف' کمزور' شکستہ دل اور ان بے چاروں کے ساتھ بیٹھتے جنہیں معاشرے میں کوئی پوچھنے والا نہ ہوتا۔ آپ کی اس شفقت اور ترحم سے انہیں اپنے افلاس اور غربت کا غم بھول جاتا۔ ہر آدمی یہی محسوس کرتا کہ آپ کو اس سے سب سے زیادہ پیار ہے جو ساتھی غائب ہوتا اس کی خیریت دریافت فرماتے۔ ہر ایک سے محبت کرتے' ان کی خطاؤں سے درگزر اور چشم پوشی فرماتے۔

(رجال الفکر والدعوۃ فی الاسلام: ص ۲۲۵۔ ۲۲۶' طبع دمشق ۱۹۶۵ء)

(۱۱۰)

مکہ معظّمہ کی شان

حضرت سیدنا عبدالعزیز اھوازی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ حضرت سیدنا سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا: ''بے شک کسی ولی کا لوگوں سے میل جول رکھنا اس کے لیے ذلت کا باعث ہے اور لوگوں سے علیحدگی باعثِ عزت۔''

اولیائے کرام رحمہم اللہ علیہم اجمعین میں سے بہت کم ایسے لوگ ہوں گے جنہوں نے گوشہ نشینی اختیار نہ کی ہو۔ حضرت سیدنا عبداللہ بن صالح رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کے مقبول ولی تھے' ان پر اللہ تعالیٰ کی بہت عطائیں تھیں' وہ لوگوں سے دُور رہنا پسند کرتے اسی لیے کبھی کسی شہر میں تو کبھی کسی شہر ہوتے۔ بالآخر وہ مکہ معظمہ زادھا اللہ شرفاً وتکریماً میں آئے اور وہیں مقیم ہو گئے۔ میں ان کی عادت سے واقف تھا کہ یہ کسی شہر میں زیادہ دن نہیں ٹھہرتے لیکن مکہ شریف میں قیام کیے ہوئے انہیں کافی دن گزر چکے تھے' میں نے پوچھا: ''آپ تو کسی شہر میں اتنا زیادہ رُکتے ہی نہیں پھر مکہ معظمہ زادھا اللہ شرفاً وتعظیماً میں اتنے دن کیوں رُک گئے؟''

فرمایا: ''بھلا میں اس عظمتوں والے شہر میں کیوں نہ رُکوں؟ میں نے کوئی ایسا شہر نہیں دیکھا جس میں مکہ معظمہ زادھا اللہ شرفاً وتعظیماً سے زیادہ رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا ہو لہٰذا مجھے یہ بات محبوب ہے کہ میں ایسے بابرکت شہر میں ٹھہروں جہاں دن رات ملائکہ کی آمد ورفت رہتی ہے۔ بے شک یہاں بہت سے عجائبات ہیں۔ ملائکہ مختلف صورتوں میں خانہ کعبہ کا طواف کرتے رہتے ہیں اگر میں وہ تمام باتیں بتادوں جو میں نے دیکھی ہیں تو

لوگ ان پر یقین نہ کریں۔''

میں نے کہا:''خدارا! ان باتوں میں سے مجھے بھی کچھ بتائیے۔''

فرمایا:''اللہ تعالیٰ کا ہر وہ بندہ جو ولایتِ کاملہ کے درجے پر فائز ہو وہ ہر جمعرات کو اس بابرکت شہر میں آتا ہے اور کبھی بھی ناغہ نہیں کرتا۔ میں اسی لیے یہاں رُکا ہوا ہوں تاکہ ان اولیائے کرام رحمہم اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی ولی کامل کی زیارت سے فیض یاب ہو سکوں۔ میں نے مالک بن قاسم جبلی رحمۃ اللہ علیہ نامی ایک شخص کو دیکھا ان کے ہاتھ میں کچھ کھجوریں تھیں، میں نے ان سے کہا:''کیا آپ کھانا کھا کر آرہے ہیں؟''

انہوں نے کہا:''استغفر اللہ میں نے تو کئی ہفتوں سے کچھ بھی نہیں کھایا۔ ہاں! میں نے اپنی والدہ کو کھجوریں کھلائی ہیں اور اب فجر کی نماز پڑھنے کے لیے حرم شریف آیا ہوں۔''

حضرت سیدنا عبداللہ بن صالح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:''حرم شریف اور اس کے گھر کا درمیانی فاصلہ سات سو فرسخ (یعنی (اکیس سو میل) تھا، وہ وہاں سے فجر کی نماز پڑھنے مسجدِ حرام میں آیا تھا، کیا تم اس بات پر یقین کرلو گے؟'' میں نے کہا:''کیوں نہیں!''

فرمایا:''تمام تعریفیں اسی پاک پروردگار کے لیے ہیں جس نے مجھے ایسے مسلمان شخص سے ملوایا جو اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی کرامات کا ماننے والا اور انہیں حق جاننے والا ہے۔'' (عیون الحکایات)

(۱۱۱)

اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ

بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ وہ ایک عورت سے ملے ان کی نظر اس پر پڑ گئی اس وجہ سے ان کو رنج ہوا اور فرمایا: ''اے اللہ! بے شک تو نے بینائی تو اپنی جانب سے ایک نعمت عطا کی ہے لیکن ڈر ہے کہ یہی بینائی مجھ پر عذاب ہوگی۔ (اس لیے) اس کو تو مجھ سے لے لے۔''

چنانچہ وہ اسی وقت اندھے ہو گئے اس کے بعد وہ مسجد جاتے تھے تو ان کا ایک چھوٹا بھتیجا ان کو کھینچ کر یعنی ہاتھ وغیرہ پکڑ کر لے جاتا تھا جب وہ لڑکا ان کو مسجد تک پہنچا دیتا تھا تو خود وہاں سے چل دیتا تھا اور لڑکوں کے ساتھ کھیلنے لگتا تھا اور ان کو چھوڑ دیتا تھا جب ان کو کوئی ضرورت پیش آتی تھی تو وہ لڑکے کو پکارتے تھے اور وہ ناخوشی سے ان کی ضرورت کو پوری کرتا تھا پھر کھیل میں لگ جاتا تھا۔ چنانچہ وہ ایک دن مسجد میں اسی حالت سے تھے کہ ناگاہ انہوں نے ایک ایسی چیز محسوس کی جو ان کے گرد پھرتی تھی وہ اس سے ڈرے اور لڑکے کو بلایا لیکن اس نے ان کو جواب نہ دیا اس کے بعد انہوں نے اپنی نظر آسمان کی جانب اُٹھائی اور کہا: ''اے میرے معبود! میرے سردار! میرے آقا! بے شک تو نے مجھے ایسی بینائی عطا فرمائی تھی کہ میں اس سے تیری اس نعمت کو دیکھتا تھا جو مجھ پر تھی لیکن میں ڈرا کہ یہ نعمت بینائی مجھ پر عذاب ہوگی۔ میں نے تجھ سے سوال کیا کہ تو اس کو لے لے تو نے اس کو لے لیا اور اب میں بینائی کا محتاج ہوں اس لیے اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو اس کو مجھ پر واپس کر دے۔''

پس اللہ تعالیٰ نے بینائی کو اس پر پھیر دیا یعنی اسی وقت اس کو انکھیارا کر دیا اور وہ بینا ہو کر اپنے گھر چلا گیا۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (انوار محبوبی ترجمہ نوادر قلیوبی)

(۱۱۲)

ارادے جن کے پختہ ہوں

حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد ماجد مولانا فضل امام صاحب سے تمام علوم وفنون کی تحصیل کر کے سند حدیث مولانا شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی سے حاصل کی اور چودہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوکر اپنے والد ماجد کے تلامذہ کو درس دینے لگے۔

علامہ موصوف اہلِ سنت کے مسلم الثبوت مایہ ناز عالم تھے۔ مولوی اسماعیل دہلوی نے جب تقویۃ الایمان لکھ کر وہابیت کی اشاعت کی تو آپ نے مولوی اسماعیل دہلوی سے مناظرہ فرمایا اور آپ کے تقریری وتحریری مناظروں سے مولوی اسماعیل دہلوی کی تمام گمراہیاں تارِ عنکبوت کی طرح ٹوٹ پھوٹ کر بکھر گئیں اور وہابیت کے پرخچے اُڑ گئے۔

آپ بادشاہِ اکبر شاہ ثانی کے زمانے میں ریذیڈنٹ کے محکمہ میں سرشتہ دار رہے پھر نواب جھجھر کے یہاں آگئے پھر نواب رام پور کے اتالیق کچھ عرصہ لاہور میں بھی قیام فرمایا۔ پھر نواب واجد علی شاہ کے عہد میں صدر الصدور کے عہدہ پر فائز ہو گئے۔ ۱۸۵۷ء میں غدر کا ہنگامہ رونما ہوا تو دہلی آئے اور بہادر شاہ سے ملے اور انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ تحریر فرمایا۔ بہادر شاہ کو جب انگریزوں نے گرفتار کر کے رنگون بھیج دیا اور آپ اپنے وطن خیر آباد میں روپوش ہو گئے لیکن حاکم سیتاپور نے آپ کو گرفتار کر کے لکھنؤ بھیج دیا اور انگریزوں نے بغاوت کے جرم میں آپ پر مقدمہ چلایا۔ سرکاری وکیل کے سامنے حضرت علامہ خود ہی بحث کرتے تھے اور سرکاری وکیل کو بار بار خاموش کر دیتے تھے۔ جج یہ رنگ دیکھ کر پریشان تھا جج

کے سامنے آپ کی موجودگی میں جب سرکاری گواہ پیش ہوا تو اس نے آپ کو دیکھ کر کہا کہ یہ وہ فضل حق نہیں ہیں جنہوں نے جہاد کا فتویٰ دیا ہے۔ وہ دوسرے شخص ہیں۔ آپ فوراً بول اُٹھے کہ اس گواہ کی پہلی اطلاع بالکل صحیح ہے اب یہ جو کچھ کہہ رہا ہے بالکل غلط ہے مجھ پر جرم عائد کیا گیا ہے وہ بالکل درست ہے میں وہی فضل حق ہوں جس نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا ہے اور آج بھی اپنے فتویٰ پر قائم ہوں۔ جج نے آپ کے اس اقبالی بیان سے مجبور ہو کر حبس دوام بہ عبور دریائے شور کی سزا تجویز کی جس کو آپ نے بخندہ پیشانی قبول فرمالیا اور آپ جزیرہ ''انڈیمان'' بھیج دیئے گئے اور وہیں ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ میں آپ نے وفات پائی۔ (علماء حق ص ۵۶)

سرکاری گواہ کے اس بیان کے بعد کہ یہ فضل حق نہیں ہیں جنہوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا ہے۔

''حضرت علامہ کا باعزت بَری ہو کر رہا ہو جانا بالکل یقینی تھا مگر حضرت علامہ کی غیرتِ ایمانی نے اس کو قبول نہیں کیا کہ میں اپنے فتویٰ سے رجوع کروں یا اپنے فتویٰ کو چھپاؤں۔ آپ نے قید و بند اور جلاوطنی کی ہوشربا مصیبتوں کو بخندہ پیشانی قبول فرمالیا مگر حق اور ضمیر کی آواز کے خلاف بولنا تو درکنار خاموش رہنا بھی گوارا نہیں فرمایا مگر اس تاریخی دستاویز سے آپ کے عزم راسخ اور استقلال و استقامت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ انگریزوں کے خلاف جہاد حریت میں کتنے ثابت قدم تھے اور کتنے اولوالعزم اور مجاہدانہ جرأت کے ساتھ انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا تھا مگر افسوس کہ مذہبی تعصب کی بناء پر دیوبندی پریش نے مولوی اسماعیل دہلوی اور سید احمد شاہ رائے بریلوی وغیرہ کو بحیثیت مجاہد حریت خوب خوب اچھالا مگر علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا کبھی بھول کر بھی تذکرہ نہیں کیا حالانکہ واقع یہ ہے کہ مولوی اسماعیل دہلوی وغیرہ نے زندگی بھر کبھی انگریزوں سے جہاد تو بڑی چیز ہے کبھی انگریزی حکومت کے خلاف زبانی تنقید بھی نہیں کی بلکہ مستند تواریخ اور تاریخی دستاویزوں سے یہ ثابت ہے کہ مولوی اسماعیل دہلوی کی پارٹی کو انگریز افسران رقم اور راشن دیا کرتے تھے اور کبھی کبھی ان لوگوں کی دعوتیں بھی کرتے تھے چنانچہ علامہ مشتاق

احمد نظامی الٰہ آبادی سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ''خون کا آنسو'' میں بہت اچھی طرح اس حقیقت کی نقاب کشائی کی ہے کہ مولوی اسماعیل دہلوی کی پارٹی نے جو بالاکوٹ وغیرہ صوبہ سرحد کے علاقوں میں مسلمان امیروں اور سکھوں سے جنگ کی وہ انگریزوں کے اشارے پر کی اور اس کا مقصد انگریزی حکومت کی بنیادوں کو مستحکم کرنے کے سوا کچھ نہیں تھا۔

مگر ہٹلر کا وزیر نشریات ''گوبلز'' کہا کرتا تھا کہ بڑے سے بڑا جھوٹ کیوں نہ ہو لیکن اسے بار بار کہتے رہو تو چند دنوں میں وہ جھوٹ سچ ہو جائے گا بلکہ یہی معاملہ ہوا کہ مولوی اسماعیل دہلوی کو جھوٹ موٹ انگریزوں کے مقابلے میں ''مجاہد حریت بنا کر اس جھوٹ کو دیوبندی پریس نے برس ہا برس اس قدر اُچھالا کہ آج واقعی لوگ مولوی اسماعیل دہلوی کو سچ مچ مجاہد حریت سمجھنے لگے بلکہ ''شہید جہاد حریت'' کے خطاب سے یاد کیے جانے لگے حالانکہ حقیقت یہ ہے جو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شعر میں تحریر فرمادی ہے کہ ۔

وہ جسے وہابیہ نے دیا یہ لقب شہید و ذبیح کا
وہ شہید لیلیٰ نجد تھا وہ ذبیح تیغ خیار ہے

(روحانی حکایات)

نظر جن کی خدا پر ہو

حضرت مولانا محمد نور صاحب لکھنوی (شاگرد ملک العلماء بحرالعلوم) ایک روز کہیں تشریف لے جا رہے تھے' سامنے سے بادشاہ اودھ کا وزیر علی بخش ہاتھی پر چلا آ رہا تھا اس نے حضرت کو دیکھ کر اتنا ادب کیا کہ ہاتھی کو بٹھا کر زمین پر اتر آیا اور قریب آ کر سلام عرض کیا لیکن چونکہ اس کی داڑھی منڈھی ہوئی تھی اور وہ رافضی بھی تھا اس لیے آپ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اس نے سمجھا کہ شاید مجھے دیکھا نہیں اس لیے دوسری طرف سے جا کر سلام کیا۔ آپ نے ادھر سے بھی منہ پھیر لیا اس نے تیسری مرتبہ پھر سلام کیا مگر آپ نے جواب نہیں دیا تو وہ غصہ میں بھرا ہوا ہاتھی پر چڑھ کر یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ میں نے فرنگی محل کے مردوں کی داڑھیاں اور عورتوں کا سر نہ منڈوایا تو علی بخش نام نہیں جب آپ مکان پر تشریف لے گئے تو ایک طالبِ علم نے علی بخش کا وہ فقرہ عرض کیا۔ آپ یہ سن کر فوراً باہر تشریف لائے اس وقت حضرت مولانا سید آل رسول صاحب مارہروی اور حضرت مولانا فضل رسول صاحب بدایونی رحمۃ اللہ علیہما آپ کے دونوں طالبِ علم تھے۔ عرض کیا: ''حضور! کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟''

آپ نے پوربی زبان میں فرمایا: ''بچو نورا کی حماقت تو ہے۔ علی بخش آیا تھا' سلام کیا تھا۔ جواب دے دیا ہوتا اب وہ کسی کی داڑھی مونڈھے ہے کسی کا موتڑ موڑے ہے۔ نورا کی حماقت تو ہے۔''

یہ کہہ کر آپ سیدھے شاہی محل کو روانہ ہو گئے حالانکہ اس سے پیشتر آپ کبھی بھی شاہی محل میں تشریف نہیں لے گئے تھے۔ پیچھے پیچھے آپ کے یہ دونوں شاگرد بھی ہمراہ چلے اس دن نوروز کا دن تھا اور شاہی محل میں جشن ہو رہا تھا جب دربان نے آپ کو آتے دیکھا تو گھبرا

کر دوڑتا ہوا گیا اور بادشاہ کو آپ کی آمد کی خبر دی۔ بادشاہ سن کر گھبرا گیا اور حکم دیا کہ گانے بجانے اور شراب وکباب کا سارا سامان فوراً ہٹا دیا جائے اور خود دروازے تک استقبال کر کے حضرت کو اندر لے گیا اور انتہائی تعظیم وتکریم کے ساتھ آپ کو بٹھایا۔ بادشاہ کا وزیر علی بخش یہ منظر دیکھ کر کانپ اُٹھا کہ ضرور میری شکایت کریں گے اور خدا ہی جانے بادشاہ کیا کچھ کرے گا مگر حضرت وزیر کی شکایت کرنے تو گئے نہیں تھے بلکہ وزیر کو اپنی عظمت دِکھانے کے لیے تشریف لے گئے تھے تاکہ وہ ایذاء رسانی کے خیال سے باز رہے۔ آپ تھوڑی دیر خاموش بیٹھے رہے پھر بادشاہ نے عرض کیا: ''حضرت اس وقت کیسے تشریف لائے؟''

ارشاد فرمایا: ''تیری زمین میں رہتے ہیں' ہم نے کہا ذرا ہو آئیں۔''

بادشاہ نے نوروز کی شیرینی پیش کی تو فرمایا: ''ہمارے دو بچے بھی باہر ہیں۔''

چنانچہ دونوں حضرات کو بھی بلا لیا گیا۔ تھوڑی دیر تشریف رکھ کر واپس تشریف لے گئے۔ (حیاتِ اعلیٰ حضرت ج۱ ص۲۴۰)

(۱۱۳)

دجال کا جاسوس

رسول اللہ ﷺ نے نماز ختم کی اور منبر پر تشریف لائے۔ ارشاد ہوا:
''ہر شخص اپنی جگہ بیٹھا رہے۔''
پھر دریافت فرمایا: ''جانتے ہو میں نے تمہیں بیٹھے رہنے کے لیے کیوں کہا ہے؟''
صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا: ''اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔'' فرمایا: اِنِّیْ وَاللّٰہِ! مَاجَمَعْتُکُمْ لِرَغْبَۃٍ وَلَا لِرَھْبَۃٍ۔
''میں نے تمہیں شوق دِلانے یا ڈرانے کے لیے جمع نہیں کیا۔''
تمہیں جمع کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ تمیم داری جو پہلے نصرانی تھا اب اس نے آکر اسلام قبول کرلیا ہے۔ بیعت بھی کی ہے پھر اس نے مجھ سے ایک ایسی بات بیان کی ہے جو میرے اس بیان کے مطابق ہے جو میں تم سے مسیح دجال کے بارے میں کیا کرتا تھا اب اللہ کے رسول ﷺ نے تمیم داری کی زبانی بیان کردہ بات سنانا شروع کی۔
میں لخم اور جذام قبائل کے تیس آدمیوں کے ساتھ سمندر میں (چوبی جہاز) پر سوار تھا۔ ایک بڑی موج آئی اور جہاز کو بہا کر لے گئی۔ سمندری طوفان میں ہمارا جہاز ایک مہینے تک اِدھر اُدھر لڑھکتا رہا پھر اس کا رُخ ایک جزیرے کی طرف ہوگیا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ جزیرے کے قریب پہنچ کر ہم ایک چھوٹی سی کشتی میں سوار ہو گئے پھر جزیرے میں داخل ہوئے، ہم نے وہاں ایک گھنے اور کھردرے بالوں والا چوپایہ دیکھا۔ بالوں کی بہتات کی وجہ سے اس کی اگلی اور پچھلی جانب کا کوئی پتہ ہی نہ چلتا تھا۔

لوگوں نے اس سے پوچھا: ''تمہارے لیے بربادی ہو! تم کون ہو؟''

وہ کہنے لگا: ''میں جساسہ ہوں۔'' پوچھا: ''جساسہ کیا بلا ہے؟''

وہ بولا: ''اے قوم! ایسا کرو اس (سامنے والے) گرجا گھر میں ایک شخص رہتا ہے اس کے پاس چلے جاؤ' وہ تمہیں بڑے شوق سے ساری بات بتائے گا اور (تمہاری بات بھی) سنے گا۔ وہ تمہارے بارے میں جاننے کا بہت مشتاق ہے۔''

جب اس نے ہمیں متذکرہ آدمی کے بارے میں بتلایا تو ہمیں اس چوپائے کے بارے میں شیطان ہونے کا خوف ہوا۔ ہم لوگ جلدی سے اس آدمی کی طرف چل دیئے اور گرجے میں داخل ہوئے وہاں ایک آدمی تھا' وہ بہت لمبا تڑنگا تھا اس کے دونوں ہاتھ گردن کے ساتھ اور دونوں زانو ٹخنوں تک لوہے (کی زنجیر) سے جکڑے ہوئے تھے۔ ہم نے اتنی سختی سے جکڑا ہوا آدمی کبھی نہ دیکھا تھا۔ ہم نے پوچھا: ''ارے کم بخت! تو کیا چیز ہے؟''

وہ بولا: ''تم لوگ اب میری خبر پر قابو پا ہی لو گے (اب تمہیں میرا حال معلوم ہو جائے گا) پہلے تم بتاؤ کہ تم کون لوگ ہو؟''

ہم نے کہا: ''ہم عرب لوگ ہیں' ہم ایک سمندری جہاز میں سوار ہوئے' سمندر کی موجیں ہم سے ایک مہینے تک کھیلتی رہیں اور ہم کسی نہ کسی طرح تیرے اس ٹاپو سے آ لگے پھر ہم ایک چھوٹی سی کشتی میں بیٹھ کر ٹاپو میں داخل ہوئے یہاں ہمیں ایک بھاری دُم کا بہت گھنے بالوں والا جانور ملا۔ بالوں کی کثرت سے اس کے اگلے پچھلے حصے کی شناخت ہی نہیں ہو پا رہی تھی۔'' ہم نے پوچھا: ''اے کم بخت! تو کیا بلا ہے؟''

وہ بولا: ''میں جساسہ ہوں۔'' ہم نے پوچھا: ''یہ جساسہ کیا ہے؟''

اس نے جواب دیا: ''تم لوگ اس آدمی کے پاس چلے جاؤ جو گرجے کے اندر ہے' وہ تمہاری خبر کا بے حد مشتاق ہے۔''

چنانچہ ہم لوگ تیزی سے دوڑتے ہوئے تیرے پاس آ پہنچے اور ڈرے کہ مبادا تو کوئی بھوت پریت ہے۔

زنجیروں میں جکڑے ہوئے آدمی نے پوچھا: ''اچھا تم لوگ مجھے بیسان (فلسطین کی

ایک بستی) کے نخلستان کے بارے میں تو بتاؤ؟"

ہم نے کہا: "تو اس نخلستان کے بارے میں کیا پوچھنا چاہتا ہے؟"

وہ بولا: "میں اس نخلستان کے بارے میں پوچھتا ہوں کہ کیا وہ پھلتا پھولتا ہے؟"

ہم نے کہا: "ہاں پھلتا پھولتا ہے۔"

اس نے کہا: "اب عنقریب وہ نہیں پھلے پھولے گا۔"

پھر اس نے کہا: "مجھے طبرستان کے سمندر (یہ سمندر فلسطین میں ہے، جو فلسطین اور اردن کے درمیان حد فاصل ہے) کے بارے میں بتاؤ۔"

ہم نے کہا: "اس کے بارے میں تو کیا پوچھنا چاہتا ہے؟"

اس نے سوال کیا: "کیا اس میں پانی ہے؟"

ہم نے کہا: "ہاں! اس میں تو بہت زیادہ پانی ہے۔"

وہ بولا: "عنقریب اس کا پانی سوکھ جائے گا۔"

پھر اس نے کہا: "مجھے زغر (ملک شام کا ایک شہر) کے چشمے کے متعلق معلومات دو۔"

ہم نے کہا: "تو اس چشمے کے بارے میں کیا جاننا چاہتا ہے؟"

کہنے لگا: "کیا اس میں پانی ہے اور کیا وہاں کے لوگ اس پانی سے کھیتی باڑی کرتے ہیں؟"

ہم نے بتایا: "اس میں بہت پانی ہے وہاں کے لوگ اس کے پانی سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور کھیتی باڑی کرتے ہیں۔"

وہ پوچھنے لگا: "مجھے نبی الامی ﷺ کے بارے میں بتاؤ کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟"

ہم نے کہا:

"وہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لا چکے ہیں۔"

اس نے دریافت کیا: "کیا ان سے عربوں نے لڑائی کی ہے؟"

ہم نے کہا: "ہاں!" پوچھا: "اس کا نتیجہ کیا نکلا؟"

ہم نے کہا: "انہوں نے قرب وجوار کے عربوں پر قبضہ پالیا ہے اور عربوں نے ان کی

اطاعت قبول کر لی ہے۔" کہنے لگا: "کیا ایسا ہو گیا ہے؟" ہم نے کہا: "ہاں!"

وہ کہنے لگا: "یہ عربوں کے حق میں بہت اچھا ہے کہ اس کی اطاعت کریں لو اب میں تمہیں اپنے بارے میں بتاتا ہوں۔

میں مسیح دجال ہوں اب وقت آیا ہی چاہتا ہے کہ مجھے یہاں سے نکلنے کی اجازت مل جائے گی جب میں نکلوں گا تو ساری دنیا میں گھوموں گا' تمام چھوٹی بڑی بستیوں کا چالیس دنوں میں دورہ کر لوں گا۔ ہاں! میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہو پاؤں گا کیونکہ ان دونوں شہروں میں میرے لیے داخل ہونا حرام ہے جب بھی میں ان دونوں شہروں یا ان میں سے کسی ایک شہر میں داخل ہونے کی کوشش کروں گا ایک فرشتہ ننگی تلوار سونتے ہوئے میرا استقبال کرے گا اور مجھے شہر میں داخل ہونے سے روک دے گا۔ ان شہروں کے ہر راستے پر فرشتے ہیں جو ان کی حفاظت کرتے ہیں۔"

اس حدیث کی راویہ فاطمہ بنت قیس ہیں جو ضحاک بن قیس کی بہن ہیں۔ وہ کہتی ہیں:

"اس موقع پر اللہ کے رسول ﷺ اپنے منبر پر کھڑے تھے' آپ نے اپنے عصا سے منبر پر ٹیک لگائی اور فرمایا:

هٰذِهٖ طَيْبَةُ' هٰذِهٖ طَيْبَةُ' هٰذِهٖ طَيْبَةُ' يَعْنِي الْمَدِيْنَةَ .

"یہ طیبہ ہے' یہ طیبہ ہے' یہ طیبہ ہے۔" یعنی مدینہ

پھر فرمایا: "کیا میں نے تمہیں یہ باتیں نہیں بتائی تھیں؟"

لوگوں نے جواب دیا: "بے شک بتائی تھیں۔"

ارشاد ہوا: "جب مجھ سے تمیم نے یہ اوپر والی باتیں بیان کیں تو یہ وہی باتیں تھیں جن کا میں تم سے ذکر کر چکا ہوں اور مکہ اور مدینہ کے بارے میں بتا چکا ہوں۔

أَلَا! إِنَّهُ فِيْ بَحْرِ الشَّامِ أَوْ بَحْرِ الْيَمَنِ' لَا بَلْ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ .

"آگاہ رہو! دجال بحر شام (بحیرۂ روم) یا بحر یمن (بحیرۂ عرب) میں نہیں بلکہ وہ مشرق (بحر ہند) کی جانب سے آئے گا۔"

پھر آپ نے مشرق کی طرف اشارہ فرمایا۔ (صحیح مسلم حدیث ۲۹۴۲)

(۱۱۴)

ابوالحسن نوری علیہ الرحمہ اور کمالِ ایثار

حکایات میں یہ بات مشہور ہے کہ جب غلام الخلیل نے اس گروہ (اصفیاء) کے ساتھ جب اپنی عداوت ظاہر کی اور ہر ایک سے دشمنی کا اظہار کیا اور سرکاری آدمی حضرت نوری و حضرت رقام و حضرت ابوحمزہ کو پکڑ کر دارالخلافہ میں لے گئے اور غلام الخلیل نے کہہ دیا کہ بے دین کی جڑ کٹ جائے گی کیونکہ سب بے دینوں کے سرغنہ یہی لوگ ہیں اور جس کے ہاتھ سے یہ نیکی ہو میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے لیے بہت بڑے اجر کا ضامن ہوں چنانچہ خلیفہ نے اسی وقت ان کی گردن اُڑا دینے کا حکم دیا۔ جلاد آ گیا اور تینوں کے ہاتھ باندھ دیئے جب جلاد نے حضرت رقام کے قتل کرنے کا قصد کیا تو حضرت نوری اُٹھ کر بڑی خوشی سے حضرت رقام کی جگہ جلاد کے سامنے جا بیٹھے۔ لوگوں کو بڑا تعجب ہوا۔ جلاد نے آپ سے کہا: ''اے جوانمرد! یہ تلوار ایسی چیز نہیں ہے کہ کوئی ایسی رغبت سے اس کے سامنے آ جائے جیسے کہ تم آ گئے ہو حالانکہ ابھی تک تمہاری باری نہیں آئی۔''

آپ نے فرمایا: ''یہ صحیح ہے کہ میری باری نہیں آئی لیکن میرا طریق ایثار پر مبنی ہے اور دنیا میں عزیز ترین چیز زندگی ہے لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ یہ چند سانسیں بھی ان بھائیوں کے کام میں صرف کروں کیونکہ دنیا کا ایک سانس آخرت میں میرے نزدیک ہزار سانس سے بہتر ہے اس لیے یہ دنیا عمل کا گھر ہے اور آخرت ثواب کا اور ثواب خدمت کرنے پر ہی حاصل ہوتا ہے۔''

جب قاصد نے یہ خبر خلیفہ کو پہنچائی تو خلیفہ آپ کی طبیعت کی رقت اور آپ کے کلام کی

باریکی کی وجہ سے سخت متعجب ہوا اور آدمی بھیج کر حکم دیا کہ ان لوگوں کے معاملہ میں سردست توقف کیا جائے۔ ابوالعباس بن علی اس وقت قاضی القضاۃ تھے۔ چنانچہ ان کا معاملہ آپ کے سپرد کر دیا گیا۔ وہ ان تینوں حضرات کو اپنے گھر لے گئے اور جو کچھ ان حضرات سے شریعت وحقیقت کے احکام کے متعلق دریافت کیا' اس میں ان کو درست پایا۔ وہ اپنی غفلت کی وجہ سے ان کے حال سے سخت پریشان وپشیمان ہوا اس پر حضرت نوری نے فرمایا:

''اے قاضی! آپ نے یہ سب کچھ تو پوچھا مگر پوچھنے کی بات نہ پوچھی:

فان لله عبادا یاکلون بالله ویشربون بالله ویلبسون بالله ویقولون بالله۔

''پس بلاشبہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ ان کا کھانا' پینا' بیٹھنا اور بولنا سب اللہ کے ساتھ ہے۔''

کیونکہ ان کا قیام وقعود ونطق وحرکت وسکون سب اللہ کے ساتھ ہے اسی کے ساتھ وہ زندہ ہیں اور اسی کے مشاہدہ سے ان کی بقاء ہے کہ اگر لحظہ بھر مشاہدۂ حق ان کے حال سے منقطع ہو جائے تو ان کے وجود میں میں شور برپا ہو۔ قاضی صاحب آپ کے کلام کی دقت اور آپ کے حال کی صحت پر بڑے متعجب ہوئے اور خلیفہ کو لکھ دیا کہ اگر یہ لوگ ملحد ہیں تو

من الموحد فی العالم۔ ''پھر جہان میں موحد کون ہے؟''

میں گواہی دیتا ہوں اور حکم کرتا ہوں کہ اگر یہ لوگ بے دین ہیں تو پھر روئے زمین پر کوئی موحد نہیں۔ خلیفہ نے ان حضرات کو بلا کر فرمایا: ''کوئی حاجت طلب کرو۔''

انہوں نے فرمایا: ''ہمیں صرف یہ حاجت ہے کہ آپ ہمیں بالکل فراموش کر دیجیے نہ ہمیں اپنے قبول سے مقرب بنائیے اور نہ اپنے ہجر سے راندہ درگاہ کیجیے کیونکہ آپ کا ہمیں چھوڑ دینا بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ رد کر دینا۔''

☆..... خلیفہ رو پڑا اور عزت واحترام سے ان کو واپس کر دیا۔

(کشف المحجوب (ترجمہ) ص ۲۹۱)

حضرت ابوالحسن انطاکی خراسان کے شہر رَے میں رہتے تھے۔ ایک دن تیس سے

زیادہ مہمان آ گئے اور روٹی تھوڑی تھی' تیاری کا موقع نہ تھا' رات کا وقت تھا' انہوں نے جتنی روٹیاں موجود تھیں' سب کے ٹکڑے کیے اور دستر خوان پر ان کو پھیلا کر سب کو بٹھانے سے پہلے چراغ گل کر دیا اور سب نے کھانا شروع کر دیا۔ سب کے منہ چلانے کی آواز آتی تھی جب دیر ہو گئی گویا سب بالکل فارغ ہو گئے تو چراغ جلا دیا گیا اور دستر خوان اُٹھایا گیا اس میں وہ سارے ٹکڑے بدستور رکھے تھے۔ سب ہی خالی منہ چباتے رہے' کسی نے بھی اس خیال سے نہ کھایا کہ اچھا ہے' دوسرے ہی کا کام چل جائے گا۔ صوفیاء کی پہچان ہی یہی ہے کہ وہ اپنے پیٹ اور نفس کے بندے نہیں ہوتے۔ وہ اپنے لیے نہیں بلکہ دوسروں کے لیے جیتے ہیں' وہ خود بھوکے رہتے ہیں اور دوسروں کو کھلاتے ہیں جو آدمی پیٹ کا پجاری اور اپنے پیٹ پر ہاتھ مارنے والا ہے' وہ کبھی صوفی نہیں ہو سکتا۔ تصوف و طریقت تو نام ہی خدمتِ خلق کا ہے۔ (مخزن اخلاق' ص ۲۴۰)

(۱۱۵)

تیرتی ہوئی ہنڈیا

حضرت سیدنا ابو مسلم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت سیدنا اسود بن سالم رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''ایک مرتبہ میں اپنے ایک دوست کے ساتھ ''طرسوس'' کی طرف روانہ ہوا جب وہاں پہنچے تو جہاد کے لیے صدائیں بلند ہو رہی تھیں، کفار سے لڑنے کے لیے طرسوس کے مجاہد روم کی طرف جا رہے تھے۔ ہم بھی مجاہدین کے ساتھ دشمن کی سرکوبی کے لیے روانہ ہو گئے، روم کے کسی علاقے میں میرا رفیق بیمار ہو گیا۔ میں نے اس سے پوچھا: ''کیا تمہیں کسی چیز کی خواہش ہے؟''

کہا: ''ہاں! میں بھنی ہوئی بکری اور اخروٹ کھانا چاہتا ہوں۔''

میں نے کہا: ''بیماری کی وجہ سے تمہارا دماغ چل گیا ہے اس لیے ایسی باتیں کر رہے ہو؟ ذرا سوچو تو سہی، ہم اس وقت دشمنوں کے علاقے میں ہیں اور تم بھنی ہوئی بکری کی خواہش کر رہے ہو، یہ بہت مشکل ہے کہ تمہاری خواہش پوری ہو جائے۔''

کہا: ''آپ نے میری خواہش پوچھی تو میں نے اظہار کر دیا۔''

حضرت سیدنا اسود بن سالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ایک جگہ مجاہدین کے لشکر نے قیام کیا، میں اپنے گھوڑے کو پانی پلانے قریبی نہر پر لے گیا۔ میں نے نہر کے پانی پر ایک ہنڈیا تیرتی دیکھی جس کے اوپر چھ اخروٹ تھے۔ میں دوڑتا ہوا اپنے دوست کے پاس گیا، سارا واقعہ سنایا اور اسے اپنے ساتھ لے کر واپس نہر پر آیا۔ اس نے ہنڈیا دیکھی تو اس میں بکری کا بھنا ہوا گوشت تھا اور اخروٹ ہنڈیا کے اوپر رکھے ہوئے تھے اس نے اخروٹوں کو اُلٹ پلٹ

کرتے ہوئے کہا:

''اللہ کی قسم! میری طلب پوری ہوگئی جو چیز میں نے چاہی مجھے مل گئی۔''

پھر اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہا:

''اے نفس! تو نے جس چیز کی خواہش کی وہ تیرے سامنے موجود ہے' اللہ کی قسم! میں تجھے اس میں سے کچھ بھی نہ چکھاؤں گا۔''

یہ کہہ کر وہ واپس پلٹ آیا اور اس میں سے کچھ بھی نہ کھایا۔ (عیون الحکایات)

قَالَ اللهُ تَعَالٰی فِي كِتَابِهِ الْكَرِيْمِ

فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ

۱۳۸۵

(۱۱۶)

ظالم کا انجام

بیان کرتے ہیں کہ قوم بنی اسرائیل میں ایک آدمی لاولد تھا اس کے لڑکا نہیں ہوتا تھا اور جب گھر سے نکلتا تھا اور کسی لڑکے کو دیکھتا تھا تو اس کو فریب اور دھوکہ دے کر اپنے گھر لے آتا' اسے مار ڈالتا اور اپنے تہ خانہ میں جو اس کے مکان میں تھا' ڈال دیتا تھا۔ اس کی بی بی اس کو اس کام سے روکتی تھی لیکن یہ اس کا کہنا نہ مانتا اور باز نہ آتا تھا اور کہتا تھا: ''اگر اللہ مجھ سے کسی چیز کا مواخذہ کرتا تو اس دن مواخذہ کرتا جس دن میں نے فلاں اور فلاں کام کیے تھے۔''

اس کی بی بی اس سے کہتی تھی: ''اللہ تعالیٰ تجھ کو چھوڑنے والا نہیں ہے اور بے شک ابھی تیرا پیمانہ حیات لبریز نہیں ہوا ہے اگر تیرا پیمانہ بھر گیا تو البتہ وہ تجھ کو پکڑے گا۔''

چنانچہ ایک دن وہ اسرائیلی گھر سے نکلا' دو لڑکوں کو دیکھا جو دونوں بھائی تھے اور ان کے بدن پر زیور اور لباس تھے اس نے لڑکوں کو دھوکہ دیا اور ان کو اپنے گھر لے جا کر مار ڈالا اور ان کو اپنے تہ خانہ میں ڈال دیا اس کے بعد ان لڑکوں کا باپ ان کی تلاش میں نکلا تو ان کو نہ پایا پھر وہ بنی اسرائیل کے نبی کی خدمت میں گیا اور ان سے یہ واقعہ بیان کیا۔ نبی نے اس سے فرمایا: ''کیا ان لڑکوں کا کوئی کھلونا ہے' جس سے وہ کھیلا کرتے تھے؟''

اس نے کہا: ''ہاں! ان کا ایک چھوٹا سا کتے کا پلا ہے' جس سے وہ کھیلا کرتے تھے۔''

چنانچہ نبی نے فرمایا: ''اس کو میرے پاس لاؤ۔''

پس وہ شخص پلے کو لایا۔ نبی نے پلے کی دونوں آنکھوں کے درمیان اپنی مہر لگائی اور

اس کو چھوڑ کر اس سے فرمایا: ''تم اس کے پیچھے جاؤ اور دیکھو کہ بنی اسرائیل کے گھروں میں سے جس گھر میں یہ داخل ہو اسی گھر میں اس راز کا حل ہے۔''

چنانچہ وہ پلا متوجہ ہوا اور گھروں کے اندر گھسنے لگا یہاں تک کہ وہ ایک گھر میں داخل ہوا اس کے پیچھے لوگ بھی اندر گئے۔ وہ پلا گھر میں ایک مقام پر پہنچا اور اپنی دُم ہلانے لگا اور اپنے پاؤں سے زمین کھودنے لگا۔ لوگوں نے اس مقام کو کھودا اور ان دونوں لڑکوں کو اس حال میں پایا کہ اور لڑکوں کے ساتھ مقتول ہیں۔ اس کے بعد لوگوں نے اس نبی کو اس معاملہ کی اطلاع دی اور اس مجرم آدمی کو ان کے پاس لائے۔ انہوں نے اس کو سولی دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ جب وہ سولی دیا گیا تو اس کی بی بی اس کے پاس آئی اور کہا:

''کیا میں تجھ کو اس کام سے نہ ڈراتی تھی اور تجھ سے کہتی نہ تھی کہ بے شک اللہ تجھ کو نہ چھوڑے گا اور تیرا پیمانہ حیات لبریز ہو چکا ہے' اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' (نوادر قلیوبی)

(۱۱۷)

شہید کون ہے؟

تیمور لنگ بادشاہ کی یہ عادت تھی کہ وہ جب کسی شہر کو فتح کرتا تو وہاں کے علماء کو اپنے دربار میں بلا کر کچھ خاص قسم کے سوالات کرتا اور ان کے جوابات کو بہانہ بنا کر انہیں قتل کرا دیتا تھا چنانچہ جب اس نے حلب کو فتح کیا تو شہر میں قتلِ عام کرایا اور ہزاروں مسلمانوں کو گرفتار کر لیا پھر علماء شہر کو قلعہ میں بلا کر اپنے سامنے بٹھایا اور اپنے درباری مولوی عبدالجبار بن علامہ نعمان الدین حنفی سے مخاطب ہو کر کہا: ''آپ ان علماء سے کہہ دیجیے کہ میں ان سے ایک ایسا مسئلہ پوچھوں جو میں نے سمرقند بخارا اور ہرات وغیرہ کے علماء سے بھی دریافت کیا مگر ان لوگوں نے اس کا شافی جواب نہیں دیا لہٰذا ان علماء کی طرح یہ لوگ بھی میرے سوال کا مجمل اور گول مول جواب نہ دیں بلکہ صاف صاف وضاحت کے ساتھ جواب دیں اور ان علماء میں جو سب سے زیادہ صاحب علم ہو وہی جواب دے۔''

چنانچہ درباری عالم عبدالجبار نے کہا: ''ہمارے سلطان آپ لوگوں سے یہ سوال کرتے ہیں کہ کل کی جنگ میں ہمارے اور تمہارے آدمی بکثرت قتل ہوئے تو آپ لوگ یہ بتائیں کہ ہماری فوج کے مقتولین شہید ہوئے یا تمہاری فوج کے؟''

یہ سوال سن کر تمام علماء گھبرا گئے مگر علامہ ابن شحنہ جواب دینے کے لیے کھڑے ہو گئے اور فرمایا: ''مجھے اس وقت ایک حدیث یاد آ گئی ہے۔''

ایک اعرابی حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! ایک شخص مالِ غنیمت کے لالچ میں جنگ کرتا ہے اور ایک شخص شہرت اور ناموری کے لیے

قتال کرتا ہے تو ان میں سے شہید کون ہے؟"

تو حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جس نے خدا کی راہ میں اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جنگ کی وہی شہید ہے لہٰذا اے بادشاہ! ہماری فوج کے مقتولین ہوں یا آپ کی فوج کے جنہوں نے خدا کی راہ میں کلمہ حق کی بلندی کی نیت سے جنگ کی ہوگی، وہ شہید ہو گئے اور جو مالِ غنیمت یا ناموری کے لیے لڑتے ہوئے مارے گئے ہوں گے، وہ شہید نہیں ہوں گے۔"

علاوہ ابن شحنہ کا یہ مسکت اور شافی جواب سن کر تیمور حیران رہ گیا اور بے اختیار تیمور کی زبان سے نکلا خوب خوب! درباری عالم عبدالجبار نے بھی یہی کہا: **ما احسن ماقلت** ۔

"آپ نے کیا ہی اچھا جواب دیا۔" (روح البیان ج ۳ ص ۲۷۹)

یہ وہ طوفاں ہے پہاڑوں سے بھی جو رُکتا نہیں

غور کرو! علمائے سلف جن کا سینہ علومِ اسلامیہ کا خزینہ تھا، مقدس نفوس کتنے اونچے کریکٹر کے انسان تھے اور امراء وسلاطین کے مقابلہ میں بے خوف اور بے دھڑک کلمۂ حق کہہ دینا ان کی مقدس زندگی کا شعار اور ان کے عمل وکردار کا کی بے مثل شاہکار تھا اور خداوندِ قدوس پر ان بزرگوں کے توکل واعتماد کا یہ عالم تھا کہ غیر اللہ کے خوف وہراس کے داغ دھبوں سے ان کا سینہ آئینہ کی طرح صاف وشفاف تھا اور بلاشبہ یہ اللہ والوں کا گروہ لایخافون الا اللہ کی عملی تفسیر کا آئینہ دار تھا۔ اسلام کی عظمت اور کلمہ حق کی سربلندی کے لیے اپنی جان کی بازی لگا کر اور موت کے منہ میں کود کر اعلان کر دینا بلکہ حق گوئی کے لیے اپنی جان کو قربان کر دینا۔ ان انبیاء کے وارثوں کا یہ وہ بے مثال اسلامی کارنامہ ہے جو یقیناً معراجِ انسانیت کی ایک بلند ترین منزل رفعت ہے۔ بڑے بڑے فرعون صفت، ہمالیہ جیسے سربلند امراء وسلاطین تخت نشین ہو کر ان بوریا نشین درویش صفت عالموں سے ٹکرائے مگر ان علمائے حق کی اولوالعزمی، خودداری، بے نیازی اور حق گوئی کی ٹکر سے ان کے تخت وتاج کی عظمتیں پاش پاش ہو کر حقیر ذرات غبار کی طرح پامال خلائق بن گئیں کیوں نہ ہو کہ ؎

غیر حق کے سامنے مسلم کا سر جھکتا نہیں
یہ وہ طوفاں ہے پہاڑوں سے بھی جو رُکتا نہیں

ہم خاک نشینوں کی صحبت میں زمانہ ہے

ساتھ ہی ان نورانی واقعات میں ان مسلم نما ملحدوں اور گندی سیاست کے پرستاروں اور جاہل ومغرور مال داروں کے لیے بھی درسِ عبرت اور سامانِ بصیرت ہے جو اپنی بد مذہبی' بداعمالی کو چھپانے اور اپنی دُکان شہرت کو چمکانے کے لیے رات دن علمائے حق پر طعن و تشنیع کر کے علمائے حق کو بے عمل لالچی' مفت خور' ضمیر فروش کہہ کر عوام کے دِلوں سے ان اللہ والوں کی عظمت کا جنازہ نکالنے کے لیے ایڑھی چوٹی کا زور لگاتے رہتے ہیں۔ ان کی آنکھیں کھلنی چاہئیں کہ علمائے سلف نے عوام تو عوام امراء وسلاطین کے سامنے انجام سے بے نیاز ہو کر جس طرح تبلیغ وحقانیت کا شان دار ریکارڈ قائم کر دیا ہے کہ یہ شان دار کارنامے دَورِ حاضر کے خدمتِ اسلام کا نعرہ لگانے والے لیڈروں کو کبھی خواب وخیال میں بھی نظر نہیں آسکتے۔

افسوس! کرسیوں کے لیے وزیروں کے بنگلوں کا طواف کرنے والے اور چھوٹے چھوٹے عہدوں کے لیے ضمیر فروشی کرنے والے اور ملتِ اسلامیہ کو دن کی روشنی میں چوراہے پر کھڑے ہوئے کرسیوں اور عہدوں کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دینے والے آج ان پیغمبروں کے جانشینوں پر طعن و تشنیع کرتے پھرتے ہیں۔

جنہوں نے دنیا کے جاہ وحشم کے تخت وتاج پر ٹھوکر مار کر خشک روٹی اور چٹائیوں پر زندگی بسر کر دی مگر اپنی زندگی کے آخری سانس تک ملتِ اسلامیہ کے سفید دامن پر ایک داغ تک نہیں لگنے دیا اور جب امراء اور سلاطین کے غرور وگھمنڈ نے ان کو للکارا تو ان شیرانِ حق نے یہ کہہ کر اپنے عمل سے ان کے غرور وتکبر کو پاش پاش کر کے رکھ دیا کہ

کیا تخت نے سمجھا ہے کیا تاج نے جانا ہے
ہم خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانہ ہے

(روحانی حکایات)

(۱۱۸)

باپ سے بدسلوکی کا بھیانک انجام

اصمعی ایک اعرابی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ اس نے یہ واقعہ سنایا:

''میں اپنی بستی سے یہ سوچ کر نکلا کہ سب لوگوں سے زیادہ بد بخت اور نیک بخت فرد کے بارے میں معلومات حاصل کروں اور اسے تلاش کروں۔ میں بستی بستی، نگر نگر بد بخت اور نیک بخت ڈھونڈتا رہا۔ ایک بستی سے میرا گزر ہوا تو میں نے دیکھا کہ ایک بوڑھے شخص کی گردن میں ایک رسی بندھی ہوئی ہے، اور اس رسی کے ساتھ ایک بڑی سی بالٹی لٹک رہی ہے اس کے پیچھے ایک نوجوان تھا، وہ اس رسی کو کھینچ رہا تھا جو بوڑھے کی گردن سے بندھی ہوئی تھی، ساتھ ساتھ وہ اسے چابک سے مارتا بھی جا رہا تھا۔

میں نے نوجوان سے کہا: ''اس بوڑھے اور کمزور شخص کے بارے میں تجھے اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں ہے؟ اس کی گردن میں تو پہلے ہی ایک رسی اور بڑی بالٹی لٹک رہی ہے جس سے یہ ہلکان اور پریشان ہے اس کے باوجود تو اسے چابک بھی مار رہا ہے تو کتنا سفاک ہے!''

نوجوان کہنے لگا: ''ہاں! مگر میں تمہاری اطلاع کے لیے بتا دوں کہ یہ میرا باپ ہے۔''

میں نے اس سے کہا: ''اگر یہ تیرا باپ ہے تو میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے کوئی بھلائی نہ دے۔ کیا کوئی اپنے ہی باپ کے ساتھ اس طرح ظالمانہ سلوک کرتا ہے؟'' نوجوان بولا:

اُسْكُتْ فَهٰكَذَا كَانَ يَصْنَعُ بِأَبِيْهِ، وَكَذَا كَانَ يَصْنَعُ أَبُوْهُ بِجَدِّهٖ.

''خاموش رہو! (تمہیں کیا معلوم) یہ بھی اپنے باپ کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرتا تھا (جیسا مجھے اس کے ساتھ کرتے دیکھ رہے ہو) اور پھر اسی طرح اس کا باپ بھی اس کے دادا

کے ساتھ یہی کچھ کیا کرتا تھا۔'' میں نے اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھ کر کہا:

هٰذَا أَعَقُّ النَّاسِ . ''بس یہی بڑھا سب سے زیادہ بد بخت ہے۔''

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے والا اس دنیا میں سب لوگوں سے زیادہ نیک بخت اور خوش قسمت ہے اس کے برعکس سب سے بڑا بد بخت وہ ہے جو اپنے والدین سے بُرا سلوک کرتا ہے اور انہیں تکلیف دیتا ہے۔

(دیکھیے شیخ ابراہیم بیہقی کی کتاب ''المحاسن والمساوی'' (ص:۵۵۳) ہم نے یہ قصہ ابراہیم الحازمی کی کتاب ''عاقبۃ عقوق الوالدین'' (ص:۴۹) سے نقل کیا ہے)

نور السموات والارض
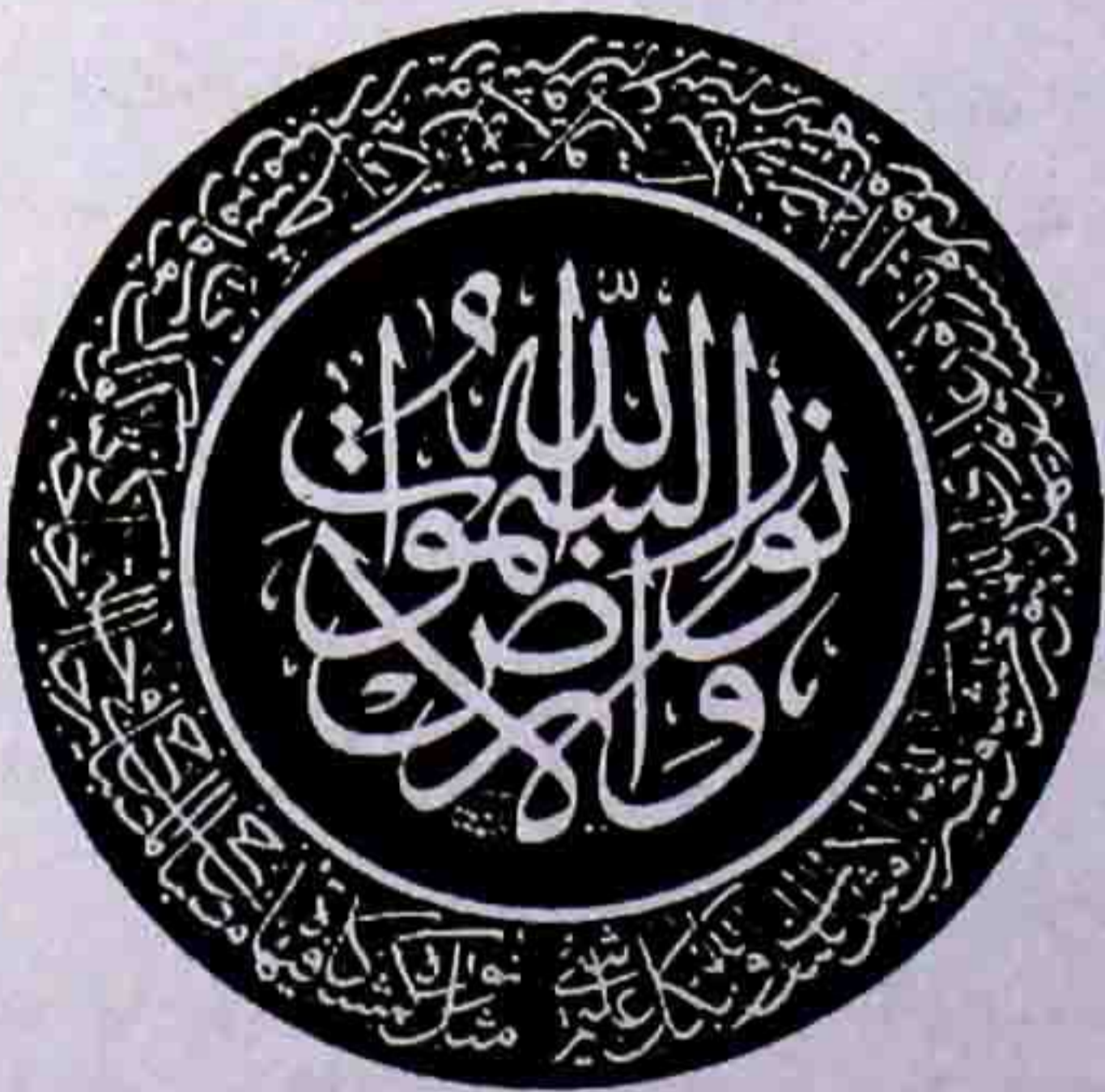
(۱۱۹)

اولیاء اللہ کی غم خواری

حضرت سہل بن ابراہیم کہتے ہیں: ''میں کچھ عرصہ حضرت ابراہیم بن ادہم کی صحبت میں رہا۔ ایک بار میں بیمار پڑ گیا' انہوں نے تمام سرمایہ اور اپنی کل پونجی میری تیمارداری پر خرچ کر ڈالی۔ مجھے کچھ کھانے کی خواہش ہوئی تو چونکہ گدھے کے سوا کوئی چیز ان کے پاس نہ تھی اس لیے گدھے کو ہی بیچ ڈالا اور اس سے حاصل شدہ رقم مجھ پر خرچ کر ڈالی اس واقعہ کا مجھے کوئی علم نہ ہوا جب میں ان کی مسلسل تیمارداری اور علاج معالجے سے روبصحت ہوا تو میں نے پوچھا: ''ابراہیم! گدھا کہاں ہے؟'' فرمایا: ''بیچ دیا۔''

میں نے کہا: ''میں کمزور آدمی ہوں اب میں کس پر سوار ہوں گا؟''

فرمایا: ''میرے بھائی میری گردن پر۔''

آپ کا یہ جواب محض طفل تسلی نہ تھا' مجھے بہلانا نہ تھا بلکہ حقیقت پر مبنی تھا اس کے بعد آپ مجھے کندھوں پر اُٹھا کر تین منزل تک لے گئے۔

(امام ابوالقاسم قشیری: رسالہ قشیریہ ص ۲۳)

☆......آپ فرمایا کرتے تھے: ''مجھے جتنے بھی مراتب حاصل ہوئے' سب والدہ کی اطاعت سے حاصل ہوئے۔ ایک مرتبہ میری والدہ نے رات کو پانی مانگا' اتفاق سے اس وقت گھر میں قطعاً پانی نہ تھا چنانچہ میں گھڑا لے کر نہر سے پانی لایا مگر میری آمدورفت کی تاخیر کی وجہ سے والدہ کو پھر نیند آ گئی اور میں رات بھر پانی لیے کھڑا رہا حتیٰ کہ شدید سردی کی وجہ سے وہ پانی آنجورے میں منجمد ہو گیا اور جب والدہ کی بے داری کے بعد میں نے انہیں پانی

پیش کیا تو انہوں نے فرمایا: ''تم نے پانی رکھ دیا ہوتا اتنی دیر کھڑا رہنے کی کیا ضرورت تھی؟''

میں نے عرض کیا: ''محض اس خوف سے کھڑا رہا کہ مبادا آپ کہیں بے دار ہو کر پانی نہ مانگیں اور آپ کو تکلیف پہنچے۔''

یہ سن کر انہوں نے مجھے دعائیں دیں اسی طرح ایک رات والدہ نے فرمایا:

''دروازے کا ایک پٹ کھول دو لیکن میں رات بھر اسی پریشانی میں کھڑا رہا کہ نہ معلوم داہنا پٹ کھولوں یا بایاں کیونکہ اگر ان کی مرضی کے خلاف غلط پٹ کھل گیا تو حکم عدولی میں شمار ہوگا۔ چنانچہ انہیں خدمتوں کی برکت سے یہ مراتب مجھ کو حاصل ہوئے۔''

(شیخ عطار: تذکرۃ الاولیاء ص ۹۰)

یہودی ہمسایہ حسن سلوک دیکھ کر مسلمان ہوگیا

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا یہودی ہمسایہ تھا' وہ سفر کو گیا ہوا تھا اس کی عورت حاملہ تھی جس نے بچہ جنا اس کے پاس اتنی بھی چیز نہ تھی کہ چراغ ہی لا کر روشن کرے' وہ بچہ تاریکی کے سبب روتا رہتا تھا۔ یہ خبر خواجہ صاحب نے سنی تو ہر روز بنئے کی دُکان سے تیل خرید کر اس یہودی عورت کو دے جاتے۔ مدت بعد جب یہودی آیا تو عورت نے ساری کیفیت بیان کی' وہ شرمندہ ہوا اور خواجہ صاحب کی خدمت میں آ کر عرض کیا: ''آپ نے بڑی عنایت فرمائی۔''

فرمایا: ''ہمسائیگی کا حق تھا اور یہ حق بہت بڑا ہوتا ہے۔ میں نے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا۔ ہمارے مذہب کا ہمیں یہی حکم ہے۔ ہماری شریعت میں ہمسائے کے ساتھ حسنِ سلوک کی بڑی تاکید ہے۔ تیری عدم موجودگی میں تیرے اہلِ خانہ کی یہ چھوٹی سی خدمت کر کے میں نے ان پر کوئی احسان نہیں کیا بلکہ ہمسائیگی کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ حق بہت بڑا ہوتا ہے۔''

یہودی نے عرض کیا: ''اگر آپ کا مذہب آپ کو غیر مذہب لوگوں کے ساتھ بھی اس حسنِ سلوک اور ان حقوق کی تعلیم دیتا ہے تو میں بھی اس سچے اور پیارے مذہب کو قبول کرتا ہوں۔ لائیے اپنا دستِ کرم بڑھائیے اور مجھے دائرۂ اسلام میں داخل فرمائیے۔''

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے یہودی کے گھر میں تیل کا دیا جلانے نے یہودی کے دل میں ایمان و کلمے کا دیا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جلا دیا۔

(شیخ عطار: تذکرۃ الاولیاء (اردو) ص ۹۶، افضل الفوائد (ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء) ص ۱۵)

☆...... شقیق بن ابراہیم مال دار تھے، نوجوان تھے اور نوجوانوں کی صحبت میں رہتے تھے اس وقت بلخ کا حاکم علی بن عیسیٰ بن ماہان تھا جسے شکاری کتوں سے بڑی محبت تھی۔ ایک بار اس کا ایک کتا گم ہو گیا۔ کسی نے شکایت کی کہ فلاں شخص کے پاس ہے۔ یہ شخص شقیق کے پڑوس میں رہتا تھا جب اس کی تلاش ہوئی تو اس نے بھاگ کر شقیق کے گھر میں پناہ لی۔ شقیق حاکم کے پاس گئے اور کہا: ''کتا تو میرے پاس ہے لہٰذا اس کا پیچھا چھوڑ دو میں تین دن کے اندر اندر کتا تمہیں دے دوں گا۔''

چنانچہ انہوں نے اس شخص کو چھوڑ دیا۔ شقیق واپس آیا تو بہت فکر مند ہوا تھا یہاں تک کہ تیسرا دن بھی آ گیا۔ شقیق کا ایک دوست بلخ سے کہیں گیا ہوا تھا اور اب بلخ واپس آ رہا تھا۔ راستے میں اسے ایک کتا ملا جس کے گلے میں پٹہ پڑا ہوا تھا اس نے اسے پکڑ لیا اس خیال سے کہ وہ شقیق کو بطورِ تحفہ دے گا کیونکہ وہ کتوں کا دل دادہ تھا۔ چنانچہ وہ کتا لے آیا جب شقیق نے دیکھا تو وہی امیر کا کتا تھا۔ یہ دیکھ کر شقیق بہت خوش ہوا۔ کتا جا کر امیر کو دے دیا اور ضمانت سے پیچھا چھڑایا۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے شقیق اس واقعہ سے غفلت سے بے دار ہوا، اپنے اعمال سے توبہ کی اور طریق زہد اختیار کر لیا۔ (ترجمہ رسالہ قشیریہ، ص ۶۱-۶۰)

امیر کی اطاعت لازم ہے

ابو علی رباطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میں عبداللہ مروزی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہا، ان کی صحبت میں میرے آنے سے پہلے وہ بیابان میں زادِ سفر لیے بغیر چلے جاتے تھے جب میں ان کی صحبت میں آیا تو فرمایا: ''کیا پسند کرتے ہو؟ آیا تم حکم دینے والا بننا چاہتے ہو یا میں بنوں؟'' میں نے کہا: ''آپ ہی حکم دینے والے بنیں''

اس پر انہوں نے فرمایا: ''اب تم پر لازم ہو گا کہ تم میری اطاعت کرو۔''

میں نے کہا: ''جی ہاں!''

پھر آپ نے ایک تھیلا لیا اور اس میں زادِ سفر ڈالا اور اپنی پشت پر ڈال لیا جب میں کہتا: "جناب! مجھے اُٹھانے دیجیے۔" تو آپ فرماتے: "کیا میں تمہارا امیر نہیں ہوں؟ لہٰذا تجھے میری اطاعت کرنی چاہیے۔" ابو علی کہتے ہیں: "ایک رات بارش آ گئی تو وہ رات بھر میرے سر پر چادر لیے کھڑے رہے اور میں بیٹھا ہوا تھا اور وہ بارش کو روک رہے تھے۔ میں دل میں کہتا کہ کاش میں مرجاتا اور یہ نہ کہتا کہ آپ امیر ہیں۔"

آپ نے مجھے کہا: "جب کوئی شخص تمہاری صحبت میں رہے تو تم اس سے اسی طرح صحبت رکھنا جیسا کہ تو نے مجھے دیکھا ہے یا اسی قسم کے کچھ اور الفاظ کہے۔"

(کتاب اللمع فی التصوف از ابو نصر سراج طوسی' ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن' ص ۲۶۷' ترجمہ رسالہ قشیریہ ص ۴۴۴' مطبوعہ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد' مذاق العارفین اردو ترجمہ احیاء العلوم' ج ۲' ص ۲۳۳' مطبوعہ لاہور)

ہمسائیوں میں سے کسی کا انتقال ہو جاتا تو حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ میت کے ہمراہ ضرور تشریف لے جاتے۔ نمازِ جنازہ اور تدفین کے بعد جب تمام لوگ واپس چلے جاتے تو اکیلے اس کی لحد پر بیٹھے رہتے اور دعائیں جو اس وقت کے لیے موزوں ہیں' پڑھتے۔ ایک بار ایک پڑوسی فوت ہو گیا تو حسبِ سابق جنازہ کے ساتھ گئے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بھی معیت میں تھے' لوگوں کے جانے کے بعد تک حضرت خواجہ ہمسایہ کی قبر پر ٹھہر گئے۔ حضرت خواجہ قطب الدین فرماتے ہیں:

"میں نے دیکھا کہ آپ کے چہرہ مبارک کا رنگ یکا یک متغیر ہو گیا اور پھر اسی وقت اصلی رنگ پر آ گیا اور آپ الحمد للہ فرماتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ حضرت قطب الدین نے چہرے کے رنگ بدلنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا: "قبر میں عذاب کے فرشتے آئے تھے لیکن پھر رحمتِ الٰہی نازل ہوئی۔"

خود بھی عذابِ قبر سے بے حد خائف رہتے تھے جب کبھی قبر کا تذکرہ آتا تو سکتہ طاری ہو جاتا اور کبھی چیخیں مار کر روتے۔ (بزمِ صوفیہ' ص ۴۷)

(۱۲۰)

ماتحتوں کی زبردست خیرخواہی

حضرت سیدنا محمد بن علی بن حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''حضرت سیدنا ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے جب حج کا ارادہ کیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے رفقاء ''اھلِ مرو'' آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: ''اے ابوعبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ! ہم حرمین شریفین کا سفر آپ کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں' آپ ہمیں اپنی رفاقت کی اجازت عطا فرما دیجیے۔'' آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اپنا تمام زادِراہ میرے پاس لے آؤ۔''

وہ اپنا زادِراہ لے آئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تمام زادِراہ لیا اور ایک صندوق میں بند کر کے تالا لگا کر ایک محفوظ جگہ رکھ دیا پھر ان کے لیے سواریاں کرائے پر لیں اور یہ قافلہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی امارت (یعنی نگرانی) میں سوئے حرم چل دیا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ ان کے کھانے پینے کا انتظام اپنی طرف سے کرتے رہتے' انہیں عمدہ سے عمدہ کھانا کھلاتے' بہترین پانی فراہم کرتے جب یہ قافلہ بغداد پہنچا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تمام قافلے والوں کے لیے بہترین لباس خریدا اور کھانے پینے کا وافر سامان ساتھ لے کر یہ قافلہ دوبارہ جانب منزل چل دیا۔ بالآخر یہ قافلہ اللہ تعالیٰ کے ایک ولی کامل کی رہنمائی میں شہر مدینہ زادھا اللہ شرفا وتعظیما پہنچا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہر ہر رفیق سے پوچھا: ''تمہارے گھر والوں نے تمہیں مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفا وتعظیما سے کون سا تحفہ لانے کو کہا؟''

ہر ایک نے اپنی اپنی خواہش کا اظہار کیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ ہر ایک کو اس کی مطلوبہ شے خرید کر دیتے رہے۔

پھر مکہ معظمہ زادھا اللہ شرفاً وتکریماً کی پُر نور فضاؤں میں پہنچ کر مناسکِ حج ادا کیے، حج مکمل ہو جانے کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رفقاء سے فرمایا: ''بتاؤ! تمہارے گھر والوں نے مکہ معظمہ زادھا اللہ شرفاً وتکریماً سے کیا چیز خرید کر لانے کو کہا تھا؟ اسی طرح آپ نے ہر ایک سے پوچھا۔'' جس نے جو چیز بتائی آپ رحمۃ اللہ علیہ نے خرید کر دی۔ واپسی پر بھی دل کھول کر خرچ کیا جب یہ قافلہ اپنے علاقے میں پہنچ گیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے گھروں پر پلستر کروا کر چونا کروایا، تین دن بعد اپنے تمام رفقائے سفر کی دعوت کی اور انہیں بہترین کپڑے پہنائے جب وہ کھانا کھا چکے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے صندوق منگوا کر کھولا اور ہر ایک کا زادِ راہ واپس کر دیا۔''

راوی کہتے ہیں: ''میرے والد نے مجھے بتایا حضرت سیدنا ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خادم نے مجھے بتایا کہ آخری سفر کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رفقاء کی دعوت کی اور اس میں پچیس دسترخوانوں پر فالودہ رکھا گیا۔ (راوی مزید فرماتے ہیں کہ) حضرت سیدنا ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سیدنا فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا: ''اگر آپ اور آپ کے رفقاء نہ ہوتے تو میں تجارت نہ کرتا۔'' آپ رحمۃ اللہ علیہ ہر سال فقراء پر ایک لاکھ درہم خرچ کیا کرتے۔

(عیون الحکایات)

(۱۲۱)

احسان کا انعام

نقل ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھا' میرا ایک اونٹ تھا جس پر میں سوار ہوتا تھا۔ وہ عاجز اور ماندہ ہو گیا میں اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا اور آپ نے اس کے لیے دعا فرمائی اور مجھ سے کہا: ''اس پر سوار ہو۔'' میں اس پر سوار ہوا اور لوگوں سے آگے ہو گیا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ''تم اپنے اونٹ کو کیسا دیکھتے ہو؟''

میں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی برکت اس کو پہنچی۔''

اس کے بعد آپ نے مجھ سے فرمایا: ''کیا تم اس کو میرے ہاتھ بیچتے ہو؟''

میں شرمندہ ہوا کیونکہ میرے پاس اس کے علاوہ پانی کھینچنے والا دوسرا اونٹ نہ تھا۔ میں نے عرض کیا: ''ہاں!''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قیمت میں زیادتی کرتے رہے اور مجھ سے فرماتے رہے: ''اللہ تیری مغفرت کرے۔''

یہاں تک کہ آپ سونے کے ایک اوقیہ (اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہوتا ہے) تک پہنچے۔ مجھ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم کو اس پر سواری کا حق ہے یہاں تک کہ تم مدینہ منورہ پہنچو۔''

جب ہم مدینہ پہنچے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''ان کو قیمت دو اور اس کو زیادہ کرو۔''

پھر آپ ﷺ نے میرا اونٹ بھی واپس کر دیا۔ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ''آپ ﷺ کے اونٹ خریدنے اور اس کی قیمت میں زیادتی کرنے اور اس کو واپس کرنے میں یہ حکمت تھی کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے:

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَہُمْ ۔

''اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں خرید لیں۔''

اور نیز اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے:

لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَ زِیَادَۃٌ ۔

''جن لوگوں نے احسان کیا ان کے لیے نیکی اور زیادتی ہے۔''

اور نیز اللہ تعالیٰ کے اس قول کی جانب اشارہ ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا الآیہ ۔

''جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے ان کو تم مردہ نہ گمان کرو تا آخر آیت۔

وصلی اللہ علیٰ سیّدنا محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلم۔''

(قلیوبی)

(۱۲۲)

کلمہ حق کی تاثیر

ایک دن خلیفہ ہارون الرشید اچانک فضل بن ربیع کے گھر آ گئے۔ خلیفہ کو اپنے گھر میں اچانک دیکھ کر فضل نے کہا: ''اے امیر المومنین! آپ نے بڑی تکلیف فرمائی۔ مجھے یاد فرمایا ہوتا تو میں خود حاضر ہو جاتا۔''

پھر ان کو ساتھ لے کر خلیفہ عبدالرزاق محدث کے پاس گئے۔ کچھ دیر بات چیت کے بعد خلیفہ نے پوچھا: ''آپ پر کچھ قرض کا بار ہے؟''

عبدالرزاق محدث نے فرمایا: ''جی ہاں! میں قرض دار ہوں۔''

خلیفہ نے حکم دیا: ''اے فضل! تم ان کا قرض ادا کرو۔''

پھر ہم وہاں سے چل پڑے۔ خلیفہ نے کہا: ''یہاں بھی میرا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ اے فضل کسی دوسرے عالم کا دروازہ دیکھو۔''

پھر ہم فضیل بن عیاض محدث کے گھر پہنچے تو مکان کے اندر سے تلاوتِ قرآن مجید کی آواز آ رہی تھی۔ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو انہوں نے نہایت ہی قہر وغضب بھری آواز میں فرمایا: ''تم کون ہو اور رات میں یہاں کیوں آئے ہو؟''

میں نے کہا: ''امیر المومنین آپ سے ملنے کے لیے دروازے پر کھڑے ہیں۔''

انہوں نے اور بھی غصہ میں بھر کر زور سے چلا کر جواب دیا: ''مجھ کو امیر المومنین سے اور امیر المومنین کو مجھ سے کیا کام؟''

میں نے کہا: ''سبحان اللہ! کیا امیر المومنین کی اطاعت آپ پر لازم نہیں؟''

یہ سن کر وہ اُٹھے اور دروازہ کھول کر فوراً ہی چراغ بجھا دیا اور اوپر کی منزل میں جا کر کوٹھڑی کے ایک کونے میں دبک گئے۔ میں اور خلیفہ دونوں اندھیرے مکان میں داخل ہوئے۔ کوٹھڑی میں پہنچ کر ٹٹولنے لگے تو خلیفہ کا ہاتھ فضیل کے بدن پر پڑا۔ فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”واہ! واہ! کتنا نرم و نازک ہاتھ ہے۔ کاش یہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات پا جاتا۔“

پھر انہوں نے گفتگو شروع کی تو فرمایا: ”اے امیر المومنین! تمہارے بڑے بڑے دوست جو دنیا میں ہیں اگر قیامت کے دن ان سے کہہ دیا جائے کہ وہ تمہارے گناہوں کا ایک ذرہ حصہ اپنے سر اُٹھالیں تو وہ سر پر پیر رکھ کر بھاگیں گے اور ہرگز ہرگز وہ تمہارے کام نہیں آئیں گے۔“

اے امیر المومنین! تمہیں معلوم نہیں جس دن حضرت عمر بن العزیز خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے سالم بن عبداللہ، محمد بن کعب قرظی اور رجاء بن حیوہ تینوں جلیل القدر عالموں کو بلایا اور یہ عرض کیا: ”اے علمائے اُمت! میں ایک بلا میں مبتلا کر دیا گیا ہوں لہٰذا آپ لوگ مجھے اس حکومت کے چلانے میں دینی مشورہ دیتے رہیں۔“

اے امیر المومنین! تم نے غور کیا؟ عمر بن عبدالعزیز اس خلافت کو ایک بلا اور مصیبت سمجھتے تھے اور تم اس کو ایک نعمت جان کر اس سے چمٹے ہوئے ہو پھر ان تینوں علماء نے عمر بن عبدالعزیز کو ایسی نصیحتیں کیں کہ ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ حضرت سالم بن عبداللہ نے فرمایا: ”اے عمر بن عبدالعزیز! اگر تم اس بلا سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہو تو دنیا سے روزہ رکھو اور موت سے افطار کرو۔“

حضرت کعب نے فرمایا: ”اے عمر بن عبدالعزیز! نجات اسی میں ہے کہ تم اپنے بڑوں کو باپ، اپنے برابر والوں کو بھائی اور اپنے سے چھوٹوں کو بیٹا سمجھ کر باپ کے ساتھ نیک سلوک اور بھائیوں کے ساتھ رحم اور بیٹے کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرو۔“

اور حضرت رجاء بن حیوہ نے ارشاد فرمایا: ”اے عمر بن عبدالعزیز! اگر تمہیں نجات کی طلب ہے تو اپنے لیے جس چیز کو پسند کرتے ہو وہی ساری مخلوق کے لیے پسند کرو اور اپنے لیے جس چیز کو بُرا سمجھتے ہو اس کو تمام مخلوق کے لیے بھی بُرا سمجھو۔“

پھر فضیل نے خلیفہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ''اے امیر المومنین! سچ سچ بولو! کیا تمہارے اردگرد بھی ایسے حقانی علماء ہیں جو تمہیں ایسی نصیحتیں کرتے رہتے ہیں؟

اے امیر المومنین! خدا کی قسم! مجھے قیامت کے دن تمہارے لیے بڑا خطرہ نظر آ رہا ہے کہ تم کس طرح نجات پاؤ گے؟''

فضیل جوش میں بھرے ہوئے یہ کلمۃ الحق ارشاد فرما رہے تھے اور خلیفہ کا یہ حال تھا کہ خوفِ الٰہی سے اس کے جسم کا رونگٹا رونگٹا اور بدن کا بال بال لرزہ براندام تھا یہاں تک کہ خلیفہ چیخیں مار کر رونے لگا اور روتے روتے بے ہوش ہو گیا۔ فضل بن ربیع کہتے ہیں، میں نے گھبرا کر کہا: ''اے فضیل رحمۃ اللہ علیہ! تم نے تو امیر المومنین کو قتل ہی کر ڈالا۔''

تو فضیل بن عیاض رحمۃ علیہ نے غضب ناک ہو کر ڈانٹا اور تڑپ کر فرمایا:

''چپ! اے ربیع کے بیٹے! میں نے امیر المومنین کو قتل نہیں کیا بلکہ امیر المومنین کے قاتل تم اور تمہارے ساتھی ہیں۔''

پھر جب خلیفہ کو ہوش آیا تو وہ سنبھل کر بیٹھا۔ عرض کیا: ''اے فضیل رحمۃ اللہ علیہ! کچھ اور زیادہ مجھے نصیحت فرمائیے۔''

تو آپ نے فرمایا: ''اے امیر المومنین! سنو عمر بن عبدالعزیز نے اپنے ایک گورنر کے نام یہ فرمان تحریر کیا تھا کہ اگر تو اپنی نجات چاہتا ہے تو راتوں کو جاگ اور جہنمیوں کی بے داری اور ان کی بے قراری کو یاد رکھ۔''

یہ سن کر پھر خلیفہ کی چیخیں نکل گئیں اور وہ خوب رویا جب کچھ سنبھلا تو پھر عرض کیا: ''اے فضیل بن عیاض! کچھ اور فرمائیے۔''

تو آپ نے ایک حدیث سنائی جس میں حضورِ اکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو یہ نصیحت فرمائی تھی: ''اے چچا! امارت وحکومت قیامت کے دن حسرت وندامت کا سامان ہوگی۔''

خلیفہ پھر کچھ دیر روتا رہا اور پھر عرض کیا: ''آپ کچھ اور ارشاد فرمائیے؟''

تو آپ نے فرمایا: ''اے خوب صورت چہرے والے! قیامت کے دن خداوندِ عالم تم

سے تمہارے اعمال کے بارے میں پرسش فرمائے گا تو تم اس حسین وجمیل چہرے کو جہنم کی آگ سے بچاؤ اور اس حالت میں صبح وشام کرو کہ اپنی رعیت میں کسی کی طرف سے کوئی بغض یا کینہ تمہارے دل میں نہ رہے۔"

خلیفہ پر پھر گریہ وزاری کی کیفیت طاری ہو گئی اور وہ بہت دیر تک چلا چلا کر روتا رہا جب اس کو کچھ سکون ہوا تو آنسو پونچھتے ہوئے عرض کیا: "اے فضیل! کیا آپ پر کچھ قرض بھی ہے؟"

آپ نے فرمایا: "ہاں! میرے اوپر میرے خالق کا بہت بڑا قرض ہے۔ کسی مخلوق کا مجھ پر کوئی قرض نہیں۔"

چلتے وقت خلیفہ نے ایک ہزار دینار بطورِ نذرانہ پیش کیے تو آپ نے انتہائی برافروختہ ہو کر فرمایا: "افسوس! میں نے تم کو ہدایت کا راستہ بتایا اور تم مجھے اس کا یہ بدلہ دیتے ہو۔ مجھے دنیا کے حرص ولالچ میں گرفتار کرتے ہو۔"

یہ کہہ کر فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ بالکل خاموش ہو گئے اور ہم لوگوں نے بہت کوشش کی کہ وہ کچھ فرمائیں مگر پھر وہ ایک حرف بھی نہیں بولے۔ مجبوراً ہم لوگ ان کے پاس سے اُٹھ کر چلے آئے۔

راستے میں خلیفہ ہارون الرشید نے فرمایا: "اے فضل! اگر مجھے کسی عالم کے پاس لے جاؤ تو ایسے ہی لوگوں کے پاس لے جایا کرو۔ میرے خیال میں یہ آج کل رتبہ سید السالکین پر ہے۔" (مستطرف ج ۱ ص ۸۰)

(۱۲۳)

دشمن سے ہر وقت ہوشیار رہو!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

''ان کی مثال شیطان کی سی ہے جو انسان سے کہتا ہے کہ کفر کر پھر جب وہ کفر کر بیٹھتا ہے تو پھر شیطان کہتا ہے بے شک میں تجھ سے بَری ہوں' میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔'' (الحشر)

مفسرین نے بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد گزرا ہے جس کا نام برصیصا تھا اس نے اپنے گرجے میں چالیس سال تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی میں زندگی بسر کی اور شیطان کی اس تک رسائی نہ ہو سکی۔ ایک دن ابلیس نے سرکش شیاطین کو جمع کیا اور پوچھا: ''کیا تم میں سے کوئی برصیصا عابد کو بہکا کر میری دلجوئی نہیں کرے گا؟''

ابیض نامی شیطان بولا: ''میں آپ کی مراد پوری کروں گا۔''

پھر ابیض نے راہب کی ہیئت اختیار کی اور برصیصا عابد کے گرجے میں پہنچ کر اسے آواز دی۔ عابد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ برصیصا عابد کی عادت تھی کہ وہ ہر دسویں دن اپنی نماز سے فارغ ہو کر دوسرے امور کی جانب متوجہ ہوتا تھا اور دسویں دن ہی روزے سے ناغہ کرتا تھا (بقیہ دنوں میں روزے سے ہوتا تھا) جب شیطان نے دیکھا کہ عابد اس کا کوئی جواب نہیں دے رہا ہے تو وہ بھی گرجے کے نیچے کھڑا ہو کر عبادت میں مصروف ہو گیا۔

برصیصا اپنی عبادت سے فارغ ہو کر ادھر متوجہ ہوا تو شیطان کو اچھی ہیئت میں بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھتے دیکھا۔ برصیصا نے اسے آواز دی اور پوچھا: ''تیری کیا حاجت ہے؟''

شیطان نے کہا: ''میری خواہش ہے کہ میں آپ کے ساتھ رہوں' آپ کے عمل سے استفادہ کروں' آپ کے آداب اپناؤں اور ہم دونوں عبادت بھی ایک ساتھ ہی کریں۔''

برصیصا نے یہ سن کر کہا: ''عبادت ہی میری مشغولیت ہے اگر میں تیرے ساتھ رہا تو میری مشغولیت میں کمی آجائے گی۔''

یہ کہہ کر برصیصا اپنی عبادت میں لگ گیا ادھر ابیض شیطان بھی نماز پڑھنے لگا۔ برصیصا نے چالیس دن تک اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ چالیس دن بعد ادھر متوجہ ہوا تو دیکھا کہ نئے عابد صاحب تو بڑے انہماک سے نماز پڑھ رہے ہیں۔

برصیصا نے نئے عابد (شیطان) کی یہ جاں گداز عبادت وریاضت دیکھی تو پھر پوچھ بیٹھا: ''تیری کیا حاجت ہے؟''

اس نے وہی بات کہی جو پہلے کہہ چکا تھا۔ برصیصا نے اب اسے اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ یہ نیا عابد برصیصا کے گرجے میں اس کے ساتھ ایک سال تک مقیم رہا اس دوران وہ ہر چالیسویں دن افطار کرتا (اور باقی دنوں میں روزے رکھتا تھا) اور ہر چالیسویں دن عبادت و بندگی سے کچھ فرصت پاتا تھا جب کہ بقیہ ایام صرف عبادت ہی میں گزرتے تھے۔

جب برصیصا نے عبادت وریاضت میں نئے عابد یعنی شیطان کی یہ کڑی محنت دیکھی تو اسے بہت بھلی لگی اور اس کا دل اس نئے عابد کی طرف کھنچنے لگا۔

ایک سال بیت گیا تو ابیض شیطان نے برصیصا عابد سے کہا: ''اب میں چلتا ہوں کیونکہ میرا ایک دوسرا ساتھی بھی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ گمان سے بڑھ کر عبادت و ریاضت کے خوگر اور اس میں سخت محنت کرنے والے ہیں جب کہ ہمیں آپ کے بارے میں جو خبر ملی تھی وہ میرے چشم دید مشاہدے سے بالکل مختلف ہے۔''

یہ بات برصیصا پر نہایت گراں گزری کیونکہ نئے عابد (شیطان) کی جدائی اسے گوارا نہیں ہوئی۔

ابیض شیطان نے جب الوداع کہا تو برصیصا عابد سے کہنے لگا: ”میرے پاس چند اوراد وظائف ہیں، وہ آپ کو سکھلائے دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے بیمار کو شفایاب کر دے گا اور ابتلاء و آزمائش کا شکار راحت پائے گا۔“

برصیصا عابد نے کہا: ”مجھے یہ مرتبہ و منزلت ناپسند ہے کیونکہ میں عبادت و ریاضت میں مشغول رہتا ہوں، خدشہ رہتا ہے مبادا لوگ اس سے واقف ہو جائیں اس طرح لوگ مجھے عبادت و بندگی میں مشغول نہیں رہنے دیں گے بلکہ اس سے دُور کر دیں گے۔“

ابیض شیطان مسلسل برصیصا عابد کی توجہ اپنے وظائف کی طرف پھیرتا رہا اور ان کلمات کے فضائل و مناقب سے اس کے دل کو رُجھاتا رہا حتیٰ کہ وہ عابد کو یہ وظائف سکھانے میں کامیاب ہو گیا۔

اب یہ ابیض شیطان ایک طویل مدت تک سخت مشقت اُٹھا کر اور ایک عابد کو گمراہی کی راہ پر ڈال کر اپنے سردار ابلیس کے دربار میں پہنچا اور کہنے لگا: ”اللہ کی قسم! میں نے برصیصا عابد کو ہلاکت و بربادی کی ڈگر پر گامزن کر دیا ہے۔“

پھر یہ ابیض شیطان اپنی کارکردگی میں اضافے کے لیے نکلا اور ایک آدمی کو پکڑ کر اس کے گلے پر دباؤ ڈالا پھر اس کے گھر بحیثیت معالج پہنچ گیا اور اہلِ خانہ سے کہا: ”تمہارے اس آدمی کو جنون لاحق ہے، کیا میں اس کا علاج کر دوں؟“

اہلِ خانہ نے کہا: ”ہاں! ہاں! ضرور کرو۔“

اس نے کچھ جھاڑ پھونک کا عمل دِکھلانے کے بعد اہلِ خانہ سے کہا: ”اس کا جن بڑا خطرناک ہے اس پر قابو پانا میرے بس کا روگ نہیں البتہ میں تمہیں ایک عابد کا پتہ دیتا ہوں اس کی دعا سے یہ شفایاب ہو سکتا ہے۔“ اہلِ خانہ نے پوچھا: ”اس کا پتہ کیا ہے؟“

اس نے بتایا: ”تم لوگ برصیصا عابد کے پاس جاؤ اس کے پاس اسمِ اعظم ہے جس سے تمہارا مریض تندرست ہو جائے گا۔“

یہ لوگ برصیصا عابد کی خدمت میں حاضر ہوئے اس نے ابیض شیطان کے سکھائے ہوئے کلمات کے ساتھ دعا کی تو شیطان نے مریض سے دباؤ ہٹا لیا اس طرح جنون زدہ شخص شفایاب ہو گیا۔

ابیض شیطان لوگوں کے ساتھ اسی طرح کی حرکات کرتا اور انہیں برصیصا عابد کے پاس بھیجتا رہا وہاں جا کر وہ لوگ شفایاب ہو جاتے تھے۔

ایک طویل عرصے کے بعد ابیض شیطان بنی اسرائیل کے بادشاہ کی لڑکی کے پاس آیا اور اس کا بھی گلا گھونٹ دیا۔ لڑکی کے تین بھائی تھے ان کے پاس یہ شیطان معالج کی شکل میں پہنچا اور بولا: ''کیا میں اس لڑکی کا علاج کر دوں؟''

بھائیوں نے کہا: ''ہاں! ہم تو یہی چاہتے ہیں۔''

شیطان نے کچھ کرتب دِکھلانے کے بعد کہا: ''اس لڑکی پر کوئی سرکش شیطان سوار ہو گیا ہے' اسے بھگانا میرے بس کا روگ نہیں البتہ تمہاری ایک آدمی کی طرف رہنمائی کرتا ہوں اس لڑکی کو اس کے پاس چھوڑ آؤ جب سرکش شیطان آئے گا تو وہ اس لڑکی کے لیے دعا کر دے گا اور یہ ٹھیک ہو جائے گی۔'' بھائیوں نے پوچھا: ''وہ کون آدمی ہے؟''

اس نے بتایا: ''برصیصا عابد جو فلاں گرجے میں رہتا ہے۔''

بھائیوں نے عرض کیا: ''برصیصا عابد کیونکر ہماری بہن کا علاج کر سکتا ہے جب کہ اس کا مرتبہ اس سے کہیں زیادہ اونچا ہے؟''

ابیض شیطان نے کہا: ''اگر وہ علاج کرنے کے لیے تیار ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ لڑکی کو اسی کے گرجے میں رہنے دینا اور اس سے کہہ دینا کہ تیرے پاس امانت ہے۔''

لڑکی کے بھائی برصیصا عابد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسے حالات سے آگاہ کیا تو اس نے علاج کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے لڑکی کو اسی کے پاس گرجے ہی میں چھوڑ دیا۔

بعض دیگر روایات کے مطابق گرجے کے گوشے میں ایک غار تھا' برصیصا عابد نے غار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لڑکی کے بھائیوں سے کہا: ''لڑکی کو اس غار میں چھوڑ دو۔''

چنانچہ بھائیوں نے لڑکی کو اس غار میں چھوڑا اور چلے گئے۔

پھر ابیض شیطان برصیصا عابد کے پاس آیا اور اس سے کہا: ''اس لڑکی کے پاس جاؤ اور اس کے بدن پر صرف ہاتھ پھیر دو' وہ شفایاب ہو جائے گی اور اپنے گھر واپس چلی جائے گی۔''

برصیصا عابد لڑکی کی طرف چلا جب غار کے دروازے کے قریب پہنچا تو شیطان جلدی سے غار میں گھس گیا اور لڑکی کے پاس جا پہنچا۔ وہ لڑکی اسے دیکھ کر ہاتھ پاؤں مارنے لگی جس کی وجہ سے اس کے جسم کا کپڑا زمین پر گر گیا ادھر جب برصیصا عابد کی نظر پہلی دفعہ حسن و جمال کی ایسی زبردست پری پر پڑی تو وہ بے قابو ہو گیا۔ اپنے آپ کو کنٹرول میں نہ رکھ سکا اور اس سے اس طرح چمٹ گیا کہ اس کے حاملہ ہونے تک اس سے لپٹا ہی رہا۔

برصیصا عابد کا منہ کالا کرانے کے بعد یہ شیطان بولا: ''تیری بربادی ہو برصیصا! تو نے زنا کا ارتکاب کر کے بہت بھاری غلطی کی ہے اب تیرے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ تو اس لڑکی کو قتل کر دے اور اللہ رب العزت کے دربار میں خالص توبہ کر لے۔ جب لڑکی کے بھائی تجھ سے اس کے بارے میں پوچھیں تو کہہ دینا کہ لڑکی کا شیطان آیا تھا' وہ لڑکی کو لے کر بھاگ گیا۔''

شیطان مسلسل برصیصا عابد کو بھاؤ دیتا رہا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے لڑکی کو قتل کر کے کسی جگہ دفن کر دیا اور اپنے گرجے میں لوٹ آیا پھر عبادت و بندگی میں مشغول ہو گیا وہاں لڑکی کے بھائی آئے اور لڑکی کے بارے میں پوچھا: ''اے برصیصا! تو نے ہماری بہن کو کیا کیا؟''

اس نے جواب دیا: ''لڑکی کا شیطان آیا اور اسے لے کر فرار ہو گیا۔ میں اس سے لڑکی کو نہیں چھڑا سکا۔'' بھائیوں نے برصیصا عابد کی بات سچ مان لی اور واپس چلے گئے۔

بعض روایات کے مطابق برصیصا عابد نے کہا: ''میں نے تمہاری بہن کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی' وہ شفایاب ہو گئی اور تمہاری طرف واپس چلی گئی۔''

یہ سن کر بھائی اپنی بہن کی تلاش میں اِدھر ادھر پھیل گئے۔

جب یہ لوگ شام کو سو گئے تو سب سے بڑے بھائی کے خواب میں وہی شیطان آیا اس

نے کہا: ”تیری خرابی ہو! برصیصا عابد نے تیری بہن سے یہ یہ شرمناک حرکت کی ہے اور اسے فلاں پہاڑ کے پاس فلاں جگہ دفن کر دیا ہے۔“

بھائی نے دل ہی دل میں کہا: ”یہ خواب، خوابِ بد ہے۔ برصیصا عابد سچا ہے۔“

وہ شیطان اسی طرح مسلسل تین راتوں تک اس بڑے بھائی کے خواب میں آ کر اسے برصیصا عابد کے خلاف ورغلاتا رہا لیکن اسے کوئی نتیجہ خیز جواب نہ مل سکا۔ چنانچہ وہ یکے بعد دیگرے پہلے منجھلے بھائی اور پھر چھوٹے بھائی کے خواب میں بھی اسی طرح آیا۔ چھوٹے بھائی نے دونوں بڑے اور منجھلے نے بھائیوں سے اپنا خواب بیان کیا۔ تمام بھائیوں نے بھی بتایا کہ ہمیں بھی ایسا ہی خواب آیا ہے۔

اب وہ تینوں بھائی دوبارہ برصیصا عابد کے پاس آئے اور اپنی بہن کے بارے میں دریافت کیا۔ برصیصا عابد نے جواب دیا: ”میں نے تم لوگوں کو تمہاری بہن کی خبر سے آگاہ کر دیا ہے لیکن شاید تم مجھ پر الزام لگا رہے ہو۔“

بھائیوں نے کہا: ”اللہ کی قسم! ہماری طرف سے آپ پر کوئی الزام نہیں۔“

یہ لوگ اس بات سے بہت شرمندہ ہوئے اور اپنے گھر واپس چلے گئے۔

مگر شیطان بھلا کب خاموش رہنے والا تھا، ان کے پاس پھر آ دھمکا اور کہا:

”تم لوگ برباد ہو جاؤ! تمہاری بہن فلاں جگہ دفن کی گئی ہے جا کر دیکھو اس کا ازار بند بھی مٹی کے اوپر ہی نظر آ رہا ہے۔“

وہ لوگ شیطان کی بتلائی ہوئی جگہ پہنچے، زمین کھودی اب جو دیکھا تو لڑکی کی لاش موجود تھی۔ یہ دیکھ کر وہ غضب ناک ہو گئے۔ فوراً برصیصا عابد کے پاس پہنچے اور کہا: ”چل اللہ کے دشمن! نیچے اُتر تو نے ہماری بہن کو کیوں قتل کیا؟“

پھر ان لوگوں نے برصیصا عابد کا گرجا منہدم کر دیا اس کی گردن میں رسی باندھی اور اسے کھینچتے ہوئے بادشاہ کے دربار میں پہنچے۔

بادشاہ کے روبرو برصیصا عابد نے اپنے جرم کا اعتراف کیا اور بتایا کہ اس جرم پر اسے شیطان نے اُکسایا تھا۔

بادشاہ نے کہا: ''تو نے لڑکی کو قتل کیا اب اس کا اعتراف بھی کر رہا ہے۔ پس تیری سزا موت ہے۔'' پھر بادشاہ نے برصیصا عابد کے قتل کا حکم جاری کر دیا۔ اب ابیض شیطان برصیصا عابد کے پاس آیا اور پوچھا: ''کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟'' برصیصا عابد نے کہا: ''نہیں!'' شیطان نے کہا: ''میں تمہارا وہی دوست ہوں جس نے تمہیں وظائف سکھلائے تھے۔ تمہاری خرابی ہو! تمہارے پاس جو امانت رکھی گئی اس میں تم نے اللہ کا خوف نہیں کیا اور خیانت کر ڈالی' کیا تمہیں اللہ سے شرم نہیں آتی؟ تم نے بادشاہ کے سامنے اقبالِ جرم بھی کر لیا اور یوں تم نے خود اپنے اور اپنے جیسے دوسرے عابدوں کی بھی مٹی پلید کر دی اگر تمہیں اسی حال پر موت آجائے تو تم اور تمہارے جیسا کوئی بھی نجات نہ پا سکے گا۔''

برصیصا عابد نے پوچھا: ''پھر مجھے کیا کرنا چاہیے؟'' شیطان نے کہا: ''میری ایک بات مان لو تو میں تمہیں بچا لوں گا' ان لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل کر دوں گا اور تمہیں تمہاری موجودہ قید سے رہائی دِلا دوں گا۔'' برصیصا نے پوچھا: ''وہ کون سی بات ہے؟'' شیطان نے کہا: ''مجھے سجدہ کرو۔'' برصیصا نے شیطان کو سجدہ کر دیا۔

شیطان بولا: ''بس میں تجھ سے یہی گھناؤنا جرم کرانا چاہتا تھا اب تیرا انجام کفر نکلا اور کہا: اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكَ ۔ ''میں تجھ سے بَری ہوں۔'' (الحشر)

پھر برصیصا قتل کر دیا گیا۔ امام بغوی فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے یہ مثال یہودیوں کے لیے بیان فرمائی جنہیں منافقین مدینہ نے دھوکے میں ڈال دیا' وہ بنونضیر کی مدد اور دفاع کا وعدہ کر کے انہیں مسلمانوں کے خلاف اُکساتے رہے اور مشکل وقت آنے پر شیطان کی طرح ان سے لاتعلق ہو گئے اور کہنے لگے: ''بھئی ہم لوگ تو مسلمان ہیں اللہ سے ڈرنے والے ہیں' تمہاری مدد کیسے کریں؟''

(تفسیر البغوی ۳۲۲/۴' البدایۃ والنھایۃ ۱۳۶/۲' المنتظم فی تاریخ الملوک والامم ۱۵۸/۲)

(۱۲۴)

بیماری کی خاطر اپنی سواری بیچ دی

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ سفر میں رہتے تھے' وہ کسی شہر میں چالیس دن نہیں ٹھہرتے تھے' جہاں بھی وہ جاتے چالیس دن سے کم ٹھہرتے پھر وہاں سے دوسری جگہ روانہ ہو جاتے۔ ان کا عمر بھر یہی معمول رہا۔ ایک دفعہ ایک نوجوان نے ان کے ساتھ رہنے کی التماس کی۔ ابراہیم خواص نے کہا: "تم میرا ساتھ نہیں دے سکتے۔ میں کبھی اس شہر میں ہوں' کبھی اس شہر میں۔ کبھی تو سامان ہوتا ہے اور کبھی سرے سے کوئی سامان ہوتا ہی نہیں' تم میرے ساتھ نہیں رہ سکتے۔"

وہ نوجوان ان کی یہ بات سن کر بھی باز نہ آیا اس نے کہا: "میں تو آپ کا ضرور ساتھ دوں گا۔"

جب اس نے بہت اصرار کیا تو ابراہیم خواص مان گئے۔ الغرض ابراہیم خواص اپنے مقرر شدہ دستور کے مطابق شہر شہر گھومنے لگے وہ جہاں بھی جاتے' چالیس دن سے کم ٹھہرتے' گھومتے گھومتے وہ ایک جگہ پہنچے جہاں وہ نوجوان بیمار ہو گیا۔ خواجہ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس کی بیماری کی وجہ سے اس جگہ تین مہینے ٹھہرے۔ بعد ازاں ایک دن اس نوجوان کا نان اور مچھلی کھانے کو جی چاہا۔ چنانچہ شیخ ابراہیم سے اس کا ذکر کیا' ان کے پاس ایک گدھا تھا جس پر وہ کبھی کبھی سفر کے دوران سوار ہو جایا کرتے تھے اس گدھے کے علاوہ ان کے پاس کوئی اور سامان نہ تھا کہ جس کے بیچنے سے انہیں کچھ پیسے مل جاتے۔ بہر حال انہوں نے وہ گدھا بیچ دیا اور اس نوجوان کی خواہش پوری کر دی جب کچھ عرصہ گزرا اور وہ نوجوان قدرے صحت

یاب ہو گیا تو خواجہ ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ نے عزمِ سفر کیا۔ نوجوان نے ان سے کہا: ''آپ اپنا گدھا مجھے دے دیں تاکہ میں اس پر سوار ہو کر آپ کے ساتھ چل سکوں۔''

اس وقت ابراہیم کو ضرورت پڑی کہ اس نوجوان کو صورتِ حال سے آگاہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے اسے بتایا کہ میں نے وہ گدھا بیچ دیا اور اس کی قیمت سے تمہارے لیے نان اور مچھلی کا انتظام کیا۔ الغرض اس جگہ سے وہ دونوں ایک سمت کو روانہ ہو گئے اور تین دن تک خواجہ ابراہیم اس نوجوان کو اپنی پشت پر اُٹھائے چلتے رہے۔ (فوائد الفواد' ص ۳۴۰)

چاہے امیر بنو یا مطیع

☆......درویش کہتا ہے کہ ایک دفعہ میں کوفہ سے مکہ کے ارادہ سے جا رہا تھا' میں نے حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کو راستہ میں پایا۔ ان سے صحبت و معیت کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا: ''صحبت کے لیے ایک امیر چاہیے اور ایک حکم ماننے والا۔ کیا تو چاہتا ہے کہ تو امیر ہو یا میں؟'' میں نے کہا: ''امیر آپ ہو جائیے۔''

آپ نے فرمایا: ''اب تجھے میرے حکم کے خلاف کوئی کام نہیں کرنا ہوگا۔''

میں نے کہا: ''بجا ہے۔''

اس نے بیان کیا ہے کہ جب ہم منزل پر پہنچے تو آپ نے مجھ سے فرمایا: ''بیٹھ جا!''

میں نے ایسا ہی کیا۔ آپ نے کنوئیں سے پانی نکالا' سردی تھی' ایندھن جمع کیا اور آگ روشن کر کے مجھے گرم کیا میں جس کام کا ارادہ کرتا فرماتے تھے' بیٹھ جا اور میں چونکہ حکم کی شرط ملحوظ رکھتا اس لیے خاموش ہو جاتا جب رات ہوئی' بارش بہت برسنے لگی' آپ نے اپنی گدڑی نکالی اور صبح تک میرے سر پر کھڑے رہے۔ گدڑی ہاتھوں پر ڈالے ہوئے تھے اور میں شرمندہ ہو رہا تھا اور شرط کی رو سے کوئی بات نہ کہہ سکتا تھا۔ انہوں نے بیان کیا ہے کہ جب صبح ہوئی تو میں نے کہا: ''اے شیخ! آج امیر میں ہوں۔''

آپ نے فرمایا: ''بہت بہتر!''

جب ہم منزل پر پہنچے تو آپ نے وہی خدمت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ میں نے کہا: ''میرے حکم سے آپ باہر نہ ہوں۔''

آپ نے فرمایا: ''فرمان سے وہ شخص باہر نکلتا ہے جو امیر کو اپنی خدمت سپرد کرے۔''

مکہ تک اسی طرح آپ نے میرے ساتھ صحبت رکھی جب ہم مکہ پہنچے تو میں مارے شرم کے بھاگ گیا یہاں تک کہ منیٰ میں آپ نے مجھے دیکھا اور کہنے لگے:

''بیٹا! تجھ پر لازم ہے کہ درویشوں کے ساتھ ایسی صحبت رکھے جیسی میں نے تیرے ساتھ رکھی۔''

(کشف المحجوب (ترجمہ) ص۵۰۶)

(۱۲۵)

استاذ ہو تو ایسا......!

حضرت سیدنا محمد بن عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' حضرت سیدنا عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اکثر ''طرسوس'' کی طرف جاتے اور وہاں ایک مسافر خانے میں ٹھہرتے' ایک نوجوان آپ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیث سنا کرتا جب بھی آپ ''رِقہ'' (نامی شہر میں) تشریف لاتے تو وہ نوجوان حاضرِ خدمت ہو جاتا۔ ایک مرتبہ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ ''رِقہ'' پہنچے تو اس نوجوان کو نہ پایا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اس وقت جلدی میں تھے کیونکہ مسلمانوں کا ایک لشکر جہاد کے لیے گیا ہوا تھا آپ بھی اس میں شرکت کے لیے آئے تھے چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ لشکر میں شامل ہو گئے۔ الحمدللہ! مسلمانوں کو فتح ہوئی اور آپ رحمۃ اللہ علیہ غازی بن کر واپس طرسوس آئے اور رِقہ پہنچ کر اپنے اس نوجوان شاگرد کے بارے میں پوچھا تو پتہ چلا کہ نوجوان مقروض تھا اور اس کے پاس اتنی رقم نہ تھی کہ وہ قرض ادا کرتا لہٰذا قرض ادا نہ کرنے کی وجہ سے اسے گرفتار کر لیا گیا ہے۔''

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: ''میرے اس نوجوان شاگرد پر کتنا قرض تھا؟''

کہا: ''دس ہزار درہم''

آپ رحمتہ علیہ پوچھتے پوچھتے قرض خواہ کے گھر پہنچے' اسے دس ہزار درہم دے کر اپنے شاگرد کی رہائی کا مطالبہ کیا اور کہا: ''جب تک میں زندہ رہوں اس وقت تک کسی کو بھی اس واقعہ کی خبر نہ دینا۔''

پھر راتوں رات آپ رحمۃ اللہ علیہ وہاں سے رخصت ہو گئے۔ قرض خواہ نے صبح ہوتے ہی

مقروض نوجوان کو رہا کر دیا۔ نوجوان جب باہر آیا تو لوگوں نے کہا: ''حضرت سیدنا عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ آپ کے متعلق پوچھ رہے تھے اب وہ واپس جا چکے ہیں۔''

یہ سن کر نوجوان آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تلاش میں نکل پڑا اور تین دن کی مسافت طے کر کے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے دیکھا تو پوچھا: ''اے نوجوان! تم کہاں تھے؟ میں نے تمہیں مسافر خانے میں نہیں پایا؟''

نوجوان نے کہا: ''اے ابا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ! مجھے قرض کے عوض قید کر لیا گیا تھا۔''

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: ''پھر تمہاری رہائی کا کیا سبب بنا؟''

کہا: ''اللہ تعالیٰ کے کسی نیک بندے نے میرا قرض ادا کر دیا اس طرح مجھے رہائی مل گئی۔''

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اے نوجوان! اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے کسی کو تیرا قرض ادا کرنے کی توفیق دی اور تجھے رہائی عطا فرمائی۔''

راوی کہتے ہیں: ''جب تک حضرت سیدنا عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ زندہ رہے تب تک اس قرض خواہ نے کسی کو بھی خبر نہ دی کہ نوجوان کا قرض کس نے ادا کیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد اس نے سارا واقعہ لوگوں کو بتا دیا۔'' (عیون الحکایات)

(۱۲۶)

کافر کو مرنے کے بعد ایماں مل گیا اور......

بیان کرتے ہیں کہ قوم بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس کی بیوی اپنے زمانہ کی عورتوں میں بہت ہی خوب صورت تھی اس کا شوہر اس پر فریفتہ اور شیدا تھا۔ قضائے الٰہی سے وہ عورت مر گئی اس کے بعد عرصہ دراز تک اس کا شوہر اس کی قبر پر جما رہا چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ادھر سے گزر ہوا اور اس کو دیکھا کہ زار و قطار رو رہا ہے۔ آپ نے اس سے فرمایا: ''تم کیوں روتے ہو؟''

اس نے آپ سے اپنا قصہ بیان کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''کیا تو چاہتا ہے کہ میں تیرے واسطے اس کو زندہ کر دوں؟'' اس نے کہا: ''ہاں!''

اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس قبر کے مُردہ کو بلایا۔ چنانچہ اس قبر سے ایک حبشی غلام نکلا اور اس کی یہ حالت تھی کہ اس کی ناک کے نتھنوں اور آنکھوں اور بدن کے دوسرے سوراخوں سے آگ نکلتی تھی۔ اس حبشی غلام نے کہا: ''لا الہ الا اللہ وعیسیٰ روح اللہ''

پھر اس اسرائیلی نے عرض کیا: ''یا نبی اللہ! میں نے غلطی کی میری بی بی کی قبر یہ نہیں ہے بلکہ اس کی قبر یہ ہے۔''

اور اس نے دوسری قبر کی طرف اشارہ کیا اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حبشی غلام سے فرمایا: ''اے قبر والے! اللہ کے حکم سے اُٹھ۔''

قبر پھٹی اس سے ایک عورت اس حالت میں نکلی کہ وہ اپنے سر سے خاک جھاڑتی تھی (یہ دیکھ کر) اس کے شوہر نے کہا: ''یا روح اللہ! میری بی بی یہی ہے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''اس کو لو۔''

چنانچہ اس کو لے کر وہاں سے واپس ہوا پھر اس کو اسی وقت نیند کا غلبہ ہوا۔ اس نے اپنی بی بی سے کہا: ''تیری قبر پر بے داری نے مجھے ہلاک و تباہ کر دیا ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ آرام کرلوں۔'' اس کی بی بی نے کہا: ''اچھا آرام کرلو۔''

چنانچہ اس نے اپنی بی بی کے زانو پر سر رکھا اور سو گیا کہ اتفاقاً ایک شہزادہ ایک اعلیٰ درجہ کے گھوڑے پر سوار ہو کر ادھر سے نکلا اور وہ شہزادہ اپنے زمانہ کے لوگوں میں اپنے حسن و ہیئت کے اعتبار سے فرد فرید تھا جب اس عورت نے شہزادہ کو دیکھا تو اس کا دل اس سے وابستہ ہو گیا اور وہ دل و جان سے اس پر شیدا ہو گئی اس کے بعد اس نے اپنے شوہر کا سر اپنے زانو سے اُٹھا کر زمین پر ڈال دیا اور شہزادہ کے سامنے کھڑی ہو گئی جب شہزادہ نے اس کو دیکھا تو وہ بھی اس پر فریفتہ ہو گیا اس عورت نے شہزادہ سے کہا: ''مجھ کو لے لو۔''

چنانچہ شہزادہ نے اس کو اپنے پیچھے گھوڑے پر بٹھا لیا اور وہاں سے چلتا ہوا جب اس کا شوہر بے دار ہوا تو اس کو نہ پایا وہ اس کے نشانِ قدم پر چلا اور اس کو ڈھونڈ لیا اور کہا: ''اے شہزادہ! یہ میری بی بی ہے اس کو چھوڑ دے۔''

لیکن اس کی بی بی نے انکار کیا اور کہا: ''میں شہزادہ کی لونڈی ہوں۔''

شہزادہ نے کہا: ''تو چاہتا ہے کہ میری لونڈی مجھ سے لے لے۔''

اس نے کہا: ''خدا کی قسم! یہ میری بی بی ہے اور میرے سردار حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مرنے کے بعد میرے واسطے اس کو زندہ کیا ہے۔''

یہ سب اسی گفتگو اور جھگڑے میں تھے کہ دفعتاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے سامنے آ موجود ہوئے اس عورت کے شوہر نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا: ''یا روح اللہ! کیا یہ میری وہ بی بی نہیں ہے جس کو آپ نے میرے لیے زندہ کیا ہے؟''

آپ نے فرمایا: ''ہاں یہ وہی ہے۔''

اس کے جواب میں اس عورت نے کہا: ''یا روح اللہ! یہ شخص جھوٹا ہے میں تو اس شہزادہ کی لونڈی ہوں۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''ارے کیا تو وہ نہیں ہے جس کو میں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ کیا ہے؟'' اس نے کہا: ''یا روح اللہ! بخدا میں وہ نہیں ہوں''

اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا: ''جو میں نے تجھے دی ہے وہ واپس کر دے۔''

وہ عورت مردہ ہو کر گر پڑی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''جو شخص ایسے آدمی کو دیکھنا چاہے جو کافر مرا تھا اس کے بعد زندہ ہوا اور ایمان لایا اور ایمان کی حالت میں مرا تو وہ اس غلام حبشی کو دیکھے اور جو کوئی ایسے شخص کو دیکھنا چاہے جو مومن مرا تھا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کو زندہ کیا پھر وہ کافر ہو گیا اور حالتِ کفر میں مر گیا تو وہ اس عورت کو دیکھے۔''

اس کے بعد اس اسرائیلی نے قسم کھائی کہ اب کبھی نکاح نہ کروں گا اور وہ میدانوں کی طرف نکل گیا اور وہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہا یہاں تک کہ مر گیا۔ اللہ جل شانہ اس پر رحم فرمائے۔ (انوار محبوبی ترجمہ نوادر قلیوبی)

(۱۲۷)

خدا کی بندگی یہ ہے عبادت اس کو کہتے ہیں

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ تمام رات جاگتے تھے اور رات کی دو رکعتوں میں ہر رات پورا قرآن مجید ختم کر دیتے تھے اور مناجات میں اس قدر روتے تھے کہ ان کی گریہ وزاری کو سن کر پڑوسیوں کو ان پر رحم آجاتا تھا۔ جیل خانہ کی جس کوٹھڑی میں وفات پائی وہاں سات ہزار قرآن مجید پڑھ چکے تھے۔

مشہور محدث مسعر بن کدام فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ رات کو مسجد میں داخل ہوا تو کسی کے قرآن پڑھنے کی آواز میرے کان میں آئی اس قدر قرأت میں شیرینی اور دل کشی تھی کہ میں کھڑے ہو کر سنتا رہا یہاں تک کہ ایک منزل پوری ہوئی تو میں نے یہ سمجھا کہ اب رکوع کریں گے مگر وہ برابر پڑھتے رہے یہاں تک کہ پورا قرآن مجید ایک رکعت میں ختم ہو گیا جب میں نے ان کے قریب جا کر غور سے دیکھا تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ تھے۔

اس طرح زائدہ محدث کا بیان ہے کہ ایک رات میں نے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی، مجھے آپ سے تنہائی میں ایک مسئلہ دریافت کرنا تھا اس لیے میں انتظار میں بیٹھا رہا جب سب نمازی مسجد سے چلے گئے تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھ کر کہ اب مسجد میں کوئی نہیں ہے، آپ نے نمازِ نفل شروع کر دی اور اس میں بلند آواز سے قرآن مجید پڑھنا شروع کر دیا جب فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ۔ کی آیت پر پہنچے تو اسی آیت کو بار بار پڑھتے رہے یہاں تک کہ فجر کی اذان ہو گئی۔

ایک آیت کو پڑھتے پڑھتے صبح کردی

اسی طرح استاد حدیث قاسم بن معین کہتے ہیں کہ ایک رات امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے نفل نماز میں بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ
کی آیت کو بار بار پڑھتے اور روتے روتے صبح کردی۔

ایک برگزیدہ بزرگ یزید کیت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نمازِ عشاء میں امام نے سورہ اذا زلزلت پڑھی۔ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ بھی جماعت میں شریک تھے۔ نماز ختم ہونے کے بعد میں نے دیکھا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فکر میں غرق ہو کر بیٹھے ہیں اور رو رہے ہیں۔ قندیل میں تیل بہت تھوڑا تھا اس لیے میں چپکے سے قندیل روشن چھوڑ کر چلا آیا پھر جب صبح ہونے کے وقت میں مسجد میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اپنی داڑھی پکڑے ہوئے کھڑے ہیں اور اس طرح دعا مانگ رہے ہیں: ”اے ذرہ بھر نیکی کا اچھا بدلہ دینے والے اور اے ذرّہ بھر بدی کا بُرا بدلہ دینے والے تو اپنے بندے نعمان (ابوحنیفہ) کو جہنم کی آگ اور اس کے لگ بھگ عذاب سے بچالے اور اپنی رحمت کی فضا میں اس کو داخل فرما لے۔“

میں نے فجر کی اذان دی۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے مجھ کو دیکھ کر فرمایا: ”جو کچھ تم نے دیکھا ہے خبردار کسی سے ذکر مت کرنا۔“
یہ کہہ کر فجر کی سنت پڑھنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ میں نے تکبیر پڑھی تو جماعت میں شریک ہوئے اور ہمارے ساتھ فجر کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھی۔

(تبصرہ تاریخ بغداد ص ۳۶)

عطا اسلاف کا جذب دروں کر

حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی عبادتوں کی چند جھلکیاں آپ نے ملاحظہ فرمائیں اس میں شک نہیں کہ حضرت امام ممدوح کی عبادت کو آپ کی کرامت کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ علماء نے مستند حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے چالیس

برس تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرمائی اب ذرا حضرت امام ممدوح کے مشاغل پر غور فرمایئے اور پھر ان کی اس شب بے داری اور عبادت گزاری کو دیکھئے۔ دن میں آپ فقہ و حدیث کا درس بھی دیتے تھے جس درس میں حضرت قاضی امام ابو یوسف' امام محمد' امام زفر' امام مندل' داؤد طائی جیسے سینکڑوں علم و عمل کے پہاڑ' طالبِ علم بن کر آپ سے سبق پڑھا کرتے تھے پھر آپ دن میں کچھ وقت نکال کر کپڑوں کی تجارت بھی فرماتے تھے۔ اتنے مشاغل کے باوجود مسلسل چالیس برس تک روزانہ رات میں نمازِ نفل کے اندر ایک ختم قرآن مجید پڑھ لینا اور عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کر لینا کیا یہ بغیر کسی عظیم روحانی قوت کے کسی انسان کے بس کی بات ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ خداوندِ کریم نے ان بزرگوں کو علمِ نبوت کی بے پناہ مجاہدانہ خدمات کی برکتوں سے ایسی روحانی قوتوں سے ملکوتی کرامتوں کا پہاڑ بنا دیا تھا کہ تھکنا' نڈھال ہونا' سست پڑ جانا' کمزور ہو جانا' ان لفظوں کا ان کی کتابِ زندگی کی لغات میں کہیں کوئی وجود ہی نہ تھا پھر مولیٰ عزوجل نے ان کے اوقات میں اتنی برکت عطا فرما دی تھی کہ گھنٹوں کا کام یہ بزرگانِ دین منٹوں میں کر لیا کرتے تھے۔ خدا گواہ ہے کہ ان بزرگوں کے واقعات اور ان کی مقدس زندگی کے حالات پر ایک نظر ڈالنے سے بلا اختیار اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہونا پڑتا ہے کہ یقیناً یہ علمائے صالحین فقہاء و محدثین مرتبۂ ولایت و کرامت کی ایسی بلند ترین منزل پر فائز ہیں کہ دَورِ حاضر کے علماء و مشائخ اس کی رفعت و بلندی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ واللہ! ان علمائے سلف کی مجاہدانہ عبادات و ریاضات' مجاہدانہ علمی خدمات' پُر جوش تبلیغی کارنامے' زبان و قلم کے جہادوں کو دیکھ کر غیر شعوری طور پر ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ ان بزرگوں کا دینی جوش اور عشق حد جنوں کو پہنچا ہوا تھا اس سے میرا جذبات سے بھرا ہوا دل مجھے مجبور کرتا ہے کہ اب صبح و شام اسی طرح دعا مانگا کروں۔

عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر
شریک زمرۂ لَا یَحْزَنُوْنَ کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
مرے مولا! مجھے صاحب جنوں کر

میرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

بشر بن مفضل کی جلالت شان کے لیے یہی بہت کافی ہے کہ یہ حضرت امام احمد بن جنبل وغیرہ ہزاروں باکمال محدثین کے استاد ہیں۔ بصرہ کے رہنے والے تھے' روزانہ بلاناغہ چار سو رکعت نماز نفل پڑھا کرتے تھے اور ساری زندگی ''صوم داؤدی'' یعنی ایک دن روزہ ایک دن افطار کے پابند رہے۔ ۱۸۷ھ میں وصال فرمایا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۸۵)

☆......علامہ ابن حداد مصری شافعی کے بارے میں ابن زولاق کا بیان ہے کہ یہ علم حدیث' علمِ رجال' علمِ مناظرہ' علمِ نحو' علمِ لغت' علمِ تاریخ' اشعار عرب وغیرہ علومِ کثیرہ کے ماہر تھے۔ قاضی کے عہدہ پر فائز تھے اور بڑی شان دار زندگی بسر کرتے تھے۔ اچھی سے اچھی سواریوں کے شوقین اور نہایت ہی خوش پوشاک تھے مگر کسی نے زندگی بھر ان کے کسی قول یا فعل پر طعنہ زنی نہیں کی بلکہ ان کے اونچے کردار اور معاملات کی صفائی پر بچہ بچہ ہمیشہ مداح رہا۔ بہت بڑے نمازی اور نہایت ہی عابد و زاہد تھے' اپنے گوناگوں مشاغل کے باوجود روزانہ بلاناغہ ایک ختم قرآن مجید پڑھتے تھے' ایک دن روزہ ایک دن افطار کا معمول رکھتے تھے۔ حج سے لوٹتے ہی ۳۴۴ھ میں اسی برس کی عمر میں وفات پائی۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱۰۸)

ڈھل جائیں زمین و آسماں مومن کے سجدے سے
خدا کی بندگی یہ ہے عبادت اس کو کہتے ہیں

(۱۲۸)

دنیا کا امیر ترین مگر بدبخت انسان

معروف تاجر وصنعت کار فائیو سٹار ہوٹل کی لابی میں بیٹھا اپنی سوچوں میں گم ہے وہ ہمیشہ الجزائر کے دارالحکومت کے اسی ہوٹل میں ٹھہرتا ہے اس کے سامنے بحیرۂ روم کا نیلگوں پانی حدِ نگاہ تک پھیلا ہوا ہے۔ پانی کی لہریں اُٹھتیں اور ساحل تک پہنچتے پہنچتے دَم توڑ دیتیں۔ دُور سے بادل ہوا کے دوش پر تیرتے ہوئے آئے اور نیلے آسمان پر چھا گئے۔ موسم معتدل تھا' نہ گرمی نہ سردی اس کے سامنے میز پر چائے رکھی ہوئی تھی اس نے بادلوں کی طرف دیکھا اور خود کلامی کرنے لگا: کتنے خوب صورت ہیں یہ بادل' کبھی نہیں رُکتے...... تمہاری زندگی بھی تو ایسی ہی ہے ناں؟ مسلسل جد وجہد اور کوشش میں سرگرداں' کبھی نہ رُکنے والی' کبھی نہ تھمنے والی' ساری زندگی مال وجاہ کی تلاش وتعاقب میں گزر گئی۔ میں نے زندگی میں نے کتنے سفر کیے ہیں بالکل ان بادلوں کی طرح جن کا کوئی نشانِ منزل نہیں کبھی یہاں کبھی وہاں۔ آج اس ملک میں' کل اس ملک میں۔ آج یہاں نمائش لگی ہے' کل وہاں صنعتی میلہ ہے۔ آج یورپ میں کاروباری میٹنگ ہے تو کل عرب ممالک میں۔ ایک ہی منزل ایک ہی تمنا کہ میں کسی طرح دنیا کا کامیاب بزنس مین بن جاؤں' دنیا کے چند امیر کبیر لوگوں میں میرا بھی نام ہو میں ارب پتی کہلاؤں...... یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے اس نے کتنی کڑی محنت کی' کتنا وقت بیرون ملک گزارا...... اس نے اپنے آپ سے سرگوشی کرتے ہوئے پوچھا: ''تمہاری کتنی راتیں بیوی بچوں کے ساتھ گزری ہیں اور کتنی فائیو سٹار ہوٹلوں میں...... یقیناً جو وقت بیوی اور بچوں کے بغیر گزارا ہے وہ زندگی کا ایک بڑا حصہ ہے۔''

پھر وہ قد آدم آئینے کے سامنے کھڑا ہوگیا' اپنی شکل دیکھی تو چونک پڑا...... اُف یہ میرا چہرہ ہے؟ اُف خدایا! میری جوانی کہاں چلی گئی؟ اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔
بلاشبہ میں نے بڑی دولت جمع کر لی ہے' میں بڑا معروف بزنس مین بن گیا ہوں' میری خوب صورت سی بیوی ہے اور میرا پیارا سا بیٹا بھی ہے' بیوی اور بچے کا خیال آتے ہی اس کے دل میں فرحت کا احساس بے دار ہوا اب تو میرا بیٹا جوان ہو گیا ہے' میری ساری جائے داد کا تنہا وارث...... کاش! ان لمحات میں میری بیوی اور میرا اکلوتا بیٹا میرے پاس ہوتے...... میری اس سے آخری سرسری سی ملاقات آج سے چند ماہ پہلے ہوئی تھی شاید وہ اٹھارہویں سال میں ہے مگر یہ یقینی بات ہے کہ وہ انجینئرنگ یونیورسٹی کا طالبِ علم ہے۔ بس اب وہ انجینئر بننے والا ہے۔

اور اس کی دنیا اجڑ گئی

احمد انہی تصورات میں گم تھا کہ اس کے کمرے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ ٹرن...... ٹرن کی آواز دم بدم آرہی تھی اس نے آنکھیں کھولیں' لپک کر ریسیور پکڑا...... کال قاہرہ سے آرہی تھی...... فون پر اس کا بڑا بھائی بات کر رہا تھا اس نے ریسیور کان سے لگایا۔ وہ کہہ رہا تھا: ''فوراً پہنچ جاؤ...... تمہاری بیوی خطرے کی حالت میں ہے...... فوراً آجانا...... کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اسے دیکھ ہی نہ سکو...... ہاں! ہاں! یہ ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہوگئی ہے...... ہاں! حالت سخت خطرناک ہے۔''
احمد نے کہا: ''اسے فوراً خصوصی طیارے کے ذریعے یورپ منتقل کردو' میں بھی وہاں پہنچ جاؤں گا چاہے کتنی ہی رقم خرچ ہو جائے' کوئی پرواہ نہیں...... بس اسے زندہ رہنا چاہیے۔'' ''جلدی آجاؤ' ہم علاج کرا رہے ہیں بس تم لیٹ نہ ہونا۔'' (ادھر سے جواب ملا)
فون کال ختم ہوگئی اس نے ریسیور رکھا...... پھر وہ ارب پتی بچوں کی طرح رونے لگا۔
وہ فوراً پہلی فلائٹ پر قاہرہ کے لیے روانہ ہوگیا' ایئرپورٹ پر اس کا بڑا بھائی اس کے انتظار میں تھا' کئی سال بعد اس سے ملاقات ہو رہی تھی' ان کی باہمی ملاقات میں اتنی طویل مدت کے خلا کا سبب کاروباری مسائل اور مصروفیات تھیں۔ برسوں بعد دونوں نے معانقہ کیا۔

بزنس مین نے بے تابی سے اپنے بڑے بھائی سے پوچھا: ''اب میری بیوی کیسی ہے؟''

بھائی نے بڑے غمگین لہجے میں جواب دیا: ''تمہاری بیوی اب اس دنیا میں نہیں، تھوڑی دیر پہلے وہ زخموں کی تاب نہ لا کر وفات پا گئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔''

یہ سن کر ارب پتی بچوں کی طرح بلکنے لگا اس کی ہچکیاں بندھ گئیں اس کے بھائی نے اسے گلے لگایا۔ بھائی کے دِلاسے اور گلے لگانے سے اسے کچھ حوصلہ اور تسلی ملی...... بھائی کی محبت غرض مندی، مفادات اور دھوکے سے پاک تھی...... اس نے بھائی سے پوچھا: ''میری بیوی کی لاش کہاں ہے؟''

بھائی نے بتایا: ''وہ اس وقت پوسٹ مارٹم کے لیے گئی ہے۔ میرا خیال تھا کہ ہم اسے فوراً دفن کر دیں لیکن میں چاہتا تھا کہ تم الوداعی نظر ڈال لو اور اسے اپنے ہاتھوں سے دفن کرو۔'' احمد نے اب اپنے بیٹے کے بارے میں پوچھا: ''اسے تو تمہارے ساتھ یہاں ایئرپورٹ پر ہونا چاہیے تھا، وہ کیوں نہیں آیا؟ کدھر ہے وہ؟''

بھائی نے کہا: ''ہاں! وہ کسی وجہ سے میرے ساتھ نہیں آ سکا۔''

پھر احمد اپنے بھائی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گیا، گاڑی کا رُخ گھر کی طرف تھا۔

احمد کا بڑا بھائی نبیل کسی اور ہی فکر میں مبتلا ہے...... میں اسے کیسے بتاؤں یہ حادثہ کیسے ہوا...... کیوں ہوا اس کا ذمہ دار کون ہے اور اس کا بیٹا کہاں ہے؟

احمد نے دیکھا کہ گاڑی کا رُخ اس کے گھر کی طرف نہیں ہے۔ اس نے پوچھا: ''بھائی! تم کس طرف جا رہے ہو؟ یہ میرے گھر کا راستہ نہیں ہے، لگتا ہے کہ تم اپنے گھر جا رہے ہو؟''

احمد کا بڑا بھائی نبیل کوئی امیر کبیر آدمی نہ تھا۔ ایک متوسط درجے کا شہری اور مقامی ہائی سکول میں ٹیچر تھا...... معمولی سی تنخواہ تھی مگر ایک چیز قابلِ توجہ تھی اور وہ یہ کہ اس کے چھوٹے بھائی نے اس کی کبھی مدد نہیں کی تھی۔

میری سنے جو گوشِ نصیحت نیوش ہے

نبیل بھائی کو سہارا دیتے دیتے خاص کمرے میں لے گیا اور اندر کا دروازہ بند کر لیا۔

کئی مرتبہ اس نے زبان کھولنے کی کوشش کی مگر ہر مرتبہ وہ کچھ سوچ کر چپ ہو جاتا......

احمد نے بے تابی سے کہا: ''بھائی! لگتا ہے کہ آپ مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔'' ''نہیں تو...... مگر...... دراصل......'' وہ رُکا' ٹھٹکا اور ذرا جھجکا۔ ''بات یہ ہے......'' زبان لڑکھڑا رہی تھی اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

''بھیا مجھے سچ سچ بتا دو...... مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ کوئی غیر معمولی حادثہ ہو گیا ہے۔ شاید میری بیوی کی وفات سے بھی بڑا سانحہ...... میں سننے کے لیے تیار ہوں' تم بتاؤ تو سہی۔'' نبیل نے بولنا شروع کیا:

''بھائی احمد کیسے بتاؤں کیونکر بتاؤں...... عقل ماننے سے قاصر ہے' دل و دماغ تصدیق سے عاجز ہیں مگر یہ ایک حقیقت ہے ہوا یوں کہ آج صبح پولیس سٹیشن سے فون آیا...... پولیس آفیسر نے مجھے فوراً بلوایا...... میں نے طلبی کا سبب پوچھا تو وہ کہنے لگا: ''جب تم پولیس سٹیشن آؤ گے تو سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ میں فوراً پولیس سٹیشن پہنچا وہاں میں نے جو کچھ دیکھا...... کاش! میں نہ دیکھتا...... میں نے تمہارے اکلوتے اور لاڈلے بیٹے کو اس حالت میں دیکھا کہ اس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے...... خون کے دھبے لگے ہوئے تھے اور...... وہ پولیس آفیسر کے کمرے میں زمین پر اکڑوں بیٹھا تھا...... میں نے پولیس آفیسر سے پوچھا...... کہ آخر میں یہ کیا قیامت دیکھ رہا ہوں؟...... پولیس آفیسر نے میرے کسی سوال کا جواب نہیں دیا۔''

پھر میری کھوئی کھوئی آنکھوں نے تمہارے بیٹے کی طرف دیکھا...... اس نے مجھے دیکھا...... تو ایک دَم کھڑا ہو گیا' میرے سینے سے لگ گیا اور بے اختیار رونا شروع کر دیا...... وہ دھاڑیں مار مار کر روتا ہی چلا گیا...... میں نے پوچھا: ''بیٹے! بتاؤ تو سہی یہ تم کس حالت کو پہنچ گئے ہو؟''

مگر وہ مسلسل روتا رہا...... میں نے پھر پولیس آفیسر سے پوچھا بتاؤ تو سہی ہوا کیا ہے؟...... میرے بار بار پوچھنے پر بالآخر پولیس آفیسر نے جواب دیا: ''اس نے کہا تمہارا یہ بدبخت بھتیجا' یہ شہزادہ' یہ امیر زادہ ہیروئن پیتا ہے اور اس نے اپنی ماں کو قتل کر دیا ہے۔''

احمد نے جب یہ کلمات سنے تو اس نے بڑی دلخراش چیخ ماری...... آہ!...... افسوس...... ہائے...... افسوس! میری زندگی اُجڑ گئی...... کیا یہ ممکن ہے کہ ایک بیٹے نے اپنی مشفق ماں کو قتل کر دیا ہو' یہ کیسے ہو گیا؟ اس کی ماں تو اس پر جان دیتی تھی۔ وہ تو اس کا اکلوتا لختِ جگر تھا۔ اس کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور تھا۔ وہ تو اس کے بغیر چند گھنٹے بھی نہیں گزارتی تھی' یہ اس کی زندگی کا سہارا تھا اس کا خواب...... اس کا مستقبل تھا...... اب نبیل نے احمد کو اس حادثے کی تفصیل بتانی شروع کی۔ تمہارے لاڈلے فرزند نے کچن کی چھری سے اپنی ماں پر پے در پے قاتلانہ وار کیے یہاں تک کہ اس کی موت واقع ہو گئی...... پھر وہ پولیس سٹیشن پہنچا اور صرف دو جملوں میں کہا...... میں فلاں کا بیٹا ہوں...... اور میں نے اپنی ماں کو قتل کر دیا ہے۔ تفتیشی آفیسر نے اس سے بہت سے سوالات کیے مگر اس نے کسی بھی سوال کا جواب دینے سے انکار کر دیا...... پولیس نے اس کی تلاشی لی...... تو اس کے کپڑوں سے ہیروئن کی پڑیا نکلی اس کا میڈیکل چیک اپ کرایا' میڈیکل رپورٹ سے تصدیق ہو گئی کہ وہ ہیروئن پیتا ہے۔''

اگلے دن پوسٹ مارٹم کی کارروائیوں کے بعد میت کو دفن کر دیا گیا۔ احمد نے اپنی بیوی کو اپنے ہاتھوں سے قبر میں اُتارا...... اس دوران پولیس والے اور صحافی اس پر سوالات کی بوچھاڑ کرتے رہے...... پورے شہر میں کہرام برپا تھا' کوئی عام آدمی ہوتا تو اخبارات صرف چند سطروں کی خبر دیتے۔ یہ تو ملک کا ممتاز صنعت کار' ارب پتی تھا جس کی بیوی کو اس کے بیٹے نے قتل کر دیا تھا۔ اخبارات نے پہلے صفحے پر اس خبر کو جلی سرخیوں سے شائع کیا۔ ایک اخبار نے اپنے خاص ذرائع سے اس حادثے کی تفصیل شائع کی اس لڑکے کو ہیروئن خریدنے کے لیے رقم کی اشد ضرورت تھی اس نے اپنی والدہ سے رقم مانگی اس کی والدہ ایک ارب پتی کی بیوی تھی اس نے اسے رقم دینے سے انکار کیا تو وہ فوراً طیش میں آ گیا اس نے کچن سے چھری اُٹھائی' وہ نشے کی حالت میں تھا' پہلے تو اس نے والدہ کو ڈرایا دھمکایا اور جب اس نے مسلسل انکار کیا تو چھری کے پے در پے وار کر کے اسے قتل کر دیا اس کی والدہ کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ اس کا بیٹا اسے قتل بھی کر سکتا ہے' اگر اسے ادنیٰ سا بھی شبہ ہوتا تو وہ یقیناً رقم دے کر اپنی جان بچا لیتی۔

ماں کے جسم سے خون کے فوارے اُبلتے دیکھے تو بیٹے کو جھٹکا لگا اور اس کا نشہ ہرن ہو گیا مگر اب اس کا ہوش میں آنا بے سود تھا کیونکہ اب وہاں کچھ نہ تھا اب وہاں اس کی ماں کی سرد لاش پڑی ہوئی تھی چنانچہ اس نے اپنے آپ کو خود ہی پولیس کے حوالے کر دیا۔

اخبار نے مزید لکھا کہ اس حادثے کا سبب یہ ہے کہ ایک پڑھی لکھی فیملی جس کا سربراہ ایک معروف کمپنی کا مالک ہے' ارب پتی ہے' دنیا کے مختلف ممالک میں اس کے کاروبار' فیکٹریاں اور بینک بیلنس ہیں' دراصل اپنی فیملی پر توجہ نہ دے سکا۔ ایک سال پہلے اس کے بیٹے کو یونیورسٹی سے ہیروئن نوشی کے جرم میں نکال دیا گیا تھا۔

احمد نے اخبار میں لکھے ہوئے الفاظ بار بار پڑھے' اپنے آپ کو ٹٹولا کہ اس حادثے کا ذمہ دار وہ خود تو نہیں......

اور پھر باپ بیٹے کی حوالات میں ملاقات ہوئی۔ بڑی دردناک فضا تھی۔ ہیڈ وارڈن نے دروازہ کھولا...... باپ بیٹا آمنے سامنے...... طویل خاموشی...... ایک الم انگیز سانحہ...... ایک حسرت ناک ملاقات...... کیا کہیں' کیا بولیں' گفتگو کا آغاز کہاں سے ہو......؟

بالآخر برف ٹوٹی۔ بیٹے نے اپنی منتشر طاقتوں کو جمع کیا...... باپ سے ملاقات ہوئے کئی ماہ گزر چکے تھے' اٹک اٹک کر پوچھا: ''آپ بیرون ملک سے کب آئے؟''

باپ نے بمشکل جواب دیا...... ''دو دن پہلے''

بیٹا: ''واپس کب جائیں گے؟''

باپ: ''اس ملاقات کے فوراً بعد۔''

بیٹے نے بڑی حسرت اور ندامت سے پوچھا: ''کہاں جائیں گے؟''

باپ نے اپنے آنسوؤں پر قابو پاتے ہوئے کہا: ''تمہاری پیاری ماں کے پاس''

اور پھر دونوں دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔

نشے نے نشانِ عبرت بنا دیا

پھر اس کے بیٹے نے حادثے کی تفصیل سناتے ہوئے کہا: ''دو سال پہلے میں ہیروئن سے متعارف ہوا' میرے گمراہ دوستوں نے کہا...... لو ہیروئن پیو' یہ جادو کی پڑیا ہے اس سے تم

اپنے تمام غم اور پریشانیاں بھول جاؤ گے' تمہیں جنسی طاقت ملے گی...... سرور اور کیف آور نشہ تمہیں ستاروں سے آگے پہنچادے گا مگر جب میں نے ہیروئن پی لی تو اس کا نتیجہ بالکل مختلف تھا جوں جوں یہ زہر میری رگوں میں اُترا' میں اپنے آپ سے بے زار ہوتا چلا گیا' مسلسل تھکن اور غفلت کی نیند کا غلبہ میرا مقدر بن گیا...... قوتِ ارادی ختم ہو گئی' حافظہ کمزور ہو گیا' ہمت ماند پڑ گئی' جسم کی طاقت ختم ہو گئی' شعور اُجڑ گیا' عقل جاتی رہی' پاگلوں سے بھی بدتر ہو گیا' اپنے بے گانے کی پہچان ہی معدوم ہو گئی...... میرے ساتھی جو اس گھناؤنے کھیل میں میرے شریک کار تھے' ان کی حالت بھی مجھ سے مختلف نہ تھی...... کتنے ہی ایسے تھے کہ ان کا کاروبار ختم ہو گیا' مسلسل نقصان کی وجہ سے وہ دیوالیہ ہو گئے جو ملازم پیشہ تھے' ان کی ملازمت چھوٹ گئی' جو کالجوں میں پڑھتے تھے' ان کی تعلیم ختم ہو گئی اور وہ کالج اور یونیورسٹی سے نکال دیئے گئے...... بس ہمیں ایک ہی چیز کی طلب تھی' ہمارے سامنے ایک ہی ہدف تھا' رقم کا حصول' جائز اور ناجائز کی ہر تمیز اُٹھا کر صرف پیسے کی طلب...... تاکہ اس سے ہیروئن خرید سکیں...... افسوس میں نے اپنی ماں کو دھوکہ دیا' گھر سے قیمتی چیزیں چوری کیں' بے تحاشہ جھوٹ بولے۔ بے چاری ماں مجھ پر اندھا اعتماد کرتی رہی' میرے جھوٹ کو سچ سمجھتی رہی جب بھی مانگا اس نے انکار نہ کیا' میں اس کے ساتھ فراڈ ہی کرتا رہا۔ آخر ایک دن اس کے سامنے میری حقیقت کھل گئی۔ اسے معلوم ہو گیا کہ میں اس کی دی ہوئی رقم کا کیا کرتا ہوں۔ وہ بہت ناراض ہوئیں اس نے دھمکیاں دیں کہ...... میں تمہارے کرتوت تمہارے والد کو بتاؤں گی...... اس نے مجھے بہت سمجھایا' محبت سے' پیار سے' خوشامد سے' کبھی گلے سے لگایا' کبھی میرے سر پر ہاتھ پھیر کر مجھے چمکارا اور زندگی کی اونچ نیچ سمجھائی اس نے مجھے بڑی دردمندی اور دل سوزی سے کہا...... تم ہسپتال میں داخل ہو جاؤ' میں تمہارا علاج کراتی ہوں...... میں نے انکار کر دیا...... وقت کے ساتھ ساتھ میں نشے کا اور زیادہ رسیا ہوتا چلا گیا۔ ہیروئن خریدنے کے لیے مجھے اور زیادہ رقم کی ضرورت پیش آنے لگی مگر والدہ نے رقم دینا بند کر دی اس کا رویہ سخت ہوتا گیا۔''

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

نوجوان تھوڑی دیر کے لیے رُکا' خلا میں گھورتا رہا' چند منٹ بعد پھر اس کی زبان چل

پڑی: ”جس دن میں نے گھناؤنا جرم کیا اس روز مجھے اپنے علاوہ اپنے ساتھیوں کے لیے بھی ہیروئن کی اشد ضرورت تھی اور اس کے لیے رقم درکار تھی۔ میں نے والدہ سے ایک ہزار پونڈ مانگے...... میں نے جھوٹ بولا کہ میری گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اس کی مرمت کرانی ہے مگر اسے خوب معلوم تھا کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں اس نے رقم دینے سے انکار کر دیا۔ میرے ذہن میں ایک شیطانی منصوبہ اُبھرا۔ میں نے والدہ پر جھوٹی تہمت لگاتے ہوئے دھمکایا۔ دیکھو! اگر تم نے مجھے سیدھی طرح رقم نہ دی تو میں والد سے کہوں گا کہ تمہارے کسی غیر شخص سے ناجائز تعلقات ہیں۔ والدہ میری بکواس سن کر مشتعل ہو گئی۔ چیخ کر بولی...... تمہیں یہ الزام لگاتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ میں تمہاری ماں ہوں، نکل جاؤ، دُور ہو جاؤ میری نظروں سے......

اس وقت مجھ پر ہیروئن کا نشہ پوری طرح چھایا ہوا تھا اچانک مجھ پر ایک دورے کی سی کیفیت طاری ہو گئی اس لمحے میں نے اپنے تخیلاتی شیطانی منصوبے کو تصور ہی تصور میں گویا حقیقی رنگ میں دیکھنا شروع کر دیا۔ مجھ پر غفلت اور دیوانگی کی دُھند چھائی ہوئی تھی۔ میں نے اسی موہوم کیفیت میں اپنے تصور کے پردے پر دیکھا کہ میری ماں واقعی کسی غیر مرد کے ساتھ غیر اخلاقی سرگرمیوں میں مبتلا ہے...... میں طیش میں آ گیا کہ ایسی خائن اور بدکار عورت کو اس دنیا میں رہنے کا کوئی حق نہیں اب اسے مر جانا چاہیے۔ یہ موت کی سزاوار ہے کہ اس نے اپنے خاوند سے بے وفائی کی ہے...... اسی خیال کے زیر اثر میں کچن میں گھس گیا، گوشت کاٹنے والی چھری سامنے پڑی تھی، میں نے لپک کر چھری اُٹھائی اور تیزی سے باہر نکلا، ماں بدستور غصے کی حالت میں بڑبڑا رہی تھی...... فوراً ایک ہزار پونڈ نکالو...... میں نے چھری اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا اس نے پھر انکار کیا...... میں نے پوری طاقت سے اس پر چھری کا وار کیا، میرے ہوش و حواس اُڑ چکے تھے پھر میں نے کئی وار کیے...... بار بار پے در پے...... میں نے اس کے مقدس بدن کو چھلنی کر دیا۔ وہ چیختی چلاتی رہی، سسکتی رہی، بلکتی رہی، مدد کے لیے پکارتی رہی...... حتیٰ کہ اس نے آخری ہچکی لی اور اس کی آواز ہمیشہ کے لیے ڈوب گئی۔

اصل ذمہ دار کون؟

جونہی بیٹے نے یہ دردناک کہانی ختم کی...... والد نے نفرت اور غصے سے منہ پھیر لیا اور

لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا حوالات سے باہر نکل گیا۔ جیلر نے حوالات کا دروازہ بند کیا ادھر بیٹا پوری قوت سے چلایا: ''ابو...... اصل ذمہ دار تم ہو...... دولت کے پجاری ابا جان! اس سانحے کی ذمہ داری تم پر ہے...... تم ہی اس کے ذمہ دار ہو......'' نوجوان اسی ہذیانی حالت میں چیختا رہا اور اس کی صدائیں پولیس سٹیشن کی راہداریوں میں تحلیل ہوتی چلی گئیں۔ وہ رہ رہ کر کہتا تھا: ''اس جرم میں میرا والد برابر کا شریک ہے اس نے میری تربیت پر کبھی توجہ ہی نہیں دی...... بربادی کا سبب تو وہ بنا۔ وہی بنا!'' اس نوجوان پر مقدمہ چلانے کی نوبت ہی نہیں آئی...... چند دن کے بعد وحشت کے مارے پاگل ہو گیا۔ ڈاکٹروں نے اسے پاگل خانے بھجوا دیا۔ پاگل خانے میں اسے جو بھی ملتا وہ یہی کہتا: ''میرا باپ ذمہ دار ہے' میری ماں تو دنیا کی سب سے مقدس خاتون تھی۔'' قاہرہ میں دقی نام کا ایک محلہ ہے اس کے بیچ میں ایک خوب صورت سی مسجد ہے۔ قارئینِ کرام! کبھی آپ کو اس مسجد میں نماز پڑھنے کا اتفاق ہو تو وہاں آپ کو سفید لبادے میں ملبوس ایک شخص ملے گا...... سامنے رحل پر قرآن پاک رکھا ہو گا اور وہ اس کی تلاوت کر رہا ہو گا...... تلاوت کے بعد وہ ہاتھ اُٹھاتا ہے اور لمبی دعا مانگتا ہے: ''یہ شخص احمد ہے وہی ارب پتی' مشہور بزنس مین اور دولت کا متوالا سابق صنعت کار!...... وہ اپنی ساری جائے داد ہیروئن کو ختم کرنے والے ادارے اینٹی نارکوٹکس کے نام وقف کر چکا ہے...... اپنا ٹھکانا مسجد میں بنا چکا ہے۔ کبھی اتفاق سے آپ اس کے ساتھ نماز ادا کریں تو وہ بڑی محبت سے ہاتھ ملائے گا' تھوڑا سا وقت مانگے گا پھر تفصیل سے یہ سانحہ آپ کے گوش گزار کرے گا اور آپ سے اپنی بیوی کی مغفرت کی دعا کے لیے کہے گا۔

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے

فَاعْتَبِرُوْا يَاُولِي الْأَبْصَارُ! (یہ واقعہ محمد بن صالح بن اسحاق کی کتاب ''قصص من الواقع'' (ص: ۷۔۲۱) میں درج ہے۔ انہوں نے وجیہ ابوذکری کی کتاب ''المومنون یعترفون'' سے تصرف کے ساتھ نقل کیا ہے)

(۱۲۹)

حج کا زادِ راہ ہمسائے کو دے دیا

شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی نے فرمایا: ''فوائد الفواد شریف میں ایک روایت آئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں' میں حطیم میں سویا ہوا تھا' دو شخص میرے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ اس سال کتنے آدمی حج پر آئے ہیں؟ دوسرے نے کہا: ''سات لاکھ آدمی۔''

میرے دل میں خیال آیا' اتنے آدمیوں کا شمار کرنا ناممکن ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ دونوں فرشتے ہیں۔ سوال کرنے والے نے پوچھا: ''کتنے آدمیوں کا حج منظور ہوا ہے؟''

دوسرے نے جواب دیا: ''کسی کا حج بھی منظور نہیں ہوا۔''

پھر پوچھا: کتنے آدمی بخشے گئے؟''

جواب ملا: ''تمام بخشے گئے۔''

سوال کیا: ''حج کسی کا منظور بھی ہوا ہے یا نہیں؟''

فرمایا: ''صرف ایک شخص کا حج منظور ہوا ہے جو حاضر بھی نہیں ہوا۔''

سوال کیا: ''یہ لوگ کس کے طفیل بخشے گئے؟''

جواب دیا: ''علی ابن طلق کے طفیل۔''

سوال کیا: ''علی ابن طلق کون اور کہاں کے رہنے والے ہیں؟''

جواب دیا: ''دمشق میں فلاں محلہ کے رہنے والے ہیں اور موچیوں کا کام کرتے ہیں۔''

حضرت عبداللہ ابن مبارک فرماتے ہیں جب میں جاگا تو ارادہ کیا جس شخص کے طفیل سات لاکھ آدمیوں کی بخشش ہوئی ہے اور اس کا حج بھی گھر بیٹھے منظور ہوا ہے اس شخص کی ضرور زیارت کروں گا۔ چنانچہ مکہ مکرمہ سے فارغ ہو کر میں دمشق گیا اس شخص کو نام اور مقام کی وجہ سے تلاش کیا نہ ملا لیکن تہیہ کر لیا' ضرور زیارت کر کے رہوں گا۔ بہت سے دن وہاں اسی تلاش میں گزارے۔ بالآخر ایک روز پہنچ گیا' ایک شخص موچیوں کا کام کر رہا تھا اس کے پاس گیا' نام پوچھا اس نے علی ابن طلق بتایا۔ وہیں بیٹھ گیا۔ اسے کہا:

''میں آپ کی تلاش میں رہا ہوں اور بڑی مدت کے بعد مجھے آپ کی ملاقات نصیب ہوئی۔'' اس نے پوچھا: ''اس سال آپ حج پر گئے ہیں یا نہیں؟''

انہوں نے نہایت حسرت بھری آواز میں جواب دیا بلکہ آنکھوں میں سے پانی آنسوؤں کی شکل میں بھر آیا اور کہا: ''اس سال حج پر نہیں جا سکا۔''

سبب پوچھا تو بتایا: ''کوئی عذر ہے۔'' میں نے عرض کیا: ''وہی عذر تو پوچھنا ہے۔''

جواب دیا: ''میں نے حج کی تیاری کی' سامان وغیرہ باندھا لیکن میرے گھر میں بچہ پیدا ہونے کا وقت آ گیا' میرے ہاں پہلے بچہ نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی امید تھی جب اہلیہ کو زیادہ تکلیف ہوئی انہوں نے کہا اس وقت میرا دل گوشت کھانے کو چاہتا ہے۔ میں نے سوچا بازار سے لانے اور پکانے میں دیر ہو جائے گی۔ گھر والوں نے بتایا مجھے معلوم ہوتا ہے شاید پڑوسیوں کے ہاں گوشت پکا ہے۔ میں نے وہاں جا کر پوچھا انہوں نے بتایا جی ہاں! گوشت ہم نے پکایا ہے تھوڑا سا سالن مانگا۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ میں نے کہا پورے دُنبے کی رقم دیتا ہوں لیکن نہ مانے۔ بالآخر انہوں نے کہا کہ تو امیر آدمی ہے' ہم نے بھوک کی وجہ سے حرام گوشت پکایا ہے۔ مسکین اور مضطرب کے لیے تو حرج نہیں۔ ہم نے جب بال بچوں کی اضطرابی اور بھوک کی شدت دیکھی تو باہر ایک گدھا مرا پڑا تھا اس سے گوشت کاٹ لائے اور پکا رہے ہیں۔ تیرے لیے تو حرام ہے تجھے کس طرح دیں۔ یہ سن کر مجھے بہت افسوس ہوا' واپس گھر آیا جتنا سامان حج کا باندھ رکھا تھا' تمام اُٹھا کر انہیں دے دیا اور معافی بھی مانگی کہ گزشتہ حالات میری بے خبری اور ناواقفیت کے عالم میں ہوئے ہیں۔

آئندہ تمہارا لحاظ پہلے رکھوں گا اور بعد میں میرے بچے کھائیں گے لہٰذا میں تو اس لیے حج پر حاضر نہ ہو سکا۔"

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اے شخص! تجھے مبارک ہو حج بھی اس سال صرف تیرا منظور ہوا اور تیرے طفیل سات لاکھ آدمی (حاجی) بخشے گئے۔"

حضرت عبداللہ ابن مبارک رضی اللہ عنہ کے واقعہ پر یہ بھی آپ نے فرمایا: "حضرت علی ابن طلق نے پڑوسی کا لحاظ رکھا اور اپنا حج موقوف کر دیا۔ پڑوسی کے حق کو پہچانا تو اللہ تعالیٰ نے اسے گھر بیٹھے حج کا ثواب دے دیا۔ آج کل ہم لوگ حج پر دوڑ جاتے ہیں حالانکہ پڑوسیوں کے حالات سے واقف ہوتے ہوئے پرواہ نہیں کرتے۔"

(انوار قمریہ، ص ۲۰۹-۲۰۸-۲۰۷)

(۱۳۰)

اُڑتا ہوا دستر خوان اور ذکرِ الٰہی کی برکت

حضرت سیدنا یوسف بن حسین رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت سیدنا ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''میں ملکِ شام کے پہاڑی علاقوں میں تھا وہاں چند ایسے لوگوں کو دیکھا جنہوں نے اونی چوغے پہنے ہوئے تھے' ہر ایک کے ہاتھ میں پانی پینے کا ڈول اور لاٹھی تھی۔ انہوں نے مجھے دیکھا تو کہنے لگے: ''آؤ! ابو فیض ذوالنون مصری کی طرف چلتے ہیں۔''

وہ میرے پاس آئے اور سلام کیا:

''میں نے جواب دیا اور پوچھا' تم کہاں سے آئے ہو؟''

ایک نے جواب دیا: ''ہم اُلفت و محبت کے باغات سے آئے ہیں۔''

میں نے پوچھا: ''کس کی مدد سے تم یہاں پہنچے؟''

کہا: ''اس پروردگار کی مدد سے جو بہت زیادہ عطا فرمانے والا ہے۔''

میں نے پوچھا: ''تم وہاں کیا کرتے ہو؟''

دوسرے شخص نے کہا: ''ہم وہاں وجد کے پیالوں سے اُلفت و محبت کے جام پیتے ہیں۔'' میں نے کہا: ''آخر وہ کون ہے جو اس معاملے میں تمہاری مدد کرتا ہے؟''

کہا: ''دِلوں کو بزرگی بخشنے والی' محبوب کی ہمدردی پیدا کرنے والی' خالص کوشش اور انتہائی اشک باری اس معاملے میں ہماری مددگار ہے جب ہم محبت کا جام پی لیتے ہیں تو اس کے سبب غفلت کے اندھیرے ہم سے دُور ہو جاتے اور ابرِ رحمت ہم پر چھما چھم برستے

ہیں۔"

پھر وہ آپس میں کہنے لگے: "یہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو اُلفت و محبت کے بارے میں بہترین کلام کرنے والے ہیں۔"

وہ لوگ یہ بات کر ہی رہے تھے کہ بہت تیز ہوا چلی، میں نے دیکھا کہ ہوا اپنے ساتھ ایک بڑا دستر خوان لے کر آئی جس پر انواع و اقسام کے کھانے بہت سلیقے سے رکھے ہوئے تھے۔ وہ دستر خوان ہمارے سامنے آ کر بچھ گیا۔ میں نے کہا: "پاک ہے وہ پروردگار جو اپنے اولیاء کی ضیافت کرنے والا اور ان پر کرم فرمانے والا ہے۔"

پھر وہ لوگ مجھ سے کہنے لگے: "اے ذوالنون! تم تو اللہ تعالیٰ کے ولی ہو۔"

میں نے کہا: "میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ درجۂ ولایت مجھے مل جائے۔"

یہ سن کر انہوں نے مجھے بڑی گہری نظروں سے دیکھا۔ میں نے کہا:

"مجھے نصیحت کرو اور میرے لیے خصوصی دعا کرو۔"

ابھی ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ پہاڑ سے کچھ نوجوان ہماری طرف آئے، سلام کیا اور کہا: "اے ہمارے بھائیو! ناکارہ ذوالنون کا کیا حال ہے؟ اس کی خواہشیں پوری ہی نہیں ہوتیں اور نہ وہ اپنی خواہشات سے باز آتا ہے۔"

اتنا کہہ کر وہ سب دستر خوان کے گرد بیٹھ گئے اور کھانا شروع کر دیا۔ دوسرے لوگ بھی ان نوجوانوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے لگے لیکن مجھے کسی نے بھی نہ بلایا پھر ان نوجوانوں نے مجھ سے کہا: "اے ذوالنون مصری! اگر تم کمزور یقین والے ہو تو حق کی محافل میں کیوں نہیں ہوتے؟ اور اولیائے کرام رحمہم اللہ علیہم اجمعین کی صحبت میں کیوں نہیں بیٹھتے؟"

کھانا کھا کر وہ سب تو چلے گئے لیکن میں حیران و متعجب وہیں کھڑا رہا۔

(عیون الحکایات)

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ

حضرت سیدنا علی بن محمد حلوانی قدس سرہ الربانی سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سیدنا ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ رے کی جامع مسجد میں اپنے رفقاء کے ساتھ بیٹھے تھے، اتنے میں

ایک ہمسائے کے گھر سے گانے بجانے کی آواز سنائی دی اس آواز سے مسجد میں موجود تمام لوگ پریشان ہو گئے۔ کسی نے کہا: ''اے ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ! اب کیا کیا جائے؟''

یہ سن کر آپ رحمۃ اللہ علیہ مسجد سے نکلے اور اس گھر کی طرف چل دیئے جہاں سے گانے کی آواز آ رہی تھی۔ آپ گلی کا موڑ مڑنے لگے تو سامنے ایک بیمار کمزور سا کتا بیٹھا ہوا نظر آیا جب آپ رحمۃ اللہ علیہ اس کے قریب سے گزرے تو وہ کھڑا ہو کر آپ رحمۃ اللہ علیہ کو بھونکنے لگا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ واپس مسجد میں آ گئے اور کچھ سوچنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد دوبارہ اسی مکان کی طرف چل دیئے جب اسی کمزور و ضعیف کتے کے قریب سے گزرے تو وہ دُم ہلانے لگا اور بالکل نہ بھونکا جب اس گھر کے پاس پہنچے جہاں سے گانے کی آواز آ رہی تھی تو ایک خوب صورت نوجوان باہر آیا اور کہا:

''اے محترم بزرگ! آپ پریشان کیوں ہیں؟ مجھے جب آپ کے ایک ساتھی نے بتایا کہ میری وجہ سے آپ لوگوں کو پریشانی ہو رہی ہے تو اسی وقت میں نے اپنے گناہوں سے توبہ کر لی اب آپ جو چاہیں گے میں وہی کروں گا۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کر لیا ہے کہ اب کبھی بھی شراب نہ پیوں گا۔''

اس کے بعد اس نوجوان نے تمام آلاتِ لہو و لعب اور شراب کے برتن توڑ دیئے اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کر کے اعمالِ صالحہ کی طرف راغب ہونے کی نیت کر لی۔''

آپ رحمۃ اللہ علیہ واپس مسجد آئے تو لوگوں نے پوچھا:

''حضور! پہلی مرتبہ وہ کمزور کتا آپ پر بھونکا اور دوسری مرتبہ چاپلوسی کرتے ہوئے دُم ہلانے لگا اس کی کیا وجہ ہے؟'' فرمایا:

''جب میں پہلی مرتبہ باہر گیا تو اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے وعدے میں کوتاہی ہوئی اور میں ذکر اللہ سے غافل ہو گیا اسی لیے وہ کمزور سا کتا بھی مجھ پر دلیر ہو کر بھونکنے لگا جب کوتاہی کا احساس ہوا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی اس غلطی کی معافی مانگی پھر دوبارہ گیا تو وہی کتا میری چاپلوسی کرنے لگا اور تم یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو۔ یاد رکھو! ہر وہ شخص جو کسی بُری چیز کے خاتمے کے لیے جائے اور اپنے رب سے کیے ہوئے کسی وعدے

میں اس سے کوتاہی ہو جائے تو تمام چیزیں اس پر دلیر ہو جاتی ہیں لیکن جب وہ اس غلطی و کوتاہی کا ازالہ کر لے تو کوئی چیز اسے نقصان نہیں پہنچا سکتی اور یہ دونوں باتیں تم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو۔"

سبحان اللہ! کتنے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو ہر گھڑی اللہ عزوجل کی اطاعت میں رہتے ہیں، ان عظیم لوگوں کے لیے خوش خبری ہے جو ہر گھڑی حکمِ الٰہی کی بجا آوری کے لیے کوشاں رہتے ہیں اور انہیں راہِ خدا میں کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ (ایضاً)

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا:

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی گردن نہ پھیر، تیرے حکم سے بھی کوئی چیز گردن نہ پھیرے گی۔ من کان للہ کان اللہ لہ ۔ جو اللہ کا ہو جائے اللہ اس کا ہو جاتا ہے جو خدا کی مانتا ہے خدائی اس کی مانتی ہے۔

(۱۳۱)

عبرت کے لیے کافی ہے

نقل ہے کہ ایک کُردی آدمی ایک امیر کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھا اس دستر خوان پر بُھنے ہوئے دو چکور رکھے تھے۔ کُردی ایک چکور اُٹھا کہ ہنسا۔ امیر نے اس سے ہنسنے کا سبب پوچھا تو اس نے کہا:

''میں نے ایک مرتبہ ایک تاجر پر ڈاکہ ڈالا جب میں نے اس کو قتل کرنا چاہا تو اس نے مجھ سے گریہ وزاری کی لیکن میں نے اس کو قبول نہ کیا جب اس نے مجھ سے پختگی اور ہٹ دھرمی دیکھی تو دوسری طرف توجہ کی اور ایک پہاڑ پر دو چکور دیکھے اب اس نے ان دونوں سے کہا کہ تم دونوں میرے گواہ رہو کہ یہ مجھے ظلم سے قتل کرتا ہے پھر میں نے اس کو مار ڈالا اس وقت میں نے ان دونوں چکوروں کو دیکھا تو اس تاجر کی وہ حماقت مجھے یاد آئی جو اس نے ان دونوں پرندوں کو مجھ پر گواہ بنایا تھا اس وجہ سے میں ہنسا۔'' جب امیر نے اس کو سنا تو کہا:

''بخدا ان پرندوں نے تیرے خلاف ایسے شخص کے پاس شہادت دی جو قصاص لیتا ہے۔'' چنانچہ امیر نے حکم دیا کہ اس کی گردن اُڑا دی جائے۔ **فلاحول ولا قوة الا باللہ علی العظیم**۔ (قلیوبی)

☆...... بیان کرتے ہیں کہ ضرب الامثال اور اقوال مشہورہ میں کہا جاتا ہے کہ شریح احیل من الثعلب شریح لومڑی سے زیادہ حیلہ باز ہیں اور اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ شریح اللہ تعالیٰ کی عبادات کے واسطے میدان میں جاتے تھے جب وہ نماز شروع کرتے تھے تو لومڑی ان کے سامنے آتی تھی اور ان کو نماز سے باز رکھتی تھی جب یہ پریشان ہو گئے تو

انہوں نے اپنے کپڑے لکڑیوں پر اس طرح رکھے کہ گویا کھڑے آدمی کی صورت ہے اس کے بعد لومڑی آئی تا کہ اپنی عادت کے موافق ان کو نماز سے باز رکھے۔ شریح اس کے پیچھے سے آئے اور دفعتاً اس کو پکڑ کر مار ڈالا۔ پس یہ ایک مثل ہوگئی۔ (ایضاً)

میری زندگی کا سب سے عجیب وغریب واقعہ

علامہ واقدی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، ایک مرتبہ حضرت سیدنا امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما نے قبیلہ ''جرھمی'' کے ایک شخص سے فرمایا:

''اگر تم نے اپنی زندگی میں کوئی عجیب وغریب بات دیکھی ہو تو اس کے متعلق کچھ بتاؤ۔'' اس نے اپنا عجیب وغریب واقعہ کچھ اس طرح بیان کیا:

''ایک مرتبہ میں ایک وادی میں گیا تو دیکھا کہ لوگ بنی عذرہ کے حرب نامی ایک شخص کا جنازہ لیے جارہے تھے، میں بھی ان کے ساتھ چل دیا جب اسے قبر میں اُتار دیا گیا تو میں لوگوں سے ایک طرف ہوگیا۔ مجھے اس شخص کی موت پر خود بخود نہ جانے کیوں رونا آرہا تھا۔ میری آنکھوں سے سیلِ اشک رواں تھا، مجھے کسی شاعر کے چند اشعار عرصہ دراز سے یاد تھے لیکن شاعر کے متعلق معلوم نہ تھا اس شخص کی موت سے مجھ پر غم طاری تھا چنانچہ میں یہ اشعار پڑھنے لگا جن کا مفہوم یہ ہے:

(۱) میں نے اللہ تعالیٰ سے اچھے نصیب کی بھیک مانگی اور میں اس کی عطا پر راضی ہوں جب بار بار آسانیاں ملتی ہیں تو تنگی بھی قریب ہے۔

(۲) انسان جب دنیا میں ہوتا ہے تو خوش حال اور قابلِ رشک ہوتا ہے جب قبر میں پہنچ جاتا ہے تو زمانے کی تند و تیز ہوائیں اسے زمین میں چھپا دیتی ہیں۔

(۳) (موت کے بعد) اس کی قبر پر ایک مسافر تو آنسو بہاتا ہے حالانکہ وہ اسے جانتا بھی نہیں لیکن مرنے والے کے عزیز واقارب اس کی موت پر خوش نظر آتے ہیں۔

راوی کہتے ہیں: ''میں انہیں اشعار کا تکرار کر رہا تھا جب میرے قریب کھڑے ایک شخص نے یہ اشعار سنے تو کہا: ''اے اللہ تعالیٰ کے بندے! کیا تجھے معلوم ہے کہ یہ کس کے اشعار ہیں؟''

میں نے کہا: ''خدا کی قسم! یہ اشعار مجھے عرصۂ دراز سے یاد ہیں لیکن یہ نہیں جانتا کہ یہ کس شاعر کے ہیں؟''

یہ سن کر اس شخص نے ایک عجیب وغریب انکشاف کرتے ہوئے کہا: ''اے مسافر! اس ذات کی قسم جس کی تو نے قسم کھائی ہے! بے شک یہ اشعار ہمارے اسی رفیق نے کہے تھے جسے ہم نے تمہارے سامنے ابھی ابھی قبر میں اُتارا ہے۔''

پھر اس نے چند لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''وہ اس کے قریبی رشتہ دار ہیں جو اس کی موت پر مسرور ہیں اور تم ایک مسافر ہو لیکن پھر بھی آنسو بہا رہے ہو۔ آج بالکل ایسا ہی ہو گیا جیسا اس نے اشعار کی صورت میں بیان کیا۔''

مجھے اس عجیب وغریب بات سے بڑا تعجب ہوا ایسا لگتا ہے جیسے شاعر کو اپنی موت کے بعد کا علم ہو گیا تھا کہ میرے ساتھ یہ سلوک کیا جائے گا۔ (پھر اس شخص نے کہا):

''اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ! یہ واقعہ میری زندگی کا سب سے عجیب وغریب واقعہ ہے۔''

(عیون الحکایات)

(۱۳۲)

خلیفہ سلیمان رو پڑا

خلیفۂ دمشق سلیمان بن عبدالمالک اموی بڑے کروفر کا بادشاہ تھا اس نے ایک مرتبہ مشہور محدث امام طاؤس کو دربار میں بلایا تو امام ممدوح نے فرمایا:

''اے امیر المومنین! آپ کو معلوم ہے کہ سب سے زیادہ عذاب کس کو ہوگا؟''

خلیفہ نے کہا: ''آپ ہی ارشاد فرمایئے۔''

تو آپ نے یہ حدیث پڑھ کر سنائی: ''جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی سلطنت میں بادشاہی عطا فرمائی پھر اس نے ظلم کیا تو اس شخص کو قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب دیا جائے گا۔'' یہ سن کر خلیفہ لرز گیا اور چیخ مار کر رونے لگا یہاں تک کہ روتے روتے تخت پر چت لیٹ گیا اس کے تمام ہم نشین اس کو اسی حالت میں چھوڑ کر چلے گئے۔ (مستطرف ج ۱ ص ۹۴)

تقریر کی تاثیر اور وعظ کے اثر کے لیے جہاں سامعین کے قلبی رجوع اور دلی توجہ کی ضرورت ہے وہاں مقرر اور واعظ کے لیے بھی انتہائی ضروری ہے کہ وہ عالم باعمل اور اخلاص کا پیکر ہو اور ہر قسم کے حرص اور غرض سے اس کا وعظ پاک ہو جہاں یہ دونوں چیزیں جمع ہوں گی وہاں وعظ اور تقریر کا اثر ہونا لازمی ہے اور اگر ان دونوں میں سے کوئی چیز بھی مفقود ہو گئی تو وعظ کی تاثیر بھی ناپید ہو جائے گی۔

واعظین وسامعین کے لئے

ہارون الرشید پر جو حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا اور سلیمان بن عبدالمالک پر جو

امام طاؤس کی تقریر کا اتنا اثر ہوا کہ پتھر سے زیادہ سخت دل موم سے بھی زیادہ نرم پڑ گئے اس کا باعث یہی تھا کہ ان دونوں کو طلبِ صادق اور قلبی توجہ کی توفیق حاصل ہوگئی تھی اور حضرت فضیل اور امام طاؤس پیکر علم وعمل اور مجسمۂ اخلاص تھے۔ آج کل واعظوں اور تقریروں میں جو اثر نہیں رہا اس کا سبب یہی ہے کہ نہ سامعین میں طلبِ صادق رہی نہ واعظین میں اخلاص عمل۔ سامعین کا تو یہ حال ہے کہ

سجائی تو ہے بزم واعظ نے لیکن
دِلوں کی کمی ہے نگاہیں بہت ہیں

اور واعظین ومقررین کا یہ عالم ہے کہ ان کے عمل وکردار اور صورت کو دیکھ کر بے اختیار زبان پہ یہ شعر آجاتا ہے

واعظ کا ہر اک ارشاد بجا
تقریر بہت دلچسپ بھی ہے
آنکھوں میں سرور عشق نہیں
چہرے پر یقین کا نور نہیں

لہٰذا ضرورت ہے کہ سامعین رجوع الی اللہ کے جذبے کے ساتھ طلب صادق لے کر وعظ کی مجلسوں میں تشریف لائیں کیونکہ یہ انتہائی ضروری ہے کہ

ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے

اور واعظین کے لیے بھی انتہائی ضروری ہے کہ جو کچھ کہیں جذبۂ اخلاص کے ساتھ ہر قسم کے شائبۂ غرض وغرض سے مبرا ہو کر للٰہیت کے ساتھ واعظ فرمائیں۔

فارسی کی مشہور کہاوت ہے کہ ”از دل خیزد بر دل ریزد“ یعنی کہ

جو بات دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

ساتھ ہی علمائے سلف کی طرح عالمِ باعمل بن کر اُمتِ مسلمہ کو وعظ سنائیں ورنہ واعظ و

تقریر کی بے اثری کو دیکھ کر دنیا یہ کہنے پر مجبور ہو گی کہ

واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی
برق طبعی نہ رہی شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسم اذاں، روحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحبِ اوصاف حجازی نہ رہے

(نورانی حکایات)

(۱۳۳)

کسی کو روٹی کھلانے کا اجر وثواب

بنی اسرائیل کے ایک عابد نے ستر سال اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی میں بسر کیے۔
ایک رات وہ اپنے عبادت خانے میں عبادت گزاری میں مشغول تھا کہ اچانک ایک خوب صورت عورت عبادت خانے کے دروازے پر پہنچی' دستک دی اور عابد سے دروازہ کھلوانا چاہا۔ وہ رات بڑی سرد تھی پھر بھی عابد نے اس عورت کو نا قابلِ توجہ سمجھا' ذرا بھی التفات نہ کی اور عبادت میں مگن رہا۔

عورت مجبور ہو کر واپس جانے لگی۔ عابد نے دروازہ کھول کر دیکھا تو اس عورت پر نگاہ پڑی اس کا حسن اس غضب کا تھا کہ وہ اسے جی جان سے بھا گئی۔ اسے بڑا جھٹکا لگا بس اب کیا تھا جوں جوں وہ عورت کو واپس جاتا دیکھ رہا تھا اس کا دل اس کے دامِ محبت میں گرفتار ہوتا جاتا تھا اس کا دماغ عورت کے آنچل کی مہک سے معطر ہونے کے لیے بے تاب ہو گیا۔ عبادت و ریاضت کو بالائے طاق رکھا اور جھٹ اس عورت کے پیچھے چل دیا۔ عورت کے قریب پہنچ کر دھیرے سے پوچھا: ''کہاں جا رہی ہو؟''

عورت نے جواب دیا: ''جہاں مرضی چلی جاؤں۔''

عابد بولا: هَيْهَاتَ صَارَ الْمُرَادُ مُرِيْدًا وَّالْاَحْرَارُ عَبِيْدًا

''چھوڑو! اب کہاں جانا اور کیسا جانا؟ تم جس کی طلب میں آئی تھی وہ تو تمہارا دل دادہ ہو چکا اب وہ آزاد ہوتے ہوئے بھی تمہاری غلامی قبول کرنے کو تیار ہے۔''

عابد اس عورت کو بالآخر اپنے معبد میں لے گیا' وہ عورت اس کے ساتھ ۔ ت دن تک

مقیم رہی اب عابد کو ہوش آیا کہ اس نے کس طرح ستر سال کی عبادت کو صرف سات دن میں غارت کر دیا اور کس قدر گھناؤنے گناہ میں ملوث رہا چنانچہ زار وقطار رونے لگا یہاں تک کہ اس پر بے ہوشی طاری ہوگئی اور وہ غش کھا کر گر پڑا جب ہوش آیا تو عورت نے کہا:

''اے عابد! اللہ کی قسم! تو نے میرے علاوہ کسی اور سے ایسا کام نہیں کیا جسے اللہ کی نافرمانی کہا جائے۔ یہ تیری پہلی غلطی ہے اور میرا معاملہ بھی یہ ہے کہ میں نے بھی تیرے علاوہ کسی اور کے ساتھ کسی گناہ کا ارتکاب کر کے اللہ کی نافرمانی مول نہیں لی۔ میں تیرے چہرے پر نیکی وصلاح کا اثر دیکھتی ہوں اگر تجھے تیرے پروردگار نے پناہ دی تو میرے لیے بھی معافی کی درخواست کرنا۔''

اس کے بعد وہ عابد اپنے معبد سے نکل گیا۔ اِدھر اُدھر سرگرداں پھرنے لگا' رات کو ایک کھنڈر میں پہنچا وہاں دس اندھے رہتے تھے' ان کے قریب ہی ایک راہب رہتا تھا جو ہر رات ان اندھوں کے پاس دس روٹیاں بھیجا کرتا تھا چنانچہ اس رات بھی راہب کا غلام حسبِ معمول اندھوں کے لیے دس روٹیاں لایا۔ وہ روٹیاں تقسیم کرنے لگا تو اس گناہ گار عابد نے بھی ہاتھ بڑھا دیا۔ ایک روٹی اسے بھی مل گئی جب ایک اندھے کی روٹی کم پڑ گئی تو اس نے پوچھا: أَيْنَ رَغِيفِي؟ ''میری روٹی کدھر ہے؟''

غلام بولا: ''میں نے تو دس روٹیاں تمہارے درمیان تقسیم کر دیں۔''

اندھے نے کہا: ''واہ جی واہ کیا اب میں بھوکے پیٹ ہی رات گزاروں گا؟''

یہ سن کر وہ عابد رونے لگا اور جو روٹی اس نے لے رکھی تھی فوراً اس اندھے کے حوالے کر دی اور کہنے لگا: ''میں بھوکے پیٹ رات گزارنے کا زیادہ مستحق ہوں کیونکہ میں گناہ گار ہوں اور یہ اندھا اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار ہے۔''

پھر وہ بھوکے پیٹ ہی سو گیا اسی رات اس کی اَجل آن پہنچی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی روح قبض کرنے کے لیے ملک الموت کو بھیجا اور وہ موت کے منہ میں چلا گیا اب اس عابد کے بارے میں رحمت کے فرشتوں اور عذاب کے فرشتوں کے مابین اختلاف پیدا ہو گیا کہ اس شخص کو کہاں جانا چاہیے...... جہنم میں یا جنت میں؟

رحمت کے فرشتوں نے کہا: ''یہ آدمی اپنے گناہ سے فرار ہو کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جستجو میں آیا ہے۔'' عذاب کے فرشتوں نے کہا: ''نہیں! یہ تو بڑا گناہ گار آدمی ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کے پاس اسی وقت وحی بھیجی کہ تم اس عابد کی ستر برس کی عبادت اور سات راتوں کے گناہوں کا وزن کرو۔ فرشتوں نے تعمیل کی اس عابد کی ستر سالہ عبادت کو سات دن کی معصیت کے مقابلے میں تولا تو معصیت کا پلڑا عبادت کے پلڑے سے بھاری نکلا اب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا:

''اس کی وہ نیکی میری بارگاہ میں شرفِ قبولیت حاصل کر چکی ہے جب اس نے روٹی اندھے کے حوالے کر دی تھی اور خود بھوکا سو گیا تھا۔''

چنانچہ فیصلہ رحمت کے فرشتوں کے حق میں صادر ہو گیا اور عابد کی روح ان کے حوالے کر دی گئی اس عابد کی توبہ سچی تھی۔ پس ربِ کریم نے اسے شرفِ قبولیت سے نوازا۔

(احلی الحکایات، موسیٰ بن راشد، ص: ۴۸)

(۱۳۴)

جذبۂ خدمتِ خلق

ابتدائی زمانہ میں حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کے ہجوم سے بہت گھبراتے تھے جب غیاث پور آ کے مقیم ہوئے تو کیقباد کی وجہ سے وہاں خلقت کا ہجوم بڑھ گیا۔ آپ نے چاہا کہ وہاں سے کہیں اور منتقل ہو جائیں مگر آپ یہ جانتے تھے کہ کسی ویرانے میں عبادت و ریاضت کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ مخلوق میں رہ کر اس کی اصلاحِ حال کی فکر کی جائے لہٰذا آپ نے یہی فیصلہ فرمایا کہ غیاث پور کی اقامت برقرار رکھی جائے لیکن وہاں زندگی بڑی عسرت اور تنگ دستی میں گزاری۔ بعض اوقات تین تین دن کے مسلسل فاقے ہو جاتے تھے اس فقر میں بھی استغناء کا یہ عالم تھا کہ سلطان جلال الدین خلجی نے پورا گاؤں پیش کرنے کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا: ''مجھے اور میرے ساتھیوں کو تمہارے گاؤں کی چنداں ضرورت نہیں۔''

لیکن جب آپ پر فتوح کے دروازے کھلے ہزاروں آدمی ان کے لنگر سے کھانا کھانے لگے اس وقت بھی ان کا یہ حال تھا کہ مسلسل روزے رکھتے اور سحری کے وقت صرف اس لیے کچھ نہ کھاتے تھے کہ شہر میں کہیں کوئی بھوکا نہ سو رہا ہو۔ خلق کی اس دردمندی نے آپ کو اقلیم دل کا تاج دار بنا دیا تھا۔ کوئی شخص اگر اپنی لڑکیوں کی شادی کے لیے پیسہ سے پریشان ہو کر آپ کی خدمت میں آتا تو آپ اس کو اس قدر دیتے کہ اس کی حاجت روائی ہو جاتی۔ پچھلی رات اکثر لوگوں کے لیے دعا کرتے جو دن میں آپ سے دعا کے لیے طالب ہوتے اور دعا بھی اس انداز سے کہ ایک ایک کی تکلیف خود پر طاری کر لیتے۔ تڑپ کر باب اجابت پر نعرے مارتے۔

مرشد کی دعا کا اثر

حضرت بابا فرید نے ایک مرتبہ محبوب الٰہی کے حق میں دعا فرمائی:

"خدا تجھے ایسے سائے دار درخت کی مانند بنائے کہ تھکے ہارے مسافر اس کے نیچے سکون کا سانس لے سکیں۔"

یہ دعا مقبول ہوئی اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آپ کی خانقاہ میں لوگ مضطرب آتے اور سکون کی دولت سے مالا مال ہو کر لوٹتے' روتے ہوئے آتے' دِلی مسرتوں سے مالا مال ہو کر لوٹتے جو شخص جس وقت بھی باریاب ہونا چاہتا' آپ اجازت مرحمت فرما دیتے۔

(اسلام کی زندہ تحریک چشتیت: ص ۱۲۲۔۱۲۱' مؤلفہ عبدالغفور غوری)

بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ حضرت جب اپنے مرشد کی خدمت میں تھے تو ایک موقع پر اپنی دستار رہن رکھ کر مرشد کے لیے لوبیا خریدی اور اس کو جوش دے کر ان کی خدمت میں پیش کیا اس میں نمک ایسے مناسب انداز سے ڈالا گیا تھا کہ مرشد کو پسند آیا۔ انہوں نے اپنے محبوب مرید کو مخاطب کر کے فرمایا:

"تم نے لوبیا بہت اچھی پکائی' نمک بھی خوب ڈالا' خدا کرے تمہارے باورچی خانہ میں ستر من نمک خرچ ہوا کرے۔"

مرشد کی دعا سے حضرت محبوب الٰہی کا مطبخ ہمیشہ گرم رہا۔ کئی ہزار فقراء اور مساکین روزانہ کھانا کھاتے۔ (بزم صوفیہ ص ۲۱۳)

مناظر احسن گیلانی نے حضرت محبوب الٰہی کے عام لنگر اور غریب پروری کے متعلق اس طرح لکھا ہے:

"آج جن میزوں پر الوان نعمت کے لقموں کے ساتھ غریبوں کا دُکھڑا رویا جاتا ہے گویا یہ بھی ایک قسم کا حدیث المائدہ (ٹیبل ٹاک) اور ہضم کرنے کا چورن ہے' ان کو کیا معلوم کہ اسلامی تاریخ میں غریبوں اور بزرگوں کا دربار وہ دربار تھا جہاں سلاطین بھی خراج داخل کرتے تھے' خود سلطان المشائخ کا کیا حال تھا کہ ولی عہد سلطنت خضر خان تک اسی دربار کا حلقہ بگوش تھا۔ علاء الدین جو سارے ہندوستان سے خراج وصول کرتا تھا لیکن ایک

خزانہ وہ بھی تھا جس میں اسے بھی مال گزاری داخل کرنی پڑتی تھی۔ اسی بادشاہ کے ذکر میں طباطبائی نے لکھا ہے:

مال صوفی سبیل امت

''شیخ نظام الدین معروف باولیاء درزمان او (علاء الدین) بود اگرچہ سلطان درظاہر باشیخ ملاقات نمی کرد' امابارسال رسل ورسائل وتحائف وہدایا رسم اخلاق می سپرد''

علاء الدین کو جتنا بھی بے شعور قرار دیا جائے لیکن آخر دور والوں کی سمجھ میں نہیں آرہا ہے تو کیا اتنے قریب سے بھی اپنی فوجی قوت کے حقیقی مخزن کو وہ نہیں دیکھ سکتا تھا' میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ بھی ایک دلیل ہے کہ اس زمانہ میں ہندوستان کی فوجی قوت نے غیر معمولی طور پر جو اہمیت حاصل کر لی تھی اس کی تہہ میں حضرت سلطان المشائخ کے توحیدی جوش وخروش کا زور چھپا ہوا تھا' خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ یہی خانقاہیں تھیں جن کے ذریعے سے ملک کے عام غرباء فقراء تک ان کا حصہ پہنچایا جاتا تھا اور یہی مطلب ہے اس مشہور فقرہ کا: ''مال صوفی سبیل ست'' (فوائد الفواد ص ۹۵)

یعنی راستوں پر پانی پلانے کی جو سبیلیں لوگ کھولتے ہیں اور ہر آنے جانے والے کو اختیار ہے کہ بغیر کسی معاوضہ کے پانی پئے' صوفیہ کے پاس جو آمدنی آتی ہے اس کا بھی یہی حال ہے' فوائد الفواد میں سلطان المشائخ کے حوالے سے بھی یہ فقرہ نقل کیا گیا ہے۔ خود سلطان جی نے وفات سے پہلے حکم دیا کہ جو کچھ غلہ ساز وسامان میری خانقاہ میں ہے' اسے لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے اور وفات ہی کے وقت نہیں یوں بھی عام دستور ساری زندگی میں یہی رہا کہ جو کچھ آمدنی ہفتہ بھر میں ہوتی' وہ تقسیم ہوتی رہتی تھی اور

در ہر جمعہ تجرید فرمودے۔ حجرہا وانبار خانہا خالی کنانیدے چنانکہ جاروب می کردند بعدہ درمسجد جمعہ رفتے

میر خورد نے لکھا ہے کہ اگر کسی دن اتفاق سے غیر معمولی آمدنی آجاتی یعنی وقتے اگر فتوحے گراں رسیدے گریہ بیش تر کردے وجہد بیش تر فرمودے کہ زود تر تفرقہ کنید وساعة

فساعۃ کساں می فرستاد کہ تفرقہ کردند؟

گویا مسلسل آدمی پر آدمی بھیجتے چلے جاتے' پوچھتے کہ تقسیم سب خرچ ہوگیا۔

چوں می شنیدند کہ در حال قسمت کردند وبختا جاں رسانیدند خاطر مبارک قرار گرفتے

(ص ۱۳۱)

میر خورد نے یہ بھی لکھا ہے کہ علاوہ دستر خوانی طعام کے سلطان جی کا قاعدہ تھا کہ افطار اور نمازِ مغرب کے بعد بالا خانہ پر تشریف لے جاتے' مغرب اور عشاء کے وقت ہر قسم کے لوگوں کو آنے کی اجازت تھی اس وقت بھی۔

''از ہر جنس میوہائے خشک وتر وماکولات ومشروبات لطیف ولذیذ پیش می آوردند آں عزیزاں تناول می کردند وایشاں رادلداری می فرمود واز عالم ہر یکے پرسش می کرد۔''

یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ یہ معاملہ صرف واقعی کھلانے پلانے ہی کی حد تک محدود تھا' خدا ہی جانتا ہے کہ کتنے غریبوں کو کپڑے' لباس' جوتے اور دوسری ضرورت کی چیزیں ملتی رہتی تھیں۔ میر خورد نے ایک موقع پر لکھا ہے:

''آئندہ وروندہ از غریب وشہری ہر کہ بیامدے وسعادت پائے بوس حاصل کردے ہیچ کس را محروم نگذاشتے از جامہ وجیتل وتحف وہدایا کہ از عالم غیب رسیدے ہمہ بہ مصرف رسانیدے وہر کہ آمدے، بہر وقت کہ آمدے توقف نہ نمودے ودر حال پیش می فرمودند''

یعنی ملنے کے لیے جو بھی جس وقت آتا حکم تھا کہ فوراً اس کو خدمتِ اقدس تک پہنچا دیا جائے۔ (ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم وتربیت' ص ۲۱۴۔۲۱۵)

نہ ہمرہی تو مرا راہِ خویش گیر وبرو

☆......خواجہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں شیخ کبیر کی خدمت میں اجودھن حاضر تھا۔ ایک عالم جو میرے دوست اور ہم درس تھے اور ہم دونوں ایک ساتھ مذاکرہ کرتے تھے جب اجودھن آئے تو انہوں نے مجھے پھٹے پرانے کپڑوں میں دیکھا تو بڑی حیرت وتاسف سے مجھ سے کہا:

''مولانا نظام الدین تم نے اپنا کیا حال بنالیا ہے اگر تم شہر میں درس وتدریس کی

خدمت میں مشغول رہتے تو مجتہدِ زمانہ ہوتے اور بڑی شان وشوکت سے رہتے۔ میں نے اپنے دوست کی یہ بات سنی اوران سے معذرت کر دی اس کے بعد شیخ کبیر کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے خود بخود فرمایا کہ نظام! اگر تمہارا کوئی دوست تمہیں ملے اور تم سے کہے کہ تم نے اپنا کیا حال بنالیا ہے اور تعلیم وتعلم کا وہ سلسلہ کیوں چھوڑ دیا جو فارغ البالی اور خوش حالی کا ذریعہ بنتا اور یہاں اس حال میں کیوں ہو۔ تو تم اس کا کیا جواب دو گے؟ میں نے عرض کیا کہ جوارشادِ عالی ہو وہی کہہ دوں گا۔ فرمایا اگر کبھی کوئی ایسا سوال کرے تو یہ شعر پڑھ دینا

نہ ہمرہی تو مرا راہ خویش گیرو برو
ترا سلامتی بادا مرا نگونسازی

اس کے بعد حکم ہوا کہ خانقاہ کے مطبخ سے مختلف قسم کے کھانے ایک خوان میں اپنے سر پر رکھ کر اس رفیق کے پاس لے جاؤ۔ میں نے تعمیل ارشاد کی۔ میرے دوست نے جب یہ منظر دیکھا تو روتا ہوا دوڑا اور میرے سر سے خوان اُتارا اور کہنے لگا: ”تم نے یہ کیا کیا؟“

میں نے سارا قصہ سنایا اس نے سن کر کہا: ”تمہارے شیخ ایسے ہیں کہ انہوں نے تم کو بے نفسی کے اس مقام پر پہنچا دیا ہے۔ مجھے بھی ان کی خدمت میں لے چلو“

جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو اپنے ملازم سے کہا: ”یہ خوان اُٹھا اور ہمارے ساتھ چلو۔“

میں نے کہا: ”نہیں! جیسے میں یہ خوان اپنے سر پر رکھ کر لایا ہوں ویسے ہی سر پر رکھ کر لے جاؤں گا۔“

غرض ہم دونوں خدمت بابرکت میں پہنچے اور ہمارے دوست نے حضرت کے ہاتھ پر بیعت وتوبہ کی اور آپ کے حلقہ خدام میں داخل ہوگیا۔

(بحوالہ سیر الاولیاء ص ۲۳۔۲۴۰' تاریخ دعوت وعزیمت' حصہ سوم' ص ۶۶۔۶۵)

(۱۳۵)

ذہانت' عبادت اور زہد و توکل

حضرت عبداللہ بن محمود فرماتے ہیں' میں نے قاضی یحییٰ بن اکثم کو یہ کہتے ہوئے سنا:

''میں نے مامون الرشید سے زیادہ فہیم و تجربہ کار شخص کوئی نہیں دیکھا۔ ایک رات میں مامون الرشید کے ساتھ احادیث اور دیگر مسائل کا تکرار کر رہا تھا اس پر نیند کا غلبہ ہوا اور وہ سو گیا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھا اور مجھ سے کہا:

''اے یحییٰ! دیکھو میرے پاؤں کے پاس کوئی چیز ہے؟''

میں نے دیکھا تو مجھے کوئی چیز نظر نہ آئی۔ میں نے کہا: ''یہاں کوئی چیز نہیں! شاید آپ کو وہم ہے۔''

میرے اس جواب سے وہ مطمئن نہ ہوا اور خادموں کو بُلا کر کہا: ''میرے بستر کو اچھی طرح دیکھو کہ اس میں کوئی موذی شے تو نہیں؟''

خادموں نے جب بستر اُٹھایا تو اس کے نیچے ایک سانپ نکلا جسے خادموں نے مار ڈالا۔

میں نے مامون الرشید سے کہا: ''ویسے ہی آپ ہر فن میں ماہر اور جامعِ کمالات ہیں اب تو آپ کی طرف غیب جاننے کی نسبت بھی کی جا سکتی ہے۔''

مامون الرشید نے کہا: ''معاذ اللہ! مجھ سے ایسی کوئی بات نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ جب میں سویا تو ہاتفِ غیبی سے میں نے یہ آواز سنی:

یَا رَاقِدَ اللَّیْلِ اِنْتَبِہْ اِنَّ
الْخُطُوْبَ لَھَا سُرٰی

ثِـقَةُ الْـفَـتٰـی بِـزَمَـانِـهٖ

ثِـقَةُ مُـحَـلِّـلَةُ الْـعُـرٰی

''اے سونے والے! بے دار ہو جا! بے شک مصیبتیں رات ہی میں آتی ہیں۔

نوجوان کا اپنے زمانے پر اعتماد کرنا آفت ومصیبت پر اعتماد کرنا ہے۔''

یہ اشعار سن کر میری آنکھ کھل گئی اور میں سمجھ گیا کہ ابھی یا کچھ دیر بعد کوئی بڑا معاملہ پیش ہونے والا ہے لہٰذا میں نے اپنے اردگرد کا جائزہ لیا تو جو کچھ ہوا وہ سب تو نے دیکھ لیا۔

(عیون الحکایات)

لونڈی کی گفتگو نے مالک کو حیران کر دیا

بصرہ کے قاضی عبید اللہ بن حسن رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے:

''میرے پاس ایک حسین وجمیل عجمی لونڈی تھی اس کے حسن و جمال نے مجھے حیرت میں ڈال رکھا تھا۔ ایک رات وہ سو رہی تھی جب رات گئے میری آنکھ کھلی تو اسے بستر پر نہ پا کر میں نے کہا: ''یہ تو بہت بُرا ہوا۔''

پھر میں اسے ڈھونڈنے کے لیے جانے لگا تو دیکھا کہ وہ اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول ہے۔ اس کی نورانی پیشانی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز تھی۔ وہ اپنی پُرسوز آواز سے بارگاہِ خداوندی میں اس طرح عرض گزار تھی: ''اے میرے خالق! تجھے مجھ سے محبت ہے میں اسی کا واسطہ دے کر التجا کرتی ہوں کہ تو میری مغفرت فرما دے۔''

جب میں نے یہ سنا تو کہا: ''اس طرح نہ کہہ بلکہ یوں کہہ اے مولیٰ! تجھے اس محبت کا واسطہ جو مجھے تجھ سے ہے تو میری مغفرت فرما دے۔''

یہ سن کر وہ عابدہ وزاہدہ لونڈی جو حقیقت میں ملکہ بننے کے لائق تھی، کہنے لگی: ''اے غافل شخص! اللہ تعالیٰ کو مجھ سے محبت ہے اسی لیے تو اس کریم پروردگار نے مجھے شرک کی اندھیری وادیوں سے نکال کر اسلام کے نور بار شہر میں داخل کیا اس کی محبت ہی تو ہے کہ اس نے اپنی یاد میں میری آنکھوں کو جگایا اور تجھے سلائے رکھا اگر اسے مجھ سے محبت نہ ہوتی تو وہ مجھے اپنی بارگاہ میں حاضری کی ہرگز اجازت نہ دیتا۔''

قاضی عبیداللہ بن حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ''میں اس کے حسن و جمال اور چہرے کی نورانیت سے پہلے ہی بہت متاثر تھا اب جب اس کی یہ عارفانہ گفتگو سنی تو میری حیرانگی میں مزید اضافہ ہوا اور میں سمجھ گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ولیہ ہے۔''

میں نے کہا: ''اے اللہ تعالیٰ کی نیک بندی! جا تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے آزاد ہے۔''

جب لونڈی نے یہ سنا تو کہا: ''میرے آقا! یہ آپ نے اچھا نہیں کیا کہ مجھے آزاد کر دیا اب تک مجھے دوہرا اجر مل رہا تھا (یعنی ایک آپ کی اطاعت کا اور دوسرا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا) لیکن اب آزادی کے بعد مجھے صرف ایک اجر ملے گا۔'' (ایضا)

حشر تک سوتا رہے گا خاک کے سائے تلے

حضرت سیدنا احمد بن حواری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میں نے حضرت سیدنا ابوسلمان رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''ایک مرتبہ میں لکام کے پہاڑوں میں گیا وہاں ایک نوجوان اپنے پروردگار کی بارگاہ میں اس طرح مناجات کر رہا تھا:

''اے میرے مولیٰ! اے امیدوں کو پورا کرنے والے! اے امید دلانے والے! اے وہ ذات جس کی عطا سے میرے اعمال مکمل ہوتے ہیں۔ میرے پاک پروردگار! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس دعا سے جو تیری بارگاہ تک نہ پہنچے۔ میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بدن سے جو تیری عبادت کے لیے کھڑا نہ ہو۔ الٰہی! میں پناہ چاہتا ہوں ایسے دل سے جو تیرا مشتاق نہ ہو، میں پناہ چاہتا ہوں ایسی آنکھ سے جو تیری یاد میں نہ روئے۔''

حضرت سیدنا ابوسلمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جب میں نے اس کا یہ جملہ سنا ''میں پناہ چاہتا ہوں ایسی آنکھ سے جو تیری یاد میں نہ روئے'' تو میں سمجھ گیا کہ اس شخص کو مقامِ معرفت حاصل ہے۔ میں نے کہا: ''اے نوجوان! بے شک عارفین کے لیے مقامات و مراتب اور مشتاقوں کے لیے نشانیاں ہیں۔''

نوجوان نے پوچھا: ''وہ علامتیں اور مراتب کیا ہیں؟''

میں نے کہا: ''مصائب کو چھپانا، کرامات دکھانے سے بچنا۔''

کہا: ''مجھے کچھ اور نصیحت کیجیے۔''

میں نے کہا: ''ابھی تشریف لے جایئے اور اس (پاک پروردگار) کے علاوہ کسی کی طرف نہ جاؤ اور اس کے علاوہ کسی سے امید نہ رکھو اس راستے میں فقر غناء ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی آزمائش درحقیقت شفا ہے اور توکل زندگی کا بہترین سرمایہ ہے۔ بے شک ہر مصیبت کا ایک مقررہ وقت ہے نہ اس کی طرف سے ملنے والی خیر کو ٹھکرا' نہ ہی اس کی عطا کردہ اشیاء میں بخل کر۔ دنیوی خواہشات کی طرف ہرگز نہ جا۔''

میری یہ باتیں سن کر اس نے ایک زوردار چیخ ماری اور آہ وزاری کرنے لگا۔ میں اسے اسی حالت میں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ کچھ دُور مجھے ایک اور نوجوان سویا ہوا نظر آیا۔ میں نے اسے جگا کر کہا: ''اے نوجوان! اب بے دار ہو جا' بے شک مرنے کے بعد دوبارہ دنیا میں نہیں آنا' مرنے کے بعد آرام کر لینا۔''

جاگنا ہے جاگ لے افلاک کے سائے تلے
حشر تک سوتا رہے گا خاک کے سائے تلے

نوجوان نے میری آواز سن کر اپنا سر اُٹھایا اور کہا:

''اے ابوسلمان رحمۃ اللہ علیہ! مرنے کے بعد موت سے بھی زیادہ سختیاں ہیں۔''

میں نے کہا: ''اے نوجوان! جو موت پر یقین رکھتا ہے وہ اعمالِ صالحہ کے لیے ہر دَم کوشاں رہتا اور اپنے آپ کو تیار رکھتا ہے اور پھر اسے دنیوی نعمتوں کی خواہش نہیں ہوتی۔''

(ایضاً)

(۱۳۶)

اللہ پر بھروسہ اور اس کی مدد

بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص میدان میں رہتا تھا اس کے پاس ایک مرغ تھا جو اس کو نماز کے واسطے جگاتا تھا۔ ایک کتا تھا جو چوروں سے اس کی چوکیداری کرتا تھا' ایک گدھا تھا جس پر وہ اپنا پانی اور خیمہ لادتا تھا۔ چنانچہ وہ شخص ان قبیلوں سے جو اس سے قریب تھے' کسی قبیلہ کی طرف آیا تاکہ ان سے بات چیت کرے اس کے پاس یہ خبر آئی (حالانکہ وہ اس قبیلہ کے لوگوں کی مجلس میں تھا) کہ لومڑی نے مرغ کو کھالیا (یہ سن کر) اس نے کہا: "اگر اللہ نے چاہا تو یہ بہتر ہوگا۔" پھر خبر آئی کہ کتا مر گیا اس شخص نے کہا: "ان شاء اللہ یہ بھی بہتر ہوگا۔"

اس کے بعد اس کے پاس یہ خبر آئی کہ بھیڑیئے نے اس کے گدھے کا پیٹ پھاڑ ڈالا۔ اس نے کہا: "قریب ہے کہ یہ بھی بہتر ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ!"

حالانکہ اس قبیلہ کے لوگوں نے دھوکہ سے مرغ اور کتا اور گدھا لے لیا تھا جب رات آئی تو یہ شخص اپنی منزل اور مقام کی طرف چلا گیا۔ چنانچہ جب صبح ہوئی تو اس نے ان قبائلِ مذکورہ کو ایسے حال میں پایا کہ ان کو دشمن نے قید کر لیا اور ان کو لوٹ لیا اور اس کا سبب مرغ کا بولنا' کتے کا بھونکنا اور گدھے کا آواز دینا ہوا۔ پس اس شخص نے اپنی منزل میں سلامتی سے صبح کی اس کے نزدیک مذکورہ جانوروں کی ہلاکت میں بہتری ہوئی۔ (نوادر قلیوبی)

☆...... بعض لوگوں سے نقل ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے ہمسایہ سے بُھنا ہوا بکری کا ایک بچہ کھانے کے لیے خریدا' ناگاہ ایک فقیر آ گیا۔ ہم نے اپنے ساتھ کھانے کے واسطے اس کو بلایا۔ چنانچہ اس نے ایک لقمہ لیا اور اس کو اپنے منہ کی طرف لے جا کر پھینک دیا اور الگ ہو گیا۔ کہنے لگا کہ مجھے ایک ایسا سبب پیش آ گیا ہے جس نے مجھے کھانے سے باز رکھا۔

(یہ سن کر) ہم نے اس سے کہا کہ جب تک تم نہ کھاؤ گے ہم بھی نہ کھائیں گے۔ اس نے کہا کہ میں فقیر ہوں' نہ کھاؤں گا۔ تم کو تمہاری مراد مل گئی ہے۔ وہ فقیر واپس گیا اس کی وجہ سے ہم نے بھی اس کا کھانا مکروہ خیال کیا اور ہم نے سوچا کہ اس کے مالک کو بلا کر اس سے اس کی حقیقت دریافت کریں تو شاید وہ کراہت کی وجہ ہم سے بیان کرے۔ چنانچہ ہم نے اس کو بلا کر اس سے پوچھا اور اس کے سر ہو گئے۔ آخر کار اس نے کہا کہ وہ بچہ مردہ تھا اور اس کی قیمت کی وجہ سے اس کے نفس نے بچہ کے بیع کی لالچ کی۔ چنانچہ ہم نے اس کو کتوں کو کھلا دیا اس کے بعد ہم نے اس فقیر کو دیکھا اور اس سے کھانے سے انکار کا سبب پوچھا اور وجہ دریافت کی اس نے کہا کہ بخدا چند سال ہو گئے میرے نفس نے کھانے پر حرص نہ کی تھی جب تم لوگوں نے یہ بھنا ہوا گوشت میرے لیے پیش کیا تو میرے نفس نے سخت لالچ سے کھانے کی حرص کی اس لیے میں نے جانا کہ اس کی کوئی علت اور سبب ہے۔ میں نے کھانا ترک کیا۔ اے بھائی! اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کی حمایت دیکھو۔ (ایضا)

(۱۳۷)

قربِ سلطاں آتش سوزاں بود

خلیفہ دمشق عبدالملک بن مروان ایک شخص پر انتہائی غضب ناک ہو گیا اور یہ کہہ دیا:

"خدا کی قسم! اگر مجھ کو اس شخص پر قابو مل گیا تو اس کو ہلاک و برباد کر ڈالوں گا۔"

وہ غریب جب حضور سلطانی میں گرفتار ہو کر پیش ہوا تو خلیفہ اس کو دیکھتے ہی آگ بگولا ہو گیا اور سلطانی ہیبت سے تمام درباری لرزہ براندام ہو کر خاموش بیٹھ رہے مگر ایسی حالت میں مشہور محدث رجاء بن حیوہ نے خلیفہ کو متوجہ کر کے فرمایا:

"اے امیر المومنین! اس کی گرفتاری جو آپ کو پسند تھی، وہ تو خداوند تعالیٰ نے کر دی کہ یہ شخص پابہ زنجیر آپ کے دربار میں حاضر ہے اب آپ کو وہ کرنا چاہیے جو خداوند تعالیٰ کو پسند ہے یعنی مجرم کو معاف کر دینا۔"

امام ممدوح کے کلمات سن کر خلیفہ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور جوش پر ہوش غالب آ گیا۔ خلیفہ نے اس کا قصور معاف کر دیا اور شاہانہ عطیہ سے اس کو مالا مال بھی کر دیا۔

(مستطرف ج ۱ ص ۱۹۲)

بنو اُمیہ اور بنو عباس کی حکومتیں اس دَور کی آئینی حکومتیں نہیں تھیں کہ وزیر اعظم اور صدر جمہوریہ تک کو ایک ادنیٰ آدمی جواب دہی کے لیے سپریم کورٹ میں حاضر کرا سکتا۔ یہ شخصی حکومتیں تھیں اور جو کچھ بادشاہ کے منہ سے نکل جاتا تھا وہ ناقابلِ ترمیم قانون کا درجہ رکھتا تھا۔ ان حکومتوں میں ظلم و جبر اور قہاری کا دَور دورہ تھا۔ (روحانی حکایات)

(۱۳۸)

نہلے پر دہلا

شام کے مشہور تابعی مکحول کا بیان ہے کہ حکیم لقمان کالے کلوٹے نوبی غلام تھے (نوبہ: مصر کے جنوبی حصے میں ایک وسیع وعریض خطہ ہے۔ حکیم لقمان وہیں کے رہنے والے تھے اسی لیے انہیں ''نوبی'' کہا گیا۔'' (معجم البلدان: ۵/۳۵۷)

اللہ تعالیٰ نے انہیں حکمت و دانائی کا وافر حصہ عنایت فرمایا تھا۔ یہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے انہیں ساڑھے تیس مثقال کے عوض خریدا تھا۔ حکیم لقمان اسی کے گھر کام کرتے تھے۔

حکیم لقمان کا آقا شطرنج کھیلنے کا بڑا شوقین تھا' وہ شطرنج کے ذریعے جوا کھیلا کرتا تھا اس کے دروازے پر ایک نہر بہہ رہی تھی' ایک دن وہ اس شرط پر شطرنج کھیل رہا تھا کہ فریقین میں سے جو ہار جائے وہ اس نہر کا پورا پانی پیے گا۔ بصورتِ دیگر ہارے ہوئے ساتھی کو جرمانہ کے طور پر فدیہ دینا پڑے گا جس کا تعین جیتنے والا ہی کرے گا۔ اتفاق یہ ہوا کہ حکیم لقمان کا آقا بازی ہار گیا۔

جیتنے والے ساتھی نے حکیم لقمان کے آقا سے کہا: ''تم کھیل ہار چکے ہو اب شرط کے مطابق نہر کا پانی پیو یا فدیہ دو۔'' آقا نے پوچھا: ''فدیے میں کیا چاہتے ہو؟''

جیتنے والا بولا: ''فدیہ یہ ہے کہ میں تیری دونوں آنکھیں نکال دوں گا اور تیری ساری جائے داد پر قبضہ کرلوں گا۔''

حکیم لقمان کے آقا نے کہا: ''مجھے فیصلے کے لیے ایک دن کا موقع دو۔''

جیتنے والے نے ایک دن کی مہلت دے دی۔

حکیم لقمان کا آقا بہت رنجیدہ ہوا۔ وہ غم زدہ حالت میں بیٹھا تھا' شام کے وقت حکیم لقمان اپنی پیٹھ پر گٹھڑی لادے آئے تو دیکھا کہ ان کا آقا انتہائی رنج و غم کے عالم میں نڈھال ہے۔ حکیم لقمان نے آقا کو سلام کیا' پیٹھ سے بوجھ اُتارا اور آقا کی خدمت میں بیٹھ گئے۔ ان کے آقا کا معمول تھا کہ جب بھی وہ اس کی خدمت میں حاضر ہوتے' وہ ان کی حکمت بھری باتیں سنتا اور محظوظ ہوتا مگر آج آقا منہ لٹکائے مایوس بیٹھا تھا۔

حکیم لقمان نے عرض کیا: ''آقا! کیا ماجرا ہے؟ آپ افسردہ کیوں بیٹھے ہیں؟''

آقا نے غلام کی بات پر کوئی توجہ نہیں دی اور اپنا رُخ پھیر لیا۔

حکیم لقمان نے دوسری اور تیسری مرتبہ اپنی بات دہرائی مگر آقا نے ان سے کوئی بات نہیں کی بالآخر حکیم لقمان نے زور دے کر پوچھا: ''آقا! آخر آپ اس قدر گم سم کیوں بیٹھے ہیں؟ اپنے درد کا اظہار کیجیے اگر میں آپ کے درد کا مداوا نہیں بن سکتا تو اس درد میں شریک تو ضرور ہو سکتا ہوں بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کی سنگین پریشانی حل کرنے کا میرے پاس کوئی نسخہ نکل آئے جو آپ کے حق میں مفید ثابت ہو۔''

آقا نے یہ بات سن کر انہیں اپنے شدید رنج و غم کا سبب بتلا دیا۔ پوری داستان سننے کے بعد حکیم لقمان نے تسلی دی۔ آپ بالکل شکستہ خاطر نہ ہوں' میرے پاس اس شرط سے بچ نکلنے کا طریقہ موجود ہے۔ آقا نے بے تابی سے پوچھا: ''وہ کون سا طریقہ ہے؟''

حکیم لقمان نے سمجھایا: ''جب وہ جیتنے والا آدمی آپ کے پاس آئے اور کہے کہ اس نہر کا پانی پیو تو آپ اس سے اطمینان سے پوچھیں کہ نہر کے دونوں کناروں کے درمیان والا پانی پیوں یا بہاؤ کی طرف کا پانی پیوں؟ آپ کا یہ سوال سن کر وہ لازماً یہ کہے گا کہ دونوں کناروں کے درمیانی حصے کا پانی پیو۔ جب وہ یہ کہے تو آپ اس سے فوراً کہیں' ٹھیک ہے میں نہر کے دونوں کناروں کے درمیانی حصے کا پانی پیوں گا مگر پہلے تم بہاؤ کو روکو تا کہ میں پانی پی لوں...... اس طرح آپ پانی پینے کی شرط سے نکل جائیں گے کیونکہ آپ کا جیتنے والا ساتھی نہر کا بہاؤ نہیں روک سکتا اور جب وہ یہ کام نہیں کر سکے گا تو نہر کے دونوں کناروں کے

درمیانی حصے کا پانی پینے پر اس کا اصرار باقی نہ رہ سکے گا یوں آپ کو چھٹکارا مل جائے گا۔"

آقا کو دانش مند غلام کی ترکیب بڑی اچھی لگی اور اس کے دل کو قدرے سکون ملا۔

اگلے دن صبح اس کا ساتھی آیا اس نے مطالبہ کیا کہ میری شرط پوری کرو۔ آقا نے کہا:

"بہت اچھا! پہلے یہ بتلاؤ کہ نہر کے دونوں کناروں کے درمیانی حصے کا پانی پیوں یا بہاؤ والے حصے کا؟" ساتھی نے کہا: "کناروں کے درمیانی حصے کا پانی پیو۔"

آقا نے کہا: "بہت اچھا! اب تم یوں کرو کہ پہلے نہر کا بہاؤ روکو تا کہ میں تمہاری شرط پوری کر سکوں۔" ساتھی بولا: "یہ تم کیا کہہ رہے ہو کیا یہ میرے لیے ممکن ہے؟"

آقا نے کہا: "پھر تمہاری شرط مفقود اور ہماری شرط بھی مفقود......"

یوں یہ معاملہ بخیر وخوبی ختم ہو گیا۔

آقا بڑا خوش ہوا اور اس خوشی میں اس نے حکیم لقمان کو آزاد کر دیا۔

(اخبار الأذکیاء لابن الجوزی ۴۵ دار ابن حزم لبنان)

(۱۳۹)

اہل اللہ کا زائرین وفقراء کے ساتھ معاملہ

شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائے حال میں امیر خسرو کے ذریعہ پیر سے درخواست کی تھی کہ ان کو کسی تنہائی کے مقام پر رہ کر عبادت کرنے کی اجازت دے دی جائے۔ حضرت محبوب الٰہی نے جواب دیا: ''شیخ نصیر الدین سے کہہ دو کہ تمہیں خلق میں رہنا اور لوگوں کے جور وظلم کے مصائب جھیلنے چاہئیں اور ان کے عوض میں بدل وایثار اور سخاوت و بخشش کرنا چاہیے۔''

پیر ومرشد کے اس فرمان پر وہ آخری دم تک عامل رہے۔ کوئی جفا ایسی نہ تھی جس سے انہیں دوچار ہونا نہ پڑا ہو لیکن ان کی زبان پر کبھی حرفِ شکایت نہ آیا اور ان کے پائے ثبات میں کبھی لغزش پیدا نہ ہوئی۔

ان کی خانقاہ میں عقیدت مندوں کے ہجوم کا یہ حال رہتا تھا کہ ان کو سونے کا وقت تک نہ ملتا تھا۔ ایک دن خود فرمانے لگے:

''اب مجھ کو فرصت مشغولی اور خلوت کی نہیں ہے' دن بھر مخلوق کے ساتھ رہنا پڑتا ہے بلکہ قیلولہ بھی اکثر میسر نہیں ہوتا۔ بارہا قیلولہ کرنا چاہتا ہوں' جگا دیتے ہیں کہ فلاں آیا ہے' اُٹھیے۔'' (تاریخ مشائخ چشت' ص ۱۸۱۔۱۸۳' بحوالہ سیر الاولیاء وخیر المجالس)

☆...... حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا کے مطبخ میں طرح طرح کے کھانے پکتے تھے لیکن ان کو ان نعمتوں کے کھانے میں اسی وقت لذت ملتی جب وہ مہمانوں' مسافروں اور درویشوں کے ساتھ مل کر کھاتے جس شخص کو دیکھتے کہ وہ کھانا رغبت سے کھاتا ہے تو اس کو

بہت دوست رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ فقراء کی ایک بڑی جماعت دستر خوان پر شریک تھی۔ حضرت بہاؤ الدین زکریا نے ہر فقیر کے ساتھ ایک لقمہ کھایا' ایک فقیر کو دیکھا کہ روٹی شوربے میں بھگو کر کھا رہا ہے۔ فرمایا:

''سبحان اللہ! ان سب فقیروں میں یہ فقیر خوب کھانا جانتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ثرید کو کھانوں پر وہی فضیلت ہے جو مجھے تمام انبیاء پر ہے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کو تمام عورتوں پر ہے۔'' (بزم صوفیہ' ص ۹۴)

☆...... ملتان میں ایک دفعہ سخت قحط پڑا اور حاکم وقت کو غلے کی ضرورت ہوئی۔ حضرت شیخ بہاؤ الحق زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی مقدار میں غلہ اس کے پاس بھجوایا جب غلہ اس کے پاس پہنچا تو نقرئی ٹنکوں سے بھرے ہوئے سات کوزے بھی نکلے۔ ملتان کے حاکم نے آپ کو اس کی اطلاع دی۔ فرمایا: ''ہمیں پہلے سے معلوم تھا' ہم نے غلے کے ساتھ ٹنکے بھی دیئے۔ ہمارا تو وظیفہ ہی فقراء حاجت مندوں کی خدمت کرنا ہے۔ ہمارے پاس جو کچھ ہے یہ غرباء و مساکین کے لیے وقف ہے۔'' (تذکرہ صوفیائے پنجاب' ص ۱۲۲)

(۱۴۰)

مرداں چنیں کنند

حضرت سیدنا ابوعمرو بن علاء اور حضرت سیدنا سفیان بن علاء رحمہما اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سیدنا احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا:

"آپ نے حلم و بردباری کہاں سے سیکھی؟" فرمایا: "حضرت سیدنا قیس بن عاصم منقری رحمۃ اللہ علیہ سے۔ وہ حلم و بردباری میں یگانۂ روزگار تھے۔"

ہم حلم و بردباری کے حصول کی خاطر ان کی بارگاہ میں اس طرح حاضر رہتے جیسا کہ ایک فقہ کا طالب کسی فقیہ کے پاس حاضر رہتا ہے۔ ایک مرتبہ ہم حضرت سیدنا قیس بن عاصم رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے وہ اپنی چادر سے احتباء کیے (گھٹنے کھڑے کر کے چادر سے باندھ کر سرین پر) بیٹھے ہوئے تھے اچانک کچھ لوگ آئے انہوں نے آپ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: "حضور! آپ کے بیٹے کو آپ کے چچازاد بھائی نے قتل کر دیا ہے یہ دیکھیں آپ کے بیٹے کی لاش اور یہ آپ کا چچازاد بھائی ہے ہم اسے رسیوں سے باندھ کر آپ کے پاس لے آئے ہیں۔"

راوی قسم کھا کر کہتے ہیں: "آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ غم ناک خبر سن کر بالکل چیخ و پکار نہ کی بلکہ لوگوں کی پوری بات توجہ سے سنی پھر گھٹنوں پر بندھی ہوئی چادر کھولی اور مسجد کی طرف چل دیئے وہاں پہنچ کر اپنے بڑے بیٹے سے کہا:

"جاؤ! میرے چچازاد بھائی کو آزاد کر دو اور اپنے بھائی کی تجہیز و تکفین کرو اور میرے چچازاد بھائی کی والدہ کے لیے سو اونٹ ہدیۃً لے جاؤ" وہ بے چاری انتہائی غریب و تنگ

دست ہے'' پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل اشعار پڑھے: (ترجمہ)

۱) میں ایسا مرد ہوں کہ جس کی خاندانی شرافت کو کسی بھی گندگی وعیب نے داغ دار نہیں کیا۔

۲) میں منقر قبیلے کے انتہائی معزز گھرانے کا معزز فرد ہوں اور ٹہنیوں کے گرد ٹہنیاں ہی نکلتی ہیں۔

۳) اور میں ان فصحاء میں سے ہوں کہ جب ان میں سے کوئی کلام کرتا ہے تو بہترین چہرے والا اور فصیح زبان والا ہوتا ہے۔

۴) وہ پڑوسیوں کے عیبوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا جانتے ہیں۔

جب آپ رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو کسی شاعر نے آپ کی شان میں یہ اشعار کہے: (ترجمہ)

۱) اے قیس بن عاصم! تجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی ہو اور اس کی رحمت ہو جب تک وہ رحم کرنا چاہے۔

۲) مبارک ہو اسے جس نے غضب وناراضی اور شدید غصہ دِلانے والا کام کیا لیکن پھر بھی تجھ سے نعمتیں پائیں اور امن وسکون میں رہا۔

۳) قیس کی وفات صرف اس اکیلے کی وفات نہیں بلکہ وہ تو پوری قوم کی عمارت تھا جو اس کی وفات سے منہدم ہوگئی۔ (عیون الحکایات)

سبحان اللہ! کیا حلم ہے مدینے والے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کا کہ اپنے بیٹے کے قاتل کو نہ صرف معاف کیا بلکہ اس کی والدہ کو سو اونٹ تحفہ بھجوائے حالانکہ انہیں اختیار تھا کہ اپنے بیٹے کے قتل کے بدلے قاتل سے قصاص لیتے (یعنی قتل کے بدلے قتل کرتے) یا پھر دیت (یعنی سو اونٹوں) پر صلح کر لیتے لیکن یہ دونوں کام نہ کیے بلکہ سو اونٹ ان کے گھر والوں کے لیے بھجوائے۔ یہ بزرگ واقعی حلم وبردباری کے اعلیٰ درجے پر فائز تھے۔ یہ بزرگ اس کریم آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں جو دشمنوں کے لیے بھی چادر بچھا دیتے، ظلم کرنے والوں کو

دعائیں دیتے، جن کی طرف سے آپ ﷺ پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹے، انہیں پیار ومحبت سے نوازا جس نے آپ ﷺ سے قطع تعلق کیا، آپ ﷺ نے ان سے تعلق جوڑا۔ جنہوں نے آپ ﷺ سے کچھ چھینا انہیں بہت کچھ عطا فرمایا۔
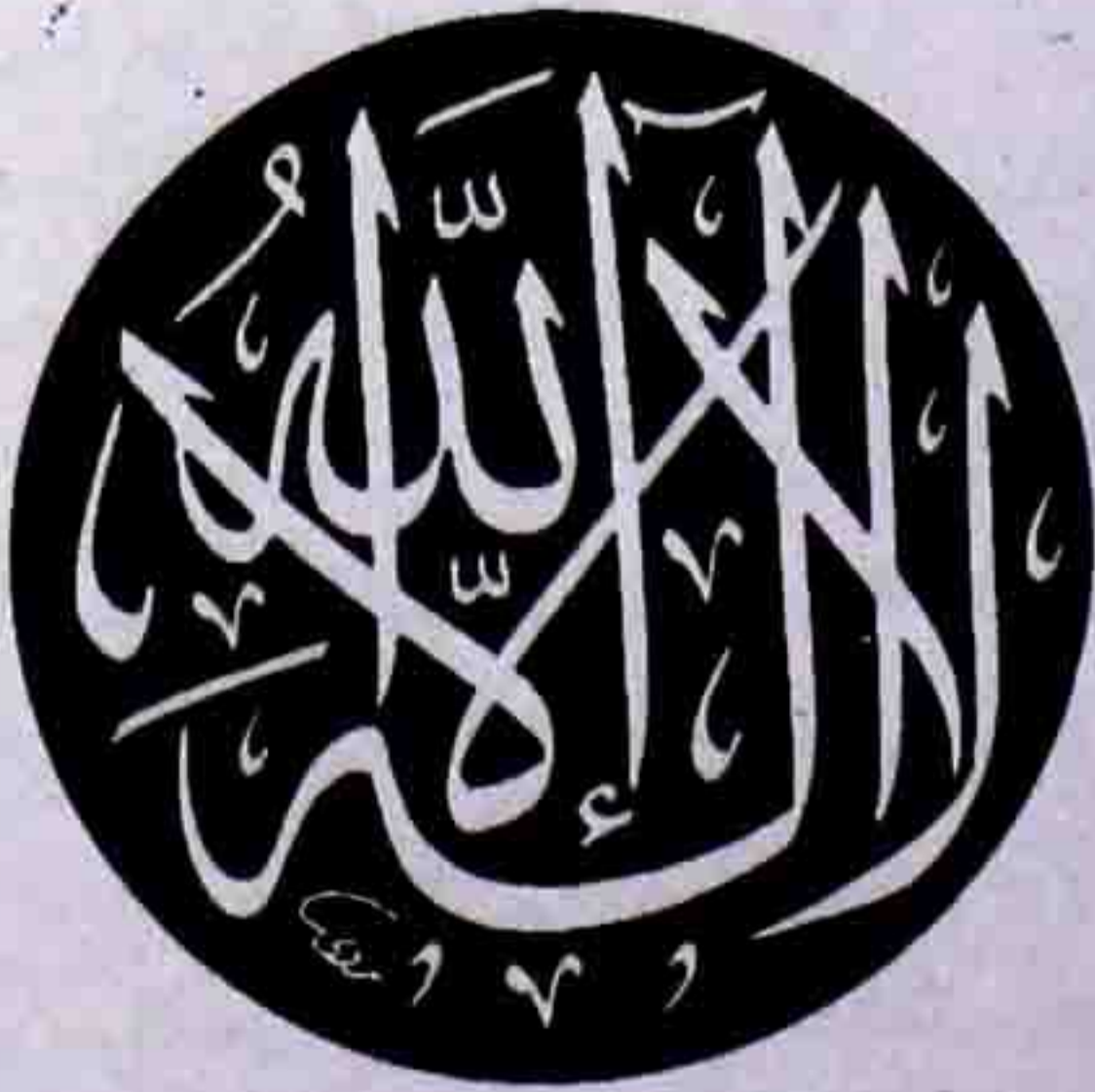
(۱۴۱)

سانپ سے امید وفا؟ ہرگز نہیں

بیان کرتے ہیں کہ دین داروں اور نیکوکاروں میں سے ایک شخص شکار کھیلنے کے واسطے اپنے گھر سے نکلا ناگاہ اس نے ایک سانپ کو دیکھا کہ وہ نہایت خوف کی حالت میں ہے اس سانپ نے اس سے کہا: "اے شخص! مجھے اس دشمن سے پناہ دے جو میرے پیچھے ہے اور مجھے قتل کرنا چاہتا ہے۔ خداوندِ کریم تجھے پناہ دے گا۔"

اس آدمی نے چاہا کہ اس کو اپنی چادر سے چھپالے لیکن سانپ نے اس سے کہا: "اگر تم نیکی کرنا چاہتے ہو تو میرے لیے اپنا منہ کھولو تاکہ میں تمہارے پیٹ میں داخل ہو جاؤں۔" اس آدمی نے کہا: "میں تجھ سے ڈرتا ہوں۔"

سانپ نے اس سے اقرار کیا کہ وہ اس کو ایذاء نہ دے گا اور اس آدمی کو خبر دی کہ محمد ﷺ کی اُمت سے ہے اس لیے اس نے اپنا منہ کھول دیا اور وہ اس کے پیٹ میں رینگ کر چلا گیا اس کے بعد اس کے پاس ایک آدمی آیا حالانکہ اس کے ہاتھ میں تیز تلوار تھی اس نے اس آدمی سے سانپ کو دریافت کیا۔ اس نے کہا: "میں نے اس کو نہیں دیکھا ہے"

اس کے بعد اس نے اپنے اس قول سے کہ میں نے اس کو نہیں دیکھا ہے سو مرتبہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا۔ سانپ نے اپنا سر باہر نکالا تاکہ اپنے دشمن کو دیکھے اس آدمی نے اس کو خبر کی کہ وہ چلا گیا اور سانپ کو نکلنے کے واسطے بلایا۔ سانپ نے کہا:

"اے شخص اب اپنی جان کے واسطے دو موتوں میں سے ایک موت کو اختیار کر یا تو میں تیرا جگر ٹکڑے ٹکڑے کروں یا تیرے دل میں سوراخ کروں۔"

اس شخص نے کہا: "سبحان اللہ! وہ اقرار کہاں ہے جو ہمارے تمہارے درمیان تھا؟"

یہ سن کر سانپ نے کہا: "میں نے تم سے زیادہ احمق آدمی نہیں دیکھا۔ کیا تم اپنے باپ آدم علیہ السلام سے میری عداوت بھول گئے۔ میں نے ہی ان کو جنت سے نکالا اور نااہل کے ساتھ نیکی کرنے پر تم کو کس چیز نے اُبھارا؟"

اس شخص نے سانپ سے کہا: "اگر میرا قتل کرنا ضروری ہے تو مجھے چھوڑ دو تاکہ میں اس پہاڑ کے قریب اپنے لیے کوئی مقام بنالوں۔"

اس پر سانپ نے کہا: "اچھا جو تم چاہتے ہو اس کو کرلو۔"

چنانچہ اس بے چارے نے آسمان کی طرف اپنی آنکھ اُٹھائی اور کہا:

"اے لطیف! اپنی پوشیدہ مہربانی کے ساتھ مجھ پر مہربانی فرما۔ یالطیف! یاقدیر! میں تجھ سے اس قدرت کا سوال کرتا ہوں جس کے ساتھ تو عرش پر برابر غالب رہا اور عرش نے یہ نہ جانا کہ تیری قرارگاہ کہاں ہے۔ یاحکیم، یاعلیم یاحی یاقیوم کیا تو مجھے اس سانپ سے نہ بچائے گا۔"

اس کے بعد وہ پہاڑ کی طرف چلا (وہ شخص کہتا ہے) کہ ایک بزرگ جن کا چہرہ روشن اور خوشبو عمدہ اور کپڑے پاکیزہ تھے، میرے سامنے آئے اور مجھے ایک سبز پتی دے کر فرمایا:

"اس پتی کو کھاؤ۔"

چنانچہ میں اس کو کھا گیا۔ پس وہ سانپ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نیچے گرا۔ میری بے قراری کو سکون ہو گیا اس کے بعد میں نے اس بزرگ سے کہا: "اے شخص! تم کون ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ذریعے سے مجھ پر احسان کیا؟"

انہوں نے مجھ سے فرمایا: "جب تم نے اس دعا کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو ساتوں آسمانوں کے فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم ہے کہ جو کچھ اس سانپ نے میرے بندہ کے ساتھ کیا ہے، میں نے دیکھا ہے۔"

مجھے حکم دیا کہ میں جنت کی طرف جاؤں اور درخت طوبیٰ سے ایک پتی لوں اور اس پتی

کو لے کر تمہارے پاس پہنچوں اور تم سے ملوں۔ میں وہ شخص ہوں کہ مجھے آسمانوں میں معروف اور مقری کہا جاتا ہے۔ تم اپنے اوپر نیکی کرنے کو لازم کر لو اس لیے کہ بے شک نیکی بُرے مواقع سے بچاتی ہے اور اگر وہ شخص جس کے ساتھ احسان کیا گیا ہے اس کو ضائع کرے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ نیکی ضائع نہیں کی جاتی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(قلیوبی)

(۱۴۲)

مگر مہماں فقیروں کے ہوئے ہیں بادشاہ اکثر

اس میں کچھ شک نہیں کہ ہر دَور میں کچھ ایسے علماء گزرے ہیں جو بادشاہوں کی ملازمت تو کجا؟ ملاقات تک کو بھی پسند نہیں فرماتے تھے بلکہ امراء سلاطین کی صحبت کو اپنے علمِ دین کی توہین اور اپنے تدین وتقویٰ کے لیے سم قاتل وزہر ہلاہل سمجھتے تھے مگر ساتھ ہی کچھ نہ کچھ علمائے کرام ہر دَور میں ایسے موجود رہے جو بادشاہ کی صحبت و ملازمت اس نیت سے اختیار فرمالیتے تھے تاکہ اسلام اور مسلمانوں کی نفع رسانی اور بادشاہوں کی صلاح وفلاح کے لیے اپنے علم وعمل کی عظیم طاقت کو کام میں لاسکیں۔ چنانچہ بہت سے علمائے کرام بادشاہوں کی وزارت اور سفارت کے منصب جلیل پر فائز ہوئے اور بہت سے علمائے کرام شاہی ملازمتوں کے بڑے بڑے عہدوں کو قبول کر کے اپنی علمی اور عملی صلاحیتوں کی بدولت اسلام ومسلمین کے لیے سرمایہ رحمت بنے اور بادشاہوں اور حکومتوں کے لیے اصلاح وہدایت کا سامان فراہم کیا۔

بعض علماء اپنے اثر ورسوخ سے بساط سیاست کو اُلٹ پلٹ کر حکومت میں دخیل بلکہ بادشاہ گر بن گئے۔ کون نہیں جانتا کہ حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے دو مرتبہ کوڑوں کی مار کھائی' قید وبند کی مصیبت بھگتی مگر حکومت کے عہدۂ قضاء کو قبول نہیں فرمایا مگر انہیں کے شاگرد رشید امام ابویوسف تمام قاضیوں کے اعلیٰ افسر بنے اور ہارون الرشید کی خلافت کو ہر قسم کی گمراہیوں سے بچایا۔ حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد ان سب بزرگوں کے پیشِ نظر تھا:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ ۔ ''اعمال کا دار ومدار نیتوں پر ہے۔''

چنانچہ ایسے چند علماء کی بھی بعض حکایات سن لیجیے تاکہ تاریخی حقائق کی نقاب کشائی بھی ہو جائے اور اس دَور کے مسٹروں کی بھی آنکھیں کھل جائیں کہ علمِ دین پڑھنے والوں

کو یہ لوگ ملا کہہ کر حقیر سمجھتے ہیں۔ ان ملا لوگوں میں بھی کیسے کیسے جوہر قابل ہوتے رہے ہیں اور عظیم الشان کارنامے سرانجام دیتے رہے ہیں۔

جن علمائے سلف نے اپنی علمی شان کو باقی رکھتے ہوئے شاہی ملازمت کے اعلیٰ عہدوں کو سرفراز فرمایا' ان کی ایک مختصر فہرست ملاحظہ فرمایئے۔

علامہ ابن حزم خلیفہ بغداد مستظہر باللہ کے وزیراعظم رہے۔ علامہ کمال الدین فقیہ شافعی نے سلطان نورالدین والی شام ومصر کا قلم دان وزارت سنبھالا۔ مولانا تاج الدین ابراہیم پاشا رئیس الوزراء نے سلطان بایزید یلدرم کی وزارتِ عظمیٰ کو عزت بخشی۔

(علمائے سلف ص ۱۱۱)

اسی طرح حافظ ابن ماکولا جو بہت ہی نامور محدث گزرے ہیں' یہ وزیر سعد الملک کے نام سے مشہور تھے۔ خلیفہ بغداد مقتدی باللہ نے ان کو طمغاں خاں والی سمرقند کے دربار میں سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۵)

امام المحاسن حافظ قریشی صرف تیس برس کی عمر میں دربارِ بغداد کی طرف سے سلطان نورالدین زنگی کے دربار میں سفیر بنا کر بھیجے گئے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۵۴)

شیخ شہاب الدین سہروردی حکومت بغداد کی جانب سے شاہ اربل کے دربار میں سفیر بنا کر بھیجے گئے۔ (ابن خلکان جلد ا ص ۴۵۱)

امام ابویعقوب شیرازی محدث بہت سے درباروں میں سفیر بن کر پہنچے۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۵۰)

امام زُہری خلیفہ عبدالملک اور خلیفہ ہشام کے مقربین میں داخل تھے۔

(ابن خلکان ج ا ص ۴۵۱)

امام غزالی نے جب امیر المسلمین یوسف بن تاشفین کی تعریف سنی تو اس سے ملنے کے لیے افریقہ کو روانہ ہوئے مگر آپ ابھی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچے تھے کہ امیر یوسف کا انتقال ہوگیا۔ یہ خبر امام غزالی نے اسکندریہ میں سنی تو وہیں سے واپس چلے آئے۔

(ابن خلکان ج ۲ ص ۳۷۰)

بادشاہ گر عالم

جب سلیمان بن عبدالملک خلیفۂ دمشق بہت سخت بیمار ہو گیا تو اس کو اپنے جانشین کی فکر ہوئی۔ چنانچہ اس نے ایک دستاویز میں اپنے ولی عہد کا نام لکھ دیا مگر سلطنت کے اس انقلاب آفرین کام میں مشورہ کرنے کے لیے ایک مشہور عالم رجاء بن حیوہ محدث شامی کو بلایا۔ حضرت رجاء نے جو دستاویز پڑھی تو اس پر خلیفہ کے ایک نابالغ لڑکے کا نام درج تھا۔ آپ نے فرمایا: "امیر المومنین! اگر آپ اپنی قبر میں سکون اور آسودگی چاہتے ہیں تو کسی ایسے شخص کو اپنا جانشین بنائیے جو اس سلطنت کے حسن و خوبی کو چار چاند لگا دے۔ یہ نابالغ بچہ بھلا کیا حکومت سنبھالے گا؟"

حضرت رجاء کا یہ کلمہ حق تاثیر کا تیر بن کر خلیفہ کے دل میں چبھ گیا اور اس نے فوراً ہی دستاویز کو پھاڑ کر پرُزے پرُزے کر ڈالا۔ پھر کہا: "میرے بیٹے داؤد کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے؟"

حضرت رجاء نے فرمایا: "وہ اس وقت دار الخلافہ سے سینکڑوں میل دُور قسطنطنیہ کے جہاد میں مصروف ہے اور یہ بھی پتہ نہیں کہ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں۔"

خلیفہ نے کہا: "پھر کس کو میں اپنا ولی عہد بناؤں؟"

حضرت رجاء نے فرمایا: "آپ کا بھتیجا عمر بن عبدالعزیز بہت ہی صالح، فاضل اور سلیم الطبع ہے۔ میرے خیال میں وہ آپ کی جانشینی کے لیے سب سے زیادہ بہتر ہے۔"

خلیفہ نے فوراً ہی عمر بن عبدالعزیز کے لیے ولی عہدی کی دستاویز لکھ دی اور اس کو لفافہ میں بند کر کے کوتوال کو حکم دیا کہ خاندانِ خلافت کے کل ارکان دربار میں حاضر کیے جائیں۔ چنانچہ جب سب لوگ دربار میں آ گئے تو حضرت رجاء نے خلیفہ کے حکم سے اس

سربمہری لفافہ پر سب سے بیعت لے کر سب کو رخصت کر دیا اس دستاویز کی تکمیل کے چند ہی گھنٹے بعد خلیفہ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت رجاء نے دروازہ پر پہرہ بٹھا دیا کہ خبردار! کوئی اندر نہ جانے پائے نہ اندر سے باہر نکلے تا کہ خلیفہ کی موت کا کسی کو معلوم نہ ہو سکے پھر کوتوال کو بھیج کر خلافت کے خاندان کے تمام ذمہ داروں کو بلایا اور دوبارہ اس مہر بند لفافہ پر سب سے بیعت لے کر خلیفہ کی موت کا اعلان فرما دیا اور لفافہ کھول کر سب کو عمر بن عبدالعزیز کا نام دکھا دیا جب ہشام بن عبدالملک نے عمر بن عبدالعزیز کا نام سنا تو بگڑ کر کہا: ''خدا کی قسم! ہم ہرگز کبھی بھی ان کو خلیفہ تسلیم نہیں کریں گے۔''

حضرت رجاء نے ڈانٹ کر فرمایا: ''تم دو مرتبہ اس مہر بند لفافہ پر بیعت کر چکے ہو اب خیریت اسی میں ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کی بیعت کر لو ورنہ ابھی تلوار سے تمہارا سر اُڑا دیا جائے گا۔''

حضرت رجاء کا قہر آلود تیور دیکھ کر ہشام کانپ اٹھا اور فوراً بیعت کی' اس کے بعد حضرت رجاء نے عمر بن عبدالعزیز کا ہاتھ پکڑ کر منبرِ خلافت پر بٹھایا اور ان کی خلافت کا عملی دَور شروع ہو گیا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۱۱)

(۱۴۳)

لاجواب دُلہن

عبدالعزیز کو نیند نہیں آرہی تھی...... شدید سردی تھی...... طوفانی ہوا کے جھونکے دَم بہ دَم آرہے تھے جن کی زد سے ہوٹل کی کھڑکیاں خود بخود کھل رہی اور بند ہو رہی تھیں...... یہ ہوٹل لندن میں دریا کے کنارے واقع تھا...... عبدالعزیز کی نگاہ دیوار پر لگی گھڑی پر پڑی۔ رات کے دو بج رہے تھے مگر نیند آنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی...... وہ آنکھیں بند کر کے سونے کی بار بار کوشش کرتا رہا لیکن اسے نیند نہیں آئی......

اس نے سوچا کیوں نہ ہوٹل سے باہر نکل کر قریبی سڑک پر کچھ دیر چہل قدمی کر لی جائے۔ ممکن ہے کچھ دیر ٹہلنے کے بعد نیند آجائے۔

وہ ہوٹل کے کمرے سے نکلا' باہر شدید سردی تھی' برف باری ہو رہی تھی جس کی وجہ سے سڑک سفید ہو گئی تھی۔ آسمان سے چھوٹے چھوٹے نازک نازک برف کے گالے گر رہے تھے۔ اس نے ایک چھتری لی اور ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ وہ کئی ہفتوں سے اپنے ساتھ چھتری ضرور رکھتا تھا۔ وہ اپنے وطن میں بھی چھتری ساتھ لے کر نکلا کرتا تھا اور سورج کی تپش سے بچنے کی کوشش کرتا تھا۔ وہ جزیرۃ العرب کا رہنے والا تھا اور جزیرۃ العرب میں بھی اس مبارک مقام کا باشندہ تھا جہاں پہلی مرتبہ انسانیت کی تکمیل کے لیے وحی کا نزول ہوا تھا...... رسالت کا چشمہ وہیں سے پھوٹا تھا۔ ہاں! وہ مہبط وحی اور دنیا کی اس سب سے زیادہ مقدس جگہ کا رہنے والا تھا جسے "مکہ مکرمہ" کے نام نامی سے جانا جاتا ہے......

وہ ہوٹل سے نکل کر چند قدم ہی چلا تھا کہ سامنے ایک پارک نظر آیا اس نے اسی پارک میں چند لمحے گزارنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ وہ پارک میں جا پہنچا ابھی بیٹھا ہی تھا کہ اچانک اس

کی نظر ایک انسانی لاش پر پڑی جو گھاس پر لاوارث پڑی ہوئی تھی...... وہ چونک گیا...... اتنی رات گئے اس سنسان بیابان پارک میں ایک انسانی لاش!...... کیا میں اس لاش کو اسی طرح اس کے حال پر چھوڑ دوں؟...... یہ کوئی لاش ہے یا زندہ فرد ہے؟...... اگر پولیس اس بارے میں پوچھ بیٹھے تو میں کیا جواب دوں گا؟......

شراب نے خانہ خراب کر دیا

عبدالعزیز غیر شعوری طور پر ڈرتے ڈرتے لاش تک پہنچ گیا...... لاش پر ہاتھ رکھا اور جانچا کہ یہ زندہ ہے یا مردہ...... ہاتھ کے لگتے ہی اسے لاش میں حرکت سی محسوس ہوئی۔ وہ آدمی زندہ تھا' مرا نہیں تھا...... اس کے منہ سے شراب کی بدبو آ رہی تھی...... شراب خانہ خراب سے مدہوش ہو کر وہ اتنی سرد رات میں اس پارک میں ایک لاوارث لاش کی طرح پڑا ہوا تھا......

عبدالعزیز نے اسے بمشکل اُٹھایا اور اپنے ساتھ لے کر چلنے کی کوشش کرتا رہا مگر وہ بُری طرح نشے میں دُھت تھا۔ وہ شرابی کو لے کر روشنی میں پہنچا تو اس نے لب کشائی کی اور عربی زبان میں فحش گالیاں بکنے لگا: ''مجرم عورت!...... بے ہودہ خائن لڑکی!......''

عبدالعزیز نے اس سے پوچھ ہی لیا: ''ارے بھئی تم کہاں کے رہنے والے ہو؟''

''میں جدہ کا رہنے والا ہوں۔'' مدہوش نے عالمِ مدہوشی ہی میں جواب دیا۔

''جدہ کا......!'' عبدالعزیز کی حیرت میں مزید اضافہ ہو گیا۔

میں مکہ مکرمہ کا رہنے والا ہوں۔ آخر وہ مجرم اور خائن لڑکی کون ہے۔ جس کا تم بار بار نام لے رہے ہو...... عبدالعزیز نے اپنا تعارف کراتے ہوئے اس سے پوچھا۔ وہ عواطف ہے' وہ مجرم لڑکی ہے' وہ میری بیوی ہے اس سنگ دل نے مجھے گھر سے باہر رہنے پر مجبور کر دیا ہے۔ عبدالعزیز نے اس سے کہا کہ میں نے سامنے کے ہوٹل میں ایک کمرہ کرائے پر لے رکھا ہے...... آؤ! وہیں چلتے ہیں...... صبح تم جہاں جانا چاہو گے' میں پہنچا دوں گا...... مدہوش نے جھوم کر حامی بھر لی...... اور وہ دونوں ہوٹل کے کمرے میں آ گئے......

صبح کو عبدالعزیز اپنے کمرے میں داخل ہوا تو اپنے مہمان کو سوتا ہوا پایا۔ وہ گہری نیند

سو رہا تھا' کچھ دیر بعد اس نے اپنے مہمان کو جگایا' چائے کی پیش کش کی...... مہمان نے خمار بھری انگڑائی لی اور پھر دھیرے دھیرے بے دار ہوا۔ چند لمحوں تک کمرے کی فضا کا جائزہ لیتا رہا پھر چونک کر بولا: ''میں اس ہوٹل میں؟...... مجھے یہاں کون لے آیا؟...... مجھے کیا ہو گیا تھا؟...... تم کون ہو؟...... میری عواطف کہاں ہے؟''

عبدالعزیز نے نوجوان کو اطمینان دِلایا۔ گزشتہ رات کے حالات سے آگاہ کیا...... نوجوان نے جب اپنی شب بیتی کی حقیقت سنی تو شرم کے مارے پانی پانی ہو گیا...... پھر اس نے عبدالعزیز سے اپنا تعارف کرایا۔

''میرا نام محمد ہے...... میں یہاں انگلینڈ میں انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کرنے آیا ہوں۔ میں ڈیڑھ سال پہلے یہاں آیا تھا...... مجھے امید ہے کہ گزشتہ رات تم نے مجھے جس حالت میں دیکھا تھا اس پر پردہ ڈال دو گے...... اللہ تعالیٰ بھی ایک مسلمان کی پردہ پوشی کو محبوب رکھتا ہے......''

''واہ!...... سبحان اللہ!...... بہت خوب!...... میرے بھائی! تمہیں لوگوں سے تو اتنا ڈر ہے کہ پردہ پوشی کی التجا کر رہے ہو مگر اس اللہ کا کوئی خوف نہیں جس نے تمہیں پیدا کیا ہے اور جو تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ تمہیں عام لوگوں کا کس قدر پاس ولحاظ ہے مگر اللہ تعالیٰ کا جو ہمارا سب سے بڑا محسن ہے' سرے سے کوئی خیال ہی نہیں؟...... ہم چاہے مکہ میں ہوں یا جدہ میں یا کسی اور مقام پر' وہ ہر جگہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔''

''میرے نیک طینت بھائی! تم نے گزشتہ رات مجھے شدید سردی سے بچایا ہے اور مجھ پر بڑی مہربانی کی ہے۔ میرا گھر یہاں سے قریب ہی ہے' آؤ گھر چلتے ہیں' وہیں ناشتہ کریں گے...... وہاں میں تمہیں اپنی ساری داستان سناؤں گا...... وہاں تم میری بیوی عواطف سے میری مصالحت بھی کرا دینا...... کل رات تم نے میری جان بچائی۔ واللہ! تم میرے محسن ہو......''

عبدالعزیز نے نوجوان کی دعوت قبول کرنا اپنے لیے امر لازم جانا...... ویسے بھی وہ اس نوجوان کے بارے میں مزید تفصیلات جاننا چاہتا تھا...... اس کی خواہش تھی کہ میں اس

نوجوان کی اصلاح وہدایت کا ذریعہ بن جاؤں۔

عبدالعزیز اور محمد ہوٹل کے کمرے سے نکلے اب دونوں کا رُخ محمد کے گھر کی طرف تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ محمد کے دروازے پر جا پہنچے...... محمد نے دروازے پر دستک دی......

کون ہے؟...... گھر کے اندر سے محمد کی بیوی عواطف کی آواز آئی۔

نیک طینت بیوی

عواطف! دروازہ کھولو' میں تمہارا شوہر محمد ہوں' میرے ساتھ ایک معزز مہمان بھی ہے...... عواطف نے فوراً برقعہ پہنا' چہرہ ڈھانپا اور آہستہ سے دروازہ کھول کر پیچھے ہٹ گئی...... اور وہ دونوں گھر کے اندر داخل ہو گئے......

عواطف کو قدرے تامل ہوا کہ آخر یہ نیا مہمان کون ہے؟...... مگر جلد ہی اس نے مہمان کا چہرہ مہرہ دیکھ کر بھانپ لیا کہ آنے والا مہمان ایک صالح انسان ہے...... یہ کون ہے؟ شاید اسی نے تمہیں گزشتہ رات پناہ دی ہوگی؟...... عواطف نے اپنے شوہر محمد کی طرف سوالیہ نگاہ سے دیکھتے ہوئے پوچھا:

جی ہاں! میں نے ہی گزشتہ رات تمہارے شوہر کو پناہ دی تھی...... یہ ایک پارک میں برف کے تودے پر مدہوش پڑا تھا...... رات اس نے میرے ہی کمرے میں بسر کی...... عبدالعزیز نے نہایت شائستگی سے بتایا۔

یہ بات سن کر عواطف بولی: ''یہ نیک کام انجام دینے کے لیے آپ کا بہت بہت شکریہ...... اللہ کی قسم! اگر اس وقت محمد میرے پاس آتا تو میں ہرگز ہرگز دروازہ نہ کھولتی...... چونکہ آپ بھی ساتھ آئے تھے اس لیے میں نے آپ کے اکرام میں دروازہ کھول دیا۔''

محمد نے عواطف کو ناشتہ کی طرف توجہ دلائی اور وہ فوراً ناشتہ تیار کرنے چلی گئی...... اور پھر تھوڑی ہی دیر میں دسترخوان پر ناشتہ چن دیا گیا...... عبدالعزیز اچھی طرح سمجھ گیا کہ محمد کی بیوی عواطف نہایت نیک طبع ہے اسی وجہ سے اس نے پورا ساتر لباس پہن رکھا ہے...... عبدالعزیز دسترخوان پر ناشتہ کر رہا تھا اور اپنے ضمیر سے مخاطب تھا: ''جب محمد کی بیوی عواطف اس قدر دین دار' با اخلاق' مہذب اور شریف ہے تو گزشتہ رات محمد اسے خائنہ اور مجرمہ کہہ کر

گالیاں کیوں دے رہا تھا؟...... آخران دونوں میاں بیوی کے مابین اس قدر شدید اختلاف کا سبب کیا ہے کہ محمد نے مجھ سے اس کے ساتھ مصالحت کرانے کی درخواست کر دی ہے؟''

اس قسم کے بہت سے سوالات عبدالعزیز کے دل و دماغ میں مسلسل گردش کر رہے تھے...... اسی دوران عواطف چائے لے کر دسترخوان پر آ گئی اس کا شوہر محمد بولا: ''عواطف! آؤ بیٹھو اب ہم اپنے مکرم مہمان کے سامنے اپنا مسئلہ پیش کرتے ہیں۔''

محمد نے اپنی بیوی عواطف کو اپنے پاس بٹھایا اور گفتگو کا آغاز کیا:

''میں جو کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں اس کا تعلق ہمارے بچپن کے بیتے ہوئے زمانے سے ہے۔ عواطف میری چچازاد ہے جب ہماری ولادت ہوئی اسی وقت ہمارے گھرانے کے لوگ کہنے لگے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے پیدا ہوئے ہیں' ان کا آپس میں رشتہ کر دیا جائے گا...... پھر ہماری منگنی ہو گئی پھر میں سیکنڈری سکول کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد برطانیہ چلا آیا۔

شروع شروع تو میں بہت ہی دین دار اور پنج گانہ نماز کا پابند رہا...... ہم بھی ساتھی نماز کا بڑا خیال رکھتے تھے...... فسق و فجور اور شراب و شباب سے کوسوں دُور تھے......

ایک زمانے تک ہماری زندگی کے ایام اسی ڈگر پر رہے پھر میں بُری صحبت کا شکار ہو گیا اور غلط ماحول میں چلا گیا۔ میں کبھی کبھار دوستوں کی محفل میں شراب بھی پی لیتا تھا۔

میں شرابِ خانہ خراب کی بوتلیں پی کر جھومنے لگا اور اس کا چسکا اتنی شدت اختیار کر گیا کہ میری صحت کی چُولیں ہل گئیں...... امتحان ختم ہوا میں موسمِ گرما کی چھٹیاں گزارنے کے لیے جدہ گیا...... وہاں عواطف سے شادی کی پھر اسے ساتھ لے کر یہاں برطانیہ چلا آیا۔''

یہاں آ کر اس کی حالت بہت بدل گئی' کہاں مجھ سے محبت اور پیار کرنے والی عواطف اور اب اس کی حالت یہ ہے کہ مجھ سے نفرت کرتی ہے۔ یہ مجھے ناپسند کرنے لگی ہے...... رفتہ رفتہ یہ حالت ہو گئی کہ یہ میری باتوں کی مخالفت بہت زور و شور سے کرنے لگی بلکہ زبان درازی پر اُتر آئی...... اب اکثر ایسا ہوتا ہے کہ رات کو جب میں گھر واپس آتا ہوں تو یہ میرے لیے دروازہ ہی نہیں کھولتی...... مجھے رات گھر سے باہر ہی گزارنا پڑتی ہے......''

تباہی کا اصل سبب

اس مرحلے پر عواطف بول پڑی۔ کہنے لگی: ''شیخ عبدالعزیز! اب میں آپ کو اپنی کہانی سناتی ہوں: محمد کا یہ کہنا بالکل برحق ہے کہ میں نے برطانیہ کی اس غیر موافق سرزمین پر جب سے قدم رکھا ہے اس کی مخالفت شروع کر دی ہے...... سچی بات ہے یہاں آنے کے بعد مجھ پر منکشف ہوا کہ میں اور محمد ایک دوسرے سے مختلف پگڈنڈیوں کے راہی ہیں۔ ہمارا ذوق و ظرف ایک دوسرے سے بالکل جدا ہے...... ہم دونوں کے افکار اور تصورات و نظریات میں بعد المشرقین ہے۔

شیخ عبدالعزیز! محمد چاہتا ہے کہ میں نقاب اور برقعہ اُتار پھینکوں اور بے حیائی کا وہ نیم عریاں چیتھڑوں والا لباس پہنوں جو اس حیا باختہ معاشرے میں مروج ہے...... میں تو اپنے مقدس وطن میں بھی مکمل باپردہ لباس پہنتی تھی اور آج اس فتنہ پرور سوسائٹی میں بھی میرا وہی ساتر لباس ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں......

شیخ عبدالعزیز! کیا آپ یقین کریں گے کہ میرا شوہر محمد بار بار مجھ پر زور دیتا رہا کہ میں اس کی بات مان لوں اس کے ساتھ رقص گاہوں، تھیٹروں، شراب خانوں اور فحاشی کے کلبوں میں چند دھجیوں کا عریاں لباس پہن کر شمع محفل بنوں...... اس نے مجھے بار بار ورغلایا کہ ہمیں ماحول کی رفتار کے ساتھ ساتھ چلنا چاہیے...... میں حیران ہوں کہ خاوند کی غیرت کہاں مرگئی اس نے یہ ہلاکت گوارا کر لی کہ اس کی پاک دامنی بیوی کسی غیر مرد کے ساتھ رقص کرے۔ افسوس! مغربی تہذیب ہمیں کتنی پستی میں دھکیلنا چاہتی ہے۔ کل تک یہ حال تھا کہ اپنے پیارے وطن میں کسی غیر مرد کی نظر بھی مجھ پر پڑ جاتی تو غیرت کے مارے محمد کی رگوں میں بجلیاں کوندنے لگتیں، آج وہی محمد کیسی بے غیرتی کا مظاہرہ کر رہا ہے کہ اس اجنبی ملک میں اجنبی مردوں کے ساتھ مجھے رقص کرنے کی خود ترغیب دے رہا ہے!......

اس سے بھی زیادہ گھناؤنی اور لرزہ خیز بات یہ ہے کہ محمد اپنے بے شرم دوستوں اور ان کی واہیات بیویوں کو میرے گھر لانا چاہتا ہے......

شیخ عبدالعزیز! میں دوٹوک لفظوں میں واضح کر دینا چاہتی ہوں کہ میں اپنے شوہر محمد

کی صرف اسی وقت تک اطاعت کرسکتی ہوں جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیماتِ عالیہ سے تجاوز نہ کرے...... جب تک شوہر کی اطاعت میں اللہ کی نافرمانی حائل نہیں ہوگی' میں اس کی خدمت کے لیے ہر آن مستعد رہوں گی' وہ مجھے آگ کے شعلوں میں بھی جھونکے گا تو خوشی سے قربان ہو جاؤں گی لیکن میں اسے اپنی حیا' عفت اور عصمت کا جنازہ نکالنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ میرے شوہر کو نوٹ کر لینا چاہیے کہ میں طاغوت کی باغی ہوں۔ میں شیطان سے ہمیشہ برسرِ پیکار رہوں گی۔ چاہے میرا شوہر مجھ سے ہمیشہ کے لیے ناراض ہو جائے مگر ایسا کام کبھی نہیں کروں گی جس کی وجہ سے میرا ربِ کریم مجھ سے روٹھ جائے۔ اللہ تعالیٰ کا حق شوہر کے حق سے کہیں زیادہ ہے...... میں شوہر کی خوشی کے لیے اپنے رب کو ناراض نہیں کرسکتی اس کے برعکس میں اپنے رب کی خوشنودی کے لیے اپنے شرابی شوہر کو پائے حقارت سے ٹھکرا دوں گی۔

میں آج صاف صاف بتلا دینا چاہتی ہوں کہ جب سے میں نے اپنے شوہر محمد کو نماز ترک کرتے دیکھا ہے اس وقت سے اب تک میں نے اسے اپنے قریب پھٹکنے نہیں دیا...... کیونکہ میں جانتی ہوں کہ اللہ کے رسول ﷺ کے ارشادِ گرامی کے مطابق تارکِ (منکرِ) نماز سراسر کافر ہے...... ایک مسلمان عورت کو ہرگز زیبا نہیں کہ وہ اپنے آپ کو کسی کافر کے حوالے کر دے......

اتنا کہہ کر عواطف تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہوگئی پھر آنسو پونچھتے ہوئے بولی: "میں نے محمد کو راہِ راست پر لانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے...... ہر طریقہ آزمایا ہے تاکہ وہ شراب چھوڑ دے مگر اس نے میری ہر کوشش ناکام بنا دی ہے اور میری ہر نصیحت ماننے سے انکار کر دیا ہے۔

جب میں نے دیکھا کہ میرے شوہر کی اخلاقی گراوٹ بڑھتی جارہی ہے تو میں نے اسے خبردار کر دیا کہ میں اب کے ساتھ اس گندے ماحول میں ہرگز نہیں رہ سکتی...... میں واپس اپنے شہر جدہ جانا چاہتی ہوں...... میں اپنے گھر والوں کے ساتھ رہوں گی...... میں نے محمد کو کئی بار انتباہ کیا کہ اگر وہ شراب پی کر گھر آئے گا تو میں دروازہ بند کرلوں گی......

گناہ کی دعوت

گزشتہ رات دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا تو یہ کہنے لگا: ''آؤ! آج رات ہم ایک رقص گاہ میں چلتے ہیں...... وہاں میں سوسائٹی کی نامور رقاصاؤں اور فیشن کی شوقین خواتین سے تمہارا تعارف کراؤں گا۔''

میں نے محمد سے کہا: ''میرے سرتاج! گناہوں کی جگہ رات بسر کرنے کے بجائے کیوں نہ ہم اپنے گھر ہی رات گزاریں؟...... تمہیں معلوم ہے ایک مدت سے ہم دونوں اکٹھے بیٹھ بھی نہیں سکے۔''

میری یہ بات سنتے ہی محمد غصے سے لال پیلا ہو گیا اور کہنے لگا: ''آخر تم کب تک رجعت پسند رہو گی؟......

اس کی یہ جاہلانہ اور گمراہ کن باتیں سن کر مجھے بڑا غصہ آیا۔ میں اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکی۔ میں نے سختی سے کہا: ''تمہاری غیرت کہاں مر گئی ہے؟ کیا تمہیں اس تصور سے شرم نہیں آتی کہ میں کسی اجنبی مرد کے ساتھ رقص کروں؟...... میں تمہاری بیوی ہوں''

میری باتیں سن کر محمد خاموش ہو گیا۔ اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا...... بس اس نے زور سے دروازہ بند کیا' مجھے گالیاں دیں اور چلا گیا...... اور میں رات بھر آنسو بہاتی رہی......

اس دوران غم کے مارے میرا سینہ پھٹا جا رہا تھا...... غیظ و غضب سے میرا ذہن بوجھل ہو گیا اور میرا دماغ تاریکیوں میں ڈوب گیا۔ اللہ تعالیٰ کے دربارِ عالی کے سوا کوئی در کھلا نظر نہیں آیا...... میں اپنی جگہ سے اُٹھی' وضو کیا اور ڈوبتی رات کے سناٹے میں اپنے پروردگار کے حضور کھڑی ہو گئی...... میں نے گڑگڑا کر دعا کی کہ اے اللہ! مجھے اس سخت آشوب اور آزمائش سے محفوظ رکھ...... جلد از جلد میرے لیے کشادگی کا سامان پیدا فرما...... اور مجھے میرے مقدس دین پر ثابت و قائم رکھ!......

رات کے دو بج رہے تھے...... میں کلام اللہ کی تلاوت کر رہی تھی...... اس وقت محمد نے دروازے پر دستک دی...... وہ شراب کے نشے میں مدہوش تھا...... میں سوچ میں پڑ گئی کہ دروازہ کھولوں یا نہ کھولوں پھر میں نے ایک فیصلہ کیا اور میں نے اپنے شوہر کو گرجدار آواز

میں ڈانٹا۔ وہ دروازے کا پٹ تھامے کھڑا تھا۔

ذلیل! شرابی! مدہوش' دیوانے! میرے گھر سے نکل جا...... اب اس گھر میں تیرے داخلے کی کوئی گنجائش نہیں...... آج کے بعد میں تیرے لیے یہ دروازہ کبھی نہیں کھولوں گی...... ہرگز نہیں کھولوں گی...... پھر میں نے زور سے دروازہ بند کر دیا...... میں نے سوچا کہ بے شک مجھے طلاق مل جائے۔ میں ایک بدکردار کی بیوی نہیں رہ سکتی۔ مجھے یہ جلد از جلد سعودی عرب بھجوا دے۔"

یہ کہہ کر عواطف بے اختیار رونے لگی...... ادھر اس کا شوہر محمد خاموش تماشائی کی طرح اس کی باتیں سنتا رہا اس نے عواطف کی کسی بات کی تردید نہیں کی اس کے پاس اپنے دفاع میں کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا...... یہ اس بات کی واضح دلیل تھی کہ عواطف نے جو کچھ بیان کیا تھا' وہ سو فیصد درست تھا۔ سارا قصور محمد ہی کا تھا۔

مثالی خاتون

عبدالعزیز کی نگاہ میں عواطف ایک عظیم مثالی خاتون کی حیثیت اختیار کر چکی تھی...... وہ فرطِ مسرت سے جھوم اُٹھا اس کی نگاہ ماضی کی دُھند سے آگے نکل کر قرنِ اوّل میں جا پہنچی۔ اسے عواطف کی شخصیت میں سلف کی نیکوکار اور صاحبِ عزیمت خواتین کا عکس نظر آنے لگا...... عبدالعزیز اپنے جذباتِ مسرت پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ کوشش کے باوجود اپنے اشکِ رواں پر قابو نہ پا سکا...... یہ خوشی کے آنسو تھے...... عواطف کے حق میں!...... اس محترم خاتون کے ایمان کی محکمی اور عزیمت و استقامت سے جگمگاتی ہوئی زندگی سے متاثر ہو کر اس کی آنکھیں آنسوؤں کا نذرانہ پیش کر رہی تھیں!

عبدالعزیز کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے اور کیا نہ کہے اسی دوران محمد کی آواز گونجی: "شیخ عبدالعزیز! اب تم ہی ہم دونوں کے لیے فیصلہ سنا دو۔ ہم تمہارے فیصلے پر راضی رہیں گے۔"

عبدالعزیز نے کہا: "میں کیا فیصلہ سناؤں؟...... تمہاری زندگی کے سارے پردے چھلنی ہو گئے' سارے نقاب اُٹھ گئے۔ تمہاری صاحبِ ایمان و عمل اور لائقِ تعظیم بیوی نے

تمہارے کردار کی کتاب کے سارے اوراق کھول دیئے۔ کوئی اُلجھاؤ اور کوئی پیچیدگی باقی نہیں رہی اب تمہیں اپنی زندگی میں بنیادی تبدیلی پیدا کرنا ہوگی یا تو تم اپنے کرتوتوں سے توبہ کرو' سچے اور کھرے مسلمان بن جاؤ اور اچھے شوہر کی طرح عواطف کے ساتھ زندگی بسر کرو ورنہ اپنی مومنہ بیوی کو طلاق دے دو تاکہ وہ اپنے گھر والوں کے پاس واپس چلی جائے...... اس کے علاوہ تیسری کوئی صورت نہیں......"

محمد کا سر جھک گیا' زبان گنگ ہوگئی' کاٹو تو لہو نہیں۔ آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ وہ کچھ دیر اسی طرح سکتے کی حالت میں رہا...... کبھی خلا میں گھورتا' کبھی زمین کی طرف نگاہ جھکا لیتا اس کی آنکھیں پگھلتی اور آنسو برساتی رہیں...... پھر جیسے اس کی سوئی ہوئی خودشناسی بے دار ہوگئی ہو...... یکایک اس نے اپنا سر اُٹھایا اور سسک کر بولا: "میری عظیم بیوی عواطف!...... میں اتنے دِنوں سے مریض تھا...... نشے کا عادی ہو چکا تھا...... بلاشبہ تم نے مجھے اسلامی آداب کی روشنی دِکھلائی...... میں گمراہی کی راہ پر تھا' تم نے مجھے ہدایت کی راہ دِکھائی...... میں مدہوش تھا' تم نے میرے حواس بحال کردیئے...... میں تباہی کے سمندر میں ڈوبنے والا تھا' تم نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے غرق ہونے سے بچالیا...... تم نے مجھے اتنا قیمتی سبق دیا ہے کہ میں اسے زندگی بھر فراموش نہیں کرسکتا...... جب تم نے مجھے سرد طوفانی رات میں گھر میں داخل نہیں ہونے دیا اور مجھے حقارت سے دُھتکارا تو بلاشبہ تم میرے معاملے میں سخت دل تھیں مگر سچی بات یہ ہے کہ وہ وقت تھا ہی ایسا کہ تم میرے ساتھ نرمی کے بجائے سخت رویہ اختیار کرتیں...... نرمی کے ساتھ ایسا گرم رویہ بھی بسا اوقات پرانے مرض کے ازالے کے لیے تیر بہدف ثابت ہوتا ہے...... لو میں آج اور ابھی تمہارے اور شیخ عبدالعزیز کے سامنے اللہ تعالیٰ سے عہد کرتا ہوں کہ میں نے آج سے ہمیشہ کے لیے شراب چھوڑ دی...... میں ہر وہ کام ترک کرنے کا وعدہ کرتا ہوں جس سے میرا پروردگار ناراض ہوتا ہے...... میری قیمتی بیوی عواطف!...... مجھ سے تم جیسی عظیم بیوی کی جدائی برداشت نہیں ہو سکتی...... تم بڑی خوشی سے میرے ساتھ رہو...... آج کے بعد میں کبھی نماز نہیں چھوڑوں گا اور اپنے ایمان واخلاق کو سنوارنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کروں گا......"

شیخ عبدالعزیز کو یقین ہو چلا تھا کہ اب عواطف اور اس کے شوہر محمد میں مصالحت ہو چکی ہے چنانچہ اس نے ان کے پاس مزید ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھا۔ محمد نے انتہائی گرم جوشی کے ساتھ اسے الوداع کہا پھر اس کی زندگی میں انقلاب آ گیا اور دونوں میاں بیوی ہنسی خوشی زندگی بسر کرنے لگے۔

عبدالعزیز واپس ہوٹل آ گیا۔ وہ وقتاً فوقتاً محمد سے ٹیلی فون پر رابطہ کرتا رہا۔ ایک دن اسے معلوم ہوا کہ محمد ہسپتال میں داخل ہے، وہ عیادت کی غرض سے ہسپتال گیا اور اس نے محمد کی مزاج پرسی کی۔ عواطف اپنے شوہر کا ہاتھ تھامے اسے بڑی محبت اور ہمدردی سے دیکھ رہی تھی۔ وہ کامل پردے میں تھی...... عبدالعزیز نے عواطف سے محمد کے بارے میں پوچھا۔ عواطف نے بتایا کہ بلاشبہ محمد نے اپنے وعدے کا لحاظ رکھا اور اب وہ اخلاق و کردار کی بلندی پر ہے...... کچھ دنوں پہلے جس محمد کو میں نے دیکھا تھا وہ کوئی اور چیز تھا اب وہ یکسر بدل گیا ہے اور انتہائی دین دار بن چکا ہے...... حتیٰ کہ ہسپتال میں بھی اس نے نماز ترک نہیں کی...... آخر میں عواطف نے نہایت احترام سے عبدالعزیز کا شکریہ بھی ادا کیا......

ابوالقعقاع محمد بن صالح بن اسحاق نے اپنی کتاب ''قصص من الواقع'' ص ۱۶۹/۱۵۶ میں اس واقعہ کو مجاہد الصواف کی کتاب ''أعلی الخمر أفطر'' سے نقل کیا ہے اور اس میں بہت تصرف سے کام لیا ہے۔ میں نے ابوالقعقاع کی کتاب کی مدد سے اسے اردو کے قالب میں ڈھالا ہے تاکہ اردو دان حضرات بالخصوص ہماری محترم خواتین اس سے استفادہ کریں۔ (سنہرے نقوش)

(۱۴۴)

ایک سید سائل

حضرت جلال الدین جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہم کے رشد وہدایت کے زمانے میں ان کی خانقاہ میں دن بھر جتنی چیزیں آتیں' رات تک تقسیم کر دی جاتیں۔ فرماتے یہی ترک وتجرید باطن میں محبت پیدا کرتی ہے پھر محبوب کے سوا کسی اور چیز کی طلب نہیں ہوتی جب کوئی چیز پاس نہیں ہوتی تو قرض لے کر مدد فرماتے اور کہتے کہ حاجت کے وقت مسلمان اور کافر سے قرض لینا درست ہے۔ ایک بار ایک سید آئے اور اپنے لیے کفن کا کپڑا مانگا اس وقت کوئی کپڑا نہ تھا اور نہ دام تھے۔ جاڑے کا بستر موجود تھا' خادموں سے فرمایا: ''جاڑے کا موسم ختم ہو چکا ہے' بستر سے روئی نکال لو اور کپڑا کفن کے لیے دے دو۔ روئی بیچ کر دام رکھ لو تاکہ درویشوں کے وظیفہ کے کام آئے۔''

یہ کہہ کر نماز پڑھنے لگے۔ خادم خاص نے ایسا ہی کیا اور کہنے لگا: قطب عالم کیسی شفقت رکھتے ہیں۔''

پھر یہ آیت پڑھی: وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔

حضرت جلال الدین نے آیت سنی تو نماز توڑ دی اور فرمایا: ''یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے حق میں ہے کسی اور کے لیے نہیں ہو سکتی۔''

(الدر المنظوم' ص ۳۵۲' بحوالہ ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں' ص ۱۴۱۔۱۴۲)

(۱۴۵)

نماز باجماعت کی فضیلت اور آسمانی زنجیر

حضرت سیدنا عبیداللہ بن عمر قواریری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' میں نے ہمیشہ عشاء کی نماز باجماعت ادا کی مگر افسوس! ایک مرتبہ عشاء کی جماعت فوت ہوگئی اس کا سبب یہ ہوا کہ میرے ہاں ایک مہمان آیا' میں اس کی خاطر مدارات (مہمان نوازی) میں لگا رہا۔ فراغت کے بعد جب مسجد پہنچا تو جماعت ہو چکی تھی اب میں سوچنے لگا کہ ایسا کون سا عمل کیا جائے جس سے اس نقصان کی تلافی ہو۔ یکا یک مجھے اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ عالی شان یاد آیا: ''باجماعت نماز' منفرد کی نماز پر اکیس درجے فضیلت رکھتی ہے اسی طرح پچیس اور ستائیس درجے فضیلت کی حدیث بھی مروی ہے۔''

(صحیح البخاری کتاب الاذان' باب فضل صلاۃ الجماعۃ' الحدیث ۶۴۵۔۶۴۶' ص ۵۲' ''لم احد'' باحدی وعشرین)

میں نے سوچا اگر میں ستائیس مرتبہ نماز پڑھ لوں تو شاید جماعت فوت ہو جانے سے جو کمی ہوئی وہ پوری ہو جائے۔ چنانچہ میں نے ستائیس مرتبہ عشاء کی نماز پڑھی پھر مجھے نیند نے آلیا۔ میں نے اپنے آپ کو چند گھڑ سواروں کے ساتھ دیکھا' ہم سب کہیں جا رہے تھے' اتنے میں ایک گھڑ سوار نے مجھ سے کہا: ''تم اپنے گھوڑے کو مشقت میں نہ ڈالو' بے شک تم ہم سے نہیں مل سکتے۔'' میں نے کہا: ''میں آپ کے ساتھ کیوں نہیں مل سکتا؟''

کہا: ''اس لیے کہ ہم نے عشاء کی نماز باجماعت ادا کی ہے۔'' (عیون الحکایات)

مسلمانو! باجماعت نماز کی سعادت بہت بڑی دولت ہے' نیکیوں کے حریص کے لیے

جماعت سے محروم ہونا ایسا نقصان ہے جس کی تلافی بہت مشکل ہے اس بزرگ کا جذبہ دیکھیں کہ ایک مجبوری کی بناء پر ان کی جماعت نکل گئی تو انہوں نے اپنی نماز ستائیس مرتبہ اس امید پر دُہرائی کہ شاید مجھے جماعت کی فضیلت مل جائے لیکن ایسا نہ ہوا۔ جماعت کی اپنی ہی برکتیں ہیں اور جو وقت ہاتھ سے نکل جائے پھر حاصل نہیں ہوتا۔ بقولِ شاعر

سدا عیش دوراں دِکھاتا نہیں
گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

☆......حضرت سیدنا حذیفہ بن قتادہ مرعشی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے:

''ہمارا بحری جہاز جھومتا ہوا سوئے منزل چلا جا رہا تھا' مسافروں کی نظریں اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی اشیاء کو دیکھ رہی تھیں' سمندر کا سکوت ماحول کو سوگوار بنا رہا تھا اچانک تند و تیز ہواؤں نے جہاز کو تباہ کر دیا۔ مسافروں میں سے ایک عورت اور میں جیسے تیسے ایک ٹوٹے تختے تک پہنچ کر اس پر بیٹھ گئے۔ ہم سات دن کے بھوکے پیاسے آسمان کی چھت تلے سمندر کے سینے پر تختے کے سہارے اِدھر اُدھر گھومتے رہے۔ پیاس کی ماری عورت نے مجبور ہو کر کہا: ''میں بہت پیاسی ہوں اگر کچھ کر سکتے ہو تو کرو۔''

مجھے اس پر بڑا ترس آیا۔ میں نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: ''یا اللہ! اس بے کس و مجبور عورت کی پیاس بجھا دے۔''

ابھی میں دعا سے فارغ بھی نہ ہوا تھا کہ آسمان سے ایک زنجیر آئی جس کے ساتھ عمدہ پانی سے بھرا ایک ڈول لٹک رہا تھا۔ عورت نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے وہ پانی پی لیا۔ میں اس زنجیر کو دیکھنے لگا۔ مجھے فضا میں ایک شخص بیٹھا ہوا دِکھائی دیا۔ میں نے اس سے پوچھا: ''تم کون ہو؟'' کہا: ''میں ایک انسان ہوں۔''

میں نے کہا: ''تمہیں یہ مرتبہ کس عمل کے سبب ملا؟''

کہا: ''میں نے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو اپنی خواہشات پر ترجیح دی تو اس پاک پروردگار نے مجھے وہ مقام عطا فرمایا جو تم دیکھ رہے ہو۔'' (ایضاً)

(۱۴۶)

دین کے بدلے دنیا اور اللہ تعالیٰ کی حکمت

نقل ہے کہ ایک شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں لوگوں سے حدیث بیان کرتا تھا' وہ کہتا تھا: "مجھ سے موسیٰ کلیم اللہ نے حدیث بیان کی اور مجھ سے نجی اللہ نے حدیث بیان کی اور مجھ سے صفی اللہ نے حدیث بیان کی۔"

چنانچہ اسی طرح عرصہ دراز گزر گیا اور موسیٰ علیہ السلام نے اس کو نہیں دیکھا اس کے بعد ایک شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اس کے ساتھ ایک سور سیاہ رسی سے بندھا تھا اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی: "اے نبی اللہ! کیا آپ فلاں شخص کو پہچانتے ہیں؟"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: "ہاں! وہ شخص یہی سور ہے۔"

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے یہ عرض کیا: "اس کو اس کی پہلی حالت پر لوٹا دے تاکہ اس سے وہ پوچھیں کہ اس کے ساتھ یہ کس وجہ سے کیا گیا۔"

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: "اے موسیٰ! اگر تم مجھ سے اس دعا کے ساتھ وہ دعا کرتے جو آدم علیہ السلام اور جو لوگ ان کے بعد تھے' انہوں نے کی تھی تب بھی میں تمہاری دعا کو اس بارے میں قبول نہ کرتا لیکن میں تم کو خبر دیتا ہوں کہ میں نے اس کے ساتھ ایسا کیوں کیا' اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ شخص دین کے بدلے دنیا کھاتا اور کماتا تھا۔" واللہ اعلم (قلیوبی)

☆...... بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کبروندا (غلاظت کا کیڑا) دیکھا۔ کہا کہ یہ بُری مخلوق ہے نہ تو اس کی صورت اچھی ہے نہ اس کی بو پاکیزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی پیدائش میں کیا مقصود رکھا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک ایسے زخم میں مبتلا کیا کہ

اس سے اطباء عاجز ہو گئے یہاں تک کہ وہ شخص اس کے اچھے ہونے سے مایوس ہو گیا۔ ایک دن اس نے ایک فال نکالنے والے کی آواز سنی جو گلیوں میں آواز دیتا تھا۔ بیمار نے کہا کہ اس کو میرے پاس لاؤ تا کہ وہ میرے کام میں نظر کرے۔ لوگوں نے اس سے کہا: ''تم اس فال نکالنے والے کو کیا کرو گے حالانکہ تمہاری بیماری سے اطباء ماہرین عاجز ہو چکے ہیں؟''

اس نے کہا: ''میرے پاس اس کی حاضری ضروری ہے۔''

چنانچہ لوگوں نے اس کو حاضر کیا جب نے زخم دیکھا تو یہ درخواست کی کہ لوگ اس کے پاس گبروندا لائیں (یہ سن کر) حاضرین ہنسے لیکن اس بیمار نے اپنا وہ قول یاد کیا جو گبروندا کے دیکھنے کے وقت اس کے دل میں گزرا تھا' اس نے لوگوں سے کہا: ''جو کچھ اس نے طلب کیا ہے اس کو حاضر کرو اس لیے کہ یہ آدمی اپنے کام میں بصیرت اور راہِ راست پر ہے۔''

چنانچہ لوگوں نے گبروندا اس کے سامنے حاضر کر دیا اس نے اس کو جلایا اور اس کی راکھ کو زخم پر چھڑکا بحکمِ الٰہی وہ زخم اچھا ہو گیا اس کے بعد بیمار نے حاضرین سے کہا:

''تم لوگ یاد رکھو کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ مجھے یہ بتلا دے کہ اس کی ذلیل ترین مخلوقات میں بہترین دوا ہے۔ اللہ حکمت والا اور باخبر ہے۔''

(ایضا)

سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بھی بے مقصد و بے فائدہ پیدا نہیں فرمائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (البقرہ)

وہی ہے جس نے زمین کی تمام چیزیں تمہارے فائدے کے لیے بنائی ہیں۔

(۱۴۷)

ایک طالبِ علم کا حال

استاد حدیث امام فرادی کا بیان ہے کہ وہ میرے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہوں۔ مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب میں یہ بشارت دی ہے کہ تم جا کر امام فرادی کو میرا پیغام پہنچا دو کہ تمہارے پاس ایک گندمی رنگ کا طالبِ علم (ابن عساکر) میری حدیثوں کی طلب میں آیا ہے لہٰذا تم اس سے کبھی اُکتانا مت۔ چنانچہ اس بشارت کے مطابق جب ابن عساکر امام فرادی کی درس گاہ میں آئے تو امام فرادی ان کی تعظیم میں اس قدر توجہ فرماتے تھے کہ جب تک ابن عساکر خود نہیں اُٹھ جاتے تھے۔ امام فرادی درس سے کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ چنانچہ ابن عساکر مختلف شہروں میں جا کر ایک ہزار تین سو شیوخ سے حدیثیں سن کر بہت ہی نامور و بے مثال محدث ہو گئے اور بڑی بڑی ضخیم اور مفید کتابوں کے مصنف ہوئے۔

ابن عساکر درسِ حدیث اور تصنیفات کے مشاغل کے باوجود ذوقِ عبادت اور کثرت نوافل میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ جماعت اور تلاوت کے انتہائی پابند تھے۔ ہر رات ختم قرآن مجید مکمل پڑھتے تھے اور ہر سال رمضان شریف میں مسجد اقصیٰ کے منارہ شرقیہ میں اعتکاف کرتے تھے اور ہر وقت اپنے نفس کا محاسبہ کرتے رہتے تھے۔ ملک شام کے رہنے والے تھے۔ ۵۷۱ھ میں یہ علم و عمل کا آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۲۳)

(۱۴۸)

جن کو مل کر زندگی سے پیار آ جائے وہ لوگ

حضرت مولانا شاہ فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کا اخلاق نہایت اعلیٰ تھا' آپ خندہ پیشانی سے ملا کرتے تھے' کسی کو مصیبت میں دیکھتے تو اس وقت تک چین نہ پاتے جب تک کہ اس کی مدد کر کے اس کی حاجت روائی نہ کر دیتے۔ ایک مرتبہ ارادۂ حج سے روانہ ہوئے مگر راستہ میں ایک بڑھیا نے سوال کیا اور عرض کیا: ''مجھے اپنی لڑکی کی شادی کرنی ہے اور میرا یہ حال ہے کہ فاقہ کرتی ہوں اگر آپ دست گیری فرمائیں تو میں اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔''

شاہ صاحب نے اس کی داستان سن کر سفرِ حج کا سارا خرچ اس کے حوالے کیا اور دہلی واپس آ گئے۔ آپ طبعاً اس قدر رحیم تھے کہ کسی کو آزردہ اور ملول نہیں دیکھ سکتے تھے۔ آپ کے حسنِ اخلاق سے دشمن تک متاثر ہوتے تھے۔ (مناقب فخریہ)

ایک مرتبہ ایک افغانی نے آپ کی خانقاہ میں آ کر آپ پر حملہ کر دیا۔ خدام نے اس کو پکڑ کر قابو کر لیا۔ آپ نے حکم دیا کہ اس کو چھوڑ دو اور اپنا سر مبارک زمین پر ڈال کر فرمایا: ''ہم حاضر ہیں تم جو چاہو کر گزرو اب تمہیں کوئی نہیں روکے گا۔''

وہ شخص اس وقت تو چلا گیا مگر تھوڑی دیر کے بعد دو ساتھی لے کر پھر آیا۔ آپ فوراً حسبِ عادت ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے اور ان کی خیریت معلوم کی اس مرتبہ آپ کے اخلاق نے پورے طور پر کام کیا۔ وہ تینوں آپ کے قدموں پر گر گئے اور اپنے ناپاک ارادوں کی معافی مانگ کر تلافی کی۔

(تاریخ مشائخ چشت' ص ۴۸۳ طبع کراچی' اسلام کی زندہ تحریک چشت'' عبدالغفور غوری'' ص ۱۸۷)

ذکرِ مولیٰ از ہمہ اولیٰ

☆......حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں لکھا ہے:

''حضرت اورنگ آبادی کی خانقاہ کے دس دروازے تھے' ہر در پر ایک کاتب بیٹھا رہتا تھا جو حاجت مند آتا اس کی حاجت کو لکھ کر دے دیتا اس پر حضرت کی مہر لگا دی جاتی تھی جس کا سجع تھا۔

ذکر مولے از ہمہ اولے
در رعایت دلہا بکوش
نظام دین بدنیا مفروش

حاجت مند یہ پرچہ جس امیر کے پاس لے جاتا' وہ اس کی حاجت براری کو اپنے لیے سعادت دارین سمجھتا تھا۔ خانقاہ کے دروازے ہر شخص کے لیے کھلے ہوئے تھے۔

(تاریخ مشائخ چشت' ص ۴۳۷ بحوالہ فخر الطالبین)

☆......شیخ نور الحق جو بڑے صاحبِ کرامت بزرگ تھے' اپنے والد محترم کی خانقاہ کے درویشوں اور فقیروں کی خدمت کرتے تھے' ان کے کپڑے بھی اپنے ہاتھ سے دھویا کرتے تھے۔

ایک روز آپ کے والد شیخ علاؤ الدین نے کہا: ''نور الحق دیکھو یہ عورتیں جہاں پانی بھرتی ہیں' وہ زمین گیلی ہونے کے سبب چکنی ہو گئی ہے جس کی وجہ سے پاؤں پھسلنے اور گھڑوں کے ٹوٹنے کا اندیشہ ہے اس لیے تم بھرے ہوئے گھڑوں کو اپنی گردن پر اٹھا کر ان عورتوں کو باہر لا کر دیا کرو۔''

چنانچہ شیخ نور الحق رحمۃ اللہ علیہ نے یہ خدمت چار سال تک انجام دی اس حالت پر بنگالی لوگ آپ پر ہنسا کرتے تھے۔ (اخبار الاخیار' ص ۳۲۹)

در رعایت دلہا بکوش

کھانا کھلانے کی فضیلت کا ذکر ہونے لگا آپ (خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا:

''خلق کو کھانا کھلانا بڑی اچھی بات ہے۔''

اس سلسلے میں آپ نے فرمایا: ''خواجہ علی پسر خواجہ بزرگ شیخ رُکن الدین چشتی ...... اللہ تعالیٰ ان سب کی عاقبت بخیر کرے۔ تاتاری کافروں کی چڑھائی کے موقع پر گرفتار ہو گئے انہیں چنگیز خان کے سامنے لے جایا گیا۔ آپ کے خانوادہ طریقت کے مریدوں میں سے ایک شخص وہاں موجود تھا اور وہاں وہ اثر ورسوخ بھی رکھتا تھا جب اس نے خواجہ علی کو اسیر دیکھا تو حیران رہ گیا اس نے اپنے دل میں سوچا کہ ان کی رہائی کا کیا طریقہ ہو سکتا ہے اور میں ان کا چنگیز خان کے سامنے کس طرح ذکر کروں؟ اگر میں کہوں کہ یہ اصحابِ کرامات اور اہلِ فضیلت کے خاندان سے ہیں تو وہ کیا سمجھے گا اور اگر میں ان کی اطاعت وعبادتِ الٰہی کا ذکر کروں تو یہ چیز بھی مؤثر نہیں ہوگی۔ الغرض کافی سوچ وبچار کے بعد وہ چنگیز خان کے پاس گیا اور اس سے کہا: ''اس شخص کا باپ ایک بزرگ آدمی تھا' وہ لوگوں کو کھانا کھلایا کرتا تھا' اسے رہا کر دینا چاہیے۔'' چنگیز خان نے پوچھا: ''وہ اپنے لوگوں کو کھانا کھلاتا تھا یا بے گانوں کو؟''

اس آدمی نے کہا: ''بے گانوں کو۔ اپنے لوگوں کو تو ہر شخص کھانا کھلاتا ہے اس شخص کا باپ بے گانوں کو کھانا کھلاتا تھا۔''

چنگیز خان اس بات سے بہت خوش ہوا اور کہا: ''وہ شخص کتنا اچھا تھا جو بے گانوں کو کھانا کھلاتا تھا۔''

پس اسی وقت حکم دیا کہ انہیں رہا کر دیا جائے۔ چنگیز خان نے انہیں خلعت بھی دی اور ان سے معذرت بھی کی۔

(فوائد الفواد اردو ترجمہ پروفیسر محمد سرور ص ۷۲-۷۳)

(۱۴۹)

فقراء کے تین کامیاب طبقے

حضرت سیدنا عباس بن دہقان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت سیدنا احمد بن زیات رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا: ''ایک مرتبہ میں حضرت سیدنا بشر بن حارث حافی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضر تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ صبر و رضا کا درس دے رہے تھے اچانک ایک صوفی نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو مخاطب کر کے کہا: ''اے ابونصر رحمۃ اللہ علیہ! کہیں تم حب جاہ کی خاطر تو لوگوں کے سامنے نیک اعمال نہیں کرتے؟ اگر تم زُہد میں کامل ہو گئے ہو تو دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لو اور لوگوں کے عطیات وغیرہ قبول کر و تا کہ ان کے نزدیک تمہارا جو مقام ہے اس میں کمی واقع ہو۔ ان کی طرف سے جو چیزیں تمہیں بطورِ نذرانہ ملیں انہیں فقراء پر خرچ کر دو اور توکل کی رسی مضبوطی سے تھام لو اگر ایسا کرو گے تو غیب سے رزق دیا جائے گا۔''

اس صوفی کا یہ اندازِ گفتگو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے معتقدین پر بہت گراں گزرا لیکن وہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ادب کی وجہ سے خاموش رہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

''اے اللہ عزوجل کے بندے! بے شک فقراء تین طرح کے ہوتے ہیں:

۱) ایک فقیر تو وہ ہے جو سوال نہیں کرتا اگر بغیر سوال کیے کچھ مل جائے تو اسے بھی قبول نہیں کرتا۔ ایسا شخص پاکیزہ خصلت ولی ہے جب وہ اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا سوال کرتا ہے تو رحمٰن و رحیم پروردگار اس کی طلب پوری فرما دیتا ہے اگر وہ کسی بات کی قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو پورا فرما دیتا ہے۔

۲) دوسرا فقیر وہ ہے جو سوال تو نہیں کرتا لیکن بغیر سوال کیے کچھ مل جائے تو قبول کر لیتا

ہے۔ ایسا شخص اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والوں میں درمیانی درجہ پر ہے۔ یہ ان لوگوں میں سے ہے جنہیں حضوریٔ دربارِ الٰہی کی عظیم نعمت حاصل ہے۔

۳) تیسرا فقیر وہ ہے جو صبر پر یقین رکھتا ہے اور بسا اوقات حالات سے بھی موافقت کر لیتا ہے جب اسے کوئی شدید حاجت درپیش ہوتی ہے تو لوگوں سے بقدرِ حاجت لے لیتا ہے لیکن اس کا دل اللہ تعالیٰ ہی سے مانگ رہا ہوتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ سے کیے جانے والے سوال کی سچائی، مخلوق سے کیے ہوئے سوال کا کفارہ ہو جاتی ہے اور فقراء کے یہ تینوں طبقے کامیاب ہیں۔" (عیون الحکایات)

(۱۵۰)

جہنم سے فرار

اس واقعہ کا راوی محمد صغیر بیان کرتا ہے:

''میں جس زمانے کا ذکر کر رہا ہوں اس وقت میں چھوٹا سا تھا' بہت ہی چھوٹا...... مجھے کچھ معلوم نہ تھا کہ گھر میں کیا ہو رہا ہے۔ میں نے جب بھی اپنے والد محترم کو دیکھا' نہایت پریشان حال دیکھا۔ مضطرب' لاچار' ہمیشہ کسی گہری سوچ میں مبتلا' ان کے لبوں پر شاید ہی کبھی مسکراہٹ آئی ہو' ان کے چہرے پر آئے دن مردنی چھاتی جا رہی تھی۔

میں جب بھی سکول سے واپس آتا' والد کو انجیل مقدس کے وہ حصے سناتا جو میں سکول سے یاد کر کے آتا تھا۔

چینی زبان کے کلمات بھی سناتا تھا جو میں نئے نئے سیکھ کر آتا تھا۔ میرا والد کچھ دیر میری گفتگو سنتا پھر گھر کے آخری کمرے میں چلا جاتا وہی کمرہ جس میں کسی کو جانے کی اجازت نہ تھی...... پُراسرار کمرہ!

وہ وہاں خاصی دیر تک رہتا' معلوم نہیں وہ وہاں کیا کرتا تھا۔ میرا والد جب کمرے سے نکلتا' میں اسے غور سے دیکھتا اس کی آنکھیں سرخ ہوتیں۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کافی دیر تک روتا رہا ہے۔ بعض اوقات وہ مجھے سامنے بٹھا کر تکتا رہتا تھا اس کے ہونٹ ہلتے تھے اور بعض کلمات زبان سے ادا ہوتے تھے مگر وہ میری سمجھ میں نہیں آتے تھے' سمجھ میں آتے بھی کیسے؟ میں اس وقت چھوٹا تھا نا' بہت چھوٹا۔ سو میرا والد مجھ سے کچھ کہے بغیر اُٹھ جاتا اور دُور نکل جاتا۔

میری والدہ مجھے سکول چھوڑنے میرے ساتھ جاتی تھی' وہ بھی ہمیشہ پریشان رہتی' اس

کی آنکھیں بھی آنسوؤں سے بھری ہوتیں جب میں سکول سے آتا تو مجھے اپنے سینے سے یوں چمٹا لیتی گویا میں ایک مدت سے بچھڑا ہوا تھا۔ میرے بوسے لیتی اور وہ مجھے پیار کرتے کبھی نہ تھکتی تھی۔

میرے والدین بعض اوقات مجھ سے علیحدہ ہوتے تو عجیب سی زبان میں پُراسرار گفتگو کرتے تھے۔ یہ زبان یقیناً چینی زبان نہیں تھی جب میں ان کے پاس جاتا' وہ فوراً گفتگو کا رُخ بدل کر چینی زبان میں گفتگو کرنے لگتے۔ مجھے ان کی حرکات پر بڑا تعجب ہوتا تھا۔ بھلا مجھ سے کچھ چھپانے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا میں ان کا بیٹا نہیں ہوں؟ ممکن ہے میں ان کا حقیقی بیٹا نہیں ہوں۔ میں یہ بات کبھی کبھی سوچتا اور بہت روتا۔

اس طرح میرا ایک خاص مزاج بن گیا۔ ہاں! خاص مزاج' دوسرے بچوں سے بہت مختلف۔ میں چھوٹی عمر ہی میں بے حد سنجیدہ ہو گیا' کھیل کود سے نفرت تھی' کم ہی باہر نکلتا تھا' میری عمر کے بچے سڑکوں پر' گلیوں میں کھیلتے کودتے رہتے تھے مگر میں گھر سے باہر نہیں جاتا تھا۔ میں اکیلا بیٹھ کر سوچتا رہتا تھا' گھر کے حالات پر غور و فکر کرتا تھا' مجھے ان سوالات کا جواب درکار تھا جو میرے ذہن میں ہر وقت ہلچل مچائے رکھتے تھے حتیٰ کہ میری ٹیچر ''خوری'' آجاتی۔ وہ میرا بازو پکڑ کر کھینچتی کہ چلو یسوع مسیح کی عبادت کے لیے کلیسا چلتے ہیں۔ مجھے وہ دن نہیں بھولتا جب میرا نیا بھائی اس دنیا میں آیا عموماً جب کسی کے ہاں نومولود آتا ہے تو سارے گھرانے میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ میرا پیارا سا بھائی' وہ بڑا ہی خوب صورت تھا۔ سفید رنگ' خوب صورت نقش و نگار' میں اسے دیکھتا ہی رہ گیا مگر میں نے دیکھا کہ میری والدہ رو رہی ہیں۔ والد کو بھی میرے بھائی کی پیدائش کی کوئی خوشی نہیں ہوئی۔ ان کے چہرے پر مسکراہٹ کے بجائے اُکتاہٹ تھی پھر میں نے دیکھا کہ میرا والد پاؤں پٹختا ہوا ''خوری'' کی طرف چلا گیا۔ اسے لے کر آیا تاکہ وہ ''بچے کو بپتسمہ دے'' خوری آئی تو وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے آیا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا' پریشان حال' نہایت غم زدہ' اسے نومولود کی آمد کی کوئی خوشی نہ تھی۔

پھر وہ دن آیا جب ہمارے ہاں ''ایسٹر'' کا جشن تھا۔ یہ عیسائیوں کا مشہور تہوار ہوتا ہے'

سارا غرناطہ بقعہ نور بنا ہوا تھا' شہر میں زبردست شوروغل تھا' بہت بڑا جلوس تھا' الحمرا کی فصیلوں سے روشنی پھوٹ رہی تھی اس کے میناروں پر قدِ آدم صلیبیں نصب تھیں۔

ایک دن والد نے مجھے آدھی رات کو جگا دیا' پورا گھر سویا ہوا تھا' وہ خاموشی سے مجھے اس کمرے میں لے گیا جہاں راتوں کو عبادت کیا کرتا تھا۔ میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا گو کہ میں چھوٹا تھا مگر گھر کے ماحول نے مجھے خاصہ بڑا کر دیا تھا۔ میں بڑے اضطراب کے ساتھ خوف زدگی کی حالت میں والد کے ساتھ ساتھ اگلے کمرے میں جا رہا تھا' ہم وہاں پہنچے تو والد نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا اب وہ چراغ تلاش کر رہا تھا جب والد نے چراغ جلایا تو میں نے کمرے کا جائزہ لیا۔

یہ وہی پُراسرار کمرہ تھا جسے دیکھنے کا میں مدتوں سے مشتاق تھا' میرا خیال تھا کہ وہ طرح طرح کے نوادر وغرائب سے بھرا ہوگا مگر یہ تو بالکل خالی تھا۔ بس ایک طرف میز پر ایک کتاب رکھی ہوئی تھی' دیوار پر تلوار لٹک رہی تھی' ایک طرف مسند تھی۔ والد نے مجھے اس مسند پر بیٹھنے کا اشارہ کیا پھر وہ خود بھی اسی مسند پر ایک طرف بیٹھ گیا۔ خاصی دیر تک ہم دونوں خاموش رہے۔

میرا والد مجھے عجیب وغریب نظروں سے دیکھتا رہا' رات کا اندھیرا' پُراسرار ماحول' میں خوف زدہ تھا' والد نے آگے بڑھ کر بڑے پیار سے میرا ہاتھ پکڑا اور بولا:

"میرے پیارے بیٹے! تمہاری عمر دس سال سے تجاوز کر چکی ہے اب تم جوان ہو چلے ہو۔ آج میں تمہیں ایک ایسے راز سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں جسے آج تک تم سے چھپاتا آیا ہوں۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ تم بھی اس راز کو راز ہی رہنے دو؟ میرے پیارے بیٹے! اس راز کو مکمل طور پر چھپائے رکھنا۔ اپنی والدہ سے' اپنے عزیز واقارب' دوستوں اور دیگر سب لوگوں سے چھپائے رکھنا' ہرگز کسی کو نہ بتانا اگر تم نے کسی کو اس راز کا ذرا سا بھی اشارہ دے دیا تو خفیہ پولیس والے تمہارے باپ کی بوٹی بوٹی کر دیں گے۔"

جب میں نے خفیہ پولیس والوں کا نام سنا تو مجھ پر کپکپی طاری ہوگئی۔ ہر چند میں چھوٹا سا تھا مگر خوب جانتا تھا کہ یہ خفیہ والے کیا ہوتے ہیں۔ میں آئے دن ان کے ظلم وستم کے

مناظر دیکھتا تھا۔ سکول سے آتے ہوئے بارہا میں نے ان کا وحشیانہ ستم دیکھا۔ لوگوں کو سولی پر جھولتا دیکھا، جلتی ہوئی لاشیں دیکھیں، عورتوں کی بے حرمتی دیکھی، ان کے خاک آلود تڑپتے ہوئے بدن دیکھے۔ میرے سامنے یکے بعد دیگرے سارے مناظر گھوم گئے۔ میں پہلے ہی خاموش تھا اب بالکل گم سم ہو گیا۔

والد نے مجھے مخاطب کیا...... ''میرے سوال کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ کیا تم میرا راز چھپا لو گے؟'' میں نے کہا: ''جی ہاں کیوں نہیں؟ ضرور چھپا لوں گا۔''

والد نے کہا: ''کیا تمام لوگوں سے حتیٰ کہ اپنی والدہ سے بھی؟''

میں نے جواب دیا: ''بالکل! اپنی والدہ سے بھی۔''

پھر اس نے کہا: ''اچھا! ذرا میرے قریب ہو جاؤ، کان اچھی طرح کھول لو، میں اپنی آواز بہت دھیمی رکھنا چاہتا ہوں، دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں اگر میری باتیں خفیہ والوں نے سن لیں تو وہ مجھے زندہ جلا دیں گے۔''

میں اپنی جگہ سے کھسک کر والد کے قریب ہو گیا اور کہا: ''میں سننے کے لیے تیار ہوں۔''

والد نے سائیڈ ٹیبل پر رکھی ہوئی کتاب کی طرف اشارہ کیا اور پوچھا: ''میرے بیٹے! کیا تمہیں معلوم ہے یہ کون سی کتاب ہے؟'' میں نے کہا: ''نہیں!''

والد نے کہا: ''یہ اللہ کی کتاب ہے۔''

میں نے وضاحت چاہی: ''کیا یہ وہی کتاب مقدس ہے جو یسوع مسیح لے کر آئے تھے؟''

حق وصداقت کا اقرار

میرا باپ ذرا مضطرب ہوا پھر کہنے لگا: ''نہیں! یہ قرآنِ کریم ہے۔ یہ نہایت مقدس کتاب ہے، اسے اللہ رب العزت نے نازل فرمایا ہے۔ وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، وہ ساری مخلوق سے بے نیاز ہے۔ اس نے کسی کو جنا نہ وہ کسی سے جنا گیا اس کا کوئی ہمسر نہیں اس نے یہ کتاب دنیائے انسانیت کی سب سے افضل اور عظیم شخصیت سید الانبیاء محمد بن عبداللہ ﷺ پر نازل فرمائی۔''

دہشت کے مارے میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، میں کچھ نہ سمجھ سکا۔

والد نے مزید کہا: ''یہ کتاب اسلام کا سرچشمہ ہے، اسلام کا جس کی اللہ نے اپنے نبی محمد ﷺ کے ذریعے تکمیل فرمائی۔ وہ جگہ یہاں سے دُور ہے، سمندروں کے اس پار۔ صحراؤں سے دُور...... وادیوں سے دُور...... مکہ مکرمہ میں اس کا آغاز ہوا...... ایک ایسی قوم میں جو سرکش تھی، باغی تھی، مشرک تھی، جاہل تھی اس مقدس کتاب نے انہیں توحید کی دولت سے نوازا۔ اتحاد کی نعمت سے مالا مال کیا اور ساری دنیا کا امام بنا دیا۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں قوت، علم اور ترقی عطا فرمائی۔ یوں وہ قوم راہِ راست پر آ گئی۔ ایک رب کو ماننے والی بن گئی پھر اس نے تقویٰ کا راستہ اپنایا اور اپنا ایمان مضبوط کیا تو ساری دنیا ان کے قدموں تلے آتی چلی گئی۔ وہ مشرق و مغرب کو فتح کرتے کرتے یہاں اس جزیرہ نما میں آ گئے یہاں سپین میں۔ یہاں کا حاکم بڑا ظالم اور جابر تھا یہاں کے عوام نہایت مفلس اور قلاش تھے، ان میں علم اور تمدن نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ عرب کے باسیوں نے اس ظالم اور جابر حاکم کو قتل کیا، سفاک حکومت کا خاتمہ کیا، عادلانہ اور منصفانہ نظام قائم کیا، لوگوں کو چین اور سکون مہیا کیا، انہیں علم سکھایا، تمدن دیا اور پھر ایک لمبی مدت تک یہاں حکومت کی۔ جانتے ہو کتنے سال تک؟ آٹھ سو سال تک سپین پر ان مسلمانوں ہی کی حکومت کا پرچم لہراتا رہا۔ مسلمانوں نے اس خطۂ ارض کو دنیا کا سب سے زیادہ خوب صورت علاقہ بنا دیا یہاں ایسی عمارتیں تعمیر کیں کہ دنیا میں ان کی مثال نہیں ملتی۔

ہاں میرے بیٹے سنو! ہم عرب مسلمان ہیں۔''

میں اپنی زبان پر قابو نہ رکھ سکا، دہشت اور حیرت کے مارے میرا عجیب حال ہو گیا۔

باپ نے پُر جوش لہجے میں پوچھا: ''اب بتاؤ ہم کون ہیں؟''

میں نے تقریباً چلا کر کہا: ''ہم عرب مسلمان ہیں۔''

''ہاں میرے بیٹے! یہی وہ راز ہے جو میں تمہیں بتانا چاہتا تھا۔

مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

ہاں! ہم وہ ہیں جو اس ملک کے حاکم تھے...... یہ جو محلات تمہیں نظر آتے ہیں، یہ

ہمارے ہی بزرگوں نے بنائے ہیں' ان ایوانوں کی ایک ایک اینٹ میں ہمارے اسلافِ کرام کی ہنر مندیوں کا کمال اور محنت کا پسینہ جذب ہے اب ان پر ہمارے دشمنوں نے قبضہ کرلیا ہے۔ کبھی ان فلک بوس میناروں سے مؤذن کی مقدس صدا گونجا کرتی تھی۔ آج ان میناروں سے ناقوس کی صدائیں آتی ہیں۔ ہم نے بڑی خوب صورت مساجد تعمیر کیں جن میں پانچوں وقت مسلمان اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہوتے تھے۔ ان کی محرابوں سے کلام اللہ کی نورانی آوازیں سنائی دیتی تھیں اب انہیں گرجا گھروں میں تبدیل کردیا گیا ہے اب یہاں پادری اور بشپ انجیل پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔

ہاں میرے بیٹے سنو! ہم مسلمان عرب ہیں۔ سپین کی زمین کے ایک ایک چپے پر ہمارے اسلاف کے نقوش چمک رہے ہیں۔ ہمارے آباء واجداد نے اس سرزمین کو اپنے خون پسینے سے سینچا ہے اس سرزمین کے ذروں میں ہمارے شہداء کا خون جذب ہے...... ہاں! یہ خوب صورت شہر اور حسین بستیاں جو تمہیں نظر آتی ہیں ہماری ہی تعمیر کردہ ہیں...... یہ بڑے بڑے پل ہم نے ہی تعمیر کیے' یہ سڑکیں ہم نے ہی بنائیں' یہ خوب صورت باغ' قطار در قطار درخت یہ سب کچھ ہمارے ہی بزرگوں کی محنت کی مستند نشانایاں ہیں۔

مگر چالیس سال گزرے...... کیا تم سن رہے ہو؟...... میرا والد کہہ رہا تھا...... چالیس سال گزر گئے ہیں' ہمارا ایک حکمران...... ابوعبداللہ صغیر...... جو ملتِ اسلامیہ کا خائن تھا...... نے قوم اور اسلام کے ساتھ غداری کی...... جو اس ملک کا آخری مسلم حکمران تھا...... جس نے سپینیوں کے جھوٹے وعدوں پر اعتبار کرلیا اس نے غرناطہ کی چابیاں ان کے حوالے کردیں۔ اپنے آباء واجداد کے مدفن انہیں سونپ دیئے۔ ان کے محلات اور آبادیاں دشمنوں کے سپرد کردیں اور خود ذلیل وخوار ہوکر مراکش روانہ ہوگیا تاکہ وہاں مرجائے۔ ان لوگوں نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ مسلمانوں کو فکر وعمل کی آزادی ہوگی' ان کے ساتھ انصاف ہوگا' انہیں جینے کا حق دیا جائے گا' انہیں مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔

پھر جب حکومت ان کے ہاتھ میں آگئی تو انہوں نے خیانت کی۔ سارے وعدے پسِ پشت ڈال دیئے اور ''دیوانِ تفتیش'' کے نام سے ایک خفیہ محکمہ قائم کردیا' ہمیں زبردستی

عیسائی بنایا گیا' اپنی زبان ترک کرنے پر مجبور کیا گیا۔ ہم سے ہماری اولادیں چھین لی گئیں تا کہ ان کی نشو ونما عیسائی طریقے کے مطابق کی جا سکے۔ اس لیے تم نے دیکھا ہم خفیہ طریقے سے عبادت کرتے ہیں۔ تم دیکھتے ہو کہ ہم ہر وقت پریشان اور غم زدہ رہتے ہیں' آخر کیوں؟ اس لیے کہ ہماری اولاد کو زبردستی عیسائی بنالیا گیا ہے جس کی وجہ سے ہمارے سینوں میں گھاؤ پڑ گئے ہیں۔

چالیس سال گزر چکے' ہم یہ عذاب برداشت کر رہے ہیں اگر سنگلاخ پہاڑوں پر بھی یہ ظلم وستم ڈھائے جاتے تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ ہم اس وقت سے اللہ کی مدد کے منتظر ہیں کہ ظلم کی یہ سیاہ رات کب ختم ہوگی؟ ہم مایوس نہیں' ہرگز نہیں کیونکہ ہمارے دین میں مایوسی حرام ہے' ہمارا دین قوت کا دین ہے' صبر اور جہاد کا دین ہے۔

میرے بیٹے! یہی وہ راز تھا جو میں تمہیں بتانا چاہتا تھا۔ اسے بہر حال چھپا کر رکھنا' کسی فرد بشر پر ظاہر نہ کرنا' اچھی طرح جان لو کہ تمہارے والد کی زندگی اب تمہارے ہونٹوں کی بندش پر موقوف ہے۔ اللہ کی قسم! میں موت سے خوف زدہ نہیں' میں تو اپنے رب سے ملاقات کا آرزومند ہوں مگر میں کچھ عرصہ زندہ رہنا چاہتا ہوں تا کہ تمہیں تمہارے دین کی زبان سکھا سکوں' تمہارا دین بچا سکوں' تمہیں کفر کے اندھیروں سے نکال کر نورِ ایمان کی طرف لے جاؤں...... میرے بیٹے! رات ڈوب رہی ہے' ستارے آنکھیں میچ رہے ہیں اب اُٹھو...... اپنے بستر پر چلے جاؤ...... سو جاؤ میرے لعل!''

آتا ہے یاد مجھ کو گزرا ہوا زمانہ

اس کے بعد میری کیفیت ہی بدل گئی۔ میں جب بھی حمراء کے محلات کو دیکھتا یا غرناطہ کے سر بفلک میناروں پر نظر ڈالتا تو میرے دل کی کیفیت متغیر ہو جاتی کبھی تو ان محلات سے محبت بڑھ جاتی اور کبھی نفرت ہو جاتی...... میں بار بار وہاں کے چکر کاٹتا تھا اور انہیں دیکھ کر کہتا تھا: ''اے الحمراء!...... اے مسلمانوں کی عظمت کے امین!...... کیا تو اپنے بنانے والوں کو بھول گیا ہے؟ اپنے ان دوستوں کو جنہوں نے تمہیں بڑی محبت اور پیار سے تعمیر کیا۔ اپنے خون پسینے کی کمائی تم پر صرف کی' کیا ان کے درد بھول گئے ہو؟ کیا ان حکمرانوں کو بھول گئے

جو تمہارے بالا خانوں میں چہل قدمی کرتے تھے' تمہاری مسندوں میں تکیے لگا کر بیٹھتے تھے' جو بڑی عزت واکرام والے تھے؟ کیا تمہیں ناقوس کی ان گھنٹیوں سے پیار ہو گیا ہے؟ کیا تمہیں ان پادریوں سے محبت ہو گئی ہے؟ تم اپنے علمائے کرام کو بھول چکے ہو؟ میں پہروں کبھی اپنے آپ سے اور کبھی الحمراء کی پتھریلی دیواروں سے باتیں کرتا رہتا' کبھی میں خوف زدہ ہو جاتا جیسے یہ در و دیوار مجھے پیس ڈالیں گے۔

پھر میں ڈر کے مارے ارد گرد دیکھتا' کہیں کوئی جاسوس میرا پیچھا تو نہیں کر رہا پھر میں گھر کی طرف بھاگتا...... عربی زبان سیکھنے کے لیے' میرا والد ہی میرا معلم تھا' وہ مجھے عربی زبان سکھاتا۔ میں اس کے حروف لکھتا اس کے بولنے کا طریقہ اور سلیقہ سیکھتا اس کے قواعد معلوم کرتا پھر میں...... وضو کا طریقہ...... نماز...... روزے...... دیگر ارکانِ اسلام سیکھتا چلا گیا...... اور اس پُر اسرار کمرے میں خفیہ طور پر اپنے والد کی امامت میں نماز پڑھنے لگا۔

والد کو یہ خوف دامن گیر رہتا تھا کہ کہیں میں اس کا راز فاش نہ کر دوں۔ میری والدہ میرا امتحان لیتی اور اکثر پوچھا کرتی تھی: ''تمہارا والد تمہیں کیا پڑھاتا رہتا ہے؟''

میں جواباً کہتا: ''کچھ بھی نہیں۔''

وہ کہتی: ''مجھے سب خبر ہے' مجھ سے کچھ چھپانے کی ضرورت نہیں۔''

میں کہتا: ''نہیں! کچھ بھی نہیں! آپ خوامخواہ شک کر رہی ہیں۔''

پھر وہ وقت آیا جب مجھے عربی زبان پر عبور حاصل ہو گیا۔ میں قرآن پاک کو سمجھ گیا' اسے پڑھنے لگا۔ میرے والد کا ایک دوست تھا...... دینی بھائی' دوسرے لفظوں میں میرا چچا' ہم تینوں اکٹھے ہوتے' عبادت کرتے اور قرآن کی تلاوت کرتے اب میں اسلام کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل کر چکا تھا۔

خفیہ پولیس والوں کی سرگرمیوں میں تیزی آتی جا رہی تھی' ان کا ایک ہی کام تھا بچے کھچے مسلمان عربوں کو تلاش کرنا اور انہیں تشدد کا نشانہ بنانا۔ یہ ان کا روز کا معمول تھا کہ بیس تیس افراد کو بلا ناغہ سولی پر لٹکا دیا جاتا تھا' نجانے کتنے مسلمان تھے جنہیں آئے دن زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ سینکڑوں بے قصور مسلمانوں کو جیلوں میں بدترین سزائیں دی جاتی تھیں' ان

کے ناخن اُکھاڑ دیئے جاتے تھے کبھی ٹھنڈے اور کبھی گرم پانی میں ڈبکیاں دی جاتی تھیں' ان پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جاتا تھا' ان کے جسم جھلس جاتے تھے' ان کے قدموں کے نیچے جلتے ہوئے کوئلے بچھادیئے جاتے تھے' انگلیاں کاٹ کر ان کے کباب بنائے جاتے تھے اور پھر زبردستی انہی کو کھلائے جاتے تھے' کوڑوں سے اتنا مارا جاتا کہ گوشت اُدھڑ جاتا اور خون کے فوارے پھوٹ پڑتے تھے۔

ظلم وتشدد کا یہ دَور طویل ہوتا چلا گیا اس میں دن بہ دن اضافہ ہی ہوتا رہا۔ ظلم وستم کی ایسی لرزہ خیز داستانیں رقم کی گئیں کہ تاریخِ عالم میں ان کی مثال نہیں ملتی۔

ایک دن والد نے مجھے بلایا......

کہنے لگا: ''بیٹا یوں لگتا ہے کہ میری موت قریب آ چکی ہے۔ میں خفیہ ایجنسیوں کی نگاہوں میں آ چکا ہوں۔ میری تمنا ہے کہ میں ان کے ہاتھوں شہادت پا جاؤں تا کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت عطا فرمادے۔ میری ساری تگ ودو کا مقصد یہی تھا کہ تمہیں کسی طرح کفر کے اندھیروں سے نکال کر سیدھے راستے پر چلا سکوں اور یہ عظیم امانت تمہارے حوالے کر جاؤں۔ میرے بیٹے! اگر مجھے کچھ ہو گیا تو پھر اپنے اس چچا کی اطاعت کرنا جو ہمارے ساتھ نمازوں میں شریک ہوتا ہے۔''

یہ بچہ کون تھا؟

دن گزرتے گئے' ایک سیاہ اور پُر اسرار رات کو میرا چچا آیا' وہی میرے والد کا دوست اس نے مجھے حکم دیا کہ میں اس کے ساتھ نکل چلوں۔ اللہ نے مدد کی' ہم وہاں سے فرار ہو گئے' مراکش کی طرف چل دیئے' مسلمانوں کے ملک کی طرف۔ میں نے چچا سے پوچھا کہ میری امی اور میرے ابو جان......؟ اس نے میرا ہاتھ زور سے پکڑ کر جھٹکا دیا اور کہا: ''کیا تمہارے والد نے تمہیں میری اطاعت کا حکم نہیں دیا تھا؟''

میں مجبوراً اس کے ساتھ چلتا رہا حتیٰ کہ ہم غرناطہ سے دُور نکل گئے جب رات کی تاریکی چھٹ گئی اور ہم خطرے سے دُور ہو گئے تو وہ مجھ سے کہنے لگا:

اِصْبِرْ یَا بُنَیَّ...... فَقَدْ کَتَبَ اللّٰہُ لِوَالِدَیْکَ الْمُؤْمِنِیْنَ السَّعَادَۃَ عَلٰی

يَدِ دِيْوَانِ التَّفْتِيْشِ .

"میرے بیٹے! صبر کرو۔ تمہارے والدین کو اللہ تعالیٰ نے دیوانِ تفتیش والوں کے ہاتھوں دائمی سعادت (شہادت) بخشی اب وہ جنت کے راہی بن چکے ہیں۔"

پھر ہم چھپتے چھپاتے مراکش کے ساحل پر پہنچ گئے۔

قارئینِ کرام! کیا آپ جانتے ہیں کہ یہی وہ بچہ ہے جو اسلام کا نامور مصنف بنا جسے تاریخ "محمد بن عبدالرافع اندلسی" کے نام سے جانتی ہے۔ آپ نے ۱۰۵۲ ہجری میں وفات پائی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی تصانیف سے فائدہ اُٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

(ماخوذ از قصص من التاریخ، علی طنطاوی)

یاد رہے! مسلمانوں نے سپین یا اندلس ۹۲ھ/۷۱۱ء میں طارق بن زیاد کی قیادت میں فتح کیا اور آٹھ سو سال وہاں حکومت کی مگران کے باہمی نفاق کے باعث بالآخر ہسپانوی عیسائی ان پر غالب آ گئے۔ ۶۳۶ ہجری میں قرطبہ کا سقوط ہوا اور ۸۹۷ھ/۱۴۹۲ء میں مسلمانوں کا آخری حصار غرناطہ بھی ان سے چھن گیا اس کے بعد سوا سو سال تک مسلمانانِ اندلس پادریوں کے زیرِ نگرانی دیوانِ تفتیش کے ہاتھوں وحشیانہ عذاب اور آزمائش سے گزرتے رہے حتیٰ کہ سپین سے مسلمانوں کا صفایا ہو گیا۔

(۱۵۱)

ہر جان دار کا رزق

بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ اشعر کے لوگوں (اور وہ ابوموسیٰ اور ابوعامر رضی اللہ عنہما ہیں) نے اپنی ہی جماعت میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی۔ سفر میں وہ لوگ زادِراہ سے خالی ہو گئے اور ہر چیز ختم ہوگئی۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک قاصد بھیجا تاکہ وہ آپ سے ان کے لیے زادِراہ طلب کرے جب وہ قاصد آپ کی خدمت میں پہنچا تو اس نے سنا کہ آپ یہ آیت تلاوت فرما رہے ہیں:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللهِ رِزْقُهَا ۔

''زمین میں کوئی جاندار نہیں ہے مگر اس کا رزق اللہ کے ذمہ ہے۔''

قاصد نے دل میں کہا: ''قبیلۂ اشعر کے لوگوں کا رزقؔ اور روزی بھی اللہ کے ذمہ ہے۔ پس وہ واپس آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض گزار نہ ہوا اور (واپس آ کر) کہا کہ تم خوش ہو کہ تمہارے پاس فریادرس آیا (یہ سن کر) ان لوگوں نے گمان کیا کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دے دی۔ چنانچہ وہ لوگ اسی حالت میں تھے کہ یک بہ یک ان کے پاس دو آدمی آئے جن کے ساتھ ایک بڑا پیالہ تھا جو روٹی اور گوشت سے بھرا ہوا تھا' ان لوگوں نے جو چاہا وہ کھایا پھر ان میں سے بعض نے بعض سے کہا: ''اس کھانے کا بقیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس کرو۔''

اس کے بعد وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں داخل ہوئے اور عرض کیا: ''یارسول اللہ! آپ نے جو کھانا ہمارے پاس بھیجا تھا اس سے بہتر اور پاکیزہ تر کھانا ہم نے آج تک

نہیں دیکھا۔“

آپ نے فرمایا: ”میں نے تو تمہارے پاس کچھ نہیں بھیجا تھا۔“

انہوں نے آپ کو خبر دی کہ ان لوگوں نے اپنے ہی میں سے ایک قاصد آپ کی خدمت میں بھیجا تھا تا کہ وہ کھانے کے بارے میں آپ سے سوال کرے۔ اُس کے بعد آنحضرت ﷺ نے قاصد سے اس کا حال پوچھا جو اس نے کیا تھا۔ چنانچہ اس نے آپ کو اس حال سے اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا:

”وہ ایسی روزی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس بھیجا تم لوگوں نے کھایا اور آسودہ ہو گئے۔“ (انوار محبوبی ترجمہ نوادر قلیوبی)

(۱۵۲)

ایک سال حج ایک سال جہاد

علمِ نحو پڑھنے والے طالبِ علم خلیل بن احمد نحوی کو بحیثیت علم نحو کا امام ہونے کے جانتے ہیں مگر بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ ان کی علمی جلالت اور عالمانہ شہرت ومقبولیت کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے بادشاہ ان کی ملاقات کے لیے ان کے در پر حاضری دیتے تھے اور لاکھوں درہم کا نذرانہ پیش کرتے تھے مگر یہ استغناء اور غنا نفس کا سلطان ہمیشہ بادشاہوں کے نذرانے کو ٹھکراتا رہا اور اپنی خشک روٹی اور ٹوٹی چٹائی پر قناعت کر کے علوم وفنون کی خدمت اور خدا کی عبادت میں مشغول رہا۔ زندگی بھر یہ معمول رہا کہ ایک سال حج کے لیے جاتے اور ایک سال اسلامی لشکروں کے ساتھ کفار سے جہاد کے لیے جاتے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۲۳)

غور فرمائیے بلکہ ان علماء ربانیین کی عبادتوں کی کثرت کو کرامت کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں؟ اللہ اکبر! علمائے سلف کی ان عبادتوں کو دیکھ کر اور اپنی کوتاہیوں اور بداعمالیوں کو دیکھ کر خدا کی قسم! اپنا تو یہ حال رہتا ہے کہ جب لوگ ہمیں عالمِ دین یا نائب رسول کہہ کر پکارتے اور یاد کرتے ہیں تو مارے شرم کے سر جھک جاتا ہے کہ بھلا ہم لوگ اس قابل ہیں کہ لوگ ہمیں عالم کہیں۔ خداوندِ کریم ان قدسی صفت بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق بخشے اور ان کے طفیل میں ہماری بھی مغفرت فرمائے۔

شنیدم کہ در روز امید و بیم
بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

(روحانی حکایات)

(۱۵۴)

تونسہ شریف میں غریب پروری کے مناظر

لنگر تو آپ (سجادہ نشین تونسہ شریف) نے پہلے دن سے ہی کوہِ ردرگ میں شروع کر دیا تھا جو چیز بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی اسے فقراء پر خرچ کر دیتے صرف توکل سے لنگر کا کام چلتا تھا جب تونسہ شریف مستقل رہائش اختیار کی اور ولایت سلیمانی کا شہرہ اطراف عالم میں پھیلا اور طالبانِ حق افغانستان' ہندوستان' عرب' عجم' روم اور شام سے فوج در فوج آنے شروع ہوئے تو آپ نے یہاں لنگر کے نظام کی از سرِ نو باقاعدہ تشکیل فرمائی۔ پیارا نام کا ہندو بقال تھا' اسے اپنے لنگر کا نگران مقرر کیا۔ فقراء کے امور کے لیے اجراء پروانہ کا کام میاں علی محمد ہوتانی کے سپرد فرمایا اور مستولی حساب میاں برخوردار چاکی کو وکیل سرکار اور مدبر صلاح کار نور خان گورمانی کو مقرر کیا۔ ان کے فوت ہو جانے کے بعد میاں گل محمد فقیہ داماں کو مشیر یا تدبیر مقرر کیا۔ منشی گری کا عہد صدیقی محمد کابی کو عطا فرمایا۔ نیز حجام' ترکھان' لوہار' موچی' ماشکی' خارکش' دھوبی اور کوٹانہ مستقل طور پر لنگر کے روزینہ خوار یا ملازم تھے' انہیں ماہانہ تنخواہ ملتی تھی' بیماروں کے علاج کے لیے طبیب مقرر کیے۔ لانگری کے عہدہ پر پہلے محمود کا تقرر کیا ان کے بعد قبول کو لانگری مقرر کیا اور پھر خدا بخش لانگری مقرر ہوئے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن خدا بخش لانگری نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس مہینہ میں سات سو روپیہ صرف فقراء کی دواؤں پر خرچ ہو گیا ہے۔ آپ سخت ناراض ہوئے۔ فرمایا: ''درویشوں کی جان زیادہ عزیز ہے اگر مہینہ میں سات ہزار روپیہ بھی خرچ ہو جائے تو مجھے اطلاع نہ دی جائے۔''

لنگر سے ہر ایک کو خوراک ولباس ملتا تھا۔ بعض قرض داروں کے قرض کی ادائیگی بھی

لنگر سے کر دی جاتی تھی۔ مدرسین اور علماء وفضلاء کو اچھی پوشاک اور اچھی خوراک دی جاتی یہاں تک کہ فقراء وعلماء میں سے اگر کسی کی شادی ہوتی تو اس کے اخراجات بھی برداشت کیے جاتے۔ (مناقب المحبوبین ص ۱۵۹' مؤلفہ نجم الدین سلیمانی)

☆......لنگر کا یہ قاعدہ تھا کہ ہر درویش کو تین پاؤ پختہ روٹی ملا کرتی تھی' چھ مہینے کے بعد کپڑے اور جوتیاں ملتی تھیں۔ علاوہ ازیں ایک سیر تیل اور کچھ گھی ملا کرتا تھا۔ ان کے مدرسین کے لیے جو رات دن درس وتدریس میں مشغول رہتے تھے' ان کے علاوہ بھی کچھ مراعات حاصل ہوتی تھیں' ان کا کام چونکہ دماغی محنت کا تھا اس لیے ان کو ایک سیر پختہ روزینہ سیر بھر گھی ماہانہ اور ایک سیر تیل ملا کرتا تھا۔ لباس ان کو بھی چھ مہینے میں ہی ملتا تھا۔ ایک سفید لنگی اور گوسفند بھی عطا ہوتا تھا۔ خواجہ صاحب کے لنگر کی حیثیت بہت ہمہ گیر تھی۔ یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ اس لنگر میں زیادہ تر علماء ومدرسین شامل تھے۔ خواجہ صاحب نے ان کو تمام ضروریاتِ زندگی سے بے فکر کر کے پوری ذہنی مرکزیت کے ساتھ درس وتدریس کے کام کے لائق بنا دیا تھا۔ علماء کی ایک کثیر تعداد اس طرح دینی کام کے لیے تیار ہو جاتی تھی۔ آج ہم اس عظیم الشان لنگری نظام کے دُور رس اثرات اور نتائج پر معلومات کی کمی کی بناء پر تفصیلی بحث کرنے سے قاصر ہیں لیکن اس کی افادیت سے کون انکار کر سکتا ہے ویسے تو اس زمانہ میں ہندوستان کی کئی خانقاہوں میں بڑے بڑے لنگر قائم تھے اور سینکڑوں آدمیوں کا مجمع رہتا تھا۔ مثلاً دہلی میں شاہ غلام علی خانقاہ میں پانچ سو فقیر رہتے تھے اور ان کے خورد ونوش کا انتظام ہوتا تھا۔ خواجہ محمد عاقل کی خانقاہ میں بھی لنگر کا بڑا اہتمام تھا لیکن جو باقاعدگی اور مقصد شاہ محمد سلیمان کے لنگری نظام میں ملتا ہے وہ کسی اور جگہ نہیں تھا۔ شاہ سلیمان کا یہ کل نظام ایک مقصد کے تحت تھا وہ اس طرح کی سہولتیں بہم پہنچا کر علماء کو درس و تدریس اور مشائخ کو تبلیغ واصلاح کے لیے تیار کرتے تھے۔ شائقینِ علم وفضل جگہ جگہ سے تونسہ آ کر جمع ہو جاتے تھے اور شاہ صاحب ان کی صلاحیتوں کو کار آمد بنانے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔

(تاریخ مشائخ چشت' ج ۵' ص ۳۴۵۔۳۴۶' طبع دہلی بحوالہ خاتم سلیمانی)

☆...... حضرت شیخ الاسلام الحاج الحافظ خواجہ قمرالدین سیالوی نے فرمایا' حضرت کریم اللہ بخش تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد حضرت خواجہ حافظ صاحب کے پاس ان کا ایک خاص غلام ایک کتاب لایا جس میں تمام شہر کے یتیم' مسکین' بیواؤں' غرباء اور بے نوا لوگوں کے نام درج تھے اور ہر ایک نام کے ساتھ ان کا وظیفہ ماہانہ سالانہ تحریر شدہ تھا مثلاً فلاں کے بیس روپے فلاں کے تیس پچاس اور سو وغیرہ وغیرہ کسی کے نام گندم کی مقدار اور کسی کے نام آٹا وغیرہ ساتھ ہی کتاب پیش کرنے والے نے عرض کیا کہ دوسرے وظیفوں اور عبادت کے علاوہ حضرت کریم اللہ بخش رحمۃ اللہ علیہ کا ایک یہ بھی وظیفہ تھا جو اپنے جانشین کے لیے فرما گئے ہیں اور لطف یہ ہے کہ اس کتاب کا علم اس غلام خاص کے سوا کسی اور کو نہ تھا۔ قائم مقام خلف الرشید حضرات تک بے خبر تھے۔ عمر بھر اس قسم کی سخاوت اختیار فرمائی جو فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق تھی۔ حدیث پاک میں ہے کہ داہنے ہاتھ سے اس طرح فی سبیل اللہ دو کہ بائیں ہاتھ کو بھی معلوم نہ ہو چنانچہ جب سردی کا موسم آتا تو آپ بہت سے نئے لحاف بنوا کر غرباء لوگوں کے گھروں میں راتوں رات جا کر صحن میں ڈال دیا کرتے۔

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

(انوار قمریہ' ص ۲۳۷)

(۱۵۴)

انوکھا سفر

حضرت سیدنا معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' ایک مرتبہ دورانِ سفر ایک وادی میں میری ملاقات ایک ایسے اجنبی سے ہوئی جو بالکل تنہا تھا۔ پہنے ہوئے لباس کے علاوہ اس کے پاس کوئی چیز نہ تھی۔ میں نے اسے سلام کیا اس نے سلام کا جواب دیا۔ میں نے کہا:

''اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے! کہاں کا ارادہ ہے؟'' کہا: ''میں نہیں جانتا۔''

میں نے کہا: ''کیا تو نے کبھی کسی ایسے شخص کو دیکھا ہے جو کسی نامعلوم جگہ جا رہا ہو؟''

کہا: ''جی ہاں! میں انہیں میں سے ایک ہوں۔''

میں نے کہا: ''پھر بھی تمہارا کہاں کا ارادہ ہے؟'' کہا: ''مکہ مکرمہ زادھا اللہ شرفا و تعظیما''

میں نے کہا: ''تو مکہ شریف کی نیت کیے ہوئے ہے لیکن تو جانتا نہیں کہ کس طرف جانا ہے؟''

اس نے کہا: ''ہاں! واقعی ایسا معاملہ ہے کیونکہ بارہا ایسا ہوا کہ میں مکہ شریف کے قصد سے چلا لیکن طرسوس پہنچ گیا اور کئی مرتبہ میں بصرہ کی طرف چلا لیکن کسی اور مقام پر جا پہنچا ایسے معاملات میرے ساتھ ہوتے رہتے ہیں اس مرتبہ بھی مکہ شریف کے قصد سے چلا ہوں دیکھو! اب کہاں پہنچتا ہوں۔'' میں نے کہا: ''تمہارے کھانے کا انتظام کیسے ہوتا ہے؟''

کہا: ''یہ معاملہ ایک کریم کے ذمۂ کرم پر ہے جب وہ مجھے بھوکا رکھنا چاہتا ہے تو کھانا موجود ہونے کے باوجود میں بھوکا ہی رہتا ہوں جب کھلانا چاہتا ہے تو بغیر کھانے کے بھی۔

میں سیر ہو جاتا ہوں کبھی وہ میری عزت افزائی فرماتا ہے تو کبھی آزمائش میں مبتلا کرتا ہے کبھی کبھی مجھے یہ غیبی آواز سنواتا ہے: ''اے چور! زمین پر تجھ سے بڑا شریر کوئی نہیں۔''

اور کبھی یہ آواز سنائی دیتی ہے: ''زمین پر تیری مثل کوئی نہیں اور نہ ہی تجھ سے بڑھ کر کوئی زاہد ہے۔''

میرا مالک کبھی تو مجھے بہترین بستر پر سُلاتا ہے' کبھی اس سے دُور پھینک کر ویران جگہوں میں سُلاتا ہے۔''

میں نے کہا: ''اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے! وہ کون ہے جس کے متعلق تو گفتگو کر رہا ہے؟''

کہا: ''وہ تمام جہانوں کا پالنے والا' خدائے بزرگ و برتر ہے اس نے مجھے ایسے سمندر میں ڈال دیا ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔''

اتنا کہہ کر وہ شخص زار وقطار رونے لگا' مجھے اس پر بڑا ترس آیا یہاں تک کہ اس کے رونے نے مجھے بھی رُلا دیا پھر میں نے آس پاس کی تمام وادیوں سے رونے کی آواز سنی حالانکہ بظاہر وہاں کوئی شخص موجود نہ تھا۔ میں نے حیران ہو کر اس سے کہا: ''اے اللہ کے بندے! اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے' میں تیرے علاوہ دیگر رونے والوں کی آوازیں بھی سن رہا ہوں' یہ آوازیں کہاں سے آرہی ہیں؟''

کہا: ''کچھ جنات میرے گہرے دوست ہیں جب بھی میں روتا ہوں وہ بھی میرے ساتھ رونے لگ جاتے ہیں۔''

حضرت سیدنا معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اتنا کہنے کے بعد وہ شخص وہاں سے غائب ہو گیا اور میں اکیلا حیران و پریشان کھڑا رہا اس وقت میں اپنے آپ کو بہت کمتر محسوس کر رہا تھا' تھوڑی دیر بعد وہ دوبارہ نمودار ہوا تو میں نے کہا: ''مجھے ذرا تفصیل سے بتاؤ کہ تمہارے ساتھ یہ معاملات کیوں اور کیسے ہوتے ہیں؟''

یہ سن کر وہ بہت گھبرایا اور چونک کر بڑے سخت لہجے میں کہا: ''اے چور! کیا تو میرے اور میرے مالک و مولیٰ کے درمیان رکاوٹ بننا چاہتا ہے' خدائے بزرگ و برتر اور اس کی

عزت کی قسم! میں اپنا راز ہرگز اس کے علاوہ کسی اور کو بتانا پسند نہیں کرتا۔''

اتنا کہہ کر وہ بندۂ خدا دوبارہ غائب ہو گیا۔'' (عیون الحکایات)

مسلمانو! اللہ رب العزت اپنے بندوں کو طرح طرح کی صفات سے متصف فرماتا اور طرح طرح سے ان پر اپنی رحمتیں نچھاور فرماتا ہے۔ کسی کو رُلاتا ہے تو کسی کو ہنساتا ہے کبھی خوشیوں سے دامن بھر دیتا ہے تو کبھی رنج وغم میں مبتلا فرما دیتا ہے۔ کبھی بھوک و پیاس کے ذریعے اپنے اولیاء کے درجات بلند فرماتا ہے تو کبھی ایسی ایسی جگہ سے رزق کے خزانے عطا فرماتا ہے جہاں سے وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔ بہترین انسان وہی ہے جو اس کی رضا پر راضی رہے اور اس کے حکم پر اپنی تمام خواہشات قربان کر دے جو خوش نصیب ایسا کرتے ہیں وہ دنیا وآخرت میں سرخرو ہو جاتے ہیں اور ہر قدم پر کامیابی ان کے قدم چوم لیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی دائمی رضا سے مالا مال فرمائے اور ناشکری سے بچائے۔ (آمین بجاہ النبی الامین ﷺ)

(۱۵۵)

تاک جھانک کی سزا

عضد الدولہ کے دربار میں ایک ترکی نوجوان کام کرتا تھا اس کے ہمسائے میں ایک شریف گھرانہ آباد تھا۔ میاں بیوی نئے نئے شادی کے بندھن میں بندھے تھے' دیوار سے دیوار ملی ہوئی تھی۔ اتفاق کی بات' دیوار سے ایک اینٹ گر پڑی یا اس ترکی نوجوان نے قصداً نکال لی بہرحال دیوار میں سوراخ ہو گیا اس ترکی نے روزنِ دیوار سے جھانک کر دیکھا اسے ایک نہایت خوب صورت عورت نظر آئی اب اسے دید و باز دید (بار بار دیکھنے) کا ایسا چسکا پڑا کہ وہ پہروں سوراخ سے اس عورت کو دیکھتا رہتا۔ شروع شروع میں تو عورت کو پتہ نہ چلا کہ کوئی اسے دیکھتا ہے البتہ رفتہ رفتہ اسے معلوم ہو گیا کہ ترکی ہمسایہ اسے چوری چھپے دیکھتا رہتا ہے۔ عورت پاک دامن تھی اس نے اپنے خاوند سے شکایت کی کہ یہ ترکی مجھے روزانہ روزنِ دیوار سے جھانکتا رہتا ہے اس مکان میں میرے سوا کوئی اور نہیں ہے اس لیے لوگوں کو شک گزرے گا کہ میری اس سے شناسائی ہے اور میں اس سے باتیں کرتی ہوں گی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے چھٹکارے کے لیے کیا کروں؟

خاوند کو جب یہ مذموم حرکت معلوم ہوئی تو اسے بڑا غصہ آیا کہ اس کی عزت پر ڈاکہ ڈالا جا رہا ہے اس نے فوراً ایک منصوبہ بنایا اور اپنی بیوی سے کہا:

''گھبرانے کی ضرورت نہیں ایسا کرو کہ اس کے نام ایک رقعہ لکھوا اور اسی روزن سے اس کی طرف پھینک دو۔ رقعے کا مضمون یہ ہونا چاہیے:

''نوجوان! فضول کھڑے ہونے اور روزن سے مجھے چوری چھپے تکتے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں' تم یوں کرو کہ عشاء کے بعد جب اندھیرا چھا جائے اور لوگ سو جائیں تو تم چپکے

سے میرے دروازے پر آ جانا' ہلکی سی دستک دینا میں تمہارے لیے خاموشی سے دروازہ کھول دوں گی۔''

عورت نے یہ مضمون لکھ کر نوجوان کی طرف روزن سے رُقعہ پھینک دیا۔ نوجوان نے فوراً رُقعہ پڑھا' خوشی سے جھوم اُٹھا اور رات ہونے کا بے تابی سے انتظار کرنے لگا۔

ادھر خاتون کے شوہر نے گھر کے دروازے کے پیچھے گہرا گڑھا کھودا اور عشاء کے وقت ترکی نوجوان کی گھات میں بیٹھ گیا۔ سورج غروب ہوا' چاروں طرف اندھیرا چھا گیا' عشاء کے وقت نوجوان عورت کے دروازے پر جا پہنچا اور احتیاط سے دستک دی' دروازہ دھیرے سے کھل گیا' نوجوان نے جونہی اندر قدم رکھا' شوہر نے زور سے لات ماری اور اسے گڑھے میں گرا دیا پھر میاں بیوی نے مل کر اوپر سے مٹی ڈال دی۔

چند دنوں تک تو اس ترکی نوجوان کے بارے میں کسی نے کوئی بات نہیں کی مگر جب وہ متواتر کئی دن تک نظر نہ آیا تو عضد الدولہ کو اس کا دھیان آیا اس نے اپنے مقربین سے اس کے بارے میں استفسار کیا تو اسے بتایا گیا کہ وہ کئی دنوں سے بغیر اطلاع کے ڈیوٹی سے غائب ہے۔

عضد الدولہ کو اچانک ترکی نوجوان کے غائب ہو جانے پر بڑی تشویش ہوئی' وہ اس معاملے کی تفتیش کرنے لگا اس نے اس کی رہائش گاہ کے قریب والی مسجد کے مؤذن کو بلا بھیجا۔ مؤذن کو سرکاری دربار سے بلاوا آیا تو یہ خبر آنِ واحد میں پورے محلے میں پھیل گئی کہ مؤذن کو خلیفہ نے طلب کیا ہے۔ مؤذن حاضرِ خدمت ہوا۔ بظاہر عضد الدولہ مؤذن سے سختی سے پیش آیا تھا' اس نے جیب سے سو دینار نکالے اور کہنے لگا:

هٰذِهٖ مِائَةُ دِيْنَارٍ، خُذْهَا وَامْتَثِلْ مَا آمُرُكَ .

''یہ سو دینار لو اور تمہیں جو حکم دوں اس کی تعمیل کرو۔''

مؤذن نے عرض کیا: ''حکم دیجیے' فوری تعمیل ہو گی۔''

عضد الدولہ نے حکم دیا کہ جب تم واپس جاؤ تو عشاء کی اذان دے کر مسجد کے اندر بیٹھ جانا' سب سے پہلے جو شخص آئے اور میری نسبت پوچھے کہ میں نے تمہیں کیوں طلب کیا تھا تو صبح اس کے بارے میں آکر مطلع کرنا۔

مؤذن واپس آیا اور عضد الدولہ کے حکم کے مطابق اذان دے کر مسجد میں بیٹھ گیا۔ اذان سنتے ہی ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا' یہ وہی آدمی تھا جس کی بیوی پر ترکی نوجوان بُری نگاہ رکھے ہوئے تھا اور جسے اس نے اپنے دروازے کے پاس گڑھے میں دفن کر دیا تھا' مسجد میں داخل ہوتے ہی اس نے مؤذن سے پوچھا:

قَلْبِیْ اِلَیْکَ وَلِاَیِّ شَیْءٍ اَرَادَ مِنْکَ عَضُدُ الدَّوْلَۃِ؟

''میرا دل تمہاری ہی طرف لگا ہوا تھا' بتاؤ! خلیفہ نے تمہیں کیوں بلوایا اور وہ تم سے کیا معلوم کرنا چاہتا تھا؟''

مؤذن نے بتایا: ''کوئی خاص بات نہیں' عضد الدولہ نے مجھ سے اچھی ہی بات کی ہے۔'' صبح ہوتے ہی مؤذن مسجد سے نکلا اور عضد الدولہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس آدمی کے بارے میں اطلاع دی۔ عضد الدولہ نے فوراً اس آدمی کو بلا بھیجا۔ کچھ دیر بعد وہ آدمی عضد الدولہ کے دربار میں حاضر ہو گیا' وہ گھبرایا ہوا تھا۔ عضد الدولہ نے اسے دیکھتے ہی پوچھا: ''ترکی نوجوان کا کیا قصہ ہے؟''

وہ بولا: ''آپ نے اس ترکی نوجوان کے بارے میں پوچھ ہی لیا ہے تو میں آپ کو بالکل سچ بتلاتا ہوں۔ بات دراصل یہ ہے کہ میری بیوی پردہ نشین اور پاک دامن خاتون ہے' یہ نوجوان ہمارا پڑوسی تھا' وہ مکان کی دیوار سے اسے دیکھتا رہتا تھا اور ورغلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ دیوار کے ساتھ صرف میرا ہی گھر ہے اور اس میں صرف میری بیوی ہی رہتی ہے اس لیے وہ اس بات سے بہت پریشان تھی کہ اگر کسی کو اس کی تاک جھانک کا حال معلوم ہو گیا تو وہ یہی سمجھے گا کہ وہ بھی اس نوجوان کی خباثت میں برابر کی شریک ہے۔ یہ میری عزت پر حملہ تھا' میں برداشت نہ کر سکا لہٰذا میں نے اسے ٹھکانے لگا دیا......''

اس شخص نے مختصر طور پر ترکی نوجوان کو گڑھے میں دفن کرنے کی روداد بھی سنا دی۔

عضد الدولہ نے اس کی ساری گفتگو سننے کے بعد فرمایا:

اِذْهَبْ فِیْ دَعَةِ اللهِ' فَمَا سَمِعَ النَّاسُ وَلَا قُلْنَا۔

''جاؤ! اللہ کے سپرد! نہ لوگوں کو اس بات کی کوئی خبر ہوئی نہ ہم یہ راز افشا کریں گے۔''

(کتاب الاذکیاء' ص: ۹۰-۹۱' لابن الجوزی)

(۱۵۶)

ایک احمق کی حماقت

حمزہ مدائنی سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ جُحی نامی ایک شخص احمق تھا اور اس کی حماقتوں میں سے ایک حماقت یہ ہے کہ وہ میدان میں ایک جگہ کھود رہا تھا کہ ایک شخص اس کے پاس سے گزرا اور اس نے اس سے پوچھا: ''کیوں کھودتے ہو؟''

اس نے کہا: ''میں نے کچھ درہم دفن کیے ہیں اور میں اس کی جگہ نہیں پاتا۔''

اس نے اس احمق سے کہا: ''تو نے اس پر کچھ نشانی بنائی تھی؟''

اس نے کہا: ''ہاں! یہ کیا تھا۔''

اس نے پھر اس بے وقوف سے کہا: ''جو نشانی تو نے اس پر بنائی تھی وہ کیا تھی؟''

اس نے جواب دیا: ''ان درہموں کے دفن کے وقت ابر مجھ پر سایہ کیے ہوئے تھا۔''

وہ شخص ہنس کر چلا گیا اور اس کو چھوڑ گیا۔ جحی کی حماقتوں میں سے ایک حماقت یہ ہے کہ وہ آخر شب کی اندھیری میں اپنے گھر کے دالان سے نکلا کہ اس نے ایک مقتول سے ٹھوکر کھائی جو دالان میں تھا۔ چنانچہ اس احمق نے اس کو اس کنویں میں ڈال دیا جو وہاں تھا پھر اس کے باپ کو اس کی اطلاع دی تو اس نے اس مقتول کو کنویں سے نکالا اور دفن کیا پھر اس احمق نے ایک مینڈھے کا گلا گھونٹ دیا اور اس کو کنویں میں ڈال دیا اس کے بعد مالکان مقتول اپنے گھر سے نکلے اور کوفہ کی گلیوں میں گھومتے تھے اور وہیں اس کو تلاش کرتے تھے۔ وہ لوگ اس احمق کے گھر آئے اور اس سے اس مینڈھے کا حال پوچھا تو اس نے کہا: ''میں نے اس کو کنویں میں ڈال دیا ہے۔''

چنانچہ انہوں نے اس کو کنویں میں اُتارا تا کہ ان کے لیے اس کو کنویں سے نکالے جب وہ نیچے اُترا تو اس نے پکارا: ”اے مالکان مقتول کیا تمہارے مقتول کی سینگیں ہیں؟“

پس وہ لوگ ہنسے اور چلے گئے۔ منجملہ اس کی حماقتوں کے ایک حماقت یہ ہے کہ ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک آدمی حجی کے پاس بھیجا جس کا نام نقیطین تھا تا کہ وہ آدمی اس کو ابو مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر کرے۔ چنانچہ وہ احمق اس کے پاس آیا جب وہ داخل ہوا تو اس نے ابو مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور نقیطین کے علاوہ اس مجلس میں کسی دوسرے کو نہ پایا اس کے بعد اس نے کہا:

”اے نقیطین! تم دونوں میں ابو مسلم کون ہیں؟ اور یاد رکھو کہ بلاشبہ لفظ جُحی غیر منصرف ہے اور لفظ جاح سے نکلا گیا ہے جس طرح کہ عمر عامر سے نکالا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔“

(نوادر القلیوبی)

(۱۵۷)

امام زین العابدین اور امام اصمعی

فنِ لغت اور ادب کے امام جناب اصمعی کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ چاندنی رات میں کعبہ مکرمہ کا طواف کر رہا تھا تو میں نے یہ دیکھا کہ ایک بہت ہی حسین و جمیل جوان کعبہ مکرمہ کے پردوں سے چمٹا ہوا بہت ہی دردناک آواز سے رو رو کر دعائیں مانگ رہا ہے اور یہ کہہ رہا ہے:

''الٰہی! تمام آنکھیں سو رہی ہیں اور ستارے غروب ہو چکے ہیں لیکن اے میرے پروردگار! تو حی و قیوم ہے اور اپنے دروازوں پر پہرہ بٹھا دیا ہے لیکن تیرا دروازہ ہر سائل کے لیے ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ اے میرے مولیٰ! میں گناہ گار ہوں، میں فقیر ہوں، میں مسکین ہوں، میں قیدی ہوں، میں تیرے دروازے پر تیری رحمت کا امیدوار بن کر کھڑا ہوں پھر وہ جوان رو رو کر انتہائی رقت انگیز لہجے میں یہ اشعار پڑھنے لگا:

اَدْعُـوْكَ رَبِّـىْ وَ مَـوْلَائِـىْ وَمُسْتَنَدِىْ
فَـارْحَـمْ بُـكَـائِـىْ بِحَقِّ الْبَيْتِ وَالْحَرَم
اَنْـتَ الْـغَـفُـوْرُ فَـجُـدْلِـىْ مِنْكَ مَغْفِرَةً
اَوِعْفُ عَنِّـىْ يَـا ذَالْـجُـوْدِ وَالْكَرَم
اِنْ كَـانَ عَـفْـوُكَ لَا يَـرْجُوْهُ ذُوْجُـرْمٍ
فَـمَـنْ يَّـجُـوْدُ عَـلَـى الْعَاصِيْنَ بِالْكَرَم

''اے میرے رب! اے میرے مولا! اے مجھے ٹھکانہ دینے والے! میں تجھ سے دعا مانگتا ہوں تو میری گریہ وزاری پر رحم فرما۔ میں تجھے بیت اللہ اور حرم کا

واسطہ دیتا ہوں تو بہت زیادہ بخشنے والا ہے تو میرے لیے اپنی طرف سے مغفرت کی سخاوت فرمادے یا مجھے معاف فرمادے۔ اے بخشش وکرم والے! اگر مجرم تجھ سے معافی کی امید نہ رکھے تو پھر کون ہے جو گناہ گاروں پر کرم کے ساتھ بخشش فرمائے گا؟"

یہ اشعار پڑھنے کے بعد پھر اس جوان نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور یہ کہنے لگا:
"اے میرے مولا! اگر میں نے تیری اطاعت کی ہے تو یہ تیرا مجھ پر احسانِ عظیم ہے اور اگر میں نے تیری نافرمانی کی ہے تو یہ میری جہالت ہے۔ یا اللہ! تو مجھ پر رحم فرما اور تو مجھ کو میرے جد کریم اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور اپنے محبوب اور اپنے نبی ﷺ کے دیدار سے محروم نہ فرما۔" پھر اس جوان نے یہ مناجات شروع کر دی:

اَلَا اَیُّھَا الْمَامُوْلُ فِیْ کُلِّ شِدَّۃٍ
اِلَیْکَ شَکَوْتُ الضُّرَّ فَارْحَمْ شِکَایَتِیْ
اَلَا یَا رَجَائِیْ اَنْتَ کَاشِفُ کُرْبَتِیْ
فَھَبْ لِیْ ذُنُوْبِیْ کُلَّھَا وَاقْضِ حَاجَتِیْ
اَتَیْتُ بِاَعْمَالٍ قِبَاحٍ رَدِیْئَۃٍ
وَمَا فِی الْوَرٰی خَلْقٌ جَنٰی کَجِنَایَتِیْ

"اے وہ ذات! کہ ہر مصیبت میں تجھی سے امیدواری کی جاتی ہے، میں تیرے ہی دربار میں اپنی تکلیف پیش کرتا ہوں لہٰذا تو میری التجا پر رحم فرما تو ہی میری امید ہے تو ہی میری بے قراری کو دور فرمانے والا ہے لہٰذا تو میرے سب گناہوں کو بخش دے اور میری حاجت کو پوری فرمادے۔ میں بہت ہی خراب اور ردی قسم کے اعمال لے کر آیا ہوں اور تمام مخلوق میں مجھ سے بڑا جرم کسی نے نہیں کیا ہے۔"

وہ نوجوان کون تھا؟

وہ جوان ان مذکورہ بالا اشعار کو پڑھتے پڑھتے ایک دم بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔

اصمعی کہتے ہیں میں دوڑ کر اس جوان کے قریب پہنچا تو یہ دیکھا کہ وہ حضرت امام زین العابدین ہیں۔ میں نے فوراً ان کا سر مبارک اپنی گود میں رکھ لیا اور مجھ پر ایسی رقت طاری ہو گئی کہ میں زاروزار رونے لگا یہاں تک کہ میرے آنسوؤں کی دھار ان کے مقدس رخسار پر گرنے لگی تو وہ ہوش میں آ گئے اور آنکھیں کھول کر فرمایا: ''یہ کون شخص ہے جس نے میرے مولا کی یاد میں خلل ڈالا۔''

میں نے عرض کیا: ''اے میرے آقا! میں آپ کا غلام اصمعی ہوں۔ حضورِ والا! آپ اس قدر کیوں گریہ وزاری فرما رہے ہیں؟ آپ تو اہلِ بیتِ نبوت میں سے ہیں اور خداوندِ عالم نے آپ لوگوں کے لیے قرآن مجید میں یہ بشارت عطا فرمائی ہے:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا (احزاب:۳۳)

''اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ اے اہلِ بیت! تم سے ہر پلیدی کو دُور رکھے اور تمہیں خوب پاک اور ستھرا بنا دے۔''

میری یہ گفتگو سن کر امام زین العابدین سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا: ''اے اصمعی! یہ تمہیں خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنت ہر شخص کے لیے بنائی ہے جو اس کی اطاعت کرے خواہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو اور جہنم ہر اس شخص کے لیے بنائی ہے جو اس کی نافرمانی کرے خواہ وہ قریشی بادشاہ ہی کیوں نہ ہو۔ کیا تم نے اس حاکم عادل کا یہ فرمان نہیں دیکھا ہے:

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَھُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ ۝

(مومنون:۱۰۱)

''جس دن صور پھونکا جائے گا تو نہ کوئی رشتے ان میں رہیں گے نہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔'' (روح البیان، ج ۶ ص ۱۰۷)

اس نورانی حکایت کو بار بار پڑھیے اور عبرت حاصل کیجیے کہ اہلِ بیت نبوت کے چشم و چراغ جانشین خاندان آل عبا نور چشم شہید کربلا حضرت علی بن حسین زین العابدین رضی اللہ عنہ کی عبادت وریاضت کا کیا عالم تھا؟ اور ان کے خوف وخشیتِ ربانی کا رُتبہ کتنی منزل بلند پر

فائز تھا؟ بلاشبہ آپ علمِ نبوت کے وارث اور رُشد وہدایت کے نشانِ اعظم تھے۔ آپ کی خاندانی عظمت ووجاہت کی بلندی پر آسمانوں کی سربلندی بھی گواہ ہے اور آپ کے علمی اور عملی کمالات مولائے کائنات سے ہیں اور آپ کے علومراتب پر ثریا کی رفعت نثار ہیں لیکن اس کے باوجود آپ کے عجز وانکسار کا یہ عالم ہے کہ اصمعی جیسا جلیل القدر وفن لغت وادب کا امام جب قرآن پڑھ کر ان کے مراتب علیا ان کو یاد دلاتا ہے تو آپ اس کو یہ جواب دیتے ہیں کہ قیامت کے دن نہ کوئی رشتہ ہوگا نہ کوئی کسی کا پرسانِ حال ہوگا۔ اللہ اکبر! امام ممدوح کا سینہ خوف وخشیتِ ربانی کا ایسا نورانی سفینہ تھا کہ جس میں تفاخر بالانساب اور خاندانی بڑائی کا کبھی گزر ہی نہیں ہوسکتا تھا۔ آپ عجز وانکسار کا ایسا بے مثال مرقع اور تواضع وخاکساری کے لیے ایسے بے مثل پیکر تھے کہ آپ کو دیکھنے والے حیران رہ جاتے تھے۔

تفاخرِ من وتو کے سوا کچھ اور نہیں

آپ کے اس طرزِ عمل میں آج کل کے سادات کرام کے لیے بہت بڑا درس عبرت ہے جو اپنی سیادت اور خاندانی شرافت پر ہر دم فخر کرتے رہتے ہیں بلکہ اس گھمنڈ وغرور میں علوم واعمال صالحہ سے بھی اپنے کو بے نیاز سمجھتے ہیں۔ کاش یہ لوگ حضرت امام زین العابدین کی مقدس زندگی سے سبق حاصل کرتے اور پیکر تواضع وانکسار بن کر خضوع وخشوع کے ساتھ اپنے ربِ کریم کی عبادت کرتے اور اپنے علوم واعمالِ صالحہ کی بدولت اُمتِ رسول ﷺ کے لیے ذریعۂ ہدایت بنتے مگر افسوس کہ آج کل کے بعض مدعیانِ سیادت کا تو یہ حال ہے کہ نہ علم نہ عمل بس خانقاہ میں لے دے کر ان کی کل کائنات یہی ہے۔

لبوں پہ ہے پدرم پادشاہ بود کا شور
تفاخرِ من و تو کے سوا کچھ اور نہیں

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی عبادت وریاضت اور خوفِ الٰہی سے ان کی گریہ وزاری کا ایک منظر تو آپ نے دیکھ لیا اب ذرا یہ بھی سن لیجیے کہ سفر اور حضر میں کبھی آپ کی نماز تہجد قضا نہیں ہوئی اور روزانہ بلاناغہ ایک ہزار رکعت نماز نفل پڑھا کرتے تھے اور اپنی زندگی میں دومرتبہ اپنا سارا مال خدا کی راہ میں خیرات کیا اور آپ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ آپ

بہت سے غرباء اہلِ مدینہ کے گھروں میں ایسے پوشیدہ طریقوں سے رقم بھیجا کرتے تھے کہ ان غرباء کو خبر ہی نہیں ہوتی تھی کہ یہ رقم کہاں سے آتی ہے؟ مگر جب آپ کا وصال ہو گیا تو غریبوں کو پتہ چلا کہ یہ حضرت امام زین العابدین کی سخاوت تھی۔ آپ کے تہجد اور نوافل کی کثرت اور راتوں کو آپ کی آہ وزاری اور گریہ و بے قراری ہی کی وجہ سے تمام اُمت نے آپ کو ''زین العابدین'' کے لقب سے پکارنا شروع کر دیا اور بلاشبہ آپ اس عظیم الشان لقب کے اہل و مستحق ہیں۔ اللہ اکبر! سچ ہے۔

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

(روحانی حکایات)

(۱۵۸)

ایک پریشان حال کی دل جوئی

نمازعشاء پڑھ کررات گزاردی۔ بعداشراق دن چڑھے میری طلبی ہوئی' دل کو پکڑے ہوئے ہیبت زدہ خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت والا (مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ) ایک کھری بس کھٹیا پر لیٹے ہوئے تھے' زمین پر ایک چٹائی تھی میں اس پر دوزانو بیٹھ گیا۔ حضرت نے پھر پوچھا: ''کیسے آئے ہو؟''

میں نے ڈرتے ڈرتے ٹوٹی پھوٹی زبان میں عرض کیا: ''مرید ہونا بھی چاہتا ہوں اور کچھ تکلیفیں بھی ہیں اس لیے حضور کی توجہ چاہتا ہوں۔''

حضرت نے وضو کا پوچھا' میں باوضو تھا۔ حضرت نے بلاقیل وقال حضرت شاہ آفاق رحمۃ اللہ علیہ کے نام بیعت کرلیا اور جو جملے کہلوائے ان کو دُہرالیا۔ عجیب رِقت اور عجیب کیفیت تھی۔ حضرت کے منہ سے جو جملہ نکلتا دل کے پار ہو جاتا۔ آنسو اُبلتے تھے اور ایسی گھگھی بندھی ہوئی تھی کہ جملوں کو دُہرانا مشکل تھا۔ بعض بعض الفاظ پر ایسا زور دیتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ الفاظ آسمان سے نازل ہورہے ہیں مثلاً جب کہلایا کہ شرع شریف پر مرتے دَم تک قائم رہوں گا تو شرع شریف کا لفظ جس عظمت اور قوت سے کہا ہے وہ اب تک کانوں میں گونج رہا ہے جب کہلایا کہ ہر قسم کے گناہ سے عمر بھر پرہیز کروں گا تو یہ بات رگ وپے میں ایسی پیوست ہوگئی کہ اس وقت ہر گناہ سے نفرت ہوگئی جب کہلایا کہ غلطی سے گناہ ہوگیا تو بلاتاخیر توبہ کروں گا تو اس وقت توبہ کی اہمیت عمر بھر کے لیے دل میں جاگزیں ہوگئی اسی وقت دل اللہ اور اللہ والوں کی محبت سے لبریز ہوگیا

کسی کے دردِ محبت نے عمر بھر کے لیے
خدا سے مانگ لیا انتخاب کر کے مجھے

حضرت نے مرید فرما کر قیام گاہ پر جانے کے لیے فرما دیا اور تکلیفوں کی بابت کچھ پوچھا۔ واقعی حضرت بڑے ہی حقیقت شناس تھے اگر اس مجلس میں تکالیف کے لیے پوچھتے تو بیان کرنے کا یارا بھی کس کو تھا' دل کی بدلی ہوئی حالت کو لے کر قیام گاہ کی طرف چلا آیا' دن گزرا' حضرت نے بعد عصر مسجد ہی میں روک لیا۔ لوگ جلدی جلدی اُٹھ گئے۔ گویا میرا روکا جانا نمازیوں کے لیے اشارہ ہو گیا اب حضرت نے بڑے لطف و کرم کے ساتھ فرمایا کہ اپنی تکلیف بتاؤ۔ میں نے سب سے پہلے عرض کیا: ''مخالفوں نے مشہور کر دیا ہے کہ میری انگلیوں میں سفید داغ ہیں جس سے مجھ کو بڑی شرم دامن گیر ہے اور انگلیوں کے سروں کی رنگت کافی بدنما اور بھدی ہو گئی ہے اور دیکھنے میں سفید داغ ہی معلوم ہوتے ہیں۔''

حضرت نے فرمایا: ''لاؤ دیکھیں!''

کہاں ہیں داغ؟

میں نے انگلیاں آگے بڑھا دیں۔ حضرت بار بار یہ جملہ ایک جذب کے ساتھ دہرانے لگے: ''کہاں ہیں داغ' کہاں ہیں داغ''

اب جو میں نے بھی نظر ڈالی تو انگلیوں کا رنگ اور ان کی ہیئت نہایت خوش نما تھی (اس جگہ ناچیز عبدالرب بیان کرتا ہے کہ میں ان کی سب سے چھوٹی اولاد ہوں اور میں نے ان کا ادھیڑپن کا زمانہ اپنے بچپن میں پایا اور جب میرا سن ۴۵' ۴۶ ہوا' اس وقت ان کا انتقال ہوا جب بھی میں نے اپنے والد صاحب کو گورے چٹے خوب صورت رنگ کا آدمی پایا' وہ متناسب الاعضاء بھی تھے۔ قیاس ہے کہ جوانی کی عمر میں انگلیاں بھی نہایت سڈول اور خوش رنگ ہوں گی) جب مجھے اپنی انگلیاں صاف نظر آئیں تو میری حیرت اور حسرت کی انتہا نہ رہی اور حضرت کی محبت اور عظمت سے میرا دل پہلے کی نسبت زیادہ لبریز ہو گیا پھر حضرت نے پوچھا: ''اور کیا تکلیف ہے؟''

میں نے شرماتے ہوئے کہا: ''شادی کو چھ سال ہو گئے اب تک کوئی اولاد نہیں ہے۔''

حضرت صاحب نے اپنے خادم کو پکارا' وہ آئے تو فرمایا:

''ہمارا بدھنا اُٹھالاؤ' ہم اس میں سے ان کو کچھ دیں گے۔''

خادم صاحب آناً فاناً ایک بدھنا لے آئے۔ حضرت صاحب نے اس کو چٹائی پر اُلٹ دیا اس میں کچھ بیر تھے' کچھ بتاشے تھے اور ایک چھوٹی سی گھڑی تھی۔ حضرت نے فرمایا:

''جو چاہے لے لو۔''

بھلا گھڑی لینے کی ہمت تو کیا پڑ سکتی تھی میں نے شاید چار بیر اور پانچ بتاشے یا اس کے برعکس اس خیال سے لیے کہ حضرت صاحب کے دل میں یہ نہ آئے کہ یہ شخص طامع اور دہقانی ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا: ''اور لے لو پھر نہ کہنا''

میں نے پھر اسی خیال سے کہہ دیا کہ ٹھیک ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا:

''اچھا ان کو کھالو۔''

میں نے اسی وقت کھالیا۔ حضرت نے نہایت جوش اور قوت سے فرمایا: ''ان شاء اللہ تعالیٰ تمہارے اتنے ہی لڑکے ہوں گے جتنے تم نے بیر کھائے اور اتنی ہی لڑکیاں ہوں گی جتنے تم نے بتاشے کھائے ہیں یا اس کے برعکس فرمایا۔''

(راوی عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے والد کو چار لڑکے اور پانچ لڑکیاں ارزانی فرمائیں) اس کے بعد حضرت نے فرمایا: ''اور کیا تکلیف ہے؟''

میں نے عرض کیا: ''حضرت! افلاس انتہا کو پہنچ گیا ہے۔''

فرمایا: ''اچھا! ہم دعا کرتے ہیں ان شاء اللہ کبھی ننگے بھوکے نہ رہو گے' عمر بھر کھاتے کھلاتے کشادہ دست وفارغ البال رہو گے۔''

اور کیا تکلیف ہے؟

پھر پوچھا: ''اور کیا تکلیف ہے؟''

میں نے عرض کیا: ''حضرت! اور کوئی تکلیف نہیں ہے۔''

حضرت صاحب نے پوچھا: ''اپنے گھر کب جاؤ گے؟''

میں نے عرض کیا: ''حضرت صبح کو ارادہ ہے۔''

فرمایا: ''اچھا! ہم صبح تم کو توجہ دیں گے۔''

وہ مجلس ختم ہوگئی' رات گزری جب فجر پڑھ چکا تو حضرت صاحب نے مسجد ہی میں روک لیا۔ اپنے سامنے بٹھایا' بلند آواز سے جلال کے ساتھ فرمایا: ''آنکھیں بند کرلو ہم توجہ دیتے ہیں۔''

میں نے آنکھیں بند کرلیں' دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا۔ حضرت نے جس طرح چاہا توجہ دی لیکن مجھ کو معلوم نہ ہوا۔ پھر فرمایا: ''آنکھیں کھول دو۔''

میں نے آنکھیں کھول دیں۔ حضرت صاحب نے بڑے جوش سے فرمایا: ''جاؤ! ان شاء اللہ عمر بھر کے لیے کافی ہے۔''

حضرت صاحب نے اپنے دستِ مبارک سے شجرہ بھی ارزانی فرمایا اور کچھ کتابیں بھی مرحمت فرمائیں اور پوچھا: ''کدھر جاؤ گے؟''

میں نے عرض کیا: ''آسیون ہوکر۔''

حضرت نے فرمایا: ''نہیں ادھر سے نہ جانا بلکہ اس طرح جانا''

اور پھر راستہ بتایا اس کی تفصیل ارشاد فرمائی۔ حضرت صاحب نے کھڑے ہوکر مصافحہ فرمایا اور پڑھا: استودع اللہ دینکم و خواتیم اعمالکم ۔

اور فرمایا: ''جاؤ! اللہ کے سپرد کیا۔''

میرے آنسو برابر جاری رہے اور اسی طرح سلام کر کے روانہ ہوگیا۔

(تذکرہ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی' ص ۱۳۲ تا ۱۳۵)

(یہ ابوالحسن علی ندوی کے دوست صوفی عبدالرب صاحب کے والد مولوی عباد علی کی حضرت گنج مرادآبادی کی بارگاہ میں حاضری کی دل آویز داستان کا ایک حصہ ہے)

(۱۵۹)

عدل وانصاف کرنے والے دو قاضی

حضرت سیدنا حبیب زارع رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ہم عہدِ شباب میں قاضی ابوحازم عبدالحمید بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ عہدۂ قضا سے پہلے بھی ہم انہیں قاضی گمان کیا کرتے اس لیے لڑائی جھگڑوں کے فیصلے انہیں سے کرواتے پھر کچھ ہی عرصہ بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ مسندِ قضا پر متمکن ہو گئے۔ عبدالواحد بن محمد خصیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قاضی ابوحازم رحمۃ اللہ علیہ انصاف کے معاملہ میں بہت سخت تھے' آپ ہمیشہ حق بات کہتے اور درست فیصلے فرماتے۔ ایک مرتبہ خلیفۂ وقت "معتضد باللہ" نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف پیغام بھیجا:

"فلاں تاجر نے ہم سے بیع کی اور نقد رقم نہ دی۔ وہ میرے علاوہ دوسروں کا بھی مقروض ہے' مجھے خبر پہنچی ہے کہ دوسرے قرض خواہوں نے آپ کے پاس گواہ پیش کیے تو آپ نے اس تاجر کا مال ان میں تقسیم کر دیا ہے۔ مجھے اس مال سے کچھ بھی نہیں ملا حالانکہ جس طرح وہ دوسروں کا مقروض تھا اسی طرح میرا بھی تھا لہٰذا میرا حصہ بھی دیا جائے۔"

پیغام پا کر ابوحازم رحمۃ اللہ علیہ نے قاصد سے کہا: "خلیفہ سے کہنا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز فرمائے' وہ وقت یاد کرو جب آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ میں نے فیصلوں کی ذمہ داری کا بوجھ اپنی گردن سے اُتار کر تمہارے گلے میں ڈال دیا ہے۔ اے خلیفہ! اب میں فیصلہ کرنے کا مختار ہوں اور میرے لیے جائز نہیں کہ گواہوں کے بغیر کسی مدعی کے حق میں فیصلہ کروں۔"

قاصد نے قاضی صاحب کا پیغام سنایا تو خلیفہ نے کہا: "جاؤ! قاضی صاحب سے کہو کہ میرے پاس بہت معتبر اور معزز گواہ موجود ہے۔"

جب قاضی صاحب کو یہ پیغام ملا تو فرمایا: "گواہ میرے سامنے آ کر گواہی دیں میں ان سے پوچھ گچھ کروں گا شہادت کے تقاضوں پر پورے اترے تو ان کی گواہی قبول کر لوں گا ورنہ وہی فیصلہ قابلِ عمل رہے گا جو میں کر چکا ہوں۔"

جب گواہوں کو قاضی صاحب کا یہ پیغام پہنچا تو انہوں نے آپ رحمۃ اللہ علیہ سے خوف کھاتے ہوئے عدالت آنے سے انکار کر دیا لہٰذا قاضی صاحب نے خلیفہ معتضد باللہ کا دعویٰ رد کرتے ہوئے اسے کچھ بھی نہ بھجوایا۔" (عیون الحکایات)

☆ — قاضی وکیع رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ معتضد باللہ کے زمانہ خلافت میں قاضی ابو حازم عبدالحمید بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے حسن بن سہل کی وقف کردہ زرعی زمین کی دیکھ بھال اور دیگر معاملات پر مجھے نگہبان مقرر کر دیا اس سے جو آمدنی ہوتی میں اسے شرعی احکام کے مطابق بیت المال اور غرباء وغیرہ میں تقسیم کر دیتا جب خلیفہ معتضد باللہ نے اپنے لیے محل تعمیر کروایا تو حسن بن سہل کی کچھ موقوفہ (وقف کی ہوئی) زمین بھی عمارت میں شامل کر لی۔ سال ختم ہونے پر میں نے تمام زمین کا حساب کر کے مال وصول کر لیا صرف شاہی محل میں شامل کی گئی زمین کا حساب باقی تھا۔ خلیفہ سے اس زمین کی آمدنی کا مطالبہ کرنے کی مجھے جرأت نہ ہوئی۔ میں تمام جمع شدہ مال وغلہ لے کر قاضی ابو حازم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور کہا: "میں نے اوقاف کی تمام زمین سے غلہ وغیرہ وصول کر لیا ہے اور تمام آمدنی میرے پاس موجود ہے آپ مجھے اسے تقسیم کرنے کی اجازت دیں تا کہ جتنا غلہ بیج کے لیے درکار ہے اتنا علیحدہ کر کے باقی مستحقین میں تقسیم کر دوں۔"

خلیفہ سے کون مطالبہ کر سکتا ہے

قاضی صاحب نے نے کہا: "کیا جو زمین خلیفہ معتضد باللہ نے اپنے محل کے احاطہ میں شامل کی ہے اس کی آمدنی بھی وصول کر لی گئی ہے؟"

میں نے کہا: "حضور! خلیفہ سے کون مطالبہ کر سکتا ہے؟"

فرمایا: ''خدائے بزرگ وبرتر کی قسم! میں اس وقت تک کچہری ختم نہ کروں گا جب تک وہ تمام رقم وصول نہ کرلوں جو خلیفۂ وقت کے ذمہ ہے۔ بخدا! اگر خلیفہ نے غلہ یا اس کی قیمت ادا نہ کی تو میں کبھی بھی عہدۂ قضاء قبول نہ کروں گا۔ اے وکیع! تم فوراً خلیفہ کے پاس جاؤ اور رقم کا مطالبہ کرو۔'' میں نے کہا: ''مجھے دربارِ شاہی تک کون پہنچائے گا؟''

فرمایا: ''فلاں سرکاری نمائندے کے پاس جاؤ اور کہو:

''میں قاضی کا صاحب کا قاصد ہوں' ایک بہت ہی اہم کام کے سلسلے میں اسی وقت خلیفہ کے پاس حاضر ہونا چاہتا ہوں' تم مجھے دربارِ شاہی تک لے چلو۔''

وکیع کہتے ہیں کہ میں اس سرکاری نمائندے کے پاس پہنچا تو وہ مجھے لے کر خلیفہ کے محل پہنچا۔ رات کا آخری پہر تھا' ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا' پورا شہر خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا جب خلیفہ کو بتایا گیا کہ ایک بہت ضروری کام کے سلسلے میں قاضی ابو حازم رحمۃ اللہ علیہ کا قاصد آیا ہے تو خلیفہ نے فوراً مجھے اپنے پاس بلالیا اور کہا: ''ایسا کون سا ضروری کام ہے جس کی خاطر اتنی رات گئے آنا پڑا۔''

میں نے کہا: ''حضور! آج میں نے تمام موقوفہ زمینوں کا حساب کیا اور اس زمین کی آمدنی اس مال میں شامل نہ تھی جو آپ کے محل کے احاطہ میں داخل کردی گئی ہے۔ قاضی صاحب نے فرمایا اس وقت تک یہ آمدنی کہیں بھی صرف نہ ہوگی جب تک خلیفہ کے محل میں شامل کردہ زمین کی آمدنی وصول نہ ہو جائے بس اسی سلسلے میں حاضر ہوا ہوں۔''

خلیفہ معتضد باللہ کچھ دیر خاموش رہا پھر کہا: ''بے شک قاضی صاحب نے صحیح کیا اور وہ حق کو پہنچ گیا۔''

یہ کہہ کر اس نے خادمین سے کہا' جاؤ اور فلاں صندوق اُٹھا لاؤ' حکم کی تعمیل ہوئی' دراہم ودنانیر سے بھرا صندوق لایا گیا۔ خلیفہ نے کہا: ''بتاؤ! ہمارے ذمہ کتنا مال ہے؟''

خلیفۂ وقت سے چار سو دینار کی ریکوری

میں نے کہا: ''جب سے وہ زمین محل میں شامل کی گئی ہے اس وقت سے اب تک اس زمین سے تقریباً چار سو دینار آمدنی ہوسکتی تھی' آپ اتنی ہی رقم ادا کردیں۔''

خلیفہ نے کہا: ''گن کر ادا کروں یا وزن کروا کر؟''

میں نے کہا: ''جو طریقہ زیادہ بہتر ہو وہی اختیار فرمائیے۔''

خلیفہ نے ترازو منگوایا اور چار سو دینار تول کر میرے حوالے کر دیئے گئے۔ میں تمام رقم لے کر قاضی ابو حازم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچا اور سارا واقعہ سنایا۔ فرمایا: ''یہ رقم فوراً وقف کی آمدنی میں شامل کر دو اور صبح ہوتے ہی بیج کے لیے غلہ نکال کر بقیہ مال مستحقین میں تقسیم کر دینا۔ خبردار! اس معاملے میں ذرا سی بھی تاخیر نہ کرنا۔''

قاضی وکیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ''جب لوگوں کو قاضی ابو حازم رحمۃ اللہ علیہ کی جرأت مندی، عدل وانصاف اور خلیفۂ وقت سے حق داروں کا حق لینے کے متعلق معلوم ہوا تو انہوں نے قاضی صاحب کو خوب داد دی اور پورے شہر میں قاضی صاحب کی جرأت مندی اور خلیفہ معتضد باللہ کے عدل وانصاف کا شہرہ ہو گیا اور لوگ قاضی ابو حازم رحمۃ اللہ علیہ کے لیے بارگاہِ خداوندی میں دستِ دعا دراز کرتے ہوئے نظر آنے لگے۔'' (ایضاً)

(سبحان اللہ! کیسے جرأت مند وحق گو ہوا کرتے تھے ہمارے اسلاف۔ انہیں حق گوئی اور انصاف پسندی سے کوئی نہ روک سکتا تھا۔ بڑی سے بڑی طاقت بھی انہیں امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے نہ روک سکتی۔ تاریخ گواہ ہے کہ اسلام کے ایسے سپوت بھی اس مادرِ گیتی پر جلوہ افروز ہوئے جو بظاہر عام سے عہدے پر فائز تھے لیکن بادشاہِ وقت سے بھی حق کے معاملہ میں نہ گھبراتے، کسی بھی رعایت کے بغیر ان کے بارے میں بھی وہی فیصلہ کرتے جو ایک عام غریب کے ساتھ کیا جاتا پھر ان لوگوں کی بے لوث خدمت اور بے غرض کوششیں رنگ بھی لاتیں ایسے بڑے بڑے امراء کہ جن کے ایک اشارے پر گردنیں اُڑا دی جاتیں، جن کے غیظ وغضب کے سامنے بڑے بڑے دلیر لرزتے تھے لیکن ان مردانِ حق کے سامنے ان کا رعب ودبدبہ دب جاتا اور حق بات پر انہیں صلح کرنا ہی پڑتی، حق دار کو ان کا حق دینا ہی پڑتا بلکہ یہ امراء وخلفاء ان مردانِ حق سے خائف رہتے بلا تامل ان کے فیصلوں پر سر تسلیم خم کر دیتے)

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

(۱۶۰)

مڑ بھاگ اور دوڑ آ طاقت ابھی ہے پاؤں میں

آج دنیا بھر کے مسلمان الا ماشاء اللہ یہود ونصاریٰ کی ریس (نقل) کر رہے ہیں۔ سر سید اور مصطفیٰ کمال سے لے کر آج تک ہمارے اکثر مغرب زدہ لیڈر اور حکمران یہ ترغیب دیتے آ رہے ہیں کہ ہمیں زمانے اور زندگی کی رفتار کے ساتھ ساتھ چلنا چاہیے۔ رواداری اور روشن خیالی کا رویہ اپنانا چاہیے اور مغربی تہذیب کے رنگ میں رنگ جانا چاہیے...... کبھی آپ نے ٹھنڈے دل سے سوچا کہ آخر ہمیں یہود ونصاریٰ کے لچھنوں کی تقلید نے کیا دیا ہے؟ ہماری مملکتیں چھین لی گئیں' ہمارے تخت وتاج لٹ گئے' ہماری فرخندہ اختری مٹی میں مل گئی' ہماری یک جہتی پارہ پارہ ہوگئی' ہماری عظمت کے مینار گر گئے' ہماری قوت کے سفینے ڈوب گئے' ہماری روایات دُھندلا گئیں' ہماری تہذیب ماند پڑ گئی۔ طاغوتی قوتوں نے ہمارا محاصرہ کر لیا ہے' آج ہم پر بم برس رہے ہیں' ہماری بستیاں جھلس رہی ہیں جا بجا لاشیں تڑپ رہی ہیں' ہر طرف خون بہہ رہا ہے' ہمارے قدرتی وسائل پر ڈاکہ پڑ چکا ہے' ہماری لہلہاتی ہوئی کھیتیاں سوکھ رہی ہیں' کہیں قلاشی ہے' کہیں قحط ہمارے دریاؤں کا سوکھتا ہوا پانی ہمارے کرتوتوں کو کوس رہا ہے اب ذوالجلال ہم سے روٹھ گیا ہے' بارشیں نہیں ہو رہیں' ہماری بستیوں کا سکون اُجڑ گیا ہے' بدامنی اور غارت گری کا راج ہے' مایوسی کی دُھند میں لپٹے ہوئے لوگ خودکشیاں کر رہے ہیں اس کے باوجود ہم عبرت نہیں پکڑتے۔ دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ پر عمل نہیں کرتے' ہم بدستور یہود وہنود اور دیگر طاغوتی طاقتوں ہی کی تہذیب کے پرستار ہیں اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہود ونصاریٰ کی پیروی سے ہم کامیاب ہو

جائیں گے تو نوٹ کر لیجیے کہ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ مغربی تہذیب کی نقالی کر کے مسلمان ہمیشہ خسارے ہی میں رہیں گے

مڑ' بھاگ اور دوڑ آ' طاقت ابھی ہے پاؤں میں
آرام وراحت' زندگی' سب کچھ ہے رب کی چھاؤں میں

آرام وراحت' زندگی سب کچھ ہے رب کی چھاؤں میں

اس پر ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

''فقادو'' ایتھوپیا کا مشہور پادری تھا' وہ مسلسل اور اَن تھک کوشش سے اپنے خاندان کے بہت سے لوگوں کو عیسائی بنا چکا تھا اور جگہ جگہ عیسائیت کی دعوت پہنچا رہا تھا اس وجہ سے اس کا چرچا دُور دُور تک ہونے لگا اور اس کا نام اس کے خاندان والوں کے لیے باعثِ عزت بن گیا۔

فقادو نے دینِ مسیحی کی تعلیمات میں تحقیق کی اور باریک سے باریک مسائل سے آگہی حاصل کر لی چنانچہ اس کا شمار بڑے عیسائی علماء میں ہونے لگا اور ایک بڑے پادری کی حیثیت سے اس کی ایک پہچان بن گئی اس کی اچھی شہرت اور علمی قابلیت کے باعث جاہ و مال نے اس کی قدم بوسی کی اور وہ براعظم افریقہ کے نصاریٰ میں ایک عظیم شخصیت کی حیثیت سے معروف ہوگیا۔

فقادو پادری نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ وہ سورۂ اخلاص کی تلاوت کر رہا ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ۝ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۝

''آپ کہہ دیجیے کہ وہ اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے' اللہ بے نیاز ہے' نہ اس سے کوئی پیدا ہوا' نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔''

فقادو یہ خواب دیکھ کر چونک پڑا' دل ہی دل میں کہنے لگا: ''یہ کوئی معمولی خواب نہیں ہے۔''

وہ اپنی ذہانت وفطانت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اس خواب کی تعبیر پر غور کرنے لگا

اوراس کے مطلب ومقصد کی جستجو میں لگ گیا مگراس کے خواب کا کوئی تشفی بخش جواب نہ بن پڑااس نے رابطہ عالم اسلامی کے مقامی دفتر سے رابطہ کیا تا کہ اسے اس خواب کی مناسب تعبیر معلوم ہو جائے جسے دیکھنے کے بعد وہ پل بھر کے لیے بھی چین سے نہیں بیٹھا تھا اور اسی سوچ میں سرگرداں تھا کہ آخر خواب میں سورۂ اخلاص پڑھنے کا مطلب کیا ہوسکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ کے کرم سے فقادو کو رابطہ عالمی اسلامی کے دفتر سے مطلوبہ متاع مل گئی۔ دفتر کے مینیجر نے اس کے خواب کی یہ خوش آئند تعبیر بتلائی کہ اللہ تعالیٰ فقادو کو اندھیرے سے نکال کر ہدایت کی روشنی سے نوازنا چاہتا ہے۔

دنیا کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے رابطہ عالم اسلامی کے دفاتر کے کارکنوں کا دستور یہ ہے کہ وہ دعوت الی اللہ کی نشر واشاعت اور لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف رہنمائی کرنے میں تن من دھن کی بازی لگائے رہتے ہیں' دعوت وتبلیغ کے ایسے ہی مختلف پروگراموں میں فقادو نے شرکت کی جس کے نتیجے میں وہ اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا اور اس کا نام ''فقادو'' کی بجائے ''محمد سعید'' رکھ دیا گیا۔

ہولناک استقام کی تیاری

دنیائے عیسائیت میں اس مردِ مومن کی اہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے قبولِ اسلام نے عیسائیوں کے چرچ کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں اور انہوں نے اسے اپنے مذہب کے لیے ایک زبردست دھچکا تصور کیا۔ عیسائیوں نے لاکھ کوشش کی کہ وہ اپنے مذہبی پیشوا کو' جو اب دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکا تھا' دینِ اسلام سے برگشتہ کر کے عیسائیت کی دنیا میں واپس بلالیں لیکن ان کی ساری کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔

محمد سعید کا دائرۂ اسلام میں داخل ہونا مسلمانوں کے حق میں بڑا ہی مفید ثابت ہوا کیونکہ محمد سعید کی اتباع میں دوسرے بہت سے غیر مسلم بھی اسلام کو گلے لگانے لگے بلکہ محمد سعید کے عیسائی پیروکار بھی اس سے دلی لگاؤ کے باعث اس کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ ایک پوری کی پوری بستی دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئی۔

جب چرچ کے متعصب پادریوں کو اپنے پرانے ساتھی محمد سعید (فقادو) سے کچھ زیادہ

ہی خطرہ محسوس ہونے لگا اور انہیں یقین ہو گیا کہ محمد سعید اب ایک پکا سچا مسلمان بن چکا ہے اور اسے دینِ اسلام سے پھیر کر عیسائیت کی طرف دوبارہ واپس لانا ناممکن ہے تو انہوں نے محمد سعید سے ہولناک انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا۔

ایتھوپیا کے رابطہ عالمِ اسلامی کے ارکان نے یہ صورتِ حال دیکھی تو انہوں نے مکہ مکرمہ کے رابطہ عالمِ اسلامی کے سیکرٹریٹ سے رابطہ قائم کر کے محمد سعید کے لیے سعودی عرب کا ویزا طلب کیا۔

محمد سعید کو عربی زبان سے ذرا بھی واقفیت نہیں تھی لیکن رابطہ عالمِ اسلامی کے تعاون سے ان کا داخلہ اُم القریٰ یونیورسٹی (مکہ مکرمہ) کے شعبہ عربی میں ہو گیا' مکہ مکرمہ ہی میں ان کے اور ان کے اہلِ خانہ کے لیے ایک رہائشی مکان کا بندوبست کر دیا گیا اور ان کے اخراجات کے لیے مناسب وظیفہ بھی مقرر کر دیا گیا۔

محمد سعید کو اللہ تعالیٰ نے بلا کی ذہانت بخشی تھی' تھوڑی سی مدت ہی میں انہوں نے عربی زبان کے قواعد واصول سے واقفیت حاصل کر لی اور تحقیقاتِ اسلامی میں ان کی دُوررس نگاہ بہت جلد کامیاب ہو گئی۔ انہوں نے تعلیماتِ علومِ نبویہ میں مہارت پیدا کی اور ان کی اسلامی معلومات بہتر سے بہتر ہوتی گئیں اس مدت میں انہوں نے قرآنِ کریم کی چند سورتیں بھی یاد کر لیں۔ وہ بہت نرم دل ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ہدایت کی روشنی چمکا کر جو احسان وانعام فرمایا تھا' اسے یاد کر کے وہ خوشی کے آنسو بہاتے رہتے۔

یک نہ شد دو شد

اسی دوران ایک اور واقعہ رونما ہوا۔ ایتھوپیا کے چرچ کے نگرانِ اعلیٰ کی بیٹی مسلمان ہو گئی اور مکہ مکرمہ پہنچی۔ وہ ایک نوجوان اور حسین وجمیل لڑکی تھی۔ وہ شیخ سعید سے ملی اور اپنی رام کہانی اس طرح سنائی: ''میرے والد کو جب معلوم ہوا کہ میں اسلام قبول کر لوں گی تو اس نے مجھ پر کڑی پابندیاں لگائیں' گھر میں قید کر دیا اور مجھ پر بے حد مظالم ڈھائے۔ میں کسی نہ کسی طرح وہاں سے نکل بھاگی اب یہاں آ گئی ہوں۔ مجھے پناہ درکار ہے ورنہ وہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے۔'' اس کی داستان بڑی لمبی تھی۔

محمد سعید اس کی دُکھ بھری کہانی سے متاثر ہوا اس نے اس کی مدد کا وعدہ کر لیا۔ چند ماہ بعد اس لڑکی نے محمد سعید سے درخواست کی کہ وہ داعیہ بننا چاہتی ہے لہٰذا اسے ضروری دینی تعلیم دی جائے۔ وہ نوجوان ہی نہیں، خوب صورت بھی تھی اس نے رو رو کر کہا:

''مجھے میرے خاندان والوں سے بچایئے کیونکہ وہ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔''

وہ جدہ میں اکیلی تھی' ایک دن اس نے محمد سعید سے التجا کی: ''آپ مجھ سے شادی کر لیں اور اسلامی تعلیم دیں۔ ہم دونوں دعوت کا کام کریں گے۔''

بالآخر اس لڑکی کی تمنا پوری ہوئی اور محمد سعید نے اس سے شادی کر لی اور اس کی رہائش کا بندوبست جدہ ہی میں کر دیا۔ ان کی پہلی بیوی جو انہی کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئی تھی' مکہ مکرمہ میں ان کے ساتھ موجود تھی۔

یہ ایک خوف ناک سازش تھی' محمد سعید کو اپنے خلاف اس سازش کا قطعاً علم نہ تھا۔ دراصل جب ایتھوپیا کے پادری اسے دوبارہ اپنے دین میں داخل کرنے میں ناکام ہو گئے تو اسی وقت سے انہوں نے محمد سعید کو موت کے گھاٹ اُتارنے کی سازشیں شروع کر دی تھیں۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ چاہے وہ کسی بھی ملک میں چلا جائے' ہم اسے لازماً قتل کر کے رہیں گے۔

چنانچہ اسی ہدف کے حصول کے لیے یہ انوکھی سازش کی گئی۔ یہ عیسائی لڑکی ایڈز کے موذی مرض میں مبتلا تھی۔ اسے تیار کیا گیا کہ وہ اس سازش کی تکمیل میں اہم کردار ادا کرے اور ایڈز کا قاتل وائرس محمد سعید اور اس کی بیوی تک پہنچا دے۔ اسے مذہب کا واسطہ دیا گیا کہ تمہیں تو اب بہرحال مرنا ہی ہے کیونکہ مرض تمہارے جسم میں تیزی سے پھیل رہا ہے۔ بس اب تم اس دنیا سے جاتے جاتے یہ ''نیک'' کام کر جاؤ کہ عیسائیت چھوڑنے والے ایک شخص سے انتقام لیتی جاؤ۔

نیک دل اور ہمدرد محمد سعید ان کی سازش کا شکار ہو گیا' تھوڑے ہی دنوں بعد یہ مہلک مرض اس کے اپنے جسم ہی میں نہیں بلکہ اس کی بیوی کے وجود میں بھی منتقل ہو گیا۔ بعد ازاں ایک دن وہ لڑکی چپکے سے ایتھوپیا بھاگ گئی۔

اس خطرناک مرض نے محمد سعید اور ان کی بیوی کو مزید جینے کی مہلت نہیں دی۔ چند مہینے بعد ان کی بیوی اللہ کو پیاری ہوگئی اور محمد سعید کا جسم بھی آہستہ آہستہ لاغر ہوتا گیا بالآخر انہوں نے بھی دَم توڑ دیا اور مکہ مکرمہ میں دفن کر دیئے گئے۔

اللہ تعالیٰ سے ہماری دعا ہے کہ وہ محمد سعید اور ان کی اہلیہ پر ہر آن اپنی رحمت نازل فرمائے اور انہیں جنت میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے بالکل سچ فرمایا ہے:

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۔

''آپ سے یہود ونصاریٰ کبھی راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے دین کو اختیار نہ کرلیں۔'' (البقرہ:۲:۱۲۰) مجلہ رابطۃ العالم الاسلامی)

(۱۶۱)

اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو جاؤ

نقل ہے کہ ایک آدمی شیر سے بھاگا اور کنویں میں گر پڑا اور اس پر شیر گرا۔ شیر نے کنویں میں ایک ریچھ دیکھا تو اس سے کہا: ''یہاں تم کو کتنے دن ہوئے؟''

ریچھ نے جواب دیا: ''چند دن ہوئے اور حال یہ ہے کہ بھوک مارے جا رہی ہے۔''

(یہ سن کر) شیر نے اس سے کہا: ''آؤ میں اور تم اس انسان کو کھالیں۔ پس ہماری بھوک کو یہ کافی ہوگا۔''

اس کے بعد ریچھ نے اس سے کہا: ''جب ہم ہمیں دوسری مرتبہ بھوک لگے گی تو پھر ہم کیا کریں گے اس لیے بہتر ہے کہ ہم اس آدمی سے کے لئے قسم کھائیں کہ ہم اس کو ایذاء نہ دیں گے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ ہماری رہائی میں حیلہ اور تدبیر کرے گا اس لیے کہ یہ حیلہ اور تدبیر میں ہم سے بہت زیادہ قدرت رکھتا ہے۔''

چنانچہ دونوں نے آدمی کے لئے قسم کھائی اور اس نے ان کی رہائی کی تدبیر نکالی حتیٰ کہ خود بھی رہا ہو گیا اور ان کو بھی رہائی دی۔ معلوم ہوا کہ ریچھ کی نظر اور رائے شیر کی نظر اور رائے سے بھی زیادہ تیز تھی۔ (قلیوبی)

☆...... بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی شیر سے بھاگا اور درخت کی جانب پناہ لی اور اس پر چڑھ گیا۔ ناگاہ اس نے دیکھا کہ درخت کے اوپر ایک ریچھ ہے جو اس کے پھل چُن رہا ہے۔ شیر درخت کے نیچے آ کر بیٹھ گیا اور آدمی کے نیچے اُترنے کا انتظار کرنے لگا اس کے بعد آدمی نے ریچھ کی طرف دیکھا تو یہ دیکھا کہ وہ اپنی انگلی اپنے منہ پر رکھ کر یہ اشارہ کرتا

ہے کہ چپ رہ تا کہ شیر کو خبر نہ ہو کہ میں یہاں ہوں۔ آدمی متحیر ہوا اور اس کے پاس تیز چھری تھی چنانچہ اس نے اس شاخ کو کاٹنا شروع کیا جس پر ریچھ تھا یہاں تک کہ اس کو انتہا تک کاٹ ڈالا۔ ریچھ زمین پر گرا اور شیر اس پر کودا۔ دونوں نے کشتی کی نتیجہ یہ ہوا کہ شیر نے ریچھ کو پھاڑ ڈالا اور پلٹ کر پھر گیا۔ آدمی نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے نجات پائی۔ (ایضا)

شکر نہ کرنے کی نحوست

نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص کے کھانے میں بُھنا ہوا مرغ تھا۔ پس ایک سائل نے اس کے پاس کھڑے ہو کر سوال کیا لیکن اس شخص نے اس کو ناکام واپس کیا۔ وہ شخص صاحبِ دولت اور مالِ کثیر کا مالک تھا پھر اس کے اور اس کی بی بی کے درمیان میں جدائی اور طلاق واقع ہوئی اور اس عورت نے دوسرے سے نکاح کیا۔ چنانچہ شوہر دوم کھانا کھا رہا تھا اور اس کے سامنے بُھنا ہوا مرغ تھا۔ ناگاہ اس کے پاس ایک سائل نے کھڑے ہو کر سوال کیا۔ اس نے اپنی بی بی سے کہا: ''اس سائل کو بُھنا ہوا مرغ دے دو۔''

اس نے مرغ فقیر کے حوالے کیا اور اس کو غور سے دیکھا تو وہ فقیر اس عورت کا پہلا شوہر تھا۔ اس نے اپنے شوہر دوم سے اس کا تذکرہ کیا کہ یہ سائل اس کا پہلا شوہر تھا اور اس عورت نے اس کے سائل کو واپس کر دینے کا قصہ بیان کیا۔ اس نے اپنی بی بی سے کہا:

''واللہ وہ سائل میں ہی ہوں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کی نعمتیں اور اس کی بی بی مجھے بخشی کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے شکر میں کمی کی تھی۔'' (ایضا)

(۱۶۲)

نقش ہے صفحۂ ہستی پہ صداقت ان کی

خلیفۂ دمشق عبدالملک بن مروان کو ایک مرتبہ قیصر بادشاہ روم کے دربار میں سفیر بھیجنے کی ضرورت پڑی تو اس نے پوری سلطنت کے دانش مندوں میں سے ملا یعنی مشہور امامِ حدیث حضرت شعبی کو اس مہم کے لیے منتخب کیا۔ چنانچہ امام شعبی نے قیصر کے دربار میں پہنچ کر اپنی مدبرانہ سیاسی گفتگو سے قیصر کے دل پر ایسا سکہ بٹھا دیا کہ وہ حیران رہ گیا بلکہ اس کو حسد ہونے لگا کہ اسلامی سلطنت کو ایسے ایسے ہوش مند اور دانا افراد مل گئے ہیں۔ چنانچہ قیصر نے عبدالملک بن مروان خلیفہ کو جو خط تحریر کیا اس میں لکھ دیا: ''اے عبدالملک! مجھے تعجب ہے کہ امام شعبی جیسے سیاسی مدبر کے ہوتے ہوئے تجھ کو مسلمانوں نے کس طرح امیر المومنین بنا لیا؟''

عبدالملک بھی بڑا ہوش مند اور چالاک آدمی تھا اس نے جب قیصر کا خط پڑھا تو ہنستے ہوئے امام شعبی کو بلا کر فرمایا: ''اے امام شعبی! کیا آپ کو پتہ ہے کہ قیصر نے آپ کے بارے میں کیا لکھا ہے۔'' آپ نے جواب دیا: ''جی نہیں! مجھے اس کی کچھ خبر نہیں۔''

عبدالملک نے قصر کا خط پڑھ کر سنایا تو امام شعبی سناٹے میں آ گئے، سنبھل کر فرمایا اور کیا خوب فرمایا: ''اے امیر المومنین! قیصر نے مجھے تو دیکھا مگر آپ کو نہیں دیکھا اس لیے ایسا لکھا ہے اگر وہ آپ کو دیکھ لیتا تو ہرگز کبھی ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ عبدالملک نے ہنستے ہوئے کہا: ''امام شعبی! آپ نے قیصر کا مطلب نہیں سمجھا اس نے مجھے اشتعال دلایا ہے کہ میں غصہ میں آ کر آپ جیسے باکمال انسان کو قتل کرا دوں تا کہ اسلامی سلطنت کے تاج کا ایک نہایت ہی قیمتی اور چمکدار ہیرا برباد ہو جائے۔''

چنانچہ جب قیصر کو معلوم ہوا کہ خلیفہ عبدالملک نے اس خط کا یہ مطلب سمجھا تو اس نے اقرار کرلیا کہ خدا کی قسم! جو کچھ خلیفہ عبدالملک نے سمجھا بالکل یہی میرے دل میں تھا۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۸۰)

اب تلک یاد ہے قدموں کو حکایت ان کی

ایک علم دین پڑھنے والا ملا یعنی امام شعبی سیاست' حسن تدبیر حاضر جوابی' ہوش مندی' صلاحیت حکومت کے آسمان پر جس طرح آفتاب بن کر چمک رہا ہے اس حکایت سے اس کا اندازہ لگا لیجیے اور خدا کے لیے اس خیال سے توبہ کر لیجیے کہ ملا لوگ ہر زمانے میں مسجدوں کا لوٹا چھوڑنے اور زکوۃ خیرات کھانے کے سوا اور کسی کام کے نہیں رہے۔ یاد رکھیے کہ اس طبقے میں ایسے ایسے باکمال ہو چکے اور اب بھی موجود ہیں جنہوں نے اقوامِ عالم کے مدبرین پر اس طرح اپنے سیاسی تدبر کا سکہ بٹھایا ہے کہ :

اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی
نقش ہے صفحۂ ہستی پہ صداقت ان کی!

☆ ...... استغناء و بے نیازی اور صبر وقناعت یہ کتاب اخلاقیات کے وہ روشن ابواب ہیں کہ اگر یہ کہہ دیا جائے: ''اخلاق علماء کی پوری عمارت انہی چاروں ستونوں پر قائم ہے تو یہ ایسی حقیقت کا اظہار ہوگا جس کو آفتاب کی طرح ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔''

اخلاق علماء کے اس رُخ کی بھی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے!

☆ ...... ایک مرتبہ ہارون الرشید اپنے شہزادوں امین و مامون کو ساتھ لے کر حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی درس گاہ میں حاضر ہوا اور یہ خواہش ظاہر کی کہ آپ کچھ احادیث سنائیں۔ امام صاحب نے فرمایا: ''میں نے کچھ دنوں سے قرأت کا طریقہ چھوڑ دیا ہے۔ لوگ مجھ کو احادیث سناتے ہیں اور میں سن لیتا ہوں۔''

خلیفہ نے کہا: ''خیر میں پڑھتا ہوں' آپ سن لیجیے مگر شرط یہ ہے کہ عام آدمیوں کو درس گاہ سے باہر نکال دیجیے۔''

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: ''یہ غیر ممکن ہے' میں عوام کو درس گاہ سے باہر نکال

دوں اور صرف خواص کو اپنے حلقۂ درس میں شامل رکھوں ایسا کرنے سے خواص کو بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یہ علمِ نبوت ہے اس میں شاہ وگدا سب برابر کے حق دار ہیں۔''

یہ فرمایا اور اپنے شاگرد ابن عیسیٰ کو فوراً سبق شروع کردینے کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ ابن عیسیٰ نے قرأت شروع کردی۔

خلیفہ ہارون الرشید اور اس کے دونوں شہزادے حیرت سے امام مالک کا منہ تکتے رہ گئے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج اص ۱۹۱)

نقش سے صفحہ ہستی پہ صداقت ان کی

کیا دَورِ حاضر کے علماء ایک بادشاہ کے مقابلے میں ایسی بے نیازی استغناء اور خودداری کی کوئی مثال پیش کرسکتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ استغناء اور بے نیازی علمائے حق کے لیے بہترین ڈھال ہے جس پر کوئی تلوار اثر نہیں کرسکتی

خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں غلامی میں
ہاں اگر محفوظ رکھتی ہے تو ''استغناء''

☆......ایک دن کوہستانی علاقہ کے بادشاہ امیر ابودلف کا شاہزادہ ''دلف'' اپنے خدم وچشم کے ساتھ قبیصہ بن عقبہ کے دروازے پر ملاقات کے لیے حاضر ہوا مگر قبیصہ نے مکان سے نکلنے میں بہت دیر لگادی تو خادموں نے انہیں پکارا اور یہ کہا: ''ملک الجبال کا شاہزادہ دروازے پر کھڑا ہوا ہے اور آپ ہیں کہ گھر سے نکلتے ہی نہیں۔''

یہ سن کر قبیصہ اپنے مکان سے اس حال میں نکلے کہ خشک روٹی کے چند ٹکڑے ان کے تہ بند میں بندھے ہوئے تھے۔ ان ٹکڑوں کو دِکھا کر فرمایا: ''جو شخص دنیا میں بس اتنے پر ہی قناعت کر کے راضی ہوچکا ہو اس کو ملک الجبال سے کیا کام؟ میں خدا کی قسم! اس سے بات بھی نہ کروں گا۔'' یہ کہہ کر دروازہ بند کرلیا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج اص ۳۴۰)

حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: عز من قنع و ذل من طمع۔
''جس نے قناعت کی اس نے عزت پائی اور جس نے لالچ کیا وہ ذلیل ہوا۔''

واقعی اس میں کوئی شک نہیں کہ ''قناعت'' ایک اعلیٰ درجہ کی بادشاہی ہے اور حرص

نہایت ہی ذلیل قسم کی گداگری مگر افسوس کہ

نہ ایراں میں رہے باقی نہ توراں میں رہے باقی
وہ بندے فقر تھا جن کا ہلاکِ قیصرو کسریٰ

وہ بندے فقر تھا جن کا ہلاک قیصرو کسریٰ

نحو وادب کے امام خلیل بصری کے پاس اہواز سے امیر سلیمان بن علی کا معتمد قاصد آیا اور پیغام لایا کہ امیر نے اپنے شاہزادوں کی تعلیم کے لیے آپ کو اپنے شاہی دربار میں بلایا ہے۔ خلیل بصری خشک روٹی کا ایک ٹکڑا ہاتھ میں لیے باہر نکلے اور قاصد کو روٹی کا ٹکڑا دِکھا کر فرمایا: ''میرے پاس جب تک یہ خشک روٹی کا ٹکڑا موجود ہے مجھے امیر سلیمان کے دربار کی کوئی ضرورت نہیں۔'' (علماء سلف ص ۲۷)

اللہ اللہ! اس استغناء اور صبر وقناعت کا کیا کہنا؟ آج علما کے سینوں کے صندوق اور ان کے دِلوں کی تجوریوں میں یہی صبر وقناعت اور استغناء کی دولت نہیں رہی تو علماء کی حرص و ہوس کا کیا عالم ہے؟

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیم بو ذر و دلق اویس و چادر زہرا؟

☆...... مشہور امام لغت ابو غالب نے جب فنِ لغت میں اپنی کتاب تصنیف کی تو امیر مجاہد نے ایک ہزار اشرفیاں ان کے پاس بھیجیں اور یہ فرمائش کی کہ اپنی کتاب کے دیباچہ میں صرف یہ الفاظ درج کردیں: مما الفه ابو غالب لابی الجیس مجاهد .

''اس کتاب کو ابو غالب نے ابوالجیش امیر مجاہد کے لیے تصنیف کیا ہے۔''

ابو غالب نے ان اشرفیوں کو ٹھکرا دیا اور فرمایا: ''اے قاصد! تم اپنے بادشاہ سے کہہ دینا کہ اگر تمام دنیا کی دولت بھی وہ مجھے دے دے جب بھی اپنی کتاب میں ایک جھوٹی بات نہیں لکھوں گا۔ میں نے یہ کتاب عام خلائق کے فائدے کے لیے لکھی ہے۔ خاص امیر مجاہد کے نہیں لکھی ہے۔'' (ابن خلکان ج ۱ ص ۹۷)

اس واقعہ میں ابو غالب کی صداقت' بے طمعی اور قناعت کا جو جلوہ نظر آرہا ہے وہ دَورِ

حاضر کے علماء کے لیے سرمۂ چشمِ بصیرت ہے۔

ان خشک روٹی اور ٹوٹی چٹائی پر قناعت کرنے والے علمائے سلف کو کون ہے جو فقیر کہہ سکتا ہے۔ واللہ! یہ بادشاہ تھے، بخدا یہ شہنشاہ تھے۔ کیوں؟ اس لیے کہ

دارا و سکندر سے مرد فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی

(۱۶۳)

شاہ بلاول لاہوری اور جلال الدین تبریزی

عادت مبارک یہ تھی کہ شاہ بلاول رحمۃ اللہ علیہ صبح سے چاشت تک مراقبے اور عبادت میں مشغول رہتے پھر لوگوں کو کھانا تقسیم فرماتے۔ کھانا تقسیم فرمانے کے بعد دوپہر میں کچھ دیر آرام فرماتے پھر نمازِ ظہر باجماعت ادا کرتے پھر مریدوں کی طرف متوجہ ہوتے اور ان کو ارشاد و تلقین فرماتے اسی درمیان میں لوگ پانی کے کوزے لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ شاہ بلاول دعا پڑھ کر ان پر دَم کرتے۔ یہ دَم کیا ہوا پانی بیماروں کے لیے شفا میں اکسیر کا حکم رکھتا تھا اسی دوران دو منشی جو آپ کے ملازم تھے حاضر ہوتے۔ آپ حاجت مندوں کے لیے بادشاہِ وقت اور اس زمانے کے امراء کے پاس سفارشی خط لکھواتے۔ خطوط کے شروع میں ''اللہ بس باقی ہوس'' لکھواتے تھے۔ نمازِ عصر کے بعد مراقبے اور عبادت میں مشغول ہو جاتے۔ افطار کے بعد مغرب کی نماز ادا فرماتے اور نمازِ مغرب سے فارغ ہو کر اپنے حجرۂ خاص میں تشریف لے جاتے اور دو گھنٹے تک نوافل و صلوٰۃ الاوّابین ادا فرماتے پھر لوگوں کو کھانا تقسیم فرماتے اور خود جو کی روٹی اور چولائی کے ساگ پر اکتفاء کرتے' عشاء کی نماز کے بعد آپ حجرے میں تشریف لے جاتے اور رات کا بڑا حصہ عبادت میں گزارتے تھے۔

(تذکرہ صوفیائے پنجاب' ص ۱۴۳ بحوالہ خزینۃ الاصفیاء' ج اوّل' ص ۱۴۳)

دارا و سکندر سے ''یہ'' مرد فقیر اولیٰ

حضرت شیخ اوحدالدین کرمانی سے منقول ہے کہ کعبۃ اللہ کے سفر میں شیخ جلال الدین

کے ہمراہ تھا۔ ہم بنی امام پر پہنچے' عجیب سخت اور دشوار راستہ تھا' بہت سے آدمی اور اونٹ مر گئے جو فقیر اور غریب لوگ قافلے میں تھے' ان کے پیروں میں آبلے پڑ گئے یہاں تک کہ قافلے والے سواری نہ ہونے کی وجہ سے عاجز ہو گئے۔ بازار بنی امام میں اونٹوں کا ایک گلہ فروخت ہونے کے لیے آیا۔ ہر اونٹ کی قیمت بیس اشرفی تھی۔ اہلِ قافلہ میں سے جس میں قوت تھی اس نے اونٹ خرید لیا جو غریب تھے اور قوت نہیں رکھتے تھے راضی بہ قضاء اپنے اور اپنی اپنی جانوں سے مایوس ہو گئے اسی دوران حضرت شیخ جلال الدین تبریزی نے اونٹوں کے مالک کو بلایا اور فرمایا کہ شمار کرو کہ کتنے اونٹ فروخت نہیں ہوئے ہیں۔ شمار کرنے پر معلوم ہوا کہ پانچ سو اونٹ فروخت ہونے سے رہ گئے ہیں۔ حضرت جلال الدین نے تین مرتبہ یالطیف فرمایا' ریت میں ہاتھ ڈالا' اشرفیوں سے بھر کر باہر نکالا اور اونٹ خریدے اور وہ اونٹ حق داروں اور عاجزوں کو دے دیئے یہاں تک کہ پانچ سو اونٹ خرید کر تقسیم کر دیئے اور خود پیدل بیت اللہ کو گئے۔

(سیر العارفین' مترجم' ص ۲۴۰)

(۱۶۴)

پابندیٔ شریعت بہر حال لازم ہے

قاضی ابوطاہر محمد بن احمد بن عبداللہ بن نصر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"مجھے یہ خبر پہنچی کہ جس علاقے میں حضرت ابوحازم رحمۃ اللہ علیہ قاضی تھے وہاں کے دو شخص آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اپنے جھگڑے کا فیصلہ کروانے آئے' ان کا جھگڑا انتہا کو پہنچ چکا تھا' وہ کمرۂ عدالت میں بھی ایک دوسرے پر جھپٹ رہے تھے۔ قاضی صاحب کے ہوتے ہوئے کمرۂ عدالت میں ایک دوسرے پر جھپٹنا ایک مذموم حرکت تھی ان کی یہ حرکتیں بڑھتی گئیں بالآخران میں سے ایک شخص نے کوئی ایسی نازیبا حرکت کی جو سخت تادیبی کارروائی کے لائق تھی۔ چنانچہ قاضی صاحب نے حکم دیا کہ اسے توہینِ عدالت کی سزا دی جائے تا کہ اسے معلوم ہو کہ ادب کتنا ضروری ہے۔ سپاہیوں نے اسے سزا دی تو اتفاقاً اس کی موت واقع ہو گئی اور موت کا سبب تادیبی کارروائی بنی۔ قاضی صاحب نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو خلیفہ معتضد باللہ کو یہ خط بھیجا:

"اللہ تبارک وتعالیٰ خلیفہ کی عمر دراز فرمائے۔ میرے پاس دو شخص اپنا مقدمہ لے کر آئے' ان میں سے ایک نے ایسی غلطی کی جس پر اسے ادب سکھانے کے لیے سزا ضروری تھی میں نے اسے سزا دلوائی تو اتفاقاً وہ ہلاک ہو گیا جب مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور ادب سکھانے کے لیے کسی کو سزا دی جائے اور اس کی موت واقع ہو جائے تو اس کی دِیت' بیت المال سے ادا کی جاتی ہے۔ ہمارے ہاں بھی ایسا ہی ہوا ہے لہٰذا بیت المال سے رقم بھجوا دیں تا کہ میں اسے بطورِ دیت مقتول کے ورثاء کو دے دوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو عمرِ دراز عطا

فرمائے۔'' والسلام

جب خلیفہ معتضد باللہ کے پاس قاضی ابو حازم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ خط پہنچا تو اس نے جواباً یہ پیغام بھجوایا: '' اے قاضی ابو حازم رحمۃ اللہ علیہ! ہمیں تمہارا خط ملا جس میں دیت بھجوانے کا کہا گیا لہٰذا میں تمہاری طرف دیت کا مال بھجوا رہا ہوں۔'' والسلام

خلیفہ نے دس ہزار درہم قاضی صاحب کے پاس بھجوائے۔ قاضی صاحب نے مقتول کے ورثاء کو بلوایا اور ساری رقم بطورِ دیت انہیں دے دی۔'' (عیون الحکایات)

(۱۶۵)

پہلی عالمی جنگ سے پہلے کا ایک واقعہ

یہ ۱۹۱۴ء سے پہلے کا واقعہ ہے کہ ایک تاجر تجارت کی غرض سے شام کے شہر حلب کی جانب روانہ ہوا۔ راستے میں طوفانِ بادو باراں نے آلیا۔ برف باری کی شدت سے سڑکیں بند ہوگئیں اس زمانے میں اس شہر میں ہوٹل وغیرہ نہیں تھے کہ مسافر وہاں کا رُخ کرتے۔ عموماً واقف کاروں یا رشتہ داروں کے ہاں قیام ہوتا یا پھر کسی بھی اجنبی شخص کا دروازہ کھٹکھٹایا جاتا اور اس سے رات رہنے کے لیے کہا جاتا تو وہ نہ صرف اپنا دروازہ کھول دیتا بلکہ کھانا بھی کھلاتا تھا۔ یہ دستور ایک مدت تک چلتا رہا بلکہ آج بھی دیہاتوں اور قصبوں میں یہی دستور باقی ہے اور مہمان کا حق سمجھا جاتا ہے کہ اگر وہ گاؤں میں آئے تو اس کی مہمان نوازی کی جائے۔

اس تاجر نے ایک گھر کے دروازے پر دستک دی' گھر والوں نے دروازہ کھولا اس نے بتایا کہ وہ مسافر ہے' رات گزارنا چاہتا ہے' گھر والوں نے اسے خوش آمدید کہا۔ اپنے گھر کے دریچے کھول دیئے' یہ چھوٹا سا گھر تھا اس میں میاں بیوی اور ان کا اکلوتا نوجوان بیٹا رہتا تھا۔ دو کمروں میں سے ایک میں ان کا بیٹا اور دوسرے میں اس کے والدین سو جاتے تھے' دن کے وقت یہی کمرے کھانے پینے اور بیٹھنے کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ گھر والوں نے مہمان کو بٹھایا' کھانا پیش کیا اور پھر اس کے پاس بیٹھ کر گفتگو شروع کر دی تاجر نیک دل آدمی تھا اس نے میزبانوں کو تفصیل سے اپنے حالات سے آگاہ کیا اور بتایا کہ اس کے پاس ایک خطیر رقم موجود ہے جسے وہ مالِ تجارت خریدنے کے لیے لایا ہے۔ رات دیر تک باتیں

ہوتی رہیں۔ یہ گفتگو میزبان کی بیوی بھی سن رہی تھی' اسے پتہ چل گیا کہ ہمارے مہمان کے پاس بھاری رقم موجود ہے۔ سوتے وقت اہلِ خانہ نے مہمان کے لیے نئے بستر کا اہتمام کیا اس پر مہمان لیٹ گیا' دوسرے کونے میں ان کا بیٹا لیٹ گیا۔

بیوی نے اچانک خاوند کے کان میں سرگوشی کی: ''ہم آخر کب تک فقر وفاقہ کی زندگی گزارتے رہیں گے؟ ہمارا مہمان مال دار آدمی ہے ایک بڑی رقم اس کی جیب میں موجود ہے' ہمیں رقم کی شدید ضرورت ہے اگر ہم چاہیں تو راتوں رات امیر بن سکتے ہیں......''

''مگر وہ کیسے؟''

خاوند نے پوچھا: اس وقت ایسا نادر موقع ہے جو شاید کبھی نہ آئے اس کی بیوی نے ورغلایا: ''آؤ ہم اس مہمان کو قتل کر دیں جتنا مال اس کے پاس ہے' قابو کر لیں اور لاش ٹھکانے لگا دیں اس طوفانِ بادوباراں کے موسم میں کسی کو کچھ پتہ بھی نہ چل سکے گا۔ کسی کو بھی معلوم نہیں کہ ہمارے گھر میں مہمان موجود ہے۔ رات اندھیری اور سرد ہے' لاش کو ٹھکانے لگانا کوئی مشکل نہیں۔ ہم راتوں رات بہت مال دار بن جائیں گے۔''

اس کا خاوند پہلے تو انکار کرتا رہا کہ مہمان کے ساتھ ایسا ظلم کرنا بڑی وحشیانہ حرکت ہے مگر اس کی بیوی اس کا حوصلہ بڑھا رہی تھی' ادھر شیطان بھی زور لگا رہا تھا۔ ہم اپنی شدید ضرورت کی وجہ سے ایسا کر رہے ہیں۔ خون کرنا ہماری خواہش نہیں مگر بھوک کا علاج تو بہرحال کرنا ہوگا اس کی بیوی اسے اسی طرح کے جھوٹے دلائل سے قائل کرتی رہی۔ بالآخر وہ اس کی باتوں میں آ گیا اب وہ اپنے مہمان کو قتل کرنے اور اس کا مال چھیننے کی پلاننگ کرنے لگا۔

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی' سردی کی شدت میں اضافہ ہو رہا تھا' برف باری کا طوفان جاری تھا اور ادھر میاں بیوی خنجر تیز کر رہے تھے۔ بیوی شوہر کو حوصلہ بھی دیتی جا رہی تھی۔ وہ بالآخر اپنے بیٹے اور مہمان کے کمرے میں داخل ہوا۔ بیوی اس کے پیچھے پیچھے تھی' وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا کمرے کے بائیں رُخ مڑا جہاں اس نے اپنے ہاتھوں سے مہمان کے لیے نیا بستر بچھایا تھا' کمرے میں شدید اندھیرا تھا اس نے بستر ٹٹولا پھر اندازے سے

گردن تلاش کی اور خنجر چلا دیا جس طرح بکری ذبح کی جاتی ہے اس طرح اسے ذبح کر دیا اس کی بیوی لپک کر آگے بڑھی اور لاش اُٹھانے میں اس کی مدد کی۔

دونوں میاں بیوی دروازے پر لاش کھینچ کر لائے تو اچانک بجلی چمکی اور یکا یک ان کی آنکھیں پتھرا گئیں۔ یہ لاش ان کے اکلوتے بیٹے کی تھی۔ انہوں نے اپنے ہی ہاتھوں اپنے بیٹے کو ذبح کر دیا تھا۔ میاں بیوی کے حلق سے دل ہلا دینے والی چیخیں نکلیں اور دونوں بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ چیخیں سن کر مہمان بھی جاگ اُٹھا اور ان کے ہمسائے بھی بھاگے بھاگے آئے انہوں نے ان پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارے تو انہیں ہوش آیا۔ پولیس کو اطلاع ملی وہ فوراً پہنچ گئی۔ تھوڑی سی تفتیش کے بعد پولیس والے اصل حقائق تک پہنچ گئے۔ قصہ یہ ہوا کہ جب رات کو اس کا والد مہمان کو الوداع کہہ کر اپنے کمرے میں چلا گیا تو مہمان اور اس کا بیٹا خاصی دیر تک باتیں کرتے رہے اس دوران اچانک لڑکے پر نیند نے غلبہ پا لیا اور وہ باتیں کرتے کرتے مہمان ہی کے بستر پر سو گیا۔ مہمان نے اسے جگانا مناسب نہ سمجھا' وہ چپکے سے اُٹھا اور اس لڑکے کے بستر پر آ کر سو گیا۔

جب میزبان اسے قتل کرنے آیا تو اسے یقین تھا کہ وہ جسے قتل کر رہا ہے' وہ مہمان ہی ہے اس دھوکے میں اس نے اپنا ہی بیٹا قتل کر ڈالا۔ ہمسائیوں نے اگلے دن اس نوجوان کو دفن کر دیا اور اس کے ماں باپ جیل خانے کی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیئے گئے۔

اس طرح ان لالچی میاں بیوی کو اپنے کیے کی سزا مل گئی۔ یہ تو تھی ان کے لیے دنیاوی سزا' آخرت میں بارگاہِ الٰہی میں جوابدہی کا کٹھن ترین مرحلہ ابھی باقی تھا۔

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی!

(سنہرے نقوش)

(۱۶۶)

ایک مہمان دو میزبان

ایک دیہاتی اپنا قصہ یوں بیان کرتا ہے کہ میں حضر میں نکلا اور رات نے مجھے ایک بدو کے خیمہ میں پناہ دی۔ خیمہ کی مالکہ نے میری طرف دیکھ کر کہا: ''کون آدمی ہے؟''

میں نے کہا: ''میں مہمان ہوں۔''

اس نے کہا: ''ہمارے پاس مہمان کا کیا کام ہے؟ بے شک میدان کشادہ ہے۔''

اس کے بعد اس نے گیہوں پیسے اور اس کو گوندھا اور روٹی پکا کر کھانے بیٹھی۔ وہ اسی حالت میں تھی کہ دفعتاً اس کا شوہر آ گیا اور اس کے ساتھ دودھ تھا اس نے مجھے دیکھ کر کہا:

''تو کون آدمی ہے؟'' میں نے کہا: ''میں مہمان ہوں۔''

پھر اس نے کہا: ''مرحبا! واہلاً وسہلاً۔ میں تم کو مبارک باد دیتا ہوں کہ تم آباد گھر میں اور نرم زمین میں آئے یعنی تم جب ہمارے پاس پہنچ گئے تو تم کو کوئی تکلیف نہ ہوگی اور گویا تم اپنے گھر میں ہو۔''

اس کے بعد اس نے مجھے دودھ پلایا اور کہا: ''تم نے کچھ کھایا یا نہیں؟''

میں نے کہا: ''بخدا میں نے کچھ نہیں کھایا۔''

وہ غصہ میں بھرا ہوا اپنی بیوی کے پاس داخل ہوا اور کہا:

''تجھ پر خدا کی مار ہو کہ تو کھا رہی ہے اور تو نے مہمان کو نہ کھلایا۔''

اس نے کہا: ''میں مہمان کو کیا کروں۔ خدا کی قسم! میں اپنے کھانے سے اس کو ہرگز نہ کھلاؤں گی۔''

ان دونوں کے درمیان کلام نے طول کھینچا۔ پس اس شخص نے بی بی کو مارا اور اس کے

سر کو خون آلود اور زخمی کر دیا پھر وہ میری اونٹنی کی طرف گیا اور اس کو ذبح کیا' آگ جلائی اور اس سے اس کا گوشت بھونا' خود کھایا اور مجھے بھی کھلایا اور کہا کہ واللہ! میرا مہمان میرے پاس بھوکا رات نہیں گزار سکتا پھر وہ میرے پاس سے چلا گیا اور مجھے چھوڑ گیا پھر واپس آ آیا تو اس کے ساتھ ایک ایسی اونٹنی تھی کہ اس کی طرف دیکھنے والا اس کے حسن کی وجہ سے اس کی قیمت چکانے سے شرماتا تھا اور مجھ سے کہا: ''اپنی اونٹنی کے بدلے اس کو لو۔''

اور اس نے روٹی اور بقیہ گوشت سے مجھے زادِراہ دیا اس کے بعد جب میں اس سے علیحدہ ہوا اور وہاں سے چلا تو رات کو میں ایک دوسرے بدو کے خیمہ میں پہنچا۔ پس خیمہ کی مالکہ نے مجھے دیکھا اور کہا: ''کون شخص ہے؟'' میں نے کہا: ''مہمان!''

(یہ سن کر) اس نے کہا: ''مرحبا واہلاً وسہلاً یعنی خوش آمدید و بہ مکان آباد وزمین نرم آمدید''

اور اس عورت نے گیہوں کا قصد کیا' ان کو پیسا' آٹا گوندھا' روٹی پکائی اور اس کو دودھ اور مکھن سے تر کیا۔ اس کو میرے سامنے لائی اور اس کے ساتھ بھنی ہوئی مرغی تھی اور اس نے مجھ سے کہا: ''کھاؤ! اور جو کچھ ہمارے پاس موجود ہے اس پر ہم کو معذور رکھو۔''

چنانچہ میں کھا ہی رہا تھا کہ دفعتاً اس کا شوہر حاضر ہوا۔ اس نے کہا: ''کون آدمی ہے؟''

میں نے کہا: ''میں مہمان ہوں۔'' اس نے کہا: ''ہمارے پاس مہمان کا کیا کام ہے؟''

پھر وہ اپنی بی بی کے پاس داخل ہوا اور کہا: ''میرا کھانا کہاں ہے؟''

اس نے کہا: ''میں نے اس کو مہمان کے واسطے پیش کر دیا۔''

اس نے کہا: ''میرا کھانا مہمان کو کھلانے کا تم کو کس نے حکم دیا؟''

اور دونوں کے درمیان کلام نے طول کھینچا۔ چنانچہ اس نے اپنی بی بی کو مارا اور اس کا سر زخمی کر دیا۔ (یہ دیکھ کر) میں ہنسنے لگا۔ اس کے بعد وہ شخص میری طرف آیا اور کہا:

''تجھ کو کیا بات ہنساتی ہے؟''

میں نے اس سے اپنا کل قصہ بیان کیا۔ چنانچہ اس نے کہا:

''اے شخص! وہ عورت میری بہن ہے اور وہ شخص میری اس بی بی کا بھائی ہے۔''

اس سے میرا تعجب زیادہ ہو گیا۔ (نوار القلیوبی)

(۱۶۷)

دارو سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ

چاچڑاں تشریف لانے کے بعد آپ (حضرت خواجہ غلام فرید علیہ الرحمہ) کی خانقاہ رشد و ہدایت کا وہ مرکز بنی کہ دُور دُور سے لوگ آپ کے پاس ارشاد و تلقین کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ آنے والوں کے لیے آپ نے اگرچہ اعلیٰ اور وسیع پیمانے پر لنگر کا انتظام فرمایا تھا جس سے عمدہ عمدہ کھانے لوگوں کو ملتے تھے لیکن آپ خود سوکھی روٹی کھاتے تھے۔ بیماروں کے علاج اور ان کی دیکھ بھال کے لیے ایک دواخانہ بھی قائم کیا تھا جس میں ایک طبیب بھی ملازم تھا جو باقاعدہ مریضوں کی دیکھ بھال اور ان کا علاج کرتا تھا۔

مناقب فریدی میں ہے کہ اس کثرت سے زمیندار اور رئیس آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے کہ روزانہ بارہ بارہ من غلہ گھوڑوں کی خوراک میں خرچ ہوتا تھا۔

(تذکرہ صوفیائے پنجاب، بحوالہ مناقب فریدی، ص ۲۵۷)

☆...... حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بزرگوں میں سے ایک بزرگ سید حافظ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ جو بہت بڑے خوش الحان حافظ و قاری تھے اور جن کی قرأت سننے کے لیے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لائے تھے، کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت حافظ صاحب کا طریقہ اخفاء اور خمول تھا اور لوگوں میں عام لوگوں کی طرح رہتے تھے۔ کسی سے ہرگز کوئی امتیازی سلوک نہیں کرتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ یتیموں اور بیواؤں کے دروازوں پر جاتے اور ان کی خدمات مثلاً پانی لانا، غلہ خریدنا وغیرہ کیا کرتے تھے اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ بوڑھی عورتیں اپنے آقاؤں کا سامان لینے آتیں تو حضرت حافظ صاحب یہ کام

اپنے ذمہ لے لیتے اور فرماتے: ''اپنے آقا کو یہ بات مت بتانا وہ تمہیں تکلیف دیں گے۔''

(انفاس العارفین ''مترجم'' ص ۳۰ طبع نوری بک ڈپو لاہور)

مخدوم خود خدمت سرانجام دے رہا ہے

چند دن بعد فقیر (قاضی شمس الدین) کو بخار ہونے لگا' بخار کی حالت میں ایک روز طبیعت نے چائے کا تقاضا کیا۔ دروازہ کے سامنے سے صوفی عبداللہ صاحب کو دیکھ کر آہستہ سے پکارا مگر انہوں نے آواز نہ سنی اور چلے گئے۔ حضرت اقدس (مولانا محمد عبداللہ خانقاہ سراجیہ) نے اپنے کمرہ میں آواز سن لی۔ درمیانی کھڑکی سے فوراً تشریف لائے اور پوچھا: ''کیا کام ہے؟'' عرض کیا: ''حضرت کچھ نہیں!''

فرمایا: ''پھر صوفی عبداللہ کو کیوں پکارا تھا؟''

فقیر نے ہر چند بات ٹالنا چاہی مگر آپ نے باصرار دریافت فرمایا: ''ٹھیک ٹھیک بتاؤ! کیا کام ہے؟''

مجبوراً عرض کرنا پڑا: ''اس وقت چائے پینا چاہتا تھا اس لیے چائے بنوانے کے لیے صوفی عبداللہ کو بلایا تھا۔''

فرمایا: ''اچھا منہ ڈھانپ لو کہیں ہوا نہ لگ جائے۔ میں صوفی عبداللہ کو بھیجتا ہوں' وہ چائے بنا دیں گے۔''

حسب ارشاد فقیر نے منہ ڈھانپ لیا تو حضرت اقدس نے چپکے چپکے چائے بنانا شروع کر دی۔ تیار کرنے کے بعد ٹرے میں چینک اور ایک پیالی لگا کر میری چارپائی کے پاس رکھ دی اور یہ کہتے ہوئے اُٹھایا: ''قاضی صاحب جی! عبداللہ نے چائے بنا کر رکھ دی ہے' اُٹھ کر پی لو۔''

ایک بار پھر بخار آیا' میں کپڑا لپیٹے لیٹا ہوا تھا' کسی نے آ کر بدن دبانا شروع کر دیا۔ منہ کھولا تو دیکھا کہ خود حضرت والا ہیں۔ یہ دیکھ کر فقیر نے گھبرا کر اُٹھنے کی کوشش کی مگر آپ نے فرمایا: ''نہیں! نہیں لیٹے رہو' کچھ بات نہیں۔''

یہ فرماتے رہے اور بدن دباتے رہے۔ سبحان اللہ! تواضع اور انکسار کا کیا عالم تھا کہ

خود مخدوم خدمت انجام دے رہا ہے اور خادم کی ہر تکلیف کو کن شفقت بھرے کلمات سے دُور کیا جا رہا ہے۔ (تحفہ سعدیہ، ص ۲۹۹)

☆ ...... (حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے) فرمایا کہ جب (مدینہ منورہ) حاضری کا ارادہ کیا تو خیال آیا کہ روضۂ انور پر کیا نذر کروں؟ لنگر شریف میں یاقوت، ہیرا اور کئی قیمتی پتھر تھے، وہ ساتھ لے گیا اور روضہ شریف پر نذرانہ پیش کیا۔ ایک شرط (سپاہی) کہنے لگا کہ ادھر دیں، میں نے کہا: ''آپ خدا سے لیں۔ آپ (خواجہ محمد قمر الدین سیالوی) نے فرمایا: ''مدینہ شریف میں ایک بوڑھی عورت کا تعاون حاصل ہے۔''

اس کو عرض کیا: ''یہاں سیدزادیوں کے دروازوں پر مجھ کو لے جائیں۔''

اس نے مجھ کو جملہ دروازوں پر حاضری دِلوائی۔ میں نے حتی المقدور خدمات پیش کیں اور دعائیں لیں۔

پھر فرمایا: ''مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ابوبکر نامی ایک بزرگ رہائش پذیر تھے اور ہمیشہ عبادت میں مصروف رہتے۔ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے اور کئی دن فاقوں سے گزارتے مگر سوال نہیں کرتے تھے۔ ان کی خدمت میں نذرانہ لے کر حاضر ہوا تو پوچھا کہ صدقہ تو نہیں؟ میں نے عرض کیا کہ مسئلہ جانتا ہوں۔ یہ صدقہ زکوٰۃ نہیں بلکہ نذرانہ ہے غالباً اسی کی برکت تھی کہ کسی نامعلوم شخص نے روضۂ انور کی سیر بھر مٹی مجھ کو بخشی اور غائب ہو گیا۔''

(ماہنامہ ضیائے حرم لاہور شیخ الاسلام نمبر بروایت صاحب زادہ عزیز احمد صاحب)

شیخ الاسلام قوال کی خدمت کرتے ہوئے

حضرت خواجہ نظام الدین تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قوال دربار سیال شریف پر بموقعہ عرس مبارک حاضر ہوا۔ حقہ نوشی کا عادی تھا اور بینائی بھی کمزور تھی۔ آدھی رات کو اُٹھ کر باہر پھر رہا تھا اور حقہ نہ ملنے کی وجہ سے سخت بے قرار تھا۔ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز گھر سے باہر تشریف لائے، سردی کے موسم میں اس قوال کو باہر پھرتے ہوئے دیکھا، سلام فرمایا اور باہر پھرنے کا سبب دریافت کیا اس نے آپ سے نام اور پتہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا: ''بس

غلام ہوں۔" فرمائیے: "حکم کیا ہے؟"

اس نے کہا: "بس تم لوگ غلام غلام کا لفظ بولنا جانتے ہو۔ مجھے حقہ نہ ملنے کی وجہ سے سخت پریشانی ہے اس کا انتظام کرو تب سمجھوں گا تم غلام ہو۔"

نازش دوران حضرت خواجہ محمد قمر الدین رضی اللہ عنہ وقتی طور پر سوچ میں پڑ گئے کہ اس وقت حقہ کہاں سے دستیاب ہو دربارِ عالیہ پر تو اس کا نام و نشان نہیں مل سکتا تھا فوراً خیال آیا کنویں پر چلتے ہیں، کسی سے مل جائے گا ایک کنویں پر پہنچے، حقہ موجود پایا جب اس پر ہاتھ رکھا تو اس کا مالک دوڑتا ہوا حاضر ہوا۔ "حضورِ والا! آپ اور حقہ اور وہ بھی اس وقت؟"

فرمایا: "ایک عزیز ترین مہمان ہے اور مجھے حقہ تیار کرنا آتا نہیں لہٰذا اس کا تمبا کو وغیرہ درست کر دو اور تیار کر کے میرے حوالے کر دو۔"

اس نے تیار کر کے ہمراہ چلنے اور پہنچانے کے لیے ہر چند اصرار کیا مگر آپ نہ مانے۔ خود اُٹھا کر اس قوال کے پاس لائے اس کو اپنی قیام گاہ میں قالین پر بٹھایا اپنے ہاتھ سے حقہ کو پکڑ رکھا جب وہ دو چار کش لگا چکا اور ہوش و حواس بحال ہوئے تو شکریہ ادا کرنے کے ساتھ ہی پتہ اور نشان پوچھنے لگا۔ آپ نے کافی پہلوتہی کی مگر جب اس کا اصرار حد سے بڑھا تو فرمایا: "مجھے قمر الدین کہتے ہیں، وہ بے چارہ قدموں پر گر پڑا اور معذرت کرنے لگا جب تونسہ مقدسہ پہنچا تو حضرت خواجہ نظام الملت والدین رضی اللہ عنہ سے صورت حال عرض کی۔ آپ نے اپنے مریدین اور متعلقین کو جمع کر کے فرمایا لوگ پہلے زمانے کے مریدین کے قصے اور نیازمندی و عقیدت کشی کے عجیب واقعات ذکر کرتے رہتے ہیں، آؤ میں تمہیں اس دَور کے مرید کی شانِ عقیدت اور نیازمندی کا نمونہ بھی دکھلاؤں۔"

(ماہنامہ ضیاء حرم، شیخ الاسلام نمبر ۶۸۔۶۷ بروایت مولانا محمد اشرف سیالوی)

شاہ جی مجھ سے راضی تو ہوناں

ایک دفعہ ایک سید صاحب جو اعتقاداً شیعہ تھے اور دق کے مرض میں مبتلا، خود کمانے سے مکمل طور پر معذور تھے اور گھر میں دوسرا کوئی شخص بھی اس بوجھ کو اُٹھانے کے قابل نہ تھا۔ ان کا ایک چھوٹا سا بچہ تھا اور بیوی اور بچیاں بھی۔ اپنے مسلک کے لینڈ لارڈ سادات کے

پاس جا کر اپنی حالتِ زار عرض کی اور اپنی نسبت اور ہم عقیدگی کا واسطہ بھی دیا مگر کسی نے ان کی حالتِ زار کو درخور اعتناء نہ سمجھا۔ ناچار سیال شریف حاضر ہوئے اور اپنی لاچاری بتائی اور ساتھ اعتقادی تفاوت وتحائف بھی۔ آپ نے محض ان کی نسبتی قرابت کو مدنظر رکھتے ہوئے عرصہ دراز تک ان کی بیماری' خوراک اور اہلِ خانہ کا بوجھ برداشت کیا اور علیحدہ باپردہ مکان مہیا کر دیا۔ بندہ (مولانا محمد اشرف صاحب شیخ الحدیث) نے ایک دفعہ دیکھا کہ ان کا چھوٹا بچہ حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور ضروری اشیاء مہیا کرنے کا مطالبہ کیا تو آپ نے فوراً سب چیزیں مہیا کر دیں اور اپنے دونوں ہاتھ اس بچے کے قدموں پر رکھ کر کہا: ''شاہ جی! مجھ سے راضی تو ہو؟ ناراض تو نہیں ہو؟''

(ماہنامہ ضیائے حرم لاہور ''شیخ الاسلام نمبر'' بروایت مولانا محمد اشرف صاحب)

☆...... ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک مولوی صاحب آپ (حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ) کی خدمت میں حاضر ہوئے' ان کے ہمراہ ان کا سالا تھا' وہ کثرتِ اسہال کی وجہ سے بیمار ہو گیا۔ مولوی صاحب اسے چھوڑ کر کہیں چلے گئے تھے' اسے رات دن میں کئی کئی بار قضائے حاجت جانے کی ضرورت ہوتی۔ آپ نے اس بیمار کو اپنے مکان میں ٹھہرایا ہوا تھا۔ آپ اپنے ہاتھوں سے اس کے اسہال وغیرہ اُٹھاتے اور صاف کر کے باہر پھینکتے جاتے۔ ان دنوں بندہ (صوفی محمد ابراہیم) بھی آپ کی خدمت میں حاضر تھا۔ بندہ نے اس ارادہ سے قدم اُٹھایا کہ میں بھی اس شخص کی خدمت کروں لیکن آپ نے فرمایا' ہوں وں۔ وہ شخص کئی کئی بار رات کو پانی مانگتا۔ آپ اس طرح پانی لے کر جاتے جس طرح کوئی غلام خدمت کرتا ہے۔ (خزینہ معرفت ص ۱۹۳ مؤلف محمد ابراہیم صاحب)

☆...... ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ شرقپور شریف میں پہلی مرتبہ جب طاعون کی وباء پھیلی تھی' ایک آدمی طاعون سے فوت ہو گیا۔ لوگ وحشت میں آئے اس میت کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ حضرت میاں صاحب علیہ الرحمہ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ اپنے ہمراہ میاں محمد الدین صاحب پیر بھائی کو لے کر وہاں تشریف لے گئے اور خود اس میت کی چارپائی اُٹھائی اگر مسجد میں برائے غسل داخل ہوتے تو مسجد والے اندر داخل نہ ہونے دیتے اور جب باہر کسی کنوئیں

پر لے جاتے تو زمین دار لاٹھیاں اُٹھا لاتے۔ چنانچہ ایک کھیت میں چار پائی رکھ کر وہاں نہلانے والا تختہ منگوایا اور پانی کے مٹکے منگوائے اس میت کی برادری کے لوگ اور رشتہ دار سب دُور دُور کھڑے تھے۔ قریب اس کے کوئی بھی نہ آتا تھا۔ میاں محمد الدین پانی ڈالتا جاتا اور آپ میت کو غسل دے رہے تھے۔ بعد غسل اسے کفن دیا گیا پھر تمام لوگوں کے روبرو اسے چار پائی پر رکھا اور میت کی پیشانی پر آپ نے بوسہ دیا اور فرمایا: ''اب تو آجاؤ۔''

خیر پھر لوگ قریب آگئے اس کا جنازہ وغیرہ پڑھ کے لحد میں بھی آپ نے خود اُتارا۔ دفن کر کے شرقپور شریف واپس تشریف لے آئے۔ اس موقع پر بندہ (صوفی محمد ابراہیم) بھی شرقپور شریف تھا۔ ایک مجمع میں میاں صدر الدین نے تقریر کی:

''بھائیو! یہ موت سب پر کھڑی ہے اس طرح بھاگنے سے بُرا نتیجہ نکلے گا۔ آج وہ مر گیا ہے کل ہمارا کوئی مرے گا اگر اسی طرح کیا تو کیا ہوگا؟''

(کتاب خزینہ معرفت ص ۱۹۴ مؤلفہ صوفی محمد ابراہیم صاحب)

(۱۶۸)

شاہی مال کا وبال

حضرت سیدنا بشر بن حارث رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ حضرت سیدنا ابو جعفر رازی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرتِ سیدنا سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی آپس میں بہت گہری دوستی تھی اور دونوں مشترکہ کاروبار کرتے اور ایک دوسرے کا بہت ادب واحترام کرتے۔ حضرت سیدنا ابو جعفر رازی رحمۃ اللہ علیہ ہر سال حرمین شریفین جایا کرتے جب وہ کوفہ سے گزرتے تو حضرت سیدنا سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کافی دُور تک ان کے ساتھ جاتے اور ایک مرتبہ انہیں الوداع کہنے نجف شریف تک گئے۔

کچھ عرصہ بعد جب دوبارہ سفرِ حج کا ارادہ کیا تو کسی علاقے کے لوگوں نے آپ رحمۃ اللہ علیہ سے شکایت کی کہ خلیفہ نے ہم پر جو عامل مقرر کیا ہے وہ انصاف سے کام نہیں لیتا۔ بے جا ہمارے کاروبار میں دخیل ہو کر ہمیں پریشان کر رکھا ہے اگر آپ خلیفہ تک ہمارا مسئلہ پہنچادیں تو کرم نوازی ہوگی۔ لوگوں کی بات سن کر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی جواب نہ دیا اور جانب منزل چل دیئے اس واقعہ کی خبر جب حضرت سیدنا سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو ہوئی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ ان سے ملنے کوفہ کے پل پر گئے۔ خوب انکساری سے پیش آئے اور نجف شریف تک ان کے ساتھ گئے۔ اگلے سال جب حضرت سیدنا ابو جعفر رازی رحمۃ اللہ علیہ دوبارہ حج کے ارادے سے گزرے تو لوگوں نے پھر عرض کی: ''حضور! ہمیں اس عامل سے نجات دِلوا دیں اور خلیفہ کے پاس ہماری سفارش کریں۔''

اس مرتبہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی درخواست قبول کر لی اور ان کا معاملہ حل کرنے کے

لیے خلیفہ کے دربان سے کہا: ''خلیفہ کو پیغام دو کہ ابو جعفر آپ سے ملنا چاہتا ہے۔''

خلیفہ کو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے آنے کی خبر ملی تو دربان سے کہا: ''انہیں نہایت ادب واحترام سے ہمارے پاس لے آؤ۔''

چنانچہ خدام فوراً آپ کو خلیفہ کے پاس لے گئے۔ خلیفہ منصور آپ رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی عاجزی وانکساری سے پیش آیا خوب تعظیم وتوقیر کی پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ سے حال دریافت کرتے ہوئے پوچھا: ''حضور! اگر میرے لائق کوئی خدمت ہو تو ارشاد فرمائیے؟''

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''ہاں! مجھے تم سے ایک ضروری گفتگو کرنی ہے۔''

یہ کہہ کر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے سارا قصہ بیان کیا۔ خلیفہ نے فوراً کہا: ''ہم نے اسے معزول کیا اب اس علاقے والے جسے چاہیں اپنی خوشی سے عامل مقرر کرلیں' مجھے ان کا مقرر کردہ عامل قبول ہوگا۔'' خلیفہ نے یہ حکم نامہ جاری کیا اور خادموں سے کہا: ''حضرت کو ہماری طرف سے دس ہزار درہم بطورِ ہدیۂ پیش کرو۔ ہم ان کے احسان مند ہیں کہ انہوں نے ہم سے کسی کام کے متعلق سوال کیا۔''

حضرت سیدنا ابو جعفر رازی رحمۃ اللہ علیہ کو رقم دی گئی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ سے کچھ درہم گر گئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ فوراً سمجھ گئے کہ یہ درہم قبول کرکے میں نے بہت بڑی خطا کی ہے۔ لگتا ہے یہ دولت میرے حق میں نقصان دہ ثابت ہوگی اسی سوچ کے پیشِ نظر آپ رحمۃ اللہ علیہ محل کی دیوار کے قریب بیٹھ گئے اور کچھ کپڑے منگوا کر تھیلیاں بنائیں' انہیں دراہم سے بھرا اور تمام رقم لوگوں میں تقسیم کردی جب آپ واپس کوفہ آئے تو ان دراہم میں سے کچھ بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس موجود نہ تھا۔ حضرت سیدنا سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ اطلاع ملی کہ حضرت سیدنا ابو جعفر رازی رحمۃ اللہ علیہ نے شاہی خزانے سے ہدیہ قبول کیا ہے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے ملنے کا ارادہ ترک کردیا اور لوگوں کو بتائے بغیر ایک مکان میں علیحدگی اختیار کرلی۔

جب حضرت سیدنا ابو جعفر رازی رحمۃ اللہ علیہ کوفہ آئے تو حضرت سیدنا سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو نہ پا کر لوگوں سے ان کے متعلق پوچھا تو سب نے لاعلمی کا اظہار کیا' انہیں بہت تشویش ہوئی۔ بالآخر کافی تگ ودو کے بعد حضرت سیدنا سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بہت قریبی

دوست نے ان سے پوچھا: ''کیا آپ کو حضرت سیدنا سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی بہت ضروری کام ہے؟'' فرمایا: ''ہاں!''

کہا: ''آپ ان کے نام ایک رُقعہ لکھ دیں، میں وہ رُقعہ ان تک پہنچا دوں گا۔ میں آپ کے ساتھ اس سے زیادہ تعاون نہیں کر سکتا۔'' آپ نے ایک رُقعہ لکھ کر اسے دے دیا۔

وہ شخص کہتا ہے: ''میں رُقعہ لے کر حضرت سیدنا سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ دیوار سے ٹیک لگائے قبلہ رُخ بیٹھے تھے۔ میں نے سلام کیا اور رُقعہ نکال کر دِکھایا۔ فرمایا: ''یہ کیا ہے؟'' میں نے کہا: ''ابو جعفر رازی رحمۃ اللہ علیہ کا خط''

فرمایا: ''سناؤ! اس میں کیا لکھا ہے؟''

میں نے پڑھ کر سنایا تو فرمایا: ''اس کی دوسری جانب جواب لکھو۔''

میں نے دوسری جانب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی اور عرض کی: ''حضور! کیا لکھوں؟''

فرمایا: ''پہلے یہ آیت لکھو۔'' لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ (پ ۶، المائدۃ: ۷۸)

''لعنت کیے گئے وہ جنہوں نے کفر کیا بنی اسرائیل میں داؤد کی زبان پر۔''

پھر لکھو: ''ہمیں ہمارا مالِ تجارت واپس کر دو۔ ہمیں اب اس کے نفع کی کوئی حاجت نہیں۔'' پھر مجھ سے فرمایا: ''جاؤ! یہ خط انہیں دے آؤ۔''

میں خط لے کر ان کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ بہت سے لوگ جمع ہیں سب نے خط پڑھا لیکن اس کا مفہوم کوئی بھی نہ سمجھ سکا۔ بالآخر یہ طے ہوا کہ دونوں خط حضرت سیدنا ابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لے چلتے ہیں تا کہ ان کی رائے معلوم ہو سکے لیکن انہیں بتایا نہ جائے کہ یہ خط کس کا ہے جب ان کے پاس خط پہنچا تو دیکھتے ہی فرمایا:

''جس نے پہلے خط لکھا وہ ایسا شخص ہے جس کے قول و فعل میں تضاد ہے اور جواب دینے والا ایسا شخص ہے جو اپنے عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رضا کی طالب ہے۔''

(عیون الحکایات)

(۱۶۹)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تقدیر بدلتی ہے

قریشِ مکہ کے دل رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دل غیظ وغضب سے بھرے ہوئے تھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی ان کی شدید نفرت کا شکار تھے۔ دشمنانِ دین اپنے لوگوں کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ علیہم الرضوان کے خلاف ورغلاتے رہتے تھے۔ جتنے منہ اتنی باتیں......کوئی کہتا: ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا جائے۔'' کوئی کہتا: ''سخت سزا دی جائے۔'' کوئی مشورہ دیتا: ''جب بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم دعوتِ اسلام دیں تو خوب شور مچایا جائے تا کہ کوئی ان کی بات ہی نہ سننے پائے۔'' اس قسم کی باتوں کے علاوہ کفارِ مشرکین طعنہ وتشنیع اور گالی گلوچ سے بھی اکثر کام لیتے تھے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف حقد وحسد کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ قریش کے ذی اثر لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دینے کے درپے تھے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال تھا جب انہیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت برداشت نہیں ہوئی تو وہ بھی آپے سے باہر ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی قسم کھالی پھر تلوار سنبھالی' ترکش کندھے پر رکھا اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تمام کرنے کی نیت سے گھر سے روانہ ہوئے۔

آیئے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ واقعہ سنتے ہیں:

''میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی نیت سے اپنی تلوار لٹکائے اور ترکش کندھے پر رکھے چلا جا رہا تھا' میرا ارادہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ٹھکانے کی طرف تھا۔ اتفاق سے راستے میں نعیم بن عبداللہ سے ملاقات ہو گئی۔ وہ اسلام قبول کر چکے تھے مگر انہوں نے اپنی قوم کے خوف

سے اپنے اسلام کا اظہار نہیں کیا تھا۔ انہوں نے مجھ سے کہا: أَيْنَ تَذْهَبُ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ؟

''ابن خطاب! کدھر چلے؟''

میں نے کہا: أُرِيْدُ هٰذَا الصَّابِيَ الَّذِيْ فَرَّقَ أَمْرَ قُرَيْشٍ وَسَفَّهَ أَحْلَامَهَا وَعَابَ دِيْنَهَا وَ سَبَّ آلِهَتَهَا فَأَقْتُلُهُ ۔

''میں اس بے دین (نعوذ باللہ) کی طرف جا رہا ہوں جس نے قریش کا معاملہ سنگین کر دیا ہے (ان میں اختلاف پیدا کر دیا ہے) ان کے خواب چکنا چور کر دیئے ہیں۔ ان کے دین کو عیب لگا دیا ہے اور ان کے معبودوں کو گالیاں دی ہیں اس لیے میں اس کا کام تمام کرنے جا رہا ہوں۔''

نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا: ''اللہ کی قسم اے عمر! تمہیں تمہارے نفس کے عجب نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ محمد کو قتل کرنے کے بعد چین سے رہو گے؟ سرزمینِ مکہ پر دندناتے پھرو گے اور بنی عبد مناف تمہیں یونہی آزاد چھوڑ دیں گے؟ آخر تم پہلے اپنے گھرانے کی فکر کیوں نہیں کرتے' انہیں کیوں نہیں سدھارتے؟ تم خواہ مخواہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیچھے کیوں پڑ گئے؟'' میں نے پوچھا: ''میرے گھرانے سے تمہاری کیا مراد ہے؟''

نعیم بن عبداللہ: ''تمہاری بہن فاطمہ اور تمہارے بہنوئی سعید بن زید رضی اللہ عنہما ان دونوں نے بھی اسلام قبول کر لیا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے لگے ہیں۔ تمہیں پہلے اپنے گھر کی خبر لینی چاہیے بعد میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی!''

نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع اس لیے دی کہ وہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے تیور دیکھ کر ان کی بُری نیت بھانپ گئے تھے چنانچہ انہوں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا رُخ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پھیر کر ان کے اپنے گھرانے کی طرف کر دیا۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ طیش میں آ کر اپنی بہن کے گھر کی طرف چل دیئے۔ بہن کے گھر پہنچے اور دروازے پر دستک دی۔ اس وقت ان کے گھر میں حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ

موجود تھے انہوں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی آواز سنی تو فوراً اُٹھے اور گھر کے ایک کونے میں چھپ گئے۔ ادھر فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا نے وہ صحیفہ جو خباب بن ارت رضی اللہ عنہ لے کر آئے تھے اور انہیں پڑھا رہے تھے' چھپا دیا۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ دروازے ہی پر خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کی قرأت سن چکے تھے جونہی دروازہ کھولا' وہ گھر میں داخل ہوئے اور پوچھا:

مَا هٰذِهِ الْهَيْنَمَةُ الَّتِیْ سَمِعْتُ .

''یہ بھینی بھینی آواز کس کی تھی جو میں نے سنی ہے؟''

سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے کہا: ''نہیں آپ نے کوئی آواز نہیں سنی' یہ محض آپ کا وہم ہے۔'' عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا:

بَلٰی وَاللّٰهِ! لَقَدْ أُخْبِرْتُ أَنَّكُمَا تَابَعْتُمَا مُحَمَّدًا عَلٰی دِيْنِهٖ .

''ہاں! اللہ کی قسم! مجھے بتایا گیا ہے کہ تم دونوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قبول کر لیا ہے۔''

یہ کہہ کر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے بہنوئی کا گریبان کھینچا اور ان کی پٹائی شروع کر دی۔ ان کی بہن فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا شوہر کو بچانے آگے بڑھیں تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انہیں بھی نہ بخشا اتنا مارا کہ وہ زخمی ہو گئیں۔ انہوں نے بھائی کا یہ تشدد دیکھا تو بلند آہنگی سے کہا: نَعَمْ' لَقَدْ أَسْلَمْنَا وَ آمَنَّا فَاصْنَعْ مَا بَدَا لَكَ .

''ہاں! ہاں! (کان کھول کر سن لو) ہم دونوں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور اللہ پر ایمان لے آئے ہیں' ہمارے ساتھ جو چاہو کر لو (اب ہمارے دل سے اسلام ہرگز نہیں نکل سکتا)''

یہ ایک صاحب ایمان جری خاتون کی صدائے حق تھی جو بجلی کی طرح کڑکی اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو جھنجوڑ کر رکھ گئی جب انہوں نے اپنی بہن کے جسم سے خون کی بوندیں ٹپکتی دیکھیں تو ان کا غصہ ہرن ہو گیا اور اپنی جارحیت پر شرم محسوس کرنے لگے۔ بہن کے ایمانی جملے سے ان پر کپکپی طاری ہو گئی...... سیدہ فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا کو کیا معلوم تھا کہ ان کے حرفِ حق نے عمر کے دل میں کتنے بڑے انقلاب کے شعلے بھڑکا دیے ہیں:

تو می دانی کہ سوز قرأتِ تو؟
دگرگوں کرد تقدیر عمر را!

اب عمر خفت سے بھیگے ہوئے لہجے میں ہمشیرہ محترمہ سے مخاطب ہوئے:

اَعْطِيْنِيْ هٰذِهِ الصَّحِيْفَةَ الَّتِيْ سَمِعْتُكُمْ تَقْرَءُوْنَ آنِفًا اَنْظُرْ مَا هٰذَا الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُحَمَّدٌ؟

''ذرا مجھے وہ صحیفہ تو دکھلاؤ جسے میں نے تم لوگوں کو ابھی پڑھتے سنا ہے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ آخر محمد ﷺ کون سی کتاب لائے ہیں؟''

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے' انہوں نے صحیفہ دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو بہن نے فرمایا: اِنَّا نَخْشَاكَ عَلَيْهَا.

''ہمیں اس صحیفے کے بارے میں تم سے خدشہ ہے (مبادا تم اس کی بے حرمتی کر بیٹھو)''

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ڈرنے کی ضرورت نہیں' اپنے معبودوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اس صحیفے کا کچھ نہیں بگاڑوں گا بس اسے پڑھوں گا اور تمہیں لوٹا دوں گا۔''

بہن نے بھائی کی زبان سے یہ الفاظ سنے تو دل ہی میں یہ تمنا دامن گیر ہوئی کہ کاش! عمر رضی اللہ عنہ اسلام قبول کر لیں۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا:

يَآ اَخِيْ! اَنْتَ نَجِسٌ عَلٰى شِرْكِكَ وَاِنَّهٗ لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ.

''میرے بھائی! تم اپنے شرک کی نجاست پر قائم رہنے کی وجہ سے ناپاک ہو۔ قرآن کو تو صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔''

بہن کی بات سن کر عمر رضی اللہ عنہ فوراً اٹھے' غسل کیا اور بہن کے پاس واپس آئے اب انہوں نے انہیں صحیفہ دے دیا یہ سورۂ طٰہٰ تھی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے سورۂ طٰہٰ کی ابتدائی آیات ہی پڑھی تھیں کہ بے ساختہ پکار اٹھے: مَآ اَحْسَنَ هٰذَا الْكَلَامَ وَاَكْرَمَهٗ.

''یہ کلام کتنا اچھا اور کس قدر پاکیزہ ہے۔''

اپنی ہمشیرہ محترمہ کی معیت میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے گنتی کے یہ چند لمحات کتنے محمود و مسعود تھے جنہوں نے ان کے دل کی دنیا زیروزبر کر کے تاریخ کا دھارا بدل ڈالا...... اب عمر پہلے والے عمر نہ تھے اب وہ قبول حق کے لیے مائل ہو چکے تھے۔ (السیرۃ الشامیہ ۲/۲۹۵)

بہن کے ایک ہی ایمانی جملے نے عمر بن خطاب کی شہ زوری چت کر دی۔ وہ انتہائی بہادر ہونے کے باوجود بہن کے کلمات صداقت کے آگے ڈھیر ہو گئے ہاں! وہ حروفِ عزم و استقلال بہن کی زبان سے اس وقت نکلے تھے جب بھائی کے ہاتھوں مار کھانے کے بعد وہ لہولہان ہو گئی تھیں اس حالت میں بھی بہن کی حرارتِ ایمانی نے بھائی کے دل میں شمعِ اسلام روشن کر دی۔ ہاں! وہ جملے یہ تھے: ”اے عمر! جو چاہو کر لو جتنا چاہو ہمیں مار لو جس طرح چاہو ہمیں ستاؤ مگر...... اسلام ہمارے دِلوں میں راسخ ہو چکا ہے اب وہ ہمارے دل سے کبھی نہیں نکل سکتا۔“ (البدء والتاریخ ۸۹/۵ البدایہ والنھایہ ۸۰/۳ وغیرھما)

(۱۷۰)

ایک اَن پڑھ فقیہہ

بیان کرتے ہیں کہ شیبان رحمۃ اللہ علیہ شتربان چرواہے کو لوگوں نے درندہ کے سامنے ڈال دیا تاکہ وہ ان کو کھا جائے' وہ درندہ ان کو سونگھنے اور دُم ہلانے لگا۔ ان سے کہا گیا کہ جس وقت تم درندہ کے سامنے ڈالے گئے تو تم نے کیا کہا؟ شیبان رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

''میں نے اس سے کچھ نہیں کہا لیکن میں نے فقہاء کے قول میں (جو درندہ کے جھوٹے کے بارے میں ہے) غور کیا۔''

کہا گیا ہے کہ شیبان رحمۃ اللہ علیہ نے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حج کیا۔ پس ان دونوں کے سامنے ایک درندہ آیا (یہ دیکھ کر) سفیان رحمۃ اللہ علیہ اس سے گھبرائے اور ڈرے۔ پس شیبان رحمۃ اللہ علیہ نے درندہ کا کان پکڑا اور گوشمالی دی۔ چنانچہ اس درندہ نے ان سے عاجزی کی اور اپنی دُم ہلائی۔ شیبان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''بخدا! اگر شہرت کا ڈر نہ ہوتا تو میں اپنی چادر اس پر رکھتا حتیٰ کہ میں مکہ شریف تک پہنچتا۔''

اور بیان کیا گیا ہے کہ امام شافعی علیہ الرحمہ' امام احمد علیہ الرحمہ' شیبان علیہ الرحمہ کے پاس گزرے وہ بکریاں چرا رہے تھے پس امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''البتہ میں اس چرواہے سے سوال کرتا ہوں تاکہ اس کا جواب دیکھوں۔'' امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اس کو نہ چھیڑیئے!''

پس امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ''یہ ضروری ہے۔''

چنانچہ وہ شیبان رحمۃ اللہ علیہ کے قریب ہوئے اور ان سے کہا: ''اے شیبان! تم اس شخص کے

بارہ میں کیا کہتے ہو کہ جس نے چار رکعت نماز پڑھی اور چار سجدوں میں سہو کیا ایسی صورت میں نمازی کو کیا لازم ہے؟"

شیبان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: "تم مجھ سے میرے مذہب سے سوال کرتے ہو یا اپنے مذہب کی رو سے پوچھتے ہو؟" امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "کیا وہ دونوں دو مذہب ہیں؟"

شیبان نے کہا: "ہاں!" امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "دونوں سے مجھے خبر دو۔"

چنانچہ شیبان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "تمہارے مذہب سے اس نمازی کو دو رکعت لازم ہیں اور وہ سہو کی وجہ سے سجدۂ سہو کرے لیکن ہمارے مذہب سے اس نمازی پر واجب ہے کہ وہ اپنے دل کو عقاب اور عذاب دے حتیٰ کہ وہ دوبارہ سہو کی طرف نہ جائے۔"

پھر امام احمد نے شیبان رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا: "تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جو چالیس بکریوں کا مالک ہو اور اس پر سال گزر گیا ہو؟"

شیبان رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: "تمہارے نزدیک تو اس پر ایک بکری لازم ہے لیکن ہمارے نزدیک غلام اپنے آقا کے ساتھ کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا ہے۔"

(یہ سن کر) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ پر غشی طاری ہو گئی اس کے بعد جب وہ ہوش میں آئے تو وہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ دونوں حضرات واپس آئے۔ شیبانِ رحمۃ اللہ علیہ اَن پڑھ تھے پس جب ان میں سے اَن پڑھ کی یہ شان ہے تو ان کے اہلِ علم کا کیا حال ہوگا؟ شیبان رحمۃ اللہ علیہ کی دعا یہ تھی:

يَا وَدُوْدُ يَا وَدُوْدُ يَاذَاالْعَرْشِ الْمَجِيْدِ.......

"اے دوست' اے محبوب! اے بزرگ عرش کے مالک! اے پیدا کرنے والے! اے دوبارہ زندہ کرنے والے! اس چیز کے کرنے والے جس کا ارادہ کرتا ہے۔ میں تیری اس عزت کے وسیلہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں جس کا قصد نہیں کیا جاتا اور تیرے اس ملک کے واسطہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں جس کو زوال نہیں ہے اور تیرے اس منہ کے ذریعے سے تجھ سے سوال کرتا ہوں جس نے تیرے عرش کے ارکان کو پُر کر دیا ہے اور تیری اس قدرت کے واسطہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں جس سے تو اپنی مخلوق پر قادر ہوا ہے۔ سوال یہ ہے کہ تو تمام ظالموں کے شر سے میری کفالت فرما۔"

رسالہ میں ہے کہ عبداللہ قشیری رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں ایک مکان تھا جس کا نام بیت السباع (درندوں کی کوٹھڑی) تھا کیونکہ درندے ان کے پاس کوٹھڑی میں آتے تھے۔ پس وہ ان کو کھلاتے تھے اور پانی پلاتے تھے پھر وہ درندے میدان کی طرف چلے جاتے تھے۔

(نوادر قلیوبی)

(۱۷۱)

مدارس وہ تعلیمِ دیں کے کہاں ہیں

امام العلوم حافظ محمد بن جریر طبری جن کی تصنیفات الکتاب الکبیر کتاب التفسیر کتاب تہذیب الآثار وغیرہ کی تمام دنیا میں مثال نہیں ملتی۔ علوم وفنون کی سلطانی کے ساتھ ساتھ خداوند عالم نے ان کو ملک قناعت کی بادشاہی بھی عطا فرمائی تھی۔ خلیفہ بغداد مکتفی باللہ نے ان سے ایک کتاب یعنی کتاب الوقف لکھنے کی فرمائش کی چنانچہ آپ نے کتاب تصنیف فرما دی۔ خلیفہ کتاب پڑھ کر خوش ہو گیا اور ایک بہت ہی گراں قدر انعام پیش کیا مگر آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا جب خلیفہ نے بہت زیادہ اصرار کیا کہ میں آپ کی کوئی نہ کوئی حاجت تو ضرور پوری کروں گا تو آپ نے فرمایا: ''میری حاجت یہ ہے کہ آپ بھیک مانگنے والوں کو جمعہ کے دن بھیک مانگنے سے شاہی فرمان کے ذریعے ممانعت کر دیں۔''

اسی طرح بادشاہ کے وزیر نے علم فقہ میں ایک کتاب تصنیف کرنے کی آپ سے فرمائش کی تو آپ نے کتاب لکھ دی۔ وزیر نے خوش ہو کر ایک ہزار اشرفی انعام پیش کیا تو آپ نے لینے سے صاف انکار فرما دیا۔

محمد بن جریر طبری بہت زیادہ لکھتے تھے۔ چالیس برس تک روزانہ چالیس ورق لکھتے رہے آپ کے شاگرد ابو محمد فرغانی کا بیان ہے کہ محمد بن جریر طبری کے وقت بلوغ سے ان کی وفات تک تصنیفات کا حساب لگایا گیا تو روزانہ چودہ ورق کا حساب پڑتا تھا۔ شوال ۳۱۰ھ میں یہ فضل وکمال کا آفتاب غروب ہو گیا اور اپنے گھر کے اندر ہی دفن ہوئے۔ دفن کے بعد کئی ماہ تک آپ کی قبر پر خلق خدا نمازِ جنازہ پڑھتی رہی۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۰۲)

اللہ اکبر! علمائے حق نے استغناء اور بے نیازی کے لیے ایسے ایسے شاہکار پیش کر دیئے ہیں کہ اس دَور میں اس کی نظیر ملنی غیر ممکن ہے۔ کاش اہلِ دنیا علمائے حق کے ان انمول شاہکاروں پر نظر ڈالتے اور ان خوبیوں کا اعتراف کر کے علمائے حق کی مقدس جناب میں سوءِ عقیدت سے باز رہتے اور کاش دَورِ حاضر کے علمائے کرام ان بزرگانِ سلف کے طرزِ عمل کی اقتداء کر کے دونوں جہان میں سر بلند ہوتے مگر افسوس! کہ آج تو اختلاف کے ظالم ہاتھوں نے علماء سلف کے ان شاہکاروں کے محلات کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ آنکھیں انتہائی بے قراری کے ساتھ علم و عمل کے ان بلند اور روشن میناروں کو تلاش کرتی ہیں مگر زمین کا ذرہ ذرہ زبانِ حال سے یہ مرثیہ پڑھتا ہوا نظر آتا ہے

مدارس وہ تعلیم دیں کے کہاں ہیں
مراحل وہ علم و یقیں کے کہاں ہیں
وہ ارکان شرع متیں کے کہاں ہیں
وہ وارث رسول امیں کے کہاں ہیں
رہا کوئی اُمت کا ملجا نہ ماویٰ
نہ قاضی نہ مفتی، نہ صوفی نہ ملاّ

(روحانی حکایات)

(۱۷۲)

زمانے کے تاجور

خواجہ قطب صاحب کے گھر میں عموماً فاقہ رہتا جب کئی فاقوں کی نوبت آجاتی تو ان کی حرم محترم پڑوس کے بقال کی بیوی سے ایک ٹنکہ یا ایک بہلول (سکہ) قرض لے کر خورد و نوش کا انتظام کرتیں جب کہیں سے کچھ میسر ہوتا تو قرض ادا کر دیا جاتا لیکن اس ناداری اور فقر و فاقہ پر بھی جود و سخا کا یہ حال تھا کہ لنگر خانہ میں جو چیز ہوتی' فوراً تقسیم کر دیتے جس روز کوئی چیز نہ ہوتی تو خانقاہ کے ملازم سے فرماتے کہ اگر پانی ہو تو اسی کا دَور چلاؤ کہ کوئی روز بخشش اور عطا سے خالی نہ جائے۔ (بزم صوفیہ' ص ۷۴۔ ۷۵)

☆...... باوا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بغداد میں شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کی زیارت کی اور ان سے کئی روز تک فیضِ صحبت حاصل کرتا رہا' کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا کہ ان کی خانقاہ میں دس بارہ ہزار سے کم فتوح آئی ہو اور وہ اس کو اسی روز راہِ خدا میں خرچ نہ فرما دیتے ہوں۔ ایک پیسہ بھی شام تک باقی نہیں رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر میں ایک پائی بھی رکھوں تو لوگ مجھے درویش نہ کہیں گے بلکہ مال دار کہیں گے۔

(بزم صوفیہ' ص ۱۲۳' بحوالہ راحت القلوب)

☆...... غربت اور تنگی کے باوجود بابا گنج شکر اپنے مرشد کی طرح مال و متاع دنیوی سے مستغنی رہے۔ ایک بار سلطان ناصر الدین محمود اجودھن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کی ملاقات سے ایسا متاثر ہوا کہ اپنے وزیر کو (جو بعد میں غیاث الدین بلبن کے نام سے بادشاہ ہوا) چار گاؤں کا فرمان اور ایک کثیر رقم بطور ہدیہ دے کر بھیجا مگر انہوں نے اس

کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ہمارے خواجگان کی یہ رسم نہیں اسی طرح ایک بار والی اجودھن نے کچھ گاؤں اور نقد پیش کرنے کی کوشش کی تو فرمایا کہ اگر میں یہ لے لوں تو مجھے لوگ درویش نہ کہیں گے بلکہ مال دار کہیں گے اور درویش دیہہ دار میرا لقب ہوگا۔

کبھی کسی سے کچھ قبول کر لیتے تو راہِ خدا میں تقسیم کر دیتے تھے کہ جو کچھ بھی اور جتنا بھی اللہ کی راہ میں دیا جائے' اسراف نہیں ہے اور جو کچھ بھی غیر اللہ کے لیے خرچ کیا جائے' اسراف ہے جب زائرین کا ہجوم ہوتا تو مصلی کے نیچے ہاتھ ڈال کر تنکہ زر اور چیتل نکال لیتے اور لوگوں کو دیتے۔ زائرین مٹھائیاں لاتے تو ان کا انبار لگ جاتا۔ آپ ان کو بچوں اور درویشوں میں تقسیم کر دیتے۔ (بزم صوفیہ' ص ۱۳۵)

فقیر کی شان نے شاہی شوکت کو ماند کر دیا

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی نے غیاث پور کو اپنا مرکز بنا کر وہیں اپنے رُشد و ہدایت کے چراغ کو روشن کیا۔ انہوں نے بگڑے ہوئے انسانوں کو ہدایت کی راہ دِکھائی' اخلاقی قدروں کو بلند کیا' اپنے قول و عمل سے غرباء کے ساتھ ہمدردی اور شفقت کا درس دیا' پروانہ وار ہزاروں انسان اس شمع معرفت کے اردگرد جمع ہونے لگے۔ شیخ کی عسرت فارغ البالی میں بدلی' فقر کی شان نے بادشاہوں کی شوکت کو ماند کر دیا۔ آپ کے مرید حضرت امیر خسرو نے اس فقیرانہ عظمت کی تصویر کشی کرتے ہوئے کہا ہے

در حجرہ فقر بادشا ہے در عالم دل جہاں پنا ہے
شاہنشہے بے سریر و بے تاج شاہانش بخاک پائے محتاج

لیکن اس فارغ البالی کے باوجود کہ بقول حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی فتوحات کا یہ حال تھا کہ دولت کا دریا دروازے کے آگے بہتا تھا۔ کوئی دن فتوحات سے خالی نہ ہوتا تھا لیکن تعیش زندگی اور لذت کام ودھن سے آپ نے کبھی کوئی تعلق نہ رکھا' جو کچھ آتا وہ فقراء' درویشوں اور آنے جانے والوں پر تقسیم فرما دیتے۔ کوئی آنے والا آپ کے دروازے سے محروم نہ جاتا۔ حضرت چراغ دہلی نے لکھا ہے کہ لینے والے لانے والوں سے زیادہ رہتے تھے جو بھی آتا جس وقت بھی آتا محروم نہ جاتا اور جو کوئی کچھ لاتا اس سے زیادہ حضرت

کی عنایت سے پاتا۔(اقبال کے محبوب صوفیہ'ص ۲۵۹۔۲۶۰)

☆......حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''ایک بار سلطان قطب الدین کو کسی بدخواہ نے کہا کہ شیخ ہماری فتوحات قبول نہیں کرتے اور امراء اور سرداروں کی لائی ہوئی فتوحات قبول کرتے ہیں۔ آخر وہ سب بھی تو آپ ہی کے یہاں سے لے جاتے ہیں۔ سلطان قطب الدین نے یہ بات سچ جان کر حکم کیا: ''کوئی امیر یا سردار شیخ کے یہاں نہ جائے۔ دیکھو وہ اس قدر دعوت لوگوں کی کہاں سے کرتے ہیں اور جاسوس مقرر کیے کہ دیکھتے رہیں جو امیر وہاں جائے مجھے آ کر اطلاع کریں۔''

جناب شیخ صاحب نے یہ سنا تو فرمایا: ''کھانا آج سے زیادہ پکایا جائے۔''

ایک مدت بعد سلطان نے لوگوں سے دریافت فرمایا: ''خانقاہ شیخ کا کیا حال ہے؟''

انہوں نے عرض کیا: ''سابق جس قدر پکتا تھا اس سے دُگنا پکتا ہے۔''

بادشاہ یہ سن کر پشیمان ہوا۔ کہا: ''میں غلطی پر تھا' آپ کا معاملہ عالمِ غیب سے ہے۔''

صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ وارد و صادر میں سے پردیسی ہو یا شہری جو آتا سعادت قدم بوسی حاصل کرتا۔ کسی کو محروم نہ فرماتے۔ پوشاک' نقد' تحائف جو بھی خدا بھیجتا سب ہی ان آنے جانے والوں پر صرف ہوتا جو بھی آتا اور جس وقت آتا محروم نہ جاتا۔

(تاریخ دعوت وعزیمت حصہ سوم ص ۸۹۔۸۸۔۷۷)

فقیر کا شاہی دسترخوان

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ خود دائم الصوم تھے لیکن دونوں وقت شاہی دسترخوان لگتا اور انواع واقسام کے کھانے وافر مقدار میں چنے جاتے۔ امیر وغریب شاہ وگدا شہری وپردیسی' صالح وگناہ گار کسی کی تفریق نہ تھی۔ سب ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھاتے' لے جانے کی بھی اجازت تھی۔ بعض لوگ کھاتے اور باندھ کر بھی لے جاتے۔ یہ شاہی دسترخوان اپنی نوعیت میں یکتا تھا۔ اسی دسترخوان پر بیٹھ کر سینکڑوں ہزاروں افراد کو وہ کھانے نصیب ہوتے جن کے انہوں نے نام ہی نام سنے تھے۔ بڑے بڑے امراء دربار اور اعیان سلطنت کو بھی اس دسترخوان پر حاضری کی آرزو ہوتی تھی اور اس کھانے کی

لذت کو وہ یاد کرتے تھے۔ ہدایت وارشاد اور سلوک و تربیت کے فیض عام کے علاوہ (جس کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا) حضرت خواجہ کا یہ بھی فیض تھا جو دِلی میں اپنی پوری روانی کے ساتھ جاری تھا اور جو ہزاروں بندگانِ خدا کی پرورش کا ذریعہ تھا۔ مناظر احسن گیلانی نے درویش کے اس خوان سلطانی کا ذکر کرتے ہوئے خوب لکھا ہے۔

مالِ صوفی سبیل است

آج جن چیزوں پر ایوانِ نعمت کے قصوں کے ساتھ غریبوں کا دُکھڑا رویا جاتا ہے۔ گویا یہ بھی ایک قسم کی حدیث المائدہ اور ہضم کرنے کا چورن ہے۔ ان کو کیا معلوم کہ اسلامی تاریخ میں غریبوں اور امیروں کے درمیان صوفیائے اسلام کی یہی خانقاہیں درمیانی کڑی کا کام دیتی تھیں۔ ان بزرگوں کا دربار وہ دربار تھا جہاں سلاطین بھی خراج داخل کرتے تھے۔ خود سلطان المشائخ کا کیا حال تھا کہ ولی عہد سلطنت خضر خان تک اسی دربار کا حلقہ بگوش تھا۔ علاؤالدین جو سارے ہندوستان سے خراج وصول کرتا تھا لیکن ایک خزانہ وہ بھی تھا جس میں اسے بھی مال گزاری داخل کرنی پڑتی تھی۔ (نظام تعلیم ص ۲۱۴) یہی خانقاہیں تھیں جن کے ذریعے ملک کے عام غرباء وفقراء تک ان کا حصہ پہنچ جاتا تھا اور یہی مطلب ہے اس مشہور فقرہ کا ”مال صوفی سبیل است“

غربت و امارت کا یہ سنگم یعنی صوفیہ صافیہ کا یہ طبقہ جہاں امراء وغرباء دونوں ایک حیثیت سے حاضر ہوتے تھے‘ ان غریب اور حاجت مند مسلمانوں کی کتنی حاجت روائیاں ہوئی تھیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلامی عہد کا کوئی زمانہ اور ان دنوں ہندوستان کا شاید ہی کوئی صوبہ کوئی علاقہ ایسا ہوگا جہاں (ان کے دولت مندوں سے لیا جائے اور ان کے ضرورت مندوں کو پہنچا دیا جائے) نبوی فرمان کی تعمیل میں اربابِ صدق وصفا کا یہ طبقہ مشغول نہ تھا۔ خصوصاً جن بزرگوں کا کسی خاص وجہ سے امراء اور اربابِ ثروت پر اثر قائم ہو جاتا تھا تو سمجھیے کہ غرباء کی قسمت جاگ اُٹھتی تھی۔ اسلام کے ان اکابر کا حال پڑھیے اور اس پر غور کیجیے آپ کو نظر آئے گا کہ امراء وغرباء کے درمیان ان بزرگوں کا وجود باجود حلقہ اتصال بنا ہوا تھا اور میرا خیال ہے کہ ان خانقاہوں کے لنگر خانے جہاں اپنے اندر دوسرے اغراض رکھتے تھے‘

ایک بڑا کام ان سے یہ بھی نکلتا تھا کہ ملک کے غریبوں اور بے وسیلوں کی پناہ گاہ یہ خانقاہیں بنی ہوئی تھیں بلکہ ان کے ذریعے سے غریبوں تک بھی وہ نعمتیں پہنچ جاتی تھیں جن کا نام بھی اس زمانہ کے غریبوں نے شاید سنا نہ ہو۔

(تاریخ دعوت وعزیمت حصہ سوم ص ۸۱۔۸۰۔۷۹)

منگتوں کی بھلائی

خواجہ صاحب نے ایک روز تمام خدام و مریدین کو جو حاضر تھے طلب فرمایا اور ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: "تم گواہ رہنا کہ اگر اقبال (خادم) نے کوئی چیز بھی گھر میں جنس میں سے بچائی ہو تو کل روزِ قیامت اس کو خدا کے سامنے جواب دینا ہوگا۔"

اقبال (خادم) نے عرض کیا: "میں نے کچھ نہیں چھوڑا سب آپ پر صدقہ کر دیا ہے اور واقعی اس جوانمرد نے ایسا ہی کیا تھا سوائے اس غلہ کے جو چند دن کے لیے فقرائے خانقاہ کو کفایت کرتا سب کچھ تقسیم کر دیا تھا۔ میرے چچا سید حسن نے اطلاع دی کہ غلہ کے سوا ہر چیز محتاجوں کو پہنچ گئی۔ سلطان المشائخ اقبال سے ناراض ہوئے ان کو طلب کیا اور فرمایا اس مردار ریت کو کیوں رکھ چھوڑا ہے؟"

اقبال نے عرض کیا: "غلہ کے سوا جو کچھ موجود تھا سب کچھ تقسیم ہو گیا ہے۔"

آپ نے فرمایا: "خلقت کو بلاؤ۔"

جب لوگ حاضر ہوئے تو فرمایا: "غلہ کے انبار خانے توڑ ڈالو اور تمام غلہ بے تکلف اٹھا لے جاؤ اور وہاں جھاڑو دے دو۔"

ذرا سی دیر میں خلقت جمع ہو گئی اور اس نے غلہ کو لوٹ لیا اسی بیماری میں کچھ احباب اور خدمت گار حاضر ہوئے۔ انہوں نے پوچھا: "آں مخدوم کے بعد ہم مسکینوں کا کیا حال ہوگا۔" فرمایا: "یہاں اتنا ملتا رہے گا جس سے تمہارا گزارا ہو جائے۔"

دنیا کا جس قدر رجوع بڑھتا گیا اتنی طبیعت اس سے متنفر ہوتی گئی جتنی بڑی فتوحات ہوتیں اتنی ہی زیادہ گریہ کرتے اور اتنی ہی زیادہ کوشش فرماتے کہ جو کچھ آیا ہے جلد تقسیم ہو جائے۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد آدمی کو بھیج کر ہدایت فرماتے کہ جو کچھ ہو تقسیم کر دیا جائے

جب سب تقسیم ہو جاتا اور ضرورت مند کو پہنچ جاتا تو سکون خاطر ہوتا۔ ہر جمعہ کو حجروں اور انبار خانوں کو اس طرح خالی کرا دیتے جیسے جھاڑو دے دی گئی ہو اس کے بعد مسجد جاتے اگر بادشاہوں یا شہزادوں سے کوئی آستانہ پر حاضر ہوتا اور ان کی نذر اور آمد کی خبر پہنچتی تو ٹھنڈی سانس بھر کر فرماتے کہ کہاں آئے ہیں؟ فقیر کا وقت غارت کرتے ہیں؟

(تاریخ دعوت و عزیمت' حصہ سوم' ص ۹۸۔۹۹)

☆...... سیر العارفین میں ہے کہ ابتداءً آپ (خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ) نے غیاث پور میں سکونت اختیار کی اس زمانے میں خانقاہ میں فقر و فاقے اور نہایت عسرت کے ساتھ بسر ہوتی تھی اس زمانے میں مولانا برہان الدین غریب اور مولانا کمال الدین یعقوب پٹنی آپ کی خانقاہ میں معروف ریاضت تھے۔ ایک دفعہ چار روز کا فاقہ ہو گیا' پڑوس کی ایک ضعیفہ خاتون نے یہ حال دیکھ کر کچھ آٹا بھیجا۔ شیخ کمال الدین یعقوب نے آٹے کو مٹی کی ہنڈیا میں ڈال کر آگ پر چڑھا دیا۔ اتنے میں ایک درویش گدڑی پوش آیا اور کچھ کھانے کو مانگا۔ حضرت محبوب الٰہی نے وہ ہنڈیا اٹھا کر درویش کے سامنے رکھ دی اس نے اس ہنڈیا میں سے کچھ گرم گرم لقمے منہ میں رکھے اور ہنڈیا کو پٹک کر یہ کہتا ہوا چلا گیا:

''شیخ فرید الدین گنج شکر نعمتِ باطن شیخ نظام الدین اولیاء ارزانی داشت و من دیگ فقر ظاہری او بشکستم حالا سلطان ظاہری و باطنی شدی۔''

کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے حضرت محبوب الٰہی کی عسرت اور تنگی جاتی رہی۔

(تذکرہ صوفیائے پنجاب' ص ۲۹۶ حاشیہ)

(۱۷۳)

خودداری کا حیرت انگیز نمونہ

حضرت سیدنا احمد بن محمد بزاز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ایک مرتبہ عاشورہ کی رات میں ایک مسافر خانے میں داخل ہوا تو وہاں ایک درویش جو کی روٹی نمک کے ساتھ کھا رہا تھا اس کی یہ حالت دیکھ کر میں تڑپ اُٹھا۔ میرے پاس اس وقت ایک ہزار دینار تھے جو میں نے عبادت گزاروں کو نذرانہ دینے کی غرض سے جمع کر رکھے تھے۔ میں نے لوگوں سے اس درویش کے متعلق پوچھا تو پتہ چلا کہ وہ علمِ تصوف کا بہت بڑا عالم اور یہاں کے تمام زاہدوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ میں نے سوچا کہ یہ تمام دینار اسے دے دینے چاہئیں کیونکہ اس سے بہتر کوئی نہیں جس پر مال خرچ کیا جائے۔

چنانچہ صبح ہوتے ہی میں چند رفقاء کے ساتھ اس درویش کے پاس گیا' وہ بڑی خندہ پیشانی سے ملا' میں بھی خوش روئی سے پیش آیا۔ میں نے کہا: ''کل میں نے آپ کو نمک کے ساتھ جو کی روٹی کھاتے دیکھا۔ میرا خیال ہے کہ تم دن کو روزہ رکھتے ہو اور افطاری میں صرف نمک کے ساتھ جو کی روٹی کھاتے ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہیں کچھ ہدیہ پیش کروں۔''

یہ کہہ کر میں نے دیناروں کی تھیلی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: ''یہ ایک ہزار دینار ہیں' انہیں قبول فرما کر مجھ پر احسان فرمائیں۔''

یہ سن کر اس درویش نے میری طرف بڑی غضب ناک نظروں سے دیکھا اور کہا: ''اپنے دینار واپس لے جاؤ! بے شک یہ تو اس کی جزاء ہے جس نے اپنا راز لوگوں پر ظاہر کر دیا ہو' جاؤ! ہمیں تمہارا یہ مال نہیں چاہیے۔''

میں نے بہت اصرار کیا لیکن اس نے ایک دینار بھی قبول نہ کیا۔

(سبحان اللہ! ہمارے بزرگانِ دین میں کیسی خودداری ہوا کرتی تھی کہ نمک کے ساتھ جو کی روٹی کھانا تو منظور کر لیتے لیکن کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کرتے اگر کوئی بن مانگے دیتا تب بھی اس سے گریز کرتے۔ ذرا سا بھی خیال آجاتا کہ یہ ہدیہ ہمیں اس لیے دیا جا رہا ہے کہ لوگوں پر ہماری عبادت کا حال ظاہر ہو گیا ہے اور ہماری عبادت وریاضت سے متاثر ہو کر ہدیہ دیا جا رہا ہے تو ہرگز قبول نہ کرتے۔ بس اپنے پاس جو رزقِ حلال ہوتا اسی پر اکتفاء کر کے صابر وشاکر رہتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے صدقے ہمیں بھی قناعت کی دولت سے مالا مال فرمائے اور ہر حال میں اپنا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم) (عیون الحکایات)

(۱۷۴)

اچھی تربیت کا طریقہ

اس کی عمر ابھی بیس سال سے آگے نہیں بڑھی تھی...... دولت وثروت کی گود میں اس کی پرورش و پرداخت ہوئی تھی...... دنیا کی کوئی نعمت ایسی نہ تھی جو اسے میسر نہ آئی ہو...... اپنی زندگی میں اس نے کبھی معمولی سی تکلیف کا منہ بھی نہ دیکھا تھا...... وہ اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا...... چار بہنوں کے بعد اس کی ولادت ہوئی تھی اس لیے والدین کی طرف سے اسے بہت لاڈ پیار ملتا تھا...... اس کے والدین نے اس کا نام عادل رکھا۔

عادل اب انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کر چکا تھا...... ایک دن اس کے والد نے اسے اپنے پاس بٹھا لیا اور کہنے لگا: ''بیٹے! میں جو کچھ کہوں' اسے دھیان سے سنو اور اس کے مطابق عمل کرو......

میری دلی تمنا ہے کہ اپنی زندگی میں تمہیں اپنے ساتھ کاروبار کرتا دیکھوں...... میرا خیال ہے یونیورسٹی میں تمہارے داخلے کا کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں...... کیونکہ یونیورسٹی کی ڈگری لے کر بھی تم اس کے مطابق کام نہیں کر سکو گے...... چونکہ میری تجارت اور میرا کاروبار تمہارے انتظار میں ہے......''

عادل تھوڑی دیر سر جھکائے سوچتا رہا...... پھر بولا: ''ابا جان! آخر میں آپ کی باتوں سے اتفاق کیوں نہ کروں گا...... خود اپنے ہی بھلے کے لیے آپ کے ارشادات ماننے میں بھلا کیا حرج ہے؟...... جب مجھے اپنے کاروبار کا ذمہ دار بننا ہی ہے تو مجھے اس کے اصول و ضوابط اور حقیقت ضرور سمجھنی چاہیے......''

تم اپنی حتمی رائے بتاؤ عادل!...... (والد نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا)

میں آپ کے ارشادات سے پوری طرح متفق ہوں' اللہ تعالیٰ آپ کو برکت دے۔ (عادل نے سنجیدگی سے کہا)

عادل کی موافقت سے والد کو بڑی خوشی ہوئی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی ساری تمناؤں کا دیرینہ خواب پورا ہو گیا...... والد اپنے بیٹے کی ہر خواہش منٹوں میں پوری کر دیتا تھا......

عادل اب اپنے والد کے ساتھ کاروبار میں شامل ہو چکا تھا...... اس نے باپ کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا...... وہ اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک مختلف شہروں میں اپنے کاروبار کے سلسلے میں جانے لگا...... ایک دن سفر سے واپسی پر وہ اپنے خالہ زاد ماجد کے گھر پہنچا...... جو اس کا سب سے قریبی دوست تھا اس کی خالہ نے دروازہ کھولا اور کہنے لگی: ''ماجد اپنے کمرے میں تنہا پڑا ہوا ہے...... لیکن میرے بیٹے عادل! میں تمہیں بتا دوں کہ ماجد پہلے سے بہت بدل چکا ہے۔''

یہ سنتے ہی عادل کا رنگ بدل گیا اس نے فوراً پوچھا: ''آخر وہ کیسے بدل گیا خالہ؟''

خالہ نے جواب دیا: ''وہ کئی دن سے اپنے کمرے میں تنہا پڑا ہوا ہے' کھانے پینے کا بھی ہوش نہیں......''

عادل ہنس پڑا۔ کہنے لگا: ''خالہ پریشانی کی کوئی بات نہیں...... ان شاء اللہ میں اسے اصلی ڈگر پر لاتا ہوں۔''

یہ کہہ کر عادل اپنے جگری ساتھی ماجد کے کمرے میں داخل ہوا...... دونوں انتہائی شوق سے ملے اور محوِ گفتگو ہو گئے۔ اچانک عادل نے دیکھا کہ ماجد کی حالت غیر ہو رہی ہے۔ ''ماجد! یہ کیا ہو گیا' تمہیں کون سا مرض چمٹ گیا ہے؟''

وہ ڈوبتے ڈولتے لہجے میں بولا: ''اس دراز میں انجکشن رکھا ہوا ہے۔ فوراً نکالو اور مجھے لگا دو......''

ماجد انجکشن لگنے کے بعد اپنی طبعی حالت پر آ گیا۔

"آخر یہ کون سا مرض لاحق ہو گیا ہے؟...... یہ کس بیماری کا انجکشن ہے؟......"

عادل نے حیرت سے پوچھا: "دراصل یہ روگ ہیروئن پینے کی وجہ سے لگا ہے......

عادل! ہیروئن انسان کے لیے ایسی موت ہے جو بظاہر موج و مستی کے دامن میں چھپی رہتی ہے...... عادل! میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم کبھی ہیروئن مت پینا ورنہ تمہارا بھی وہی حشر ہوگا جو میرا ہوا ہے!...... میں ایسے دَور سے گزر رہا ہوں جس کا بیان طاقت سے باہر ہے...... میری زندگی اجیرن ہو گئی ہے۔"

ماجد کی بات سن کر عادل نے کندھے اُچکائے اور بڑی شانِ بے نیازی سے کہا: "ایسی چیزیں مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچاتیں' یہ تو میرے لیے معمولی سی بات ہے' میں نے کئی دفعہ حشیش کا چسکا لیا ہے' مجھے تو آج تک کچھ نہیں ہوا......"

ماجد نے کہا: "بھئی! حشیش کا اثر ہیروئن سے مختلف ہے...... ہیروئن انسان کو قتل کر دیتی ہے......"

عادل نے ماجد کی بات کو ناقابلِ توجہ سمجھا اور دراز سے ہیروئن نکال کر پینے لگا...... چند ہی لمحے گزرے تھے کہ اس نے کروٹ لی اور بے ہوش ہو گیا...... تھوڑی دیر بعد جب وہ ہوش میں آیا تو ماجد نے اسے ہیروئن سے دُور رہنے کی تلقین کی......

دوسرے دن عادل ماجد کے گھر گیا...... ماجد کے پاس اس کے دوستوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی...... وہ سب ہیروئن پینے میں منہمک تھے...... عادل نے ان کے ساتھ گزشتہ روز کی لذت لینی چاہی۔ چنانچہ وہ بھی ہیروئن پینے میں مصروف ہو گیا......

اچانک ایک دن عادل کو اطلاع ملی کہ ماجد اور اس کا تمام گروپ گرفتار ہو گیا ہے۔

اس کو ہیروئن فروخت کرنے والے نئے گروہ کا علم ہو گیا اور جب ان کو معلوم ہوا کہ یہ امیر کاروباری ہے تو اسے نہایت مہنگی ہیروئن فروخت کرنے لگے۔

ماجد کچھ ہی مدت بعد جیل سے رہا ہو کر گھر آ گیا...... جیل سے آتے ہی اسے ہیروئن اور حشیش پینے کی وجہ سے ایسا مرض لاحق ہوا کہ وہ ایڑھیاں رگڑ رگڑ کر موت کے گھاٹ اُتر گیا۔ ماجد کی وفات سے عادل کو بڑا دھچکا لگا...... کیونکہ ماجد اس کا بہت ہی قریبی دوست

تھا...... اب عادل بھی بیمار رہنے لگا اور پھر وہ اپنے علاج کے لیے مصر کے دارالحکومت قاہرہ چلا گیا...... وہاں ڈاکٹروں نے اس کا اچھی طرح علاج کیا اور وہ شفایاب ہو کر وطن لوٹ آیا......

عادل اب نشہ آور چیزوں سے کلی طور پر سبکدوش ہو چکا تھا...... جب بھی اس کے خیالوں کا رُخ نشے کی طرف بڑھنے لگتا' وہ فوراً چونکتا اور اپنے خیالوں کو جھٹک دیتا...... عادل کا والد اس کی اس حرکت سے یکسر بے خبر تھا...... ایک دفعہ اس نے کاروبار کے سلسلے میں اپنے بیٹے کو یورپ بھیجا...... اس ملک میں جہاں کی سوسائٹی مادر پدر آزاد ہے...... عادل کا وہاں ایک ایسے گروہ سے تعارف ہوا جس کے ارکان ہیروئن پیتے تھے' انہوں نے اسے بھی اس کی دعوت دی۔ ان کا کہنا تھا کہ تھوڑی بہت پی لو' تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا' تم اسے پی کر تو دیکھو کہ کتنا مزہ آتا ہے...... اگر پسند آئے تو استعمال کرنا ورنہ ترک کر دینا......

عادل ان کی باتوں کی حقیقت خوب سمجھتا تھا...... عادل نے خود کو ہیروئن کے استعمال سے کچھ دن تک بچائے رکھا مگر کب تک؟ بُرے دوستوں کی باتیں اس کے دل و دماغ میں سرایت کر ہی گئیں چنانچہ اس نے پھر ہیروئن پینی شروع کر دی اس کے نتیجے میں اس کی حالت بگڑتی چلی گئی...... اب وہ ہیروئن کے بغیر رہ نہیں سکتا تھا...... دوستوں نے جب عادل کی یہ صورتِ حال دیکھی تو انہوں نے اس کے خلاف ایک سازش کی اس کی لاکھوں کی رقم چوری کر لی...... اور وہاں سے بھاگ گئے......

عادل کو ہوش آیا تو وہ لُٹ چکا تھا...... جب وہ مقررہ پروگرام کے مطابق واپس نہیں آیا تو اس کے والدین کو بڑی تشویش لاحق ہوئی چنانچہ اس کا والد اس کی تلاش میں یورپ گیا...... جب وہ متعلقہ شہر پہنچ کر اس کمرے میں گیا جہاں اِس کا بیٹا ٹھہرا ہوا تھا تو یہ دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کہ عادل نشے میں لت پت پڑا ہے...... اس کی شکل بگڑ چکی ہے' بدن کا رنگ و روپ اُجڑ چکا ہے اور صحت کی چولیں ہل چکی ہیں......

یہ منظر دیکھ کر والد کو ناقابلِ بیان صدمہ ہوا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے...... وہ بیٹے کو لے کر واپس وطن آیا۔ ایک اچھے ہسپتال میں علاج کے لیے داخل کرایا...... اللہ کے

فضل اور پھر ڈاکٹروں کی کوشش سے وہ شفایاب ہو گیا۔

اس واقعہ سے عادل کے والدین کی آنکھیں کھل گئیں اور انہیں ایسا سبق حاصل ہوا جسے وہ زندگی بھر نہ بھلا سکے...... انہیں اب محسوس ہوا کہ اولاد کو بھاری رقم دے کر اور اس پر اندھا اعتماد کر کے اس کی اچھی تربیت نہیں کی جا سکتی...... خاص طور پر نوجوانوں کو ان کی ضرورت سے زیادہ پیسہ دینا اور ان کا دھیان نہ رکھنا ایسی حماقت ہے جس کی بعض اوقات تلافی بھی نہیں ہو پاتی۔ یہ فیاضی ان کو موت کے گڑھے میں دھکا دینے کے مترادف ہے...... اولاد کی اچھی تربیت کے لیے ضروری ہے کہ اسے محدود بجٹ دیا جائے اس کے لیل ونہار پر کڑی نظر رکھی جائے اور اس کی حرکات وسکنات غور سے جانچی جائیں تا کہ وہ بُری صحبت کا شکار نہ ہونے پائے......

عادل شفایاب ہو کر ہسپتال سے نکلا تو اس کے والدین نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور ایک نیک لڑکی تلاش کر کے اس کی شادی کر دی تا کہ وہ منحرف لوگوں کا راستہ اختیار نہ کر سکے...... اب بیٹے کے ساتھ ان کا برتاؤ بدل گیا اب وہ اپنے بیٹے کو جو کچھ دیتے تھے وہ حسب ضرورت ہی دیتے تھے، وہ اس کی نگرانی بھی کرتے تھے اور اس کے ساتھ نرمی اور نوازش سے بھی پیش آتے تھے...... اچھی تربیت کا یہی مناسب اور مؤثر طریقہ ہے۔

(قصص من الواقع، ص: ۱۷۱۔۱۷۷)۔

(۱۷۵)

بارہ ہزار ختم قرآن

حافظ ابوالعباس سراج خراسانی بڑی شان کے محدث تھے، ان کو حضورِ اقدس ﷺ سے بڑی والہانہ محبت تھی۔ چنانچہ بارہ ہزار قرآن مجید پڑھ کر انہوں نے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں ایصالِ ثواب کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام سے بارہ ہزار قربانیاں کیں۔ انہوں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ آسمان میں ایک سیڑھی لگی ہے اور میں ننانوے سیڑھیوں پر چڑھ گیا تھا۔ تمام معبرین نے اس خواب کی تعبیر دی کہ تمہاری عمر ننانوے برس کی ہوگی۔ چنانچہ واقعی انہوں نے ننانوے برس کی عمر پائی۔

ابوالولید حسان فقیہ کا بیان ہے کہ ایک دن میں نے ان سے پوچھا: ''آپ نے بغداد کی سکونت کیوں چھوڑ دی؟ انہوں نے فرمایا: ''میرے بھائی بغداد میں پچاس برس تک رہے مگر جب ان کا انتقال ہوا اور جنازہ نکلا تو محلے میں کسی نے پوچھا کہ یہ کس کی میت ہے تو ایک شخص نے کہا کہ ایک پردیسی مر گیا ہے۔ یہ سن کر میں نے انا للہ پڑھا کہ افسوس پچاس برس بغداد کی سکونت اور علم وتجارت میں شہرت کے باوجود یہ کہا جا رہا ہے کہ ''ایک پردیسی مر گیا ہے'' یہ جملہ سن کر مجھے بغداد والوں سے ایسی نفرت پیدا ہوگئی کہ میں نے ہمیشہ کے لیے بغداد کو خیر باد کہہ کر سکونت ترک کر دی۔''

ربیع الآخر ۳۱۳ھ میں آپ نے دنیا سے رحلت فرمائی۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۷۰)

(۱۷۶)

شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کا جود و سخا

نقل ہے کہ شیخ بہاؤ الدین زکریا ایک روز اپنی خانقاہ میں بیٹھے تھے۔ خادم کو حکم دیا کہ جاؤ اور وہ صندوق لے آؤ جس میں پانچ ہزار سرخ دینار ہیں' خادم خزانے کی طرف گیا' خزانے کا سامان ادھر ادھر کیا اس صندوق کا کوئی نشان نہیں دیکھا جب وہ صندوق نہیں ملا تو حضرت شیخ کی خدمت میں آیا اور حال بیان کیا کہ وہ صندوق تو موجود نہیں ہے۔ حضرت شیخ نے کچھ دیر تامل کیا' آنکھیں کھولیں اور فرمایا' الحمد للہ! کہتے ہیں کہ کچھ دنوں کے بعد خادم نے حضرت شیخ الاسلام کو اطلاع دی کہ فلاں صندوق جو اس روز نہیں ملا تھا اب کچھ سامان کے نیچے مل گیا ہے۔ حضرت شیخ نے کچھ دیر غور فرمایا اور زبان مبارک سے الحمد للہ فرمایا۔ خادم مذکور کو صندوق لینے کے لیے بھیجا اور حاضرینِ مجلس سے لطیف انداز میں فرمایا کہ دونوں حالتوں میں الحمد للہ کہنا اس وجہ سے تھا کہ اہل اللہ کے سامنے دنیا کا وجود و عدم برابر ہے اس کے جانے کا کوئی غم نہیں اور نہ اس کے آنے کی کوئی خوشی اس کے بعد وہ پانچ ہزار دینار مستحقین میں تقسیم فرما دیئے اور اس پر اپنی توجہ نہیں کی۔

(سیر العارفین "مترجم" ص ۱۵۹)

☆...... جود و سخا اور فیاضی کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے مریدوں اور معتقدوں کا جہاز غرق ہو رہا تھا' انتہائی اضطراب کے عالم میں انہوں نے حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی سے روحانی مدد طلب کی۔ خدا کی قدرت سے وہ جہاز غرق ہونے سے بچ گیا۔ اس جہاز میں جواہرات کے بڑے بڑے تاجر بھی۔ ار تھے جب

یہ ساحل پر اُترے تو ان تاجروں نے اپنے مال کا تہائی حصہ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کی خدمت میں نذر کرنے کا عہد کیا اور ان کی طرف سے خواجہ فخرالدین گیلانی یہ نقد و جواہر لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان جواہرات کی قیمت اور نقد رقم ملا کر چاندی کے ستر لاکھ ٹنکے ہوتے تھے۔ آپ نے یہ رقم قبول کر لی مگر تین دن کے اندر اندر یہ رقم فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دی۔ آپ کی اس فیاضی کو دیکھ کر خواجہ فخرالدین گیلانی اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے اپنا تمام مال و متاع فقراء میں تقسیم کر کے درویشی اختیار کر لی۔ پانچ سال تک وہ شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کی خدمت میں رہے پھر خانہ کعبہ حج کے لیے روانہ ہوئے مگر جدے پہنچ کر فخرالدین گیلانی نے وفات پائی۔

(تذکرہ صوفیائے پنجاب بحوالہ سیر العارفین ص ۱۲۱ بزم صوفیہ ۱۰۱)

وقت کا حکمران درویش کے در کا منگتا

حضرت خواجہ نے...... اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ شیخ بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا: "اگر وہ کسی کو کوئی چیز دیتے تھے تو خوب دیتے تھے' وہ معلم جوان کے صاحب زادوں کو تعلیم دیتے تھے' ان پر آپ نے بڑی نوازشیں کیں اور ان کے دامن میں سونا چاندی اُنڈیل دیا۔ اس موقع پر حضرت خواجہ نے یہ واقعہ بیان کیا ایک دفعہ ملتان کے والی کو غلے کی ضرورت پڑی اس نے شیخ بہاؤالدین زکریا سے اس کے لیے درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ ایک ڈھیر اسے دے دو۔ والی نے اپنے عملے کو بھیجا کہ وہ ڈھیر سے غلہ لے آئیں اس غلے میں چاندی سے بھرا ہوا ایک مٹکا نکل آیا۔ عملے نے والی کو اطلاع دی اس نے کہلوایا کہ شیخ نے ہمیں غلہ دینے کو فرمایا ہے۔ یہ چاندی دینے کو نہیں فرمایا اسی چاندی کو شیخ کی خدمت میں پہنچا دو جب یہ بات شیخ کی خدمت میں عرض کی گئی تو انہوں نے کہلوا بھیجا کہ زکریا کو یہ معلوم تھا' تمہیں یہ غلہ چاندی سمیت دے دیا گیا ہے۔"

(فوائد الفواد ص ۲۱۸۔۲۱۹)

(۱۷۷)

شیطان میرا خادم ہے

حضرت سیدنا ایوب حمال رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ہمارے علاقے میں ایک متوکل نوجوان رہتا تھا' وہ عبادت وریاضت اور توکل کے معاملے میں بہت مشہور تھا۔ لوگوں سے کوئی چیز نہ لیتا جب بھی کھانے کی حاجت ہوتی اپنے سامنے سکوں سے بھری ایک تھیلی پاتا اسی طرح وہ اپنے شب وروز عبادتِ الٰہی میں گزارتا اور اسے غیب سے رزق دیا جاتا۔ ایک دفعہ لوگوں نے اس سے کہا: ''اے نوجوان! تو سکوں کی وہ تھیلی لینے سے ڈر! ہوسکتا ہے شیطان تجھے دھوکہ دے رہا ہو اور وہ تھیلی اسی کی طرف سے ہو۔''

نوجوان نے کہا: ''میری نظر تو اپنے پاک پروردگار کی رحمت کی طرف ہوتی ہے' میں اس کے علاوہ کسی سے کوئی چیز نہیں مانگتا جب میرا مولیٰ مجھے رزق عطا فرماتا ہے تو میں قبول کر لیتا ہوں۔ بالفرض اگر وہ سکوں کی تھیلی میرے دشمن شیطان کی طرف سے ہو تو اس میں میرا کیا نقصان بلکہ مجھے فائدہ ہی ہے کہ میرا دشمن میرے لیے مسخر کر دیا گیا ہے اگر واقعی ایسا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اسے میرا خادم بنائے رکھے اس سے زیادہ اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ میرا سب سے بڑا دشمن خادم بن کر میری خدمت کرے اور میں اس کی طرف نظر نہ رکھوں بلکہ یہ سمجھوں کہ میرا پروردگار مجھے دشمن کے ذریعے رزق عطا فرما رہا ہے اور واقعی تمام جہانوں کو وہی خالق کائنات رزق عطا فرماتا ہے جو میرا معبود ہے۔''

متوکل نوجوان کی یہ بات سن کر لوگ خاموش ہو گئے اور سمجھ گئے کہ اس کو واقعی غیب سے رزق دیا جاتا ہے۔

مسلمانو! یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جو شخص اپنے پروردگار کی عبادت کے لیے اپنے آپ کو فارغ کر لیتا ہے' اللہ تعالیٰ اسے دنیوی پریشانیوں سے نجات عطا فرما دیتا ہے جو اس خالق لم یزل کے کاموں میں لگ جاتا ہے تو وہ مسبب الاسباب اسے ایسے ایسے اسباب مہیا فرماتا ہے کہ جن کے بارے میں وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسا یقین کامل عطا فرمائے کہ ہماری نظر اسباب پر نہ ہو بلکہ خالق اسباب کی طرف ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توکل کی دولت سے مالا مال فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین!

(عیون الحکایات)

(۱۷۸)

خلیفۂ وقت کو مشورہ

خلیفہ منصور بڑا دلیر اور مدبر حکمران تھا' وہ کہتا تھا کہ اچھی حکومت کے چار ستون ہیں:
الف) ایسے قاضی جو صرف اللہ رب العزت سے ڈریں' حق و انصاف سے فیصلے کریں اور عدل کے معاملے میں کسی کی رعایت نہ کریں۔
ب) مضبوط پولیس جو کمزور اور بے بس لوگوں کی مدد کرے۔
ج) مالیہ وصول کرنے والے افسر جو جانچ تول کر دمڑی دمڑی وصول کریں۔
د) وقائع نگار یعنی اخبار نویس جو سلطنت کے گوشے گوشے سے صحیح اطلاعات بھیجتے رہیں۔

وہ ۱۵۸ ہجری میں حج کے لیے نکلا' مکہ مکرمہ کے قریب پہنچا ہی تھا کہ بحالتِ احرام وفات پا گیا۔ بغداد کی داغ بیل ڈالنا اس کا بڑا اہم کارنامہ ہے اسی کے زمانے میں یہ شہر علمائے کرام کا مرکز بن گیا تھا جب کہ برامکہ دراصل بدھ مت کے پیروکار تھے۔ بلخ کے رہنے والے تھے۔ خالد کا باپ مسلمان ہو گیا۔ بعض مؤرخین نے اسے آتش پرست بتایا ہے جو صحیح نہیں۔ خالد برامکہ خاندان کا فرد فرید تھا' نہایت دُور اندیش اور صاحبِ علم و فضل تھا۔ برامکہ کو ۱۷۰ ہجری میں عروج ہوا۔ وہ پورے سترہ برس تک سلطنتِ عباسی کے سیاہ و سفید کے مختار رہے۔ یحیٰی برمکی سمیت اس خاندان کے اکثر افراد نہایت عالم فاضل تھے۔ اہلِ بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بدرجہ غایت عقیدت رکھتے تھے۔ ہارون الرشید ان سے خوف زدہ ہو گیا اور دیگر عباسی خاندان کے لوگ بھی یہ باور کرنے لگے کہ برامکہ کسی بھی وقت

عباسیوں کا پتہ کاٹ کر اہلِ بیت کو مسندِ خلافت پر بٹھا دیں گے۔ عباسی خاندان کا یہی شبہ برامکہ کے زوال کا باعث بنا۔

خلیفہ منصور نے جب علاقہ ہاشمیہ کو دارالخلافت کے لیے ناکافی پایا تو اسے ایک وسیع اور پُر فضا جگہ کی جستجو ہوئی۔ نوشیرواں کا ''باغ داد'' اپنے مختصر نام ''بغداد'' سے مشہور تھا۔ خلیفہ کو یہ باغ متعدد ملکی مصلحتوں اور آب و ہوا کے اعتدال کی وجہ سے بہت پسند آیا چنانچہ اب ملک بھر سے معمار اور ماہر کاریگر طلب کیے گئے۔

خلیفہ کی طبیعت میں کفایت شعاری کنجوسی کی حد تک پہنچی ہوئی تھی اس لیے چند ایک مصاحبین کے مشورے سے قرار پایا کہ نوشیرواں عادل کے شاہی محلات جو مدائن میں موجود ہیں اور بطورِ خاص ایوانِ کسریٰ جو نہایت وسیع عمارت ہے' سب کو مسمار کر کے انہی کی اینٹوں سے بغداد کی تعمیر شروع کی جائے۔

خالد برمکی خلیفہ کا وزیر تھا اس نے ادب سے عرض کیا: ''امیر المومنین! آپ کا یہ حکم نامناسب ہے۔ کئی اسباب کی وجہ سے ایوانِ کسریٰ کو ڈھا دینا صحیح نہ ہوگا۔ آثارِ قدیمہ مجسم تاریخ ہوتے ہیں۔ فتوحاتِ اسلام کے حوالے سے ایوانِ کسریٰ کی ایک خاص اہمیت ہے اسے دیکھ کر دَورِ خلافتِ راشدہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے اس معجزے کی تصدیق بھی ہوتی ہے جو آپ ﷺ کی ولادت کے وقت ظہور میں آیا تھا اس معاملے کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ نوشیرواں اور خسرو پرویز نے ایوانِ کسریٰ نہایت مضبوط بنیادوں پر بنوایا تھا۔ زمانہ اور زندگی کتنی ہی کروٹیں بدل چکے' کتنے طوفان' کتنے سیلاب اور کتنے زلزلے آئے ہیں مگر ایوانِ کسریٰ کی محکمی میں آج تک کوئی فرق نہیں آیا۔ آپ اسے مسمار کرنے پر جتنی رقم خرچ کریں گے اتنی رقم میں تو ایک نیا عالی شان محل تعمیر ہو سکتا ہے۔ مزید برآں آپ اسے ڈھا دیں گے تو لوگ صدمہ محسوس کریں گے اور آپ کے بارے میں خوش رائے نہیں رہیں گے۔''

خلیفہ نے اس دانش مندانہ مشورے پر کوئی توجہ نہ دی اور ایوانِ کسریٰ کو ڈھانے کا حکم دے دیا ابھی ایوان کا ایک گوشہ (سفید محل) ہی توڑنا شروع کیا تھا کہ تھوڑے ہی دنوں کے

حساب کتاب نے منصور پر ثابت کر دیا کہ جس قدر مزدوری ڈھانے پر خرچ ہو رہی ہے اس سے نصف مالیت کا سامان بھی دستیاب نہیں ہو رہا آخر اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور ایوان کی توڑ پھوڑ بند کرا دی۔

خالد نے پھر عرض کیا: ''میں التوا کے خلاف ہوں' کام بدستور جاری رہنا چاہیے اور سارا ایوان مسمار کر دینا چاہیے۔'' منصور نے کہا: ''پہلے تمہاری رائے مختلف تھی اب تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟''

خالد نے کہا: ''جنابِ والا! میں نے پہلے انہدام سے اس لیے منع کیا تھا کہ ملوک عجم کی یادگار قائم رہنے سے جہاں ان کے ماضی کی ہیبت و شوکت کا اظہار ہوتا ہے وہاں یہ عمارتیں زبانِ حال سے یہ بھی بتاتی ہیں کہ جس قوم نے اس پر فتح پائی ہے' وہ عجم والوں سے زیادہ زبردست اور طاقت ور ہے اور اب جو میں کہتا ہوں کہ ایوان گرا دیا جائے تو اس میں یہ حکمت ہے کہ جب آئندہ نسلیں عمارت کے ایک حصے کو ٹوٹا پھوٹا دیکھیں گی تو کہیں گی کہ عمارت اس قدر مستحکم تھی کہ آپ کی حکومت اسے توڑنے کی بھی سکت نہیں رکھتی تھی حالانکہ بنانے سے توڑنا آسان ہے اس لیے اس شکستہ عمارت کو دیکھ کر لوگ ملوکِ فارس کی تعظیم اور شاہانِ اسلام کی توہین کرتے رہیں گے۔''

منصور نے اس مشورے پر بھی عمل نہ کیا اور ٹوٹی پھوٹی عمارت کو اس کے حال پر چھوڑ دیا لیکن وزیر نے مناسب مشورہ دینے میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔

(ناقابلِ فراموش واقعات ۱۴۵ تالیف محمد دین فوق)

(۱۷۹)

ایک پُراسرار نوجوان

حضرت سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز جمعہ پڑھنے کے لیے جامع مسجد میں گیا تو میں نے دیکھا کہ وہ آدمیوں سے بھرگئی ہے۔ میں نے بے ادبی کی اور لوگوں کی گردنوں کو پھاند کر آگے بڑھ گیا یہاں تک کہ میں پہلی صف میں پہنچ کر بیٹھ گیا۔ ناگاہ میں نے دیکھا کہ میرے دائیں جانب ایک ایسا جوان ہے جو نہایت خوش اور خوب صورت ہے اس نے مجھ سے کہا: ''اے سہل رحمۃ اللہ علیہ! تمہارا کیا حال ہے؟''

میں نے کہا: ''میں اچھا ہوں اور اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔''

مگر مجھے اپنے پہچانے جانے پر تعجب ہوا اس کے بعد پیشاب کی سوزش عارض ہوئی میں اس سے ڈرا وہاں سے نکلنے کے واسطے فکرمند ہوا کہ لوگوں کی گردنیں کیونکر پھاندوں لیکن اس پر صبر بھی نہ تھا چنانچہ اس جوان نے میری جانب توجہ کی اور فرمایا: ''اے سہل رحمۃ اللہ علیہ! تم کو پیشاب کی سوزش اور گرمی لاحق ہوئی ہے؟'' میں نے کہا: ''ہاں!''

اس جوان نے اپنے شانہ سے چادر نکالی اس سے مجھے چھپایا اور مجھ سے کہا:

''اُٹھو اپنی حاجت پوری کرو اور جلدی کرو تاکہ نماز میں ملو۔''

اس کے بعد مجھ پر بے ہوشی طاری ہوئی پھر میں ہوش میں آیا ناگاہ میں نے دیکھا کہ ایک دروازہ کھلا ہوا ہے اور ایک پکارنے والا پکارتا ہے: ''اے سہل داخل ہو اور اپنی حاجت پوری کرو۔''

چنانچہ میں اندر گیا دیکھا کہ ایک بڑا گھر ہے اور اس کی ایک جانب خرمے کا درخت

ہے وہاں پانی کا لوٹا مسواک رومال اور پاخانہ (بیت الخلاء) موجود ہے۔ پس میں نے اپنے کپڑے نکالے اپنی ضرورت پوری کی اور رومال سے اعضائے وضو خشک کیے۔ دفعتاً میں نے ایک آواز سنی کہ وہ کہتے ہیں: ”اے سہل رحمۃ اللہ علیہ! تم اپنی ضرورت پوری کر چکے۔“ میں نے کہا: ”ہاں!“

اس کے بعد اس جوان نے میرے اوپر سے چادر اُٹھالی۔ میں نے دیکھا کہ اپنی جگہ پر بیٹھا ہوں اور کوئی مجھ سے خبردار نہ ہوا اس سے میری فکر اور بڑھ گئی کبھی میں اس کو سچ، کبھی جھوٹ اور وہم باطل خیال کرنے لگا جب میں نماز پڑھ چکا تو اس جوان کے پیچھے ہوا تا کہ اس کو پہچانوں۔ چنانچہ وہ اسی گھر میں داخل ہونے لگا جس میں میں نے اپنی حاجت پوری کی تھی۔ انہوں نے میری طرف توجہ کی اور کہا: ”اے سہل رحمۃ اللہ علیہ! تم نے سچ کیا۔ یعنی جو کچھ کیا تم نے کیا وہ صحیح اور واقعہ ہے خواب وخیال نہیں ہے۔“ میں نے کہا: ”ہاں!“

پھر میں نے اپنی آنکھ پونچھی اور اس کو کھولا تو ان کا نشان نہ دیکھا۔ اللہ ان سے راضی ہو اور وہ اس کو راضی کریں۔ (قلیوبی)

(۱۸۰)

اللہ کی دین ہے جسے دے

محمد بن صالح علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں نیند اور بے داری کے درمیان غنودگی کے عالم میں تھا کہ میں نے ابونواس شاعر کو اس کی موت کے بعد دیکھا جو بہت ہی بدعمل اور نہایت ہی بدکردار شاعر تھا۔ میں نے ابونواس سے دریافت کیا: ''تمہارا کیا انجام ہوا؟''

اس نے جواب دیا: ''میرے پاس اور تو کوئی نیک اعمال کا ذخیرہ تھا ہی نہیں لیکن میرے چار اشعار جو تمہارے تکیہ کے نیچے ہیں یہی میری مغفرت کا سامان بن گئے اور ارحم الراحمین نے اپنی رحمت سے مجھے بخش دیا۔''

محمد بن صالح کا بیان ہے: ''میں نے خواب سے بے دار ہو کر جلدی جلدی اپنا تکیہ اُٹھایا تو اس کے نیچے ایک پرچہ پر یہ چار شعر لکھے ہوئے تھے

یَا رَبِّ اِنْ عَظُمَتْ ذُنُوْبِیْ کَثِیْرَۃً
فَلَقَدْ عَلِمْتُ بِاَنَّ عَفْوَکَ اَعْظَمُ
اِنْ کَانَ لَا یَرْجُوْکَ اِلَّا مُحْسِنٌ
فَبِمَنْ یَّلُوْذُ وَ یَسْتَجِیْرُ الْمُجْرِمُ
اَدْعُوْکَ رَبِّ کَمَا اَمَرْتَ تَضَرُّعًا
فَاِذَا رَدَدْتَ یَدِیْ فَمَنْ ذَا یَرْحَمُ
مَالِیْ اِلَیْکَ وَسِیْلَۃٌ اِلَّا الرَّجَاءُ
وَجَمِیْلَ عَفْوِکَ ثُمَّ اَنِّیْ مُسْلِمٌ

"اے میرے پروردگار! اگرچہ کثرت کے لحاظ سے میرے گناہ بہت ہی بڑے اور زیادہ ہیں لیکن مجھے اس بات کا یقین ہے کہ تیرا عفو و کرم میرے گناہوں سے کہیں زیادہ بڑا ہے۔

اگر صرف نیکوکار ہی تجھ سے امیدوار ہو تو پھر خطاکار کس کی پناہ ڈھونڈے اور کس کی بارگاہ امن میں اپنا ٹھکانہ طلب کرے۔

اے میرے رب! میں تیرے حکم کے مطابق تجھ سے گڑگڑا کر دعا مانگتا ہوں اب اگر تو ہی میرے دستِ سوال کو ٹھکرا دے گا تو پھر کون ہے جو مجھ پر رحم فرمائے گا۔

تیرے دربار میں میرا بجز اس کے کوئی وسیلہ نہیں کہ مجھے تجھ سے امیدواری اور تیرا عفو و کرم بہت ہی اچھا ہے پھر اس کے بعد اتنا وسیلہ اور ہے کہ میں مسلمان ہوں۔" (شرح الصدور ص ۱۲۲)

رحمت حق بہانہ می جوید

اس میں شک نہیں کہ ابونواس شاعر بہت ہی بدعمل تھا اور لوگ اس کو اس کی بداعمالیوں کی وجہ سے بہت ہی حقارت کی نظر سے دیکھا کرتے تھے مگر غور فرمایئے کہ محض چار اشعار خداوندِ غفار و ستار کے دربار میں مقبول ہو گئے تو یہی اس کی مغفرت کا ذریعہ بن گئے اور ارحم الراحمین نے اس کو اپنی مغفرت سے سرفراز فرما دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ مغفرت کا دارومدار خداوندِ قدوس کے دربار میں اعمال کی مقبولیت اور اس کے فضل و کرم پر ہے۔ کسی بزرگ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ

رحمت حق بہانہ می جوید
رحمت حق بہا نہ می جوید

"خدا کی رحمت مغفرت کے لیے بہانہ ڈھونڈتی ہے' خدا کی رحمت مغفرت کی قیمت (یا بے شمار اعمال) نہیں طلب کرتی ہے۔"

بعض اعمال دیکھنے میں بہت حقیر اور معمولی نظر آتے ہیں مگر بندہ جب للّٰہیت اور

خلوصِ نیت کے ساتھ اس پر عمل کرتا ہے اور خداوندِ کریم کو وہ عمل پسند ہو جاتا ہے اور وہ اپنے فضل وکرم سے اس عمل کو قبول بھی فرمالیتا ہے تو وہ حقیر اور چھوٹا سا عمل ہی اس بندے کے لیے ذریعۂ نجات و باعثِ مغفرت بن جاتا ہے۔ احادیث کریمہ میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ ایک حدیث میں وارد ہوا کہ ایک آدمی نے راستہ چلتے ہوئے یہ دیکھا کہ ایک خاردار درخت کی ٹہنی راستہ پر پڑی ہوئی ہے اس نے اس خیال سے کہ کسی مومن کو کانٹا نہ چبھ جائے اس خاردار ٹہنی کو راستہ سے ہٹادیا اسی کا اتنا ہی عمل خیر خداوندِ کریم کو پسند آ گیا اور مولیٰ کریم نے اس بندے کی مغفرت فرمادی۔

بہر حال مومن کو چاہیے کہ کسی نیک عمل کو حقیر سمجھ کر ترک نہ کرے بلکہ ہر عملِ خیر کو کرتا ہی رہے، نہ معلوم بندے کا کون سا عمل ارحم الراحمین کو پسند آ جائے اور اس کی مغفرت کا ذریعہ بن جائے۔

اللہ کی دین ہے جسے دے
میراث نہیں ہے بلند نامی

(۱۸۱)

صاحبانِ جود و عطا

ایک روایت میں ہے کہ حضرت گیسودراز بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ کی عادت یہ تھی کہ آپ کو جو کچھ فتوح ہوتا یعنی لوگ نذرانے وغیرہ پیش کرتے یا بارگاہِ مخدوم سے سرفراز ہوتا یا لنگر خانہ شیخ سے جو کچھ ملتا یا جو کوئی آمد ہوتی' وہ سب کی سب عام طور پر راہِ خدا عزوجل میں غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیتے اور طالب علموں کی خاص طور پر مدد کیا کرتے۔ دوسروں کی حاجت براری و آسائش کو اپنا آرام کہتے اسی لیے پیرومرشد نے ایک دن آپ کو''بندہ نواز'' کے لقب سے ملقب کیا۔

(بحوالہ لمعات الاسرار تذکرہ خواجہ گیسودراز' ص ۴۷ مرتبہ اقبال الدین احمد' مطبوعہ کراچی ۱۹۶۶ء)

☆......زُہدوتوکل کا طبعی ولازمی نتیجہ بذل وعطا اور جود وسخا ہے۔ جس صاحبِ یقین پر دنیا اور دولت کی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے اور''قل متاع الدنیا قلیل'' کا استحضار ہو جاتا ہے' وہ بخل کے ہر شائبہ سے پاک ہو جاتا ہے۔ جس کو اشرفیاں ٹکیاں اور ٹھیکریاں نظر آنے لگتی ہیں اور مال کی محبت دل کے ہر گوشہ سے نکل جاتی ہے اس کا ہاتھ کون روک سکتا ہے؟ مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی علیہ الرحمہ کا یہی حال تھا کہ ان کا محبوب مشغلہ مال و دولت کے تحائف و ہدایہ کی تقسیم اور جو کچھ آئے اس کو جلد سے جلد بانٹ دینا تھا۔ مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں:''ایک مرتبہ نواب خورشید جاہ حیدر آبادی نے ہزار روپیہ کا نوٹ نذر کیا' ایک نابینا خادم خانقاہ دیر سے عرض کر رہا تھا کہ لڑکی کی شادی کے لیے چھ سو روپیہ چاہیے۔ نوٹ اسی کے حوالہ ہوا کہ چھ سو روپے لے کر چار سو یہاں دے جا۔ وہ بھی بنیئے کو جو صبح وشام

آٹا دال پہنچاتا تھا اس کو دے دیا۔ مہینہ میں ہزار ہا روپیہ نذر آتا تھا اور سب کھانا کھلانے اور دینے لینے میں خرچ ہو جاتا تھا۔"

☆......مولوی صاحب فرماتے ہیں ایک مرتبہ ہم نے عرض کیا: "آگ کی دھونی پر لوگ آپ پر اعتراض کرتے ہیں کہ حقہ والوں کی مدد کرتے ہیں اور یہ مکروہ ہے اور علاوہ اس کے تمام رات دن آگ جلانا ایک قسم کا اسراف بے جا ہے۔"

ارشاد ہوا: "یہ آگ جو تمام رات دن جلا کرتی ہے' حقہ والوں کے لیے نہیں ہے بلکہ اس لیے ہے کہ ہمارے گاؤں کے غریب آدمیوں کو آگ نہیں ملتی ہے اس سے یہ آگ روشن رہتی ہے اور اکثر نمازی پانی گرم کر کے غسل بھی کرتے ہیں۔"

سخاوت کی انتہا

آپ کے پاس تحفے اور ہر ملک سے صدہا قسم کی چیزیں از قسم ملبوس آتی تھیں مگر سب تقسیم ہو جاتی تھیں۔ ایک مرتبہ فقیر کے سامنے ایک ٹوکرہ مراد آبادی برتن کا آیا۔ آپ نے بعد از مغرب سب نمازیوں کو برتن تقسیم کر دیئے۔ دو ایک برتن نواسہ کھڑے ہوئے تھے' ان کو دے دیئے کہ صاحب زادی کو دے آؤ اور ایک گلاس اپنے لیے رکھ لیا اس کو بھی کسی مسافر کو شب میں دے دیا۔ ہمیشہ قرآن شریف یا اور کتابیں اہلِ مطبع بھیجا کرتے تھے۔ دیہات کے لوگ جو جمعہ پڑھنے کو آیا کرتے تھے' ان سے استفسار فرمایا کرتے تھے کہ تمہارا لڑکا کیا پڑھتا ہے؟ جس نے کہا قرآن شریف پڑھتا ہے اس کو آپ دے دیا کرتے تھے۔ شام تک کچھ کتاب وغیرہ باقی نہیں رہا کرتی تھی اسی طرح آم کے زمانے میں ٹوکروں میں آم اور شیرینی جو بکثرت آتی تھی' اہلِ مسجد اور بستی کے لوگوں میں تقسیم ہو جاتی تھی۔

☆......ایک مرتبہ جناب شاہ غلام رسول صاحب قدس سرہ کانپوری والد جناب مولوی شاہ عبدالحق صاحب کانپوری آپ کے پاس بنظر ملاقات تشریف لے گئے تو کسی نے ایک عبا پُر تکلف بیش قیمت آپ کی نذر کی اور ایک جلد قرآن شریف مطلا (جس پہ سونے کا کام ہوا ہوا تھا) اٹھارہ سو روپیہ کا بھی نذر کی۔ حضرت قبلہ نے شاہ غلام رسول صاحب کو دے دیا اور فرمایا: "آپ تکلف کا کپڑا پہنتے ہیں اس کو آپ ہی پہنیے۔"

اور قرآن شریف بھی انہیں بزرگ کو دے دیا۔ شاہ صاحب موصوف بھی اس سخاوت کو دیکھ کر حیران ہوئے اور فرمایا: ''بس توکل اس کو کہتے ہیں۔ کپڑے صدہا قسم کے آپ کی خدمت میں آتے تھے۔ لٹھا' ململ' شال' دوشالہ' کمخواب سب طرح کی نذریں گزرتی تھیں مگر آپ سب تقسیم کردیتے تھے۔ خود دو تین آنہ گز کا کپڑا از قسم وغیرہ کا انگرکھا پہنتے تھے۔

امراوغرباء کی خیر خواہی

ایک بار وزیر لکھنؤ پر عتاب شاہی ہوا' وہ از بس متفکر تھے۔ شرف الدولہ مرحوم جو کہ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت رکھتے تھے۔ انہوں نے وزیر صاحب سے کہا کہ اب کوئی چارہ کار نہیں۔ ان دنوں حضرت لکھنؤ میں آئے ہوئے ہیں' ان سے اگر التجا کیجیے تو یہ کام ہو جائے۔ خلاصہ کلام وہ حضرت قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض مطلب کیا۔ حضرت نے بشارت فرمائی۔ بادشاہ نے وزیر صاحب کو بلا کر اعزاز بخشا۔ وزیر صاحب دو ہزار روپیہ نذرانہ لائے۔ حضرت نے فرمایا: ''روپیہ ہم کیا کریں گے' تم اس روپیہ کے قرآن شریف چھپوا دو۔''

پھر ہم لکھنؤ سے چلے گئے اور ایک برس کے بعد پھر لکھنؤ آنے کا اتفاق ہوا وہاں قرآن شریف چھپے ہوئے تیار تھے۔ وزیر صاحب کو خبر ہوئی' ایک اونٹ پر تمام جلدیں قرآن کی لاد کر اور عزیز انبساط ایک گھوڑا مع ساز وبراق ساتھ لے کر آئے اور نذر کیا۔ حضرت بہت خوش ہوئے اور وہاں سے سندیلہ کی طرف روانہ ہوئے اور سندیلہ تک سارے قرآن شریف بانٹتے آئے بلکہ اونٹ بھی دے دیا اور محتاجوں کو گھوڑے کا ساز وبراق تک تقسیم کردیا اور آخر میں گھوڑا بھی کسی کو عطا فرما دیا۔

☆ ...... مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں: ''آپ کا یہ بھی شغل تھا کہ بنظر سخاوت اکثر غریب عورتیں اپنے کھیت سے مٹی بقدر ایک بڑی رکابی کے کلوخ کے لیے لایا کرتی تھیں۔ آپ ایک پائی میں خرید کرتے تھے اور اپلہ یعنی گوئٹھ موٹے موٹے لمبائی میں ایک ہاتھ کے قریب تمام دن اس کی خریداری ہوتی تھی۔ فقیر نے عرض کیا کہ ایک بار گاڑی پر منگا لیجیے کیونکہ ایک بڑی رکابی کے بقدر لاتی ہیں اور ایک پائی آپ دیتے ہیں اسی طرح گوئٹھ کی

قیمت بھی آپ بہت دیتے تھے۔ آپ نے سکوت فرمایا۔ اشارتاً معلوم ہوا کہ پرورش ان کی منظور ہے اور حق ہمسایہ ادا کرنا مدنظر ہے۔

اپلہ کی خریداری کے بارے میں عرض کیا: ''یہ عادت جوگیوں کی دیکھی ہے یا آتش پرستوں کی کہ تمام دن آگ جلایا کرتے ہیں۔''

آپ نے فرمایا: ''غریب محلہ کے لوگ آگ لے جاتے ہیں اور اس کے ساتھ ایک اپلہ بھی لے جاتے ہیں۔''

☆...... راقم سطور نے نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی مرحوم سے خود سنا کہ ایک بار سرِ شام کسی نے پانچ سو روپیہ نذر کیے اسی وقت اعلان فرما دیا کہ ہمارے حجرہ کی دیوار گری جارہی ہے اس کی مرمت کی ضرورت ہے۔ اہلِ قصبہ اس ادا سے واقف تھے' بہت سے شرفاء اور غرباء ٹوکریاں اور پھاوڑے وغیرہ لے کر حاضر ہو گئے اور کسی نے دیوار کو ہاتھ لگایا' کسی نے کچھ کیا۔ آپ نے کسی کو کچھ دیا' کسی کو کچھ۔ سونے سے پہلے ساری رقم تقسیم فرما کر فارغ ہو گئے۔ کسی صاحب نے عرض کیا کہ آخر ایسی کیا عجلت تھی؟ فرمایا: ''واہ! ہماری دیوار گری جارہی تھی' تم باتیں بناتے ہو۔''

(تذکرہ مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی مؤلفہ ابوالحسن علی ندوی ص ۶۱ تا ۶۴)

(۱۸۲)

ایک کنیز کا عارفانہ کلام

حضرت سیدنا جعفر خلدی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت سیدنا جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''ایک مرتبہ میں اکیلا سفرِ حج پر روانہ ہوا' منزلوں پر منزلیں طے کرتا حرم شریف کی مشک بار فضاؤں میں جا پہنچا جب شام ہوئی اور رات نے اپنے پر پھیلا دیئے تو دن بھر کے تھکے ماندے لوگ بسترِ آرام پر خوابِ خرگوش کے مزے لینے لگے۔ محبتِ الٰہی سے سرشار دل والے عبادت گزاروں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آہ وزاری کرنا شروع کردی۔ میں بھی اپنے پاک پروردگار کے پیارے گھر ''خانہ کعبہ'' کا طواف کرنے لگا۔ ایک کنیز بھی طواف کررہی تھی اور اس کی زبان پر چند عربی اشعار جاری تھے جن کا مفہوم کچھ اس طرح ہے: ''محبت نے پوشیدہ رہنے سے انکار کیا اور کتنی ہی مرتبہ میں نے اسے چھپایا مگر وہ ظاہر ہوگئی پھر اس نے میرے ہی پاس ڈیرہ ڈال لیا اور مجھے اپنا مسکن بنالیا۔ جب میرا شوق بڑھتا ہے تو میرا دل اسے یاد کرنے کی خوب خواہش کرتا ہے اور جب میں اپنے حبیب کا قرب چاہتی ہوں تو وہ میرے قریب ہو جاتا ہے اور وہ سامنے آتا ہے تو میں فنا ہو جاتی ہوں پھر اس کی وجہ سے اسی کے لیے زندہ ہو جاتی ہوں اور وہ میری مدد کرتا ہے یہاں تک کہ میں خوب لطف محسوس کرتی ہوں اور کیف وسرور سے جھومنے لگتی ہوں۔''

حضرت سیدنا جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' میں نے کہا: ''اے اللہ کی بندی! تجھے خوف نہیں آتا کہ ایسے بابرکت مکان میں اس طرح کلام کررہی ہے؟''

وہ میری طرف متوجہ ہوئی اور اس مفہوم کے چند اشعار پڑھے: ''اگر اس سے ملاقات

کا معاملہ نہ ہوتا تو تو مجھے پُرسکون نیند سے دُور نہ دیکھتا جب وہ مل گیا تو اس نے مجھے وطن سے بہت دُور کر دیا جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے، میں اسے پانے سے ڈرتی ہوں لیکن اس کی محبت مجھے شوق دلاتی ہے۔'' پھر پوچھا: ''اے جنید! تو کعبہ کا طواف کر رہا ہے یا پھر ربِ کعبہ کا؟''

میں نے کہا: ''خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہوں۔''

کنیز نے اپنا سر آسمان کی طرف اُٹھایا اور کہا: ''اے پروردگار! تیرے لیے پاکی ہے، تو پاک ہے تو نے جیسا چاہا اپنی مخلوق کو پیدا فرمایا، تیری حکمتیں بہت عظیم ہیں، یہ لوگ تو پتھروں جیسے ہیں جن کی نظر صرف مخلوق تک محدود ہے پھر کچھ اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ ہے:

''لوگ قربِ الٰہی پانے کے لیے طواف کرتے ہیں اور حال یہ ہے کہ ان کے دل چٹان سے بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں، وہ چٹیل میدانوں میں راستہ بھٹک کر اپنی پہچان بھی کھو بیٹھے اور یہ گمان کر لیا کہ ہم تو بہت مقرب ہو گئے ہیں اگر وہ محبت میں خالص ہو جاتے تو ان کی اپنی صفات غائب ہو جاتیں اور ذکرِ الٰہی کی بدولت حق سے محبت کی صفات ان میں ظاہر ہو جاتیں۔''

حضرت سیدنا جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس کا عارفانہ کلام سن کر مجھ پر غشی طاری ہو گئی جب افاقہ ہوا تو میں نے اسے بہت تلاش کیا مگر کہیں نہ پایا۔'' (عیون الحکایات)

(۱۸۳)

احساسِ جواب دہی

قاضی ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے مرض الموت میں ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے: ''اللہ کی قسم! میں نے کبھی زنا کا ارتکاب نہیں کیا' اللہ کی قسم! میں نے فیصلہ دینے میں کبھی بھی ظلم و زیادتی سے کام نہیں لیا اور نہ ہی میں اپنے بارے میں کسی بات سے خوف کرتا ہوں البتہ ایک بات کا خدشہ ضرور ہے جو مجھ سے سرزد ہو گئی تھی۔'' کسی نے پوچھا: ''آخر وہ کونسی غلطی ہے؟''

کہنے لگے: ''دراصل بات یہ ہے کہ ایک روز میں شکایات کے اوراق ترتیب دے رہا تھا کہ مجھے ایک نصرانی کا شکوہ نامہ نظر آیا اس نے خلیفہ ہارون الرشید پر ظلم کا دعویٰ کیا تھا اس کا کہنا تھا کہ ہارون الرشید نے اس کی ایک جاگیر پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے۔ میں نے نصرانی کو بلوایا اور پوچھا: ''جس جاگیر کا تم نے دعویٰ کیا ہے ابھی وہ کس کے قبضے میں ہے''

نصرانی: ''امیر المومنین ہارون الرشید کے قبضے میں۔''

قاضی ابو یوسف: ''اس جاگیر کی آمدنی کون لیتا ہے؟''

نصرانی: ''امیر المومنین!''

چنانچہ میں نے اس کا شکوہ بھی دوسرے لوگوں کے اوراق کے ساتھ رکھ لیا۔

دوسرے دن جب عدالت کا دروازہ کھلا تو میں نے اپنی نشست سنبھالی اور یکے بعد دیگرے ان لوگوں کا نام پکارنے لگا جن کے نام میرے اوراق میں درج تھے۔ نصرانی کا نام بھی آیا اور میں نے اسے پکارا' وہ جب عدالت کے سامنے حاضر ہوا تو میں نے امیر المومنین کے خلاف اس کا شکایت نامہ پڑھا۔

امیر المومنین نے اپنے خلاف مقدمہ سن کر کہا: ''نصرانی نے جس جاگیر کا ذکر کیا ہے وہ تو ہم نے اپنے دادا ابو جعفر منصور سے وراثت میں پائی ہے۔''

میں نصرانی کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: ''امیر المومنین نے جو کچھ کہا ہے' اسے تم نے سن لیا؟ کیا تمہارے مقدمے کی تائید میں کوئی گواہ ہے؟''

نصرانی گویا ہوا: ''میرے مقدمے پر کوئی گواہ تو نہیں ہے البتہ آپ امیر المومنین سے قسم اُٹھوائیں کہ یہ جاگیر انہی کی ہے۔''

میں نے امیر المومنین سے پوچھا: ''کیا آپ قسم کھانے کو تیار ہیں؟''

امیر المومنین نے کہا: ''ہاں! میں قسم کھانے کو تیار ہوں۔''

پھر امیر المومنین نے بھرے مجمع میں قسم کھائی اور نصرانی اپنے گھر لوٹ گیا۔

قاضی ابو یوسف نے کہا: ''صرف اسی بات سے مجھے اپنے بارے میں خدشہ ہے۔''

حاضرین نے پوچھا: ''بھلا اس سلسلے میں خدشے کی کونسی بات ہے جب کہ آپ کے اوپر جو کچھ واجب تھا' اسے آپ نے انجام دے دیا؟''

قاضی ابو یوسف نے کہا: ''امیر المومنین کو مدعی کے مقابل نہ بٹھانے کے سبب!''

(حسن التقاضی للکوثری ۶۷۔۶۸)

(۱۸۴)

ابن جدعان کا قصہ

نقل کرتے ہیں کہ عبداللہ بن جدعان اپنے ابتداء حال میں فقیر، شریر، خوں ریز اور بہت سے گناہوں کا مرتکب تھا یہاں تک کہ اس کے باپ اور اس کے خاندان والے اس سے بغض وعداوت رکھتے تھے اس کو انہوں نے گھر سے نکال دیا تھا اور قسم کھائی تھی کہ اس کو کبھی اپنے یہاں جگہ نہ دیں گے۔ وہ متحیر اور غمگین ہو کر مکہ کی گھاٹیوں میں نکلا۔ وہ دربدر خاک چھانتا اور اپنے مرنے کی دعائیں مانگتا پھرتا تھا یہاں تک کہ اس نے پہاڑ میں ایک سوراخ دیکھا، وہ اس میں اس امید پر گھس گیا کہ اس میں کوئی سانپ یا اور کوئی چیز ہوگی جو اس کو ہلاک کر دے گی اور اس زندگی سے آرام پا جائے گا، چنانچہ اس نے اس سوراخ میں ایک بڑا اژدھا دیکھا جس کی دونوں آنکھیں چراغ کی طرح چمکتی تھیں۔ وہ اژدھا اس کی طرف متوجہ ہوا اور یہ اس سے بھاگ کر پیچھے ہٹا۔ چنانچہ وہ اژدھا اس کے لیے حلقہ مار کر چلا۔ یہ دیکھ کر عبداللہ اس کی جانب پلٹا۔ اژدھا اس پر کامیاب ہو گیا۔ عبداللہ اس سے نہ بھاگا بلکہ اس کی طرف متوجہ ہو کر اس کو مارا۔ ناگاہ کیا دیکھتا ہے کہ وہ اژدھا چاندی کا بنا ہوا ہے اس کی دونوں آنکھیں دو یاقوت ہیں۔ اس نے اس کو توڑا اور اس کی دونوں آنکھیں لیں دفعتاً اس کے پیچھے ایک کوٹھڑی ظاہر ہوئی وہ اس میں داخل ہوا تو دیکھا کہ اس میں بہت ہی بڑے اور لمبے لمبے آدمیوں کے لاشے اور بدن ہیں، ان کے سروں کے پاس چاندی کی تختی ہے جس میں ان کی تاریخ لکھی ہے۔ یہ لوگ قبیلہ جرہم کے آدمیوں اور ان کے شاہوں میں سے تھے اس کے بعد عبداللہ آگے بڑھا۔ پس اس نے مکان میں یاقوت، موتیوں، زبرجد اور

چاندی کا بڑا ڈھیر دیکھا۔ چنانچہ اس نے اس میں سے اس قدر لیا جس قدر لینے پر اس کو قدرت تھی اور اس کا دروازہ بند کرلیا اور اس پر نشان لگا دیا۔ اس نے ان جواہرات میں سے کچھ اپنے باپ کے پاس بھیجا تا کہ اس کو راضی کرے اس کے بعد وہ اپنے قبیلہ میں پہنچ کر ان کا سردار بنا اور لوگوں کو کھانا کھلانے اور اس خزانہ سے نیک کام کرنے لگا حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''میں عبداللہ بن جدعان کے انگور کی شاخوں سے دوپہر کی گرمی میں سایہ لیتا تھا۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! کیا عبداللہ کو یہ فائدہ دے گا؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں! کیونکہ اس نے کسی دن یہ نہ کہا:

''اے میرے رب! قیامت کے دن میری خطا کو معاف کرنا۔'' واللہ اعلم

(نوادر القلیوبی)

(۱۸۵)

حکمت و دانائی کی باتیں

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک بنو اُمیہ کے بادشاہوں میں بڑے کرّوفر اور جاہ وجلال کا بادشاہ گزرا ہے۔ یہ حج کے لیے گیا تو مکہ مکرمہ میں مدینہ منورہ کے مشہور عالم حضرت سالم بن عبداللہ سے خانہ کعبہ کے اندر ملاقات ہوگئی۔ خلیفہ ان کی نورانی شکل کو دیکھتے ہی بے پناہ معتقد ہوگیا اور عرض کرنے لگا: ''آپ کی جو حاجت ہو مجھ سے فرما دیجیے' میں آپ کی ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں۔''

حضرت سالم نے برجستہ جواب دیا: ''میں بیت اللہ میں غیر اللہ سے ہرگز ہرگز کوئی سوال نہیں کرسکتا۔''

خلیفہ آپ کی اس بے نیازی اور شان استغناء کو دیکھ کر حیران رہ گیا اور بڑی دیر تک آپ کا منہ تکتا رہا۔ (روح البیان ج۶ ص ۶۶)

سوال اور بھیک مانگنا انتہائی ذلت کا کام ہے پھر کعبہ شریف میں جہاں خداوندِ قدوس کے جلال وعظمت کی تجلیاں ایک مومن کے قلب ونگاہ کو جہان کی دولت سے مالا مال کررہی ہوں وہاں بھلا غیر اللہ سے سوال کا کیا موقع ہے؟ حضرت سالم کے نورانی جواب کا کیا کہنا ہے اس کو سوچکر ایمانی بالیدگی اور روحانی سرور حاصل ہوتا ہے۔ بیت اللہ میں غیر اللہ سے سوال نہیں ''سبحان اللہ! سچ ہے''

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

اعلیٰ حضرت اور والی رام پور

نواب حامد علی خاں والی رام پور سٹیٹ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہ کے علمی کمالات خصوصاً علمِ جعفر کی مہارت دیکھ کر آپ کی ملاقات کا انتہائی مشتاق تھا اور برسوں بارہا اس نے کوشش کی کہ ایک مرتبہ ملاقات ہو جائے مگر اس کے رافضی ہونے کی وجہ سے آپ ہمیشہ انکار واجتناب فرماتے رہے۔

ایک مرتبہ نواب صاحب اپنی سپیشل ٹرین سے نینی تال جا رہے تھے اور مارہرہ شریف کے پیرزادہ حضرت سید شاہ مہدی میاں صاحب بھی نواب کے ہم سفر تھے جب سپیشل ٹرین بریلی پہنچی تو نواب نے پیرزادہ صاحب ممدوح سے کہا کہ آپ اعلیٰ حضرت کے پیرزادے ہیں اگر آپ کوشش کریں تو مجھے ملاقات کا شرف حاصل ہو جائے گا۔ چنانچہ حضرت سید شاہ مہدی میاں صاحب نے ڈیڑھ ہزار روپے مدار المہام کی معرفت سٹیشن سے بطورِ نذر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بھیج کر یہ استدعا فرمائی کہ آپ نواب رام پور کو چند منٹ کے لیے اپنی ملاقات سے مشرف فرمائیں۔

جب اعلیٰ حضرت کو مدار المہام کے آنے کی خبر ہوئی تو مکان کے اندر سے دروازہ کی چوکھٹ پر کھڑے مدار المہام سے فرمایا:

''آپ حضرت سید مہدی میاں صاحب سے میرا سلام عرض کیجیے اور یہ کہیے گا کہ یہ الٹی نذر کیسی؟ مجھے چاہیے کہ میں میاں کی خدمت میں نذر پیش کروں نہ کہ میاں مجھے نذر دیں۔ یہ ڈیڑھ ہزار ہوں یا جتنے بھی ان کو واپس لے جائیے۔ یہ فقیر کا مکان اس قابل ہے کہ کسی والی ریاست کو بلا سکوں نہ ہی والیانِ ریاست کے آداب سے واقف کہ خود جا سکوں۔''

(حیات اعلیٰ حضرت ج ۱ ص ۱۹۲)

بادشاہوں کی اولاد اور حدیث کا علم

خلیفہ ہارون الرشید جب حج کے لیے روانہ ہوا اور کوفہ میں داخل ہوا تو اس نے امام ابو یوسف سے کہا:

''آپ کوفہ کے تمام محدثین کو دربار میں بلائیے تا کہ وہ یہاں آ کر مجھے احادیث

سنائیں۔"

چنانچہ کوفہ کے تمام محدثین احادیث سنانے کے لیے دربار میں تشریف فرما ہو گئے مگر عبداللہ بن ادریس اور عیسیٰ بن یونس یہ دونوں محدثین دربارِ شاہی میں نہیں گئے۔ خلیفہ نے اپنے دونوں شہزادوں امین و مامون کو ان دونوں محدثین کی خدمت میں بھیجا۔ چنانچہ یہ دونوں پہلے عبداللہ بن ادریس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور محدث ممدوح نے ان دونوں کے سامنے ایک سو احادیث سنائیں۔ جب آپ خاموش ہو گئے تو مامون نے کہا: "چچا جان! اگر اجازت ہو تو یہ سو احادیث میں زبانی آپ کو سنا دوں؟"

چنانچہ اجازت پا کر مامون نے تمام احادیث کو زبانی سنا دیا۔

عبداللہ بن ادریس مامون کی قوتِ حافظہ پر حیران رہ گئے پھر یہ دونوں عیسیٰ بن یونس کی درس گاہ میں پہنچے تو انہوں نے بھی ایک سو احادیث شہزادوں کے سامنے بیان فرمائیں۔ مامون احادیث سن کر بے حد متاثر ہوا اور دس ہزار درہم کا نذرانہ پیش کیا۔ عیسیٰ بن یونس نے لینے سے صاف انکار کر دیا اور فرمایا: "حدیث سنانے کے بدلے میں تمہارا ایک گھونٹ پانی بھی قبول نہیں کر سکتا۔" (تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۲۵۹)

نہیں ہے قدر کچھ علم دین وتقویٰ کی

ان حکایات سے جہاں علمائے سلف کی بے نیازی اور سیر چشمی کا پتہ چلتا ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پہلے زمانہ کے امراء وسلاطین وشاہ زادگان علماء کی مالی خدمت کو اپنی بڑی سعادت سمجھتے تھے مگر افسوس کہ دورِ حاضر کے علماء میں اگر سیر چشمی کی کمی ہو گئی تو اس سے زیادہ مال دار عوام میں بخل آ گیا اور علماء کی خدمت کا جذبہ تو تقریباً فنا ہی ہو گیا۔ حد ہو گئی کہ شاعروں، قوالوں اور گویوں کو تو عوام خوب خوب انعام دیتے ہیں مگر علمائے کرام دو دو گھنٹہ وعظ بیان فرماتے ہیں اور اپنے سینوں کے علمی جواہر پارے قوم کے سامنے بکھیرتے رہتے ہیں مگر قوم یہی چاہتی ہے کہ ایک نیا پیسہ بھی مولانا صاحب کے ہاتھ میں نہ جانے پائے۔ غریب علمائے کرام بڑی مصیبت میں مبتلا ہیں کہ اگر یہ اپنی معاش کے لیے دنیا کا کوئی کاروبار کرتے ہیں تو علمی خدمت کا کام ٹھپ ہو کر رہ جاتا ہے اور عوام کو کوئی حرام وحلال

بتانے والا نہیں رہتا اور اگر یہ علمی مشاغل درس وتدریس یا وعظ وتقریر میں مشغول ہوتے ہیں تو قوم کی بے توجہی سے فاقہ کشی کی نوبت آجاتی ہے۔ آج کل بقول اکبر الٰہ آبادی علمائے کرام کا یہ حال ہو گیا ہے

کچہریوں میں ہے پرسش گریجویٹوں کی
سڑک پہ مانگ ہے قلیوں کی اور میٹوں کی
نہیں ہے قدر تو کچھ علم دین وتقویٰ کی
خرابی ہے تو فقط شیخ جی کے بیٹوں کی

تواضع ز گردن فراراں نکوست

عالمانہ اخلاق کا ایک بہت ہی روشن پہلو تواضع بھی ہے۔ علمائے سلف باوجود اپنے اعلیٰ کمال کے کس قدر انکسار وتواضع فرماتے تھے اس بارے میں چند حکایات سن لیجیے!

☆...... امام فخر الاسلام جب بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں صدر مدرّس مقرر کیے گئے تو پہلے ہی دن جب وہ مسند تدریس پر بیٹھے تو انہیں یہ خیال آگیا کہ یہ وہی مسند ہے جس پر کبھی شیخ ابو اسحاق شیرازی اور حجۃ الاسلام امام غزالی جیسے اکابرِ اُمت بیٹھ کر درس دے چکے ہیں۔ یہ تصور آتے ہی ان کے قلب پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی کہ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک سیلاب اُمڈ پڑا۔ بڑی دیر تک عمامہ آنکھوں پر رکھ کر روتے رہے اور یہ شعر پڑھا

خَلَتِ الدِّيَارُ فَسُدْتُ غَيْرَ مُسَوَّدٍ
وَمِنَ الْعَنَاءِ تَفَرُّدِیْ بِالسُّؤْدَدِ

''ملک باکمالوں سے خالی ہو گیا اور میں جو سرداری کے لائق نہیں تھا سردار بن گیا مجھ جیسے آدمی کا سردار بن جانا کس قدر تکلیف دہ بات ہے۔''

(ابن خلکان ج۱ص ۴۶۵)

☆...... امام دار قطنی محدث جب نو عمر طالب علم تھے تو ایک دن امام انباری کی درس گاہ میں حاضر ہوئے۔ حدیث لکھوانے میں امام انباری نے ایک راوی کے نام میں غلطی کی۔ دار قطنی کمال ادب سے امام انباری کو تو ٹوک نہیں سکے مگر ان کے مستملی کو جوان کی آواز

شاگردوں تک پہنچاتا تھا اس غلطی پر متنبہ کر دیا۔

جب دوسرے جمعہ کو دار قطنی پھر مجلسِ درس میں گئے تو امام انباری کا جوش حق پسندی اور بے نفسی کا عالم دیکھیے کہ انہوں نے بھری مجلس کے سامنے یہ اعلان فرمایا کہ اس روز فلاں نام میں مجھ سے غلطی ہوگئی تھی تو اس نوجوان طالبِ علم نے مجھ کو آگاہ کر دیا۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۶۱)

یہ ہے اصل بزرگی

ایک شخص نے مشہور صوفی عثمان حیری محدث کی دعوت کی جب آپ اس کے مکان پر پہنچے تو اس نے کہا: ''حضرت! آپ کی دعوت نہیں ہے۔ آپ واپس جائیے۔''

چنانچہ آپ لوٹ گئے اور جب مکان پر پہنچے تو یہی شخص دوڑتا ہوا گیا اور کہا: ''حضرت! معاف کیجیے مجھ سے غلطی ہوگئی' آپ کی دعوت ہے' چلیے۔''

چنانچہ حضرت موصوف پھر اس کے ساتھ اس کے گھر پر تشریف لائے لیکن یہاں آ کر اس نے پھر کہا: ''حضرت آپ کی دعوت نہیں ہے' آپ واپس چلے جائیے۔''

اس طرح چار مرتبہ اس شخص نے بلایا پھر واپس کر دیا اور ہر مرتبہ آپ آتے جاتے رہے مگر آپ کی پیشانی پر ذرا بل نہ آیا۔ آخری مرتبہ یہ شخص گڑگڑا کر معافی طلب کرنے لگا اور کہنے لگا: ''واللہ! میں آپ کے حلم واخلاق کا امتحان لے رہا تھا مگر خدا گواہ ہے کہ میں نے آپ کو حلم واخلاق اور تواضع وانکسار کا دریا پایا۔''

جب بہت زیادہ اس نے آپ کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا: ''میرے اس حلم و اخلاق کی تم کیا اتنی تعریف کرتے ہو؟ یہ حلم واخلاق تو کتے میں بھی پایا جاتا ہے کہ جب اس کو بلایا جائے تو آ جاتا ہے اور جب بھگایا جائے تو بھاگ جاتا ہے۔'' (مستطرف ج ۱ ص ۱۱۸)

☆...... مولانا یوسف قاضی قسطنطنیہ نماز پڑھ کر مسجد سے نکلے تو دیکھا کہ دروازے پر وزیر اعظم کا چوبدار کھڑا ہے جو انہیں بلانے کے لیے آیا تھا اس وقت چھوٹا عمامہ باندھے بارگاہِ وزارت میں جانا بے ادبی شمار کیا جاتا تھا مگر اس عالمِ ربانی کے دل نے یہ گوارا نہ کیا کہ دربارِ خداوندی کی حاضری تو چھوٹا عمامہ باندھ کر دی اور وزیر اعظم کی حاضری کے لیے بڑا

عمامہ زیب سر کریں اسی چھوٹے عمامہ کے ساتھ وزیراعظم سے ملنے چلے گئے۔

جب وہاں اعتراض ہوا تو صاف صاف کہہ دیا کہ رب العزت کے دربار کا ادب بندوں کے دربار سے زیادہ ہے۔ میں نے یہی عمامہ باندھ کر خدا کے دربار میں حاضری دی ہے اس لیے میری ایمانی غیرت نے یہ گوارانہیں کیا کہ خدا کے دربار سے زیادہ بندوں کے دربار کا ادب کروں لہٰذا میں مسجد سے یہی عمامہ باندھے چلا آیا۔ وزیراعظم مولانا کی صاف گوئی سے بہت خوش ہوا یہاں تک کہ حضور سلطانی میں بھی اس نے مولانا کی اس ادا کو بیان کیا اور بادشاہ نے بھی اس کو پسند کیا۔ (شقائق نعمانیہ ج ص ۲۳۴)

عیسائی پادری کو شاہ عبدالعزیز کا جواب

ایک عیسائی پادری نے حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے سامنے یہ اعتراض کیا کہ آپ کے رسول (ﷺ) تو خدا کے محبوب تھے جب آپ کے رسول کے نواسے کو یزیدی لوگ کربلا میں قتل کرنے لگے تو کیوں نہیں آپ کے رسول (ﷺ) نے خدا سے کہا: ''میرے نواسے کو بچالے۔''

شاہ صاحب نے پادری کو الزامی جواب دیتے ہوئے فرمایا: ''پادری صاحب! ہمارے رسول (ﷺ) نے خدا سے کہا تھا مگر اس نے فرمایا:

''اے محبوب! میرے بیٹے کو میرے سامنے یہودیوں نے سولی پر لٹکا دیا جب کہ میں اپنے بیٹے کو نہیں بچا سکا تو تمہارے نواسہ کو کیسے بچا سکتا ہوں۔''

یہ سن کر پادری مبہوت ہو کر لاجواب ہو گیا اور بڑی دیر تک حیرت سے حضرت شاہ صاحب کا منہ تکتا رہا۔

☆......عربی کی ایک مثل ہے: اَلْمُعَاصَرَۃُ سَبَبُ الْمُنَافَرَۃِ

''ہم عصر ہونا نفرت کا باعث ہوا کرتا ہے۔''

چنانچہ یہ بات عام ہے کہ دو اہلِ کمال ایک ہی زمانے میں ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کے کمال کا کماحقہ اعتراف نہیں کرتے مگر علمائے حق نے کبھی بھی اپنے معاصرین کے فضل و کمال کے اعتراف اور ان کے اعزاز واکرام میں کوتاہی نہیں کی۔ (روحانی حکایات)

(۱۸۶)

خاک نشینی است سلیمانیم

ایک شخص واصلی نامی حضرت شاہ سلیمان تونسوی علیہ الرحمہ کی مجلس میں حاضر تھا اس نے کہا: ''میں نے عرب وعجم کی سیر کی ہے لیکن جناب کی ذات مبارک کی نظیر میں نے کہیں نہیں دیکھی کہ آپ گھوڑے' اونٹ اور دوسرے جانور اور نقد اور جنس کپڑے اور آٹا اور طعام لوگوں کو دیتے ہیں اور مریضوں کے لیے دوائیں عطا فرماتے ہیں پھر اس کے ساتھ گمراہوں کو حق تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ بھی بتاتے ہیں۔''

حضرت قبلہ نے جواب میں فرمایا: ''اے میاں واصل! میری بات توجہ سے سنو! میں جب اپنے وطن کوہِ داگ سے علم پڑھنے کے لیے اس شہر میں آ کر مسجد سفید میں سکونت پذیر ہوا تو ایک نور باف نے میرا وظیفہ مقرر کیا اس کے دروازہ پر ایک کتا تھا اور میں اس سے بہت ڈرتا تھا۔ پہلے مسجد کے صحن سے جو کہ اس کے گھر سے اونچا تھا' جھانک کر دیکھتا تھا اگر کتا اس کے دروازے پر اس وقت نہ ہوتا تو دوڑ کر اپنا وظیفہ لے لیتا اور کھا لیتا ورنہ سارا دن فاقہ سے گزار دیتا۔ میں تو وہی ہوں لیکن حق تعالیٰ کی ذات کریم ہے کہ اس نے مجھے اپنی عنایات سے نوازا۔''

مؤلف کہتا ہے: ''غور کرنا چاہیے کہ مردانِ خدا باوجودیکہ ان کا مقام نہایت بلند ہوتا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتے ہیں اور تجدیدِ نعمت کرتے ہیں اور ان کے کلام اور ان کے وجود میں نفسانیت کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا اسی لیے عراقی قدس سرہ نے فرمایا ہے

گل توحید نروئدبہ زمینے کہ درو
خار شرک و حسد و کبر و ریا وکیں است

(نافع السالکین "مترجم" ملفوظات خواجہ شاہ سلیمان تونسوی ص ۷۷)

شدم غرق جمال اونمی دانم کجارفتم

ایک روز ایک شخص نے حضرت قبلہ کی خدمت میں گیارہ سو روپیہ بطورِ نذرانہ پیش کیا۔ حضرت قبلہ قدس سرہ نے اسی وقت مبلغ مذکور علماء، فقراء، بیواؤں، یتیموں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیا۔ صرف ایک روپیہ بھولے سے آپ کی جیب میں رہ گیا جب صبح ہوئی تو آپ نے اپنے خادم اکرم کو بلایا اور فرمایا: "آج رات مجھے نیند نہیں آئی کیونکہ ایک روپیہ میری جیب میں رہ گیا تھا۔"

چنانچہ روپیہ نکال کر خادم کے حوالے کیا۔ نیز حضرت قبلہ کوئی چیز طرح طرح کے میوؤں اور رنگارنگ کی چیزوں میں سے جو کہ لوگ آپ کی خدمت میں پیش کرتے، تناول نہ فرماتے بلکہ صاحب زادگان مہاردی زادہم اللہ شرفاوعزا اور دوسرے لوگوں کو عطا فرما دیتے اور خود جمالِ الٰہی کے نظارہ میں مستغرق رہتے۔ چنانچہ نماز کی رکعتوں کی تعداد و جمعہ کے روز حازم سے پوچھ کر معلوم کرتے۔

حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز سلطان التارکین تھے، ہزاروں روپیہ نقد اونٹ گھوڑے اور دوسرے مال و اسباب میں سے طرح طرح کی چیزیں جو مرید آپ کی خدمت میں لاتے، آپ اسی وقت دوسروں کو عطا فرما دیتے، اپنے پاس کوئی چیز نہ رکھتے۔

(ترجمہ نافع السالکین، ص ۳۲۴۔۳۶۱)

کہنہ نہ شد جامۂ عریانیم

حضرت کی خانقاہ میں پانچ سو فقیر سے کم نہیں رہتا تھا اور سب کا روٹی کپڑا آپ کے ذمہ تھا اور باوجودیکہ کہیں سے ایک حبہ مقرر نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ غیب سے کام چلاتا تھا اس پر فیاضی اور سخاوت اس قدر تھی کہ کبھی سائل کو محروم نہیں پھیرا جو جس نے مانگا وہی دیا جو چیز عمدہ اور تحفہ میں آپ کے پاس آتی اس کو بیچ کر فقراء پر صرف کرتے اور جیسا گاڑھا موٹا تمام

فقیروں کو میسر ہوتا' ویسا ہی آپ بھی پہنتے اور جو کھانا سب کو میسر ہوتا وہی آپ کھاتے۔ بھلا غور کرو کہ بشر کی طاقت ہے کہ ایسی بات کر سکے کہ اگر کوئی عرض کرتا کہ حضرت آپ اپنے لیے تو یہ کپڑا لے لیجیے اور یہ آرام کی چیز بنا لیجیے تو آپ یہ قطعہ پڑھا کرتے

خاک نشینی است سلیمانیم
ننگ بود افسر سلطانیم
ہست بسے سال کہ می پوشش
کہنہ نہ شد جامہ عریانیم

(شیخ محمد اکرم: رود کوثر' ص ۶۵۲۔۶۵۳' طبع فیروز سنز)

دریائے سخاوت ہمیشہ جاری رہے

حضرت محبوب الٰہی فرماتے ہیں: ۱۶ رماہ شعبان بروز جمعرات ۶۵۵ ہجری کو (حضرت بابا فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمہ) کی قدم بوسی کی سعادت نصیب ہوئی۔ شیخ بدر الدین غزنوی' شیخ جمال الدین ہانسوی' مولانا شرف الدین' قاضی حمید الدین ناگوری اور دیگر اصحاب حاضرِ خدمت تھے۔ زبان مبارک سے فرمایا: ''جو شخص میرے پاس آئے خواہ دولت مند ہو' خواہ غریب' اسے محروم نہ رکھنا جو کچھ حاضر ہو اسے دے دو۔''

پھر فرمایا: ''جو شخص میرے پاس آئے اور کوئی چیز نہ لائے' مجھ پر واجب ہے کہ اسے کچھ دوں۔''

پھر آب دیدہ ہو کر یہ حکایت بیان کی کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان رسولِ خدا ﷺ کی خدمت میں علم اور احکامِ شرعی کی طلب کے لیے حاضر ہوتے جب وہاں سے واپس آتے تو ایک دوسرے کی رہنمائی کرتے اور فائدے حاصل کرتے۔ بعد ازاں فرمایا: ''عمدۃ الابرار تاج الاتقیاء' خواجہ قطب الدین بختیار قدس سرہ العزیز کی یہ رسم تھی کہ اگر خانقاہ میں کوئی چیز موجود نہ ہوتی تو اپنے خادم شیخ بدر الدین غزنوی کو فرماتے:

''پانی تو ہے جو شخص آئے اسے پانی دو تاکہ بخشش اور عطا سے خالی نہ جائے۔''

(راحۃ القلوب ملفوظات بابا فرید الدین گنج شکر مرتبہ حضرت محبوب الٰہی ص ۸۔۹)

اسی طرح حضرت محبوب الٰہی غرہ محرم ۶۵۵ھ کی ایک حاضری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ باوا صاحب کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا اجودھن کے تمام باشندے چھوٹے بڑے مشائخ درویش اور مساکین آ کر آپ کے دستِ مبارک کو بوسہ دیتے تھے۔ باوا صاحب مصلیٰ کے نیچے ہاتھ ڈال کر جو کچھ کسی کی قسمت ہوتی دے دیتے۔ لوگ جو شیرینی لائے اس کا ڈھیر لگ گیا اس میں سے تھوڑی درویشوں کو دیتے اس روز شہر کا کوئی غریب مسکین خالی ہاتھ نہ گیا۔ آپ کی یہ عادت تھی کہ ہر ماہ کے غرہ کو اسی طرح کرتے تھے۔

(اردو ترجمہ راحۃ القلوب ص ۶۸)

ہزار من طعام روزانہ

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''ایک مرتبہ میں، شیخ عثمان ہارونی اور ایک درویش سفر کر رہے تھے، ہم نے شیخ بہاؤ الدین بختیار اوشی کو از حد بزرگ مرد پایا۔ آپ کی خانقاہ میں یہ دستور تھا کہ جو آتا خالی نہ جاتا اگر ننگا ہوتا تو نفیس کپڑے دیئے جاتے ابھی دے نہ چکتے کہ غیب سے ویسے ہی اور آ جاتے۔ الغرض چند روز آپ کی خدمت میں گزارے۔ آپ کی پہلی نصیحت یہ تھی کہ جو کچھ ملے اسے راہِ خدا میں صرف کرنا چاہیے کہ ایک پیسہ بھی اپنے پاس نہیں رکھنا چاہیے۔ بندگانِ خدا کو کھانا کھلانا چاہیے تا کہ اللہ تعالیٰ کی دوستی حاصل ہو۔''

پھر فرمایا: ''اے درویش! جسے نعمت حاصل ہوئی ہے اسی سے ہوئی ہے۔''

پھر ایک حکایت بیان فرمائی: ''ایک درویش از حد فقیر تھا لیکن اس کی عادت یہ تھی کہ اگر کوئی چیز بطورِ فتوح آ جاتی تو درویشوں کو بانٹ دیتا اور خود گھر میں گزارہ کرتا۔ چنانچہ ایک مرتبہ دو درویش صاحب ولایت اس کے پاس آئے اور اس سے پانی مانگا۔ درویش اندر سے جو کی دو روٹیاں اور پانی کا کوزہ لے کر آیا کیونکہ وہ بھوکا تھا۔ روٹی کھا کر پانی پیا اور ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر باہم کہنے لگے کہ درویش نے تو اپنا کام کیا ہے، ہمیں بھی اپنا کام کرنا چاہیے۔ ایک نے کہا اسے دنیا دینا چاہیے۔ دوسرے نے کہا یہ دنیا کے سبب گمراہی میں پڑ جائے گا۔ پہلے نے جواب دیا کہ درویش بخشنے والے ہوتے ہیں، چنانچہ دعا کر کے چلے گئے

پھر وہ درویش ایسا کامل حال ہوا کہ ہر روز اس کے باورچی خانے میں ہزار من طعام موجود ہوتا جو وہ خلقِ خدا کو کھلاتا۔"

(دلیل العارفین' اردو ترجمہ ص ۴۷ ملفوظات خواجہ اجمیری)

اصل حق دار کو دیا جائے

حضرت شاہ فخر عالم کی بارگاہ میں حاضری کی دولت میسر ہوئی' حضرت صاحبِ قبلہ کا تذکرہ آ گیا۔ ارشاد فرمایا:

"حضرت صاحب کے پاس اشرفی' روپیہ' اٹھنی' چونی جس کو ہندوستان میں پاولی اور ادھیلی کہتے ہیں۔ خادم کاغذ میں باندھ کر رکھ دیا کرتے تھے جس کسی کو حضرت صاحب مفلس جانتے اس کو اس کی قسمت کے موافق عنایت فرما دیتے۔ دنیاداروں کو دیا کرتے مگر بھیک منگے فقیروں کو ایک پیسے سے زیادہ نہیں دیا کرتے تھے اور فرماتے کہ ان کو یہاں نہیں ملتا تو ادھر ادھر پھیری لگا کر پھر آ جاتے ہیں۔

اور جو بے چارے واقعی غریب ہیں جن کا یہ پیشہ نہیں' ان کو جامہ و دستار (کپڑوں وغیرہ) کے لیے سوال کرتے شرم آتی ہے' وہ بے چارے فاقہ کرتے کرتے مر جاتے ہیں۔ دراصل وہی انسان اس کا زیادہ مستحق ہے جو بظاہر خوش پوشاک ہے مگر غربت کی شرم سے سوال نہیں کر سکتا۔"

(فخر الطالبین ملفوظات شاہ فخر دہلوی ۱۲۷)

چراغ چشتیاں ہرگز نہ میرد

حضرت مخدوم جہانیاں علیہ الرحمہ کی فیاضی کا یہ عالم تھا کہ بادشاہ اور معتقدین کے پاس سے جو تحائف آتے انہیں قبول کر لیتے اور ان میں سے اپنی ضرورت کے مطابق رکھ کر دوسروں کو تقسیم کر دیتے۔ فرمایا کرتے تھے: "کہیں سے بھی فتوح آتی ہے تو اس کو اس لیے قبول کر لیتا ہوں کہ شیخ مکہ عبداللہ فعی اور شیخ مدینہ عبداللہ مطری اور دوسرے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ فتوح کو اس لیے قبول کرو کہ دوسروں تک پہنچاؤ اور کچھ اپنی ضرورت کے لیے بھی رکھو۔"

مخدوم جہانیاں جب مکہ معظمہ سے شیراز تشریف لے گئے تو ایران کے فرماں روا نے سونے اور چاندی کے سکے طشت میں پیش کیے لیکن آپ نے یہ تمام سکے ان ساتھیوں کو دے دیئے جو مقروض تھے۔

شیراز میں حضرت مخدوم جہانیاں کے ایک شاگرد نے جو آپ سے مصابیح پڑھتا تھا' کئی ہزار دینار نذر کیے لیکن آپ نے یہ دینار اپنے ان رفیقوں میں تقسیم کر دیئے جن کو لڑکیوں کی شادی کرنی تھی۔

ایک دفعہ سید شمس الدین عراقی مسعود آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

''میرا آج کا وظیفہ ابھی تک نہیں ملا۔''

آپ نے اپنے خادم کو بلا کر فرمایا: ''اگر کہیں سے کوئی فتوح آئی ہو تو ان کو دے دو۔''

خادم نے عرض کیا: ''آج تو کوئی فتوح نہیں آئی۔''

فرمایا: ''بنیئے سے قرض لے کر ان کا وظیفہ دے دو۔''

مسعود عراقی نے کہا: ''کافر سے قرض لینا مکروہ ہے۔''

فرمایا: ''ضرورت کے وقت مسلمان اور کافر سے قرض لینا درست ہے۔''

(تذکرہ صوفیائے پنجاب ص ۲۱۱)

☆......شاہ دولا گجراتی کی فیاضی وسخاوت کا یہ عالم تھا کہ جو خزانہ غیب سے آپ کو ملتا تھا' بے حساب غریبوں اور مسکینوں پر خرچ کر دیتے۔ ایک بڑے پیمانے پر آپ نے لنگر جاری کر رکھا تھا۔ غرباء اور فقراء اس سے کھانا کھاتے' آپ کی بارگاہ ان اخراجات کو دیکھ کر امراء اور ملوک کی بارگاہ معلوم ہوتی تھی۔

گجرات اور سیالکوٹ وغیرہ میں آپ کے تعمیر کرائے ہوئے بہت سے کنویں' سرائے اور پل اب تک موجود ہیں جنہیں دیکھ کر شاہی عمارتوں کا دھوکہ ہوتا ہے۔

(تذکرہ صوفیائے پنجاب' ص ۲۸۸)

آتا ہے تو دے دو جاتا ہے تو فکر نہ کرو

حضرت شیخ نصیر الدین محمود سے منقول ہے' ایک دفعہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی

علیہ الرحمہ کے ہاں فاقہ تھا' گدڑی پوش قلندروں کا ایک گروہ حضرت کے پاس پہنچا اور مہمان ہونے کی امید کی۔ حضرت شیخ کی یہ عادت تھی کہ اگر مہمان کے لیے کوئی چیز نہ ہوتی تو پانی کا پیالا اُٹھاتے اور مہمان کو پانی پلا دیتے اور عذر کر لیتے۔ ان کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا۔ انہوں نے پانی پیا اور آپس میں کہا:

''یہ صاحب نہایت قابلِ قدر ہیں اگر ان کے پاس کوئی چیز ہوتی تو کھلانے میں کوتاہی نہ کرتے ہمارے پاس البتہ کچھ ہے بہتر کہ ان کے سامنے رکھ دیں۔''

انہوں نے اپنی ہمیانیوں (تھیلیوں) کو کھولا اور جو رقم ان کے پاس تھی حضرت کو پیش کی۔ کہتے ہیں کہ پانچ سو سفید تنکے تھے جو بطورِ شکرانہ شیخ کے سامنے پیش کیے اور دعا کی درخواست کی۔ حضرت شیخ نے وہ تنکے اسی وقت صرف کر دیئے۔ ایک شخص نے جو حاضر تھا' کہا: ''آپ کے ہاں بہت تنگی ہے' کچھ دنوں کے لیے (ان تنکوں کو) کیوں نہیں رکھ لیتے؟''

جواب دیا: ''جب آتا ہے تو دے دو کہ کم نہ آئے اور جب جاتا ہے تو خیال رکھو کہ نہ آئے۔'' (سیر العارفین ص ۱۳۸)

(۱۸۷)

امام کسائی علیہ الرحمہ کی علمی مہارت

حضرت سیدنا ابوحاتم سہل بن محمد بجستانی قدس سرہ الربانی فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ کوفہ کی ایک ایسی شخصیت کو ہم پر عامل (گورنر) مقرر کیا گیا کہ بصرہ کے سرکاری عہدے داروں میں اس سے زیادہ ذہین اور قابل شخص میں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ میں ملاقات کے لیے گیا تو اس نے مجھ سے پوچھا: ''اے بجستانی بصرہ کے مایہ ناز علمائے کرام کون ہیں؟''

میں نے کہا: ''حضرت سیدنا زیادی رحمۃ اللہ علیہ حاضر دماغی، معاملہ فہمی اور تکلم میں سب پر فوقیت رکھتے ہیں۔ علمِ نحو میں سب سے زیادہ مہارت حضرت سیدنا ابوعثمان مازنی رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہے۔ حضرت سیدنا بلال رائی رحمۃ اللہ علیہ فقہ میں سب سے زیادہ مہارت رکھتے ہیں۔ علمِ حدیث کے سب سے بڑے عالم حضرت سیدنا شاذکونی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے، قرآن کا بڑا عالم مجھے سمجھا جاتا ہے۔''

ابن کلبی کاتب تمام باتیں لکھ رہا تھا۔ عامل نے کاتب (یعنی لکھنے والے) سے کہا: ''کل ان تمام کو میرے ہاں آنے کی دعوت دو، میں ان علمائے کرام رحمہم اللہ علیہم کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔''

دوسرے دن جب تمام حضرات تشریف لائے تو عامل نے کہا: ''آپ میں سے مازنی کون ہے؟''

حضرت سیدنا ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ''اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے، میں یہاں

ہوں۔'' کہا:

''یہ بتایئے کہ کفارۂ ظہار میں اگر کانا غلام آزاد کردیا جائے تو کیا یہ کفایت کرے گا؟''

حضرت سیدنا مازنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے میں فقہ میں مہارت نہیں رکھتا بلکہ میں تو عربی لغت کا ماہر ہوں۔''

عامل نے حضرت سیدنا زیادی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: ''اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے مہر کے تہائی حصے کے عوض خلع لے تو اس مسئلہ میں آپ کا کیا فیصلہ ہے؟''

حضرت سیدنا زیادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''یہ مسئلہ میرے علم سے متعلق نہیں اس کا صحیح حل تو ہلال رائی رحمۃ اللہ علیہ ہی بتائیں گے۔''

عامل نے حضرت سیدنا ہلال رائی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: ''اے ہلال! یہ بتایئے کہ ابن عوف نے حضرت سیدنا حسن رحمۃ اللہ علیہ سے کتنی روایات لی ہیں؟''

حضرت سیدنا ہلال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس کا صحیح جواب تو حضرت سیدنا شاذ کونی رحمۃ اللہ علیہ ہی دے سکتے ہیں کیونکہ انہیں اس علم میں مہارت حاصل ہے۔''

پھر حضرت سیدنا شاذ کونی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: ''اے شاذ کونی رحمۃ اللہ علیہ! یہ کس کی قرأت ہے:

يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ ۔(پ۱۱،ھود:۵)

''اپنے سینے دوہرے کرتے (منہ چھپاتے) ہیں۔

فرمایا: ''مجھے قرأت کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں علمِ قرأت کے بہترین عالم تو ابوحاتم ہیں۔''

پھر عامل نے مجھ سے کہا: ''اے ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ! اہلِ بصرہ کی محتاجی، مفلسی، ان کی فصلوں پر آنے والی موسمی بیماری کی اطلاع اور اہلیانِ بصرہ کی مالی معاونت کے سلسلے میں آپ امیر المومنین کو کس طرح پیغام لکھیں گے؟''

میں نے کہا: ''اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے، میں کاتب وصاحب بلاغت نہیں کہ امیر المومنین کو فصاحت بھرا خط لکھ سکوں میں تو قرآنِ کریم کا عالم ہوں اس کے متعلق کوئی سوال کرنا ہے تو کیجیے۔''

یہ سن کر وہ عاقل کچھ اس طرح گویا ہوا اس سے زیادہ ناپسندیدہ شخص کون ہوگا کہ پچاس سال تک حصولِ علم میں مشغول رہا پھر بھی صرف ایک فن میں مہارت حاصل کی اگر اس فن کے علاوہ کسی اور علم کے متعلق اس سے سوال کیا جائے تو وہ اس کا جواب نہ دے سکے۔ ایسا شخص لائقِ افسوس ہے ہاں! ہمارے کوفہ کے عالم ''امام کسائی'' ایسے ماہر عالم ہیں کہ ان سے کسی بھی علم کے متعلق کوئی بھی سوال کیا جاتا تو وہ اس کا تسلی بخش جواب دیتے۔''

(عیون الحکایات)

اس واقعہ میں ظہار کا ذکر ہے تو ظہار کی تعریف بھی ہو جانی چاہیے۔

ظہار کے یہ معنی ہیں کہ اپنی زوجہ یا اس کے کسی جزِ شائع یا ایسے جز کو جو کل سے تعبیر کیا جاتا ہو ایسی عورت سے تشبیہ دینا جو اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو یا اس کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دینا جس کی طرف دیکھنا حرام ہو مثلاً کہا تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے یا تیرا سر یا تیری گردن یا تیرا نصف میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے' یہ ظہار کہلاتا ہے اس کا کفارہ یہ ہے کہ ایک سالم غلام آزاد کرنا یا مسلسل دو ماہ کے روزے رکھنا یا ساٹھ مسکینوں کو پیٹ بھر کر دو وقت کا کھانا کھلانا ہے۔'' (بہارِ شریعت' حصہ ۸' ص ۵۲ ملخصا)

زیب سبب شد نام او احمد رضا

یاد رکھو! علمِ دین اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے' پاک پروردگار علیم وخبیر ہے جسے چاہے علمِ دین کی دولت سے بیش بہا خزانہ عطا فرمائے۔ عرصۂ دراز تک انسان کسی قابل و ماہر استاذ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرتا (شاگردی اختیار کرتا) ہے تب جا کر اسے کسی فن میں مہارت حاصل ہوتی ہے جب تک کسی ماہر تیراک کی خدمت میں رہ کر مسلسل تیراکی کی مشق نہ کی جائے تب تک سمندر کی تہہ میں چھپے ہوئے جواہر (موتیوں) تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ کسی بھی فن میں مہارتِ تامہ کے لیے اَن تھک محنت بہت ضروری ہے اور ہر فن میں مہارت حاصل ہو جانا عطیۂ خداوندی ہے۔

ہر دَور میں ایسے عظیم لوگ پیدا ہوئے جن کی رہنمائی میں کتنے ہی بھٹکے ہوؤں کو منزلِ مقصود مل گئی۔ کتنے ہی تشنگانِ علم حصولِ علم کی طرف متوجہ ہوئے انہیں رہبروں میں ایک

عظیم رہبر اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، عظیم المرتبت شاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں کہ جن کے علم کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بج رہا ہے۔ آپ ایسے عظیم بزرگ تھے کہ جس علم کی طرف بڑھتے اس کے حصول میں کامیاب ہو جاتے آپ کو بیسیوں علوم میں مہارتِ تامہ حاصل تھی۔ تاریخ گواہ ہے کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جہاں فقہ کی دنیا کے شہنشاہ ہیں، وہیں علمِ قرآن، علمِ حدیث، علمِ ہندسہ، علمِ فلسفہ اور مروجہ تمام علوم وفنون میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ آپ اکیلے ہی اپنی ذات میں ایک انجمن تھے جس نے بھی آپ کی سیرت کا مطالعہ کیا وہ آپ کی خداداد علمی صلاحیت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا۔ لیکن محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی زندگی کا طرۂ امتیاز اور مقصد حیات تھا

گم رضائش در رضائے مصطفیٰ
زیں سبب شد نام او احمد رضا

(۱۸۸)

جھوٹی توبہ

جام مرا توبہ شکن، توبہ مری جام شکن
سامنے ڈھیر ہے ٹوٹے ہوئے پیمانوں کا

منصور بن عمار کا بیان ہے: ''میرا ایک دوست تھا جو گناہوں میں ملوث تھا اس نے توبہ کر لی پھر میں نے دیکھا کہ وہ بڑی پابندی سے اطاعت و بندگی کے اعمال بجالاتا اور تہجد گزار بھی بن گیا۔

ایک دن میری اس سے ملاقات نہ ہو سکی، میرے پوچھنے پر لوگوں نے بتایا کہ وہ بیمار ہے۔ میں اس کے گھر پہنچا، دستک دی تو اس کی بیٹی نکلی، اس نے پوچھا: ''کس سے ملنا ہے؟''

میں نے بتایا: ''فلاں آدمی سے''

لڑکی نے اپنے والد سے میرے لیے اجازت طلب کی جب میں گھر میں داخل ہوا تو وہ بستر پر لیٹا ہوا تھا اس کے چہرے پر سیاہی چھا گئی تھی، آنکھیں آنسو برسا رہی تھیں اور ہونٹ پھول گئے تھے۔ میں دہشت زدہ ہو گیا۔ عرض کیا: ''برادرِ من! کثرت سے لا الہ الا اللہ پڑھو۔''

اس نے دزدیدہ نگاہوں سے میری طرف تاکا پھر اس پر غشی طاری ہو گئی۔ میں نے دوبارہ کہا: ''برادرِ من! زیادہ سے زیادہ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کا ورد کرو''

اسی طرح میں نے تیسری مرتبہ پھر کلمہ پڑھنے کی تلقین کی۔

اس نے آنکھیں کھولیں اور بڑی حسرت سے بولا: ''بھئی منصور! میرے اور اس کلمے کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی گئی ہے۔ میں نے لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی

العظیم پڑھا اور پوچھا: ''بھئی آخر ان نمازوں، روزوں اور تہجد وشب بے داری کا کیا ہوا؟''

وہ بولا: ''یہ سب کچھ غیر اللہ کے لیے تھا، میری توبہ دکھلاوے کی تھی۔ میں یہ سب اس لیے کرتا تھا تاکہ لوگوں کے درمیان موضوعِ سخن بنا رہوں اور وہ میرا چرچا کرتے رہیں۔ مجھے یاد کرتے رہیں، یہ سب کچھ میں نے لوگوں کے دکھلاوے کے لیے کیا تھا جب میں تنہا ہوتا تو دروازہ بند کرتا، پردہ گراتا، شراب نوشی کرتا اور اپنے پروردگار کی نافرمانی میں مگن ہو جاتا تھا۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں

مدتوں میرے یہی کرتوت رہے حتیٰ کہ مجھے بیماری نے آ پکڑا اور میں ہلاکت کے دہانے پر پہنچ گیا۔ میں نے اپنی بیٹی سے قرآن پاک طلب کیا اور اللہ تعالیٰ کے کلامِ حق کی قسم کھا کر شفایاب ہونے کی دعا مانگی اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں وعدہ کیا کہ اب ہرگز کسی قسم کا گناہ نہیں کروں گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مجھے شفایاب کر دیا۔

جب اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا عنایت کر دی تو میں پھر اپنی پرانی ڈگر پر چل پڑا اور لہو ولعب اور لذات وخواہشات میں ڈوب گیا۔ شیطان نے بھی مجھے تھپکی دی۔ میری گمراہیوں کو بڑھا دیا اس نے میرے اور پروردگار کے درمیان کیا گیا عہد وپیمان ردی کی ٹوکری میں ڈلوا دیا اور میں دیر تک طرح طرح کے گناہوں کی طغیانیوں میں ڈبکیاں لگاتا رہا۔

یکایک مجھے پھر بیماری نے آ دبوچا اور میں مرنے کے قریب ہو گیا، میرے اہلِ خانہ نے میرے حکم کے مطابق حسبِ معمول گھر کے بیچ میں میرا بستر لگا دیا۔ میں نے قرآن کریم منگوایا اس کی تلاوت کی اور اسے اُٹھا کر بآوازِ بلند یہ دعا کی: ''الٰہی! اس قرآن پاک میں موجود تیرے محرمات کی قسم کھا کر عہد کرتا ہوں اگر تو نے مجھے صحت بخش دی تو اب میں ہرگز بُرائیوں میں ملوث نہیں ہوں گا۔''

اللہ تعالیٰ نے میری دعا سن لی، میری توبہ قبول فرمائی اور مجھے صحت وعافیت سے نواز دیا لیکن افسوس اپنی پستی اور عہد شکنی پر! کہ اس ربِ کریم کی بار بار مہربانی کے باوجود میں پھر لہو ولعب اور لذات وخواہشات کے گرداب میں ڈوب گیا۔ نوبت بایں جارسید کہ آج اس دردناک مرض میں مبتلا ہو چکا ہوں حسبِ عادت میرے اہلِ خانہ نے بیچ گھر میں میرا بستر لگا

دیا ہے جیسا کہ تم بچشم خود دیکھ رہے ہو۔ میں نے پھر قرآن منگوایا' تلاوت کرنے لگا لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ رب العزت مجھ پر سخت غضب ناک ہے۔ پس میں نے اپنا سر آسمان کی طرف اُٹھایا اور دعا کی: ''الٰہی! آسمان وزمین کے حکمران! میری مصیبتوں سے مجھے نجات دے۔''

راہ دکھلائیں کیسے راہرو منزل ہی نہیں

لیکن معاً میرے کانوں میں ایک صدا گونجی پھر یوں لگا جیسے کوئی غیبی آواز یہ اشعار گنگنا رہی ہے

تَتُوْبُ عَنِ الذُّنُوْبِ إِذَا مَرِضْتَ
وَتَرْجِعُ لِلذُّنُوْبِ إِذَا بَرِئْتَ

''جب تمہیں بیماری آلگتی ہے تو گناہوں سے تائب ہو جاتے ہو لیکن جونہی شفا نصیب ہوتی ہے پھر گناہوں میں ملوث ہو جاتے ہو۔''

فَكَمْ مِّنْ كُرْبَةٍ نَجَّاكَ مِنْهَا
وَكَمْ كَشَفَ الْبَلَاءَ إِذَا بُلِيْتَ

''اللہ تعالیٰ نے مجھے درد و الم سے کتنی دفعہ نجات بخشی ہے اور بارہا آشوب و آزمائش کے گڑھے سے نکالا ہے۔''

أَمَا تَخْشٰى بِأَنْ تَلْقَى الْمَنَايَا
وَأَنْتَ عَلَى الْخَطَايَا قَدْ وُهِيْتَ

''کیا تجھے خواہشاتِ نفسانی کے طوفان میں اُڑنے سے پہلے موت کا خوف دامن گیر نہیں ہوا حالانکہ خطا کاریوں کی بناء پر تجھے بارہا آفت رسیدہ ہونا پڑا تھا۔''

منصور بن عمار کہتے ہیں: ''اللہ کی قسم! جب میں اس سے رخصت ہو کر واپس چلا تو میری آنکھیں اشک بار ہو گئیں' میں ابھی دروازے تک ہی پہنچا تھا کہ بے ساختہ آہ و بکا میں بھیگی ہوئی آواز آئی: انه قدمات۔ ''وہ مر گیا!''

(کتاب: مائة قصة وقصة القسم الاول: ۳۱-۲۳' محمد امین الجندی)

(۱۸۹)

امانت ودیانت

منقول ہے کہ امام زُہری علیہ الرحمہ نے فرمایا: ''میں عبدالملک بن عمرو کے پاس گیا اس نے مجھے کہا: ''تم کہاں سے آئے ہو؟'' میں نے کہا: مکہ سے۔

اس نے کہا: ''مکہ میں کس کو چھوڑا جو وہاں کے لوگوں کی سرداری کرتا ہے؟''

میں نے کہا: ''عطاء بن ریاح کو۔''

اس نے کہا: وہ عرب سے ہیں یا عجمیوں سے؟''

میں نے کہا: ''دیانت اور امانت سے ان کو مکہ کی سرداری حاصل ہوئی۔''

عبدالمالک نے کہا: ''بے شک امانت داروں اور دیانت داروں کو سزاوار ہے کہ وہ لوگوں کے سردار بنائے جائیں۔''

اس کے بعد عبدالملک نے کہا: ''یمن کا سردار کون ہے؟''

میں نے کہا: ''طاؤس بن کیسان یمن کے سردار ہیں۔''

عبدالملک نے جو کچھ پہلے کہا تھا اس کو آخر تک کہا اور میں نے پہلے کی طرح جواب دیا پھر عبدالملک نے کہا: ''مصریوں کا سردار کون ہے؟''

میں نے کہا: ''یزید بن ابی حبیب ان کے سردار ہیں۔''

پس اس نے اور میں نے وہی گزشتہ باتیں کیں پھر اس نے کہا:

''شامیوں کی سرداری کون کرتا ہے؟''

میں نے کہا: مکحول دمشقی اور میں نے اور اس نے گزشتہ باتوں کی طرح اعادہ کیا اس

نے بعد عبدالملک سے کہا:

میں نے کہا: ''جزیرہ والوں کی سیادت کون کرتا ہے؟''

میں نے کہا: ''میمون بن مہران''

اور ہم نے کلام سابق کو دہرایا پھر اس نے کہا: ''خراسانیوں کی سیادت کون کرتا ہے؟''

میں نے کہا: ''ضحاک بن مزاحم''

اور میں نے وہی بیان کیا جو پہلے ذکر کیا تھا اس کے بعد عبدالملک نے کہا: ''اہالیانِ بصرہ کا کون سردار ہے؟'' میں نے کہا: ''حسن ابی الحسن''

پھر اس نے اور میں نے وہی کہا جو گزر چکا ہے پھر اس نے کہا: ''کوفہ والوں کی سیادت کون کرتا ہے؟'' میں نے کہا: ''ابراہیم نخعی''

اس نے پھر وہی سوالات شروع کیے۔ میں نے کہا: ''ابراہیم نخعی عرب ہیں۔ عبدالملک نے کہا: ''اے زُہری! تمہارے واسطے افسوس ہے۔ بے شک تم نے مجھ سے غم دُور کیا۔ بخدا عجمی لوگ عرب پر سرداری کریں گے حتیٰ کہ اہلِ عجم منبروں پر ان کے واسطے خطبہ دیں گے اور عرب ان کے نیچے ہوں گے۔''

میں نے کہا: ''یاامیرالمومنین! یہ تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اس کا حق اور اس کا دین ہے جو شخص اس کو محفوظ رکھے گا' وہ سردار ہوگا اور جو اس کو ضائع کرے گا' وہ نیچے گرے گا اور ذلیل ہوگا۔ بے شک اللہ حکمت والا اور خبردار ہے۔'' واللہ اعلم

(انوار محبوبی ترجمہ نوادر القلیوبی)

(۱۹۰)

روتے روتے نابینا ہو گئے

حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے ایک بہت جلیل القدر شاگرد ''یزید بن ہارون وسطی'' ہیں' ان کے بارے میں علی بن مدینی'' فرمایا کرتے تھے کہ میں نے یزید بن ہارون سے بڑھ کر کسی کو حدیثوں کا حافظ نہیں دیکھا۔ یزید بن ہارون اپنی علمی جلالت کے ساتھ ساتھ ذوقِ عبادت میں بھی اپنے دَور کے عدیم المثال بزرگ تھے' ان کی آنکھیں بڑی خوب صورت تھیں مگر خوفِ خداوندی سے دن رات اس قدر رویا کرتے تھے کہ مستقل طور پر ان کی آنکھوں میں آشوب چشم کی شکایت رہنے لگی یہاں تک کہ آنکھوں کی خوب صورتی اور روشنی دونوں جاتی رہی ان کی عبادت کی کثرت کے بارے میں علی بن عاصم محدث کا بیان ہے کہ یہ پوری رات ہمیشہ جاگتے اور نوافل پڑھتے رہتے تھے اور اپنے استاد حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرح تقریباً چالیس تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے رہے۔ ایک مدت تک بغداد میں حدیث کا درس دیتے رہے پھر آخری عمر میں اپنے وطن چلے گئے اور سن ۲۰۶ھ یا ۲۱۷ھ میں وصال فرمایا۔ (تذکرۃ الحفاظ)

فقہاء و محدثین ہوں یا صوفیہ و عابدین تمام خاصانِ خدا کا یہی طریقہ رہا ہے کہ وہ خوفِ الٰہی سے بکثرت رویا کرتے تھے' راتوں کو جاگ کر خدا کی عبادت کرنا اور خوفِ خداوندی سے تنہائی میں گڑگڑا کر رونا ان کا معمول تھا جس کی فضیلت کوئی حضور سید المرسلین امام النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے کہ حضورِ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام ساری ساری راتیں نفل نمازوں میں کھڑے رہتے یہاں تک کہ پائے مبارک میں ورم آ جاتا تھا اور خوف و خشیتِ ربانی سے بار بار رویا کرتے تھے۔ حدیث شریف میں ہے: رجل ذکر اللہ خالیا

فقاضت عیناہ ۔

''جو شخص تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے عرش کے سایہ رحمت کے نیچے سایہ عطا فرمائے گا جس دن کہ اس کی رحمت کے سایہ کے سوا دوسرا کوئی سایہ نہیں ہوگا۔''

لوحِ محفوظ است پیش اولیاء

یہ حقیقت ہے کہ خوفِ خداوندی سے رونے والے کا ایک قطرۂ آنسو دیکھنے میں تو وہ آنسو کا ایک قطرہ ہے مگر در حقیقت وہ رحمتِ الٰہی کا ایک سمندر ہے جو گناہوں کے لاکھوں دفتر کو دھونے کے لیے کافی ہے۔ بڑے خوش نصیب ہیں وہ مسلمان جو خدا کے ڈر سے بار بار اور زار وقطار روتے رہتے ہیں۔ کاش! خداوند کریم ہم گناہگاروں کو بھی اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! اللہ اللہ! یزید بن ہارون واسطی کتنے بڑے قسمت کے سکندر تھے کہ انہوں نے خوفِ خداوندی سے روتے روتے آنکھوں کی خوب صورتی اور روشنی کو قربان کر دیا تو خداوندِ عالم نے ان کو نورِ بصیرت عطا فرما دیا کہ اپنی معرفت کی دولت سے انہیں مالا مال فرما دیا اور عرش سے فرش تک ساری کائناتِ عالم کو ان کے پیشِ نظر کر دیا۔ کیا خوب فرمایا حضرت مولانا رومی علیہ الرحمہ نے اپنی مثنوی شریف میں:

لوحِ محفوظ است پیش اولیاء
ازچہ محفوظ است محفوظ ازخطا

''لوحِ محفوظ ہیں۔ سبحان اللہ! لوحِ محفوظ جس میں ہر چھوٹی بڑی بات اور ماضی وحال ومستقبل کے سارے حالات من جانب اللہ تحریر ہیں۔ وہ جن کی نگاہوں کے پیشِ نظر ہوں بھلا ان کے علوم ومعارف کا کیا عالم ہوگا؟ اور پھر ان کے تصرفات وکرامات کی بادشاہی اور شہنشاہی کی کیا شان ہوگئی؟ کیوں نہ ہو کہ

ولایت' پادشاہی' علم اشیاء کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں؟ فقط اک نقطۂ ایماں کی تفسیریں

(روحانی حکایات)

(۱۹۱)

بخشش عام اور اولیائے کرام

اس عالمی وقار (شیخ سماء الدین رحمۃ اللہ علیہ) کی نظر میں دنیا کے بادشاہوں کی کوئی منزلت نہ تھی۔ان کی حق بیں نظر میں فقیر و مال دار یکساں تھے اگر ایک ہزار دینار کسی جگہ سے نذرانے میں آتے تو پانچ سو اور قرض لے لیتے اور حاجت مندوں میں تقسیم کر دیتے۔قرض لینے کا سبب یہ تھا کہ جب فقیروں کو یہ معلوم ہو جاتا کہ کہیں سے نذرانہ آیا ہے تو بہت سے فقراء جمع ہو جاتے۔ان ہزار دیناروں کو تقسیم کر دینے کے بعد جو اہلِ حاجت باقی رہ جاتے ان کو قرض منگا کر تقسیم کرتے۔فقیروں، غریبوں اور یتیموں پر اس درجہ شفیق تھے کہ ہر میوہ کی فصل میں اس جماعت کو اپنے سامنے بٹھاتے اور طرح طرح کے میوے ان کے سامنے رکھواتے اور خود بھی ان کے ساتھ تناول فرماتے حالانکہ ہزاروں شکرانے اور نذرانے متواتر آتے تھے مگر اپنے خورد و نوش کے لیے قرض لیتے تھے۔

ایک مرتبہ اس فقیر (جمالی صاحب سیر العارفین) کے سامنے دو ہزار تنکے (سکہ رائج الوقت) نذرانے میں آئے وہ سب مستحقین میں تقسیم کر دیئے اسی دوران فقراء کا ایک گروہ آ گیا۔حضرت نے اپنے صاحب زادے شیخ المشائخ نصیر الملت والدین کو حکم دیا کہ جو لوگ تقسیم کے بعد آئے ہیں، ان کو بھی محروم نہ جانا چاہیے۔مزید ہزار تنکے قرض لے کر ان میں تقسیم کر دو۔

میں نے شیخ اسحاق سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ ملتان میں سخت قحط پڑا اور غلہ بالکل ناپید ہو گیا۔جرت (جوار) کا دانہ موتی سے زیادہ قیمتی ہو گیا تھا اس زمانے میں اگر کبھی آدھا سیر جوار یا گیہوں میسر آ جاتا تو اس کو جوش دیتے اور ان دانوں کو گن کر گھر کے آدمیوں میں تقسیم

کر دیا جاتا تھا اور جوان کا حصہ ہوتا تھا وہ فقیروں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ وہ فاقوں پر فاقہ کرتے تھے لیکن کبھی ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے۔ بہت ایثار کیا کرتے تھے۔ ایک درہم یا دینار اپنی ملکیت میں نہ رکھتے تھے باوجودیکہ ہزاروں تحفے آتے تھے' مستحقین اور اولاد کو برابر کا حصہ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ فقیر (جمالی) مدت تک حضرت کی خدمت میں رہا کبھی ان کو صاحبِ نصاب نہ پایا۔

(سیر العارفین "مترجم" ص ۲۵۳' ۲۵۸)

☆...... ایک روز حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کوئی سائل آیا تو آپ کو اسے کچھ دینے کے واسطے سوائے جوتے کے کوئی شے نظر نہ آئی۔ سوچا' سائل کو خالی ہاتھ نہیں جانا چاہیے۔ پس وہی دے دیا۔ بعدازاں آپ کو معلوم ہوا کہ اس سائل نے جوتا بیچ دیا ہے اور اس کی قیمت سے کوئی پھل خریدا ہے۔ آپ نے فرمایا:

"الحمدللہ! شاید اس کا میوے کو دل چاہتا ہو ہماری اس معمولی خدمت سے اس کی آرزو پوری ہوئی۔"

(اخلاق صالحین ترجمہ تنبیہ المغترین' ص ۲۷۷)

☆...... سلطان محمد تغلق نے ایک موقع پر ان (شیخ برہان الدین علیہ الرحمۃ) کی خدمت میں تین ہزار سونے کے تنکے بھیجے۔ ملک نائب باربک یہ رقم لے کر پہنچا تو انہوں نے اس رقم کے لینے سے انکار کیا کہ اس کی ضرورت نہیں لیکن سلطان نے ملک نائب باربک کو یہ کہہ کر پھر بھیجا کہ یہ رقم ان کے لیے نہیں ہے بلکہ ان کے خدمت گزاروں کے لیے ہے۔ شیخ نے یہ رقم لے لی اور خادم خاص کو بلایا کہ گھر میں جو کچھ ہو لاؤ۔ خادم نے بیس تنکے لا کر پیش کیے اور فرمایا کہ ان کو سلطان کے تین ہزار تنکے میں ملا کر فقراء میں تقسیم کر دو اور ایسا ہی کیا گیا۔

(ہندوستان کی بزمِ رفتہ کی سچی کہانیاں' ص ۱۱۷' بحوالہ روضۃ الاولیا ص ۲۷)

الھدایا مشترک۔ تنہا خوشترک

سلطان جلال الدین فیروز شاہ تغلق کے بعد اس کا بھتیجا علاؤ الدین دلی کا بادشاہ ہوا

اس نے اپنے فوجی سردار کافور کو ورنگل کی فتح کے لیے بھیجا۔ ایک عرصہ تک اس کو اس مہم کے متعلق کسی قسم کی خبر نہ ملی۔ حالتِ اضطراب میں اس نے قاضی مغیث الدین بیانوی اور ملک قرابیگ کو بھیج کر حضرت خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں یہ کہلایا:

''آپ کو اسلام کا غم مجھ سے زیادہ ہے۔ آپ اپنے نورِ باطن سے یہ معلوم کر کے کیفیت حقیقی سے آگاہ کریں۔ لشکر کی خبر نہ ملنے پر مجھ پر گرانی طاری ہے۔''

حضرت خواجہ نے یہ جواب بھیج کر بشارت دی:

''اس فتح کے علاوہ اور بھی دوسری فتوحات کی توقع ہے۔''

چنانچہ اسی روز ورنگل کی فتح کی خبر ملی۔ سلطان نے خوشی میں حضرت خواجہ کی خانقاہ کے لیے پانچ سو اشرفیاں بھیجیں، ملک قرابیگ اشرفیاں لے کر پہنچا تو اس وقت حضرت خواجہ کے پاس ایک خراسانی قلندر موجود تھا اس نے حضرت خواجہ سے کہا (الھدیا مشترک) یعنی ''ہدیہ مشترک ہوتا ہے'' حضرت خواجہ نے جواب دیا: ''تنہا خوشترک''

یعنی تنہا ایک ہی شخص کو مل جائے تو بہتر ہے۔

یہ کہہ کر تمام اشرفیاں قلندر کے حوالے کر دیں۔

(سیر العارفین، ذکر خواجہ نظام الدین اولیاء بحوالہ ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں، ص ۹۰)

ہمت بلند دار

حضرت خواجہ شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ پانی پتی المتوفی ۷۰۹ھ/۱۳۱۹ء کے برگزیدہ خلیفہ حضرت شیخ جلال الدین محمد کبیر الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جو اپنے فضل و کمال کے لیے بہت ممتاز رہے۔ ان کا دستر خوان بہت وسیع تھا جس پر روزانہ ایک ہزار آدمی شریک ہو کر کھانا کھاتے۔ کسی روز ایک ہزار سے کم آدمی ہوتے تو وہ کوچہ و بازار سے آدمی بلوا بھیجتے اور ان کو بٹھا کر کھانا کھلاتے اور جو خوان قسم قسم کے کھانوں سے بھر کر آتے وہ واپس لنگر خانہ میں نہ جاتے۔ لوگوں کو حیرت ہوئی کہ آخر اتنے خوان روزانہ کہاں سے آتے ہیں؟

(ہندوستان کی بزمِ رفتہ کی سچی کہانیاں، ص ۶۹)

☆...... شیخ علاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ حضرت فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ شیخ

بدرالدین سلیمانی کے صاحب زادے تھے۔ سولہ سال کی عمر میں اپنے والدِ بزرگوار کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔ بڑے صاحب عظمت وکرامت بزرگ تھے۔ صائم الدھر رہے، عیدین اور ایامِ تشریق میں کچھ کھا لیتے ورنہ برابر روزے رکھتے لیکن روزانہ ان کا دسترخوان دوسروں کے لیے بچھا رہتا جب اپنے حجرے سے نکل کر اپنے والد بزرگوار کے مرقد کی زیارت کو جاتے تو راستہ میں فقراء اور مساکین میں خیرات تقسیم کرتے جاتے۔ ان کے انتظار میں یہ دورویہ کھڑے رہتے اگر کوئی فقیر دھوکہ دے کر آگے بڑھ کر ہاتھ پھیلاتا اور لوگ کہتے کہ پہلے لے چکا ہے تو اس کو دُگنا دیتے اور دیتے وقت ان کا مقصد یہ ہوتا کہ کوئی ''مناعاللخیر'' نہ ہو۔

(سیر الاولیاء، ص ۱۹۵، بحوالہ: ہندوستان کی بزمِ رفتہ کی سچی کہانیاں، ص ۶۶)

☆......شیخ احمد کھٹو المتوفی ۸۴۹ھ، ۱۴۴۵ء اجمیر شریف کے پاس ایک گاؤں کھٹو کے رہنے والے تھے۔ بابا اسحاق مغربی سے تربیت پائی اور ان ہی سے مرید ہو کر راہِ سلوک پر گامزن ہوئے۔ اپنے پیرومرشد کی وفات کے بعد دہلی آئے۔ مزید تعلیم پا کر مسجد خانجہاں میں بڑی ریاضت کی۔ روزے رکھتے تو سوکھی باسی کھلی کے ایک ٹکڑے سے افطار کر لیا کرتے تھے۔ چلہ میں صرف ایک کھجور کھاتے تھے۔ عمر بھر شادی نہیں کی۔ گجرات کے حکمران سلطان مظفر المتوفی ۸۱۴ھ، ۱۴۰۱ء کی دعوت پر گجرات گئے اور سرکچ میں اقامت اختیار کی اور وہیں مدفون ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ جب ان کی عمر بارہ سال کی تھی تو ایک دن ایک فقیر ان کے پاس آیا اور اس نے کہا: ''بابا بوجیو (یعنی حضرت احمد کے مرشد) اس کو روزانہ چار جیتل دیتے ہیں۔''

یہ معلوم کر کے انہوں نے اپنے مرشد سے کہا: ''یہ فقیر بے انتہا بھنگ پیتا ہے۔ آپ کے دیئے ہوئے جیتل سے بھنگ پی لیتا ہے۔''

بابا بوجیو نے فرمایا: ''ہم سے ہمارے کام کی پرسش ہوگی اور اس سے اس کے کام کی بازپرس ہوگی۔''

حضرت احمد کھٹو کا بیان ہے کہ اس دن سے بابا بوجیو کی پیروی برابر کرتا رہا، ان کی

سخاوت کے لیے ان کے مرشد نے دعا کی کہ ان کا ہاتھ اونچا رہے اور خدا کی مخلوق ان کے ہاتھ سے کچھ نہ کچھ لیتی رہے اس کے بعد یہ شعر پڑھا ؎

ہمت بلند دار کہ داور کرد گار

برہمت بلند کند فضل خود نثار

اور یہ حدیث بھی پڑھی: یا ابن آدم انفق انفق۔

''اے ابنِ آدم! خرچ کر، خرچ کر''۔ پھر یہ آیت پڑھی:

وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا۔

''تم اپنی زندگی میں جو کچھ آئندہ کے خیال سے عمدہ طور پر خرچ کرو گے، اس کا اللہ کے پاس عمدہ بدلہ پاؤ گے اور اللہ کا بدلہ بہت ہی اچھا اور بہتر ہے۔''

(اخبار الاخیار، ص ۱۵۱۔ ۱۵۰ بحوالہ ہندوستان کی بزمِ رفتہ کی سچی کہانیاں، ص ۱۵۹)

گھر والوں کے لئے صرف باجرہ اور جوار

☆...... مولوی محمد یحییٰ صاحب لکھنوی نے فرمایا: ''جب آپ (حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی) لکھنؤ میں تشریف لائے تو مطبع مصطفائی میں ٹھہرے۔ ہم بھی حدیث پڑھنے کو جاتے تھے۔ آپ کے مکان سے بنجارہ (قاصد) آیا، ہم نے خبر دی کہ حضرت: وطن سے آدمی آیا ہے اس سے خیریت دریافت کی جائے۔ آپ نے فرمایا: ''ہاں بلاؤ کہاں ہے؟''

وہ حاضر کیا گیا۔ آپ نے اس سے پوچھا: ''کہو وطن میں کوئی مرا تو نہیں؟''

اس نے کہا: ''نہیں! صاحب کوئی نہیں مرا۔''

پھر وہ جانے لگا تو اس نے میر صاحب علی سے کہا: ''گھر والوں نے خرچ مانگا تھا۔''

میر صاحب علی نے کہا: ''حضرت عورتوں نے کچھ خرچ مانگا ہے۔''

آپ نے فرمایا: ''خدا کی پناہ! سولہ سیر باجرہ اور سولہ سیر جوار ہم دے کر آئے تھے یہ سب کھا گئیں۔ غضب خدا کا! جنگِ تبوک میں صحابہ علیہم الرضوان کو ایک خرما روز دیا جاتا تھا

اسی پر قناعت کرتے تھے۔''

المختصر اپنے گھر والوں کو کچھ نہ دیا باوجودیکہ شرف الدولہ نے کئی ہزار روپیہ آپ کو دیا تھا۔ وہ روز تقسیم ہوتے تھے اس میں سے ڈیڑھ سو بچ بھی گیا تھا مگر اس کو بھی لینے دینے کے لیے رکھا تھا۔ کوئی مستحق آجائے گا تب کام آئے گا۔ پہلے روز جو روپیہ آیا تھا تو آپ نے عبدالرحمٰن خان سے پوچھا: ''بخاری شریف'' تمہارے پاس مجلد ہے؟''

انہوں نے کہا: ''بیس جلد قیمت کیا ہے؟''

کہا: ''تیس روپیہ''

آپ نے فرمایا: ''ہم نے لیا۔''

پھر پوچھا: ''مسلم شریف'' وغیرہ کس قدر ہے؟''

غرض جتنی کتابیں حدیث فقہ کی تھیں، سب خرید لیں اور پھر تقسیم کرتے تھے۔ آخر بنجارہ کو میر صاحب علی نے اپنے پاس سے تین روپیہ نکال کر دیئے اور اس کو رخصت کیا۔

(تذکرہ مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی، ص ۶۷ مرتبہ ابوالحسن ندوی)

(۱۹۲)

قرآن سن کر روح نکل گئی

حضرت سیدنا ابوبکر شیرازی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ مکہ مکرمہ زادھا اللہ شرفاوتعظیما سے واپسی پر میں کئی دن عراق کے غیر آباد ویران جنگلوں میں پھرتا رہا۔ مجھے کوئی شخص نظر نہ آیا جس کی رفاقت اختیار کرتا۔ کافی دنوں بعد مجھے ایک خیمہ نظر آیا ایسا لگتا تھا جیسے جانوروں کے بالوں سے بنایا گیا ہو۔ میں خیمہ کے قریب گیا تو دیکھا کہ وہ ایک خستہ حال پرانا مکان تھا جسے کپڑے سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ میں نے سلام کیا تو اندر سے ایک بوڑھی عورت کی آواز سنائی دی اس نے پوچھا: ''اے ابنِ آدم! تم کہاں سے آرہے ہو؟''

میں نے کہا: ''میں مکہ معظمہ زادھا اللہ شرفاوتعظیما سے آرہا ہوں۔''

پوچھا: ''کہاں کا ارادہ ہے؟'' میں نے کہا: ''شام جارہا ہوں۔''

کہا: ''میں تیرے جیسے انسان کو جھوٹا اور غلط دعویٰ کرنے والا دیکھ رہی ہوں۔ کیا تو ایسا نہ کرسکتا تھا کہ ایک کونہ سنبھال لیتا اور اسی میں بیٹھ کر عبادت وریاضت کرتا یہاں تک کہ تجھے پیغامِ اجل آپہنچتا؟ اے شخص! تو یہی سوچ رہا ہے نا کہ یہ بڑھیا اس بیابان جنگل میں ایک ٹوٹے پھوٹے مکان میں رہتی ہے' یہ کھاتی کہاں سے ہوگی؟''

میں خاموش رہا اس نے پوچھا: ''کیا تمہیں قرآن یاد ہے؟''

میں نے کہا: ''الحمدللہ! مجھے قرآن یاد ہے۔''

کہا: ''سورۂ فرقان کی آخری آیات پڑھو۔''

میں نے جیسے ہی تلاوت شروع کی وہ چیخنے لگی اور غش کھا کر گر پڑی۔ کافی دیر بعد

رات گئے افاقہ ہوا تو وہی آیات پڑھتی رہی اور شدید آہ وزاری کرتی رہی۔ دوبارہ مجھے وہی آیات پڑھنے کو کہا۔ میں نے تلاوت کی تو پہلے کی طرح پھر بے ہوش ہو کر گر پڑی۔

جب کافی دیر تک ہوش نہ آیا تو میں بہت پریشان ہو گیا اور سوچنے لگا کہ کیسے معلوم کیا جائے کہ یہ بے ہوش ہے یا انتقال کر گئی ہے؟ اسے وہیں چھوڑ کر میں ایک سمت چل دیا۔ تقریباً نصف میل چلنے کے بعد مجھے اعرابیوں کی ایک وادی نظر آئی جب وہاں پہنچا تو ایک لونڈی اور دو نوجوان میرے پاس آئے۔ ان میں سے ایک نے مجھ سے پوچھا: ''اے مسافر! کیا تو جنگل میں موجود گھر کی طرف سے آ رہا ہے؟'' میں نے کہا: ''ہاں!'' پوچھا: ''کیا تو نے وہاں قرآن کی تلاوت کی؟'' میں نے کہا: ''ہاں!'' نوجوان نے کہا: ''ربِ کعبہ کی قسم! تو نے اس بڑھیا کو قتل کر دیا۔'' پھر ہم اس گھر کی طرف آئے، لونڈی نے بڑھیا کو دیکھا تو وہ اس دارِ فانی سے کوچ کر چکی تھی۔ مجھے نوجوان کے اندازے نے تعجب میں ڈال دیا۔ میں حیران تھا کہ اس نے کیسے جانا کہ قرآن سن کر بڑھیا کا انتقال ہو جائے گا۔ میں نے لونڈی سے پوچھا: ''یہ نوجوان کون ہے اور بڑھیا سے اس کا کیا رشتہ تھا؟'' کہا: ''یہ خدا رسیدہ بڑھیا ان کی بہن تھی، تیس سال سے اس نے کسی انسان سے گفتگو نہ کی، بھوکی پیاسی اسی جنگل میں عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتی۔ تین دن بعد تھوڑا سا پانی پی کر اور تھوڑا سا کھانا کھا کر گزارہ کرتی یہاں تک کہ آج اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملی۔''

(عیون الحکایات)

(۱۹۳)

کفر وسرکشی کی سزا

بلعم یا بلعام بن باعورا بنی اسرائیل کے متقدمین میں سے تھا' وہ مستجاب الدعوات تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم جانتا تھا اس کی رہائش ان لوگوں کے درمیان تھی جو زمین کو ظلم و طغیان سے بھرتے اور فساد برپا کرتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''جب موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے اصحاب کنعانی ظالموں اور سرکشوں سے نبرد آزما ہوئے تو بلعم بن باعورا کے چچازاد بھائی اس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کی قوت کا حوالہ دیا اور خبردار کیا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام کا یہ لشکر ہماری سرزمین میں داخل ہو گیا تو تباہی مچ جائے گی۔''

بلعم بن باعورا نے ان سے کہا: ''اگر میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کروں کہ وہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے لشکر کو پھیر دے تو میری دنیا و آخرت دونوں ستیاناس ہو جائے گا لیکن اس کے چچازاد برابر اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ بلعام بن باعورا نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے لشکر کے لیے بددعا کی مگر اللہ تعالیٰ نے خود اسی کو اس کی بددعا کا نشانہ بنا دیا اور وہ اپنے اعلیٰ مرتبے سے گر گیا۔

امام سُدی کہتے ہیں: ''جب چالیس سال کا وقفہ گزر گیا تو اللہ تعالیٰ نے یوشع بن نون علیہ السلام کو نبی بنا کر بنی اسرائیل کی طرف مبعوث فرمایا۔ یوشع بن نون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو آگاہ کیا کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ تم سب مل کر ظلم وطغیان اور فساد کا بازار گرم کرنے والوں کے خلاف میدانِ کارزار میں نکلو۔ بنی اسرائیل نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کی تصدیق کی لیکن بلعام نے یوشع بن نون علیہ السلام کی دعوت قبول کرنے

سے انکار کر دیا۔ وہ ظالموں اور سرکشوں کی صف میں جا ملا اور ان سے کہا: ''تم لوگ بنی اسرائیل سے نہ ڈرو کیونکہ جب تم ان کے مقابلے کے لیے میدانِ جنگ میں نکلو گے تو میں ان کے لیے بددعا کروں گا جس کے زیرِ اثر وہ سب ہلاک ہو جائیں گے۔''

بلعام بن باعورا کے پاس دنیاوی جاہ و مال کی کوئی کمی نہیں تھی اس کے باوجود شیطان اس پر غالب آ گیا۔ چنانچہ وہ اپنے کفر و سرکشی کے باعث گمراہوں کی فہرست میں شامل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِىْٓ اٰتَيْنٰـهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ○ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰهُ ج فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ج اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ط ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ج فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○

''اور (اے نبی!) انہیں اس شخص کی خبر پڑھ کر سنا دو جسے ہم نے اپنی آیتیں دی تھیں مگر وہ ان (کی پابندی) سے نکل بھاگا تو شیطان اس کے پیچھے لگ گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ گمراہوں میں سے ہو گیا اور اگر ہم چاہتے تو ان (آیتوں) کے ذریعے سے اس کا مرتبہ بلند کر دیتے لیکن وہ پستی کی طرف جھکا اور خواہشِ نفس کی پیروی کرنے لگا چنانچہ اس کی مثال کتے کی سی ہو گئی۔ اسے مشقت میں ڈالو تب بھی ہانپتا ہے اور زبان لٹکائے رکھتا ہے' چھوڑ دو تب بھی ایسا ہی کرتا ہے۔ یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیات جھٹلائیں۔ پس (اے نبی!) آپ یہ حکایت لوگوں کو سنا دیں تاکہ وہ اس پر غور و فکر کریں۔''

(الاعراف ۷: ۱۷۵، ۱۷۶، من اخبار المنتکسین لصالح العصیمی ۲۲۸)

حضرت یوشع بن نون کا تعارف

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کا مختصر تعارف یہ ہے کہ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادم

تھے۔ ایک موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل سے خطاب فرما رہے تھے۔ انہوں نے پوچھا: ''سب سے بڑا عالم کون ہے؟'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''میں ہوں۔''

یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آئی۔ اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ آپ نے یہ کیوں نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے؟

مزید فرمایا: جہاں دو دریا ملتے ہیں وہاں میرا ایک بندہ ہے جو آپ سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ یہ خضر علیہ السلام کی طرف اشارہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے ملنے گئے اس موقع پر یوشع بن نون علیہ السلام بھی آپ کے ساتھ تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام آج بھی زندہ ہیں۔

(۱۹۴)

کنکریاں جواہرات بن گئیں

بیان کرتے ہیں کہ یعقوب بن لیس امیر خراسان ایک ایسی بیماری میں مبتلا ہوا کہ اطباء اس سے مجبور ہو گئے۔ لوگوں نے اس سے کہا: ''یہاں ایک شخص نیک لوگوں میں سے ہے اور اس کا نام سہل بن عبداللہ ہے اگر آپ اس کو طلب کریں شاید وہ آپ کے واسطے دعا کرے۔'' امیر نے فرمایا: ''اسے میرے پاس لاؤ''۔

جب وہ حاضر ہوا تو امیر نے اس سے کہا: ''میرے واسطے اللہ سے دعا کرو کہ وہ مجھے اس بیماری سے شفا دے۔''

اس شخص نے کہا: ''میں تمہارے لیے کیونکر دعا کروں حالانکہ تم ظلم پر قائم ہو۔''

یہ سن کر امیر یعقوب نے ظلم سے توبہ اور رجوع کی نیت کی اور رعیت میں نیک خوئی کا اقرار کیا۔ قیدیوں کو چھوڑ دیا اس کے بعد سہل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ''اے معبود! جس طرح تو نے اس کو گناہ کی ذلت دِکھائی اسی طرح اس کو بندگی کی عزت دِکھا اور جو بیماری اس کو ضرر کر رہی ہے اس کو اس سے دُور فرما۔''

پس وہ امیر اسی وقت اُٹھ کھڑا ہوا۔ گویا پاؤں سے رسی کھل گئی پھر امیر یعقوب نے بہت سا مال سہل رحمۃ اللہ علیہ پر پیش کیا تا کہ وہ اس کو قبول کر لیں لیکن انہوں نے انکار کیا اور اپنے شہر کی طرف واپس گئے۔ اثناء راہ میں کسی نے ان سے کہا: ''اگر آپ مال قبول کر لیتے اور فقراء پر اس کو تقسیم کر دیتے تو بہتر ہوتا۔''

سہل رحمۃ اللہ علیہ نے زمین کی جانب دیکھا دفعتاً زمین کی کنکریاں جواہرات ہو گئیں اس

کے بعد انہوں نے لوگوں سے کہا: ''جو چاہو لے لو۔''

اور کیا جو شخص اس کے مثل دیا گیا ہے وہ یعقوب بن لیث کے مال کا محتاج ہوگا۔

لوگوں نے ان سے کہا: ''ہم کو معذور رکھیے اور معاف کیجیے۔'' (نوادر قلیوبی)

(۱۹۵)

بھلا ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کس طرح غلطی کر سکتے ہیں؟

کسی روز وکیع بن الجراح محدث کی مجلس میں کسی نے یہ کہہ دیا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فلاں مسئلے میں غلطی کی تو وکیع نے باوجودیکہ بعض مسائل میں ابوحنیفہ سے اختلاف رکھتے تھے۔فوراً فرمایا:''تم کیا کہتے ہو؟ بھلا ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کس طرح غلطی کر سکتے ہیں جب کہ ابو یوسف اور زفر جیسے صاحبِ قیاس اور یحییٰ بن زائدہ حفص بن غیاث وحبان ومندل جیسے حفاظ حدیث اور قاسم بن معن جیسا ماہر لغت وادیب اور داؤد طائی وفضیل بن عیاض جیسے زاہد ومتقی لوگ ان کی مجلسِ درس میں حاضر رہتے ہیں جس کے ہم نشین واہلِ مجلس ایسے ایسے باکمال ہوں وہ غلطی نہیں کر سکتا اور اگر اتفاقاً اس سے کبھی کوئی غلطی ہو بھی جائے تو اس کے ہمنشین اس کی غلطی کی اصلاح کر دیں گے۔'' (تبصرہ تاریخ بغداد ص ۵۲)

☆......نامور محدث ابوبکر بن عیاش کا بیان ہے کہ حضرت سفیان ثوری کے بھائی کا انتقال ہو گیا تو ہم لوگ ان کے لیے تعزیت کرنے گئے' پوری مجلس علماء ومشائخ سے بھری ہوئی تھی اسی حالت میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ بھی مع اپنے تلامذہ کے وہاں پہنچے جب حضرت سفیان ثوری نے آپ کو دیکھا تو اپنی مسند چھوڑ کر کھڑے ہو گئے اور بڑی گرم جوشی کے ساتھ معانقہ کیا پھر اپنی مسند پر آپ کو بٹھا کر خوب مؤدب ہو کر بیٹھ گئے جب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ چلے گئے تو میں نے حضرت سفیان ثوری سے عرض کیا:''حضرت! آج آپ کا یہ طرزِ عمل مجھے اور میرے ساتھیوں کو بے حد ناگوار گزرا کہ آپ نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تعظیم میں بہت مبالغہ فرمایا۔''

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''کیوں تمہیں ناپسند ہوا؟ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صاحب علم ہیں، میں ان کی تعظیم کے لیے کیوں کھڑا نہ ہوتا؟ اگر ان کے علم کی تعظیم کے لیے نہ اُٹھتا تو ان کی فقہ کے لیے اُٹھتا ورنہ ان کے تقویٰ کے لیے اُٹھتا اور اگر ان کے تقویٰ کے لیے نہ اُٹھتا تو ان کے سن وسال کا خیال کر کے کھڑا ہوتا۔''

ابوبکر بن عیاش کہتے ہیں: ''حضرت سفیان ثوری نے مجھے ایسا خاموش کر دیا کہ میں بالکل ہی لاجواب ہو کر رہ گیا۔'' (تبصرہ تاریخ بغداد ص ۴۸)

اللہ اکبر! کتنا نورانی اور بابرکت زمانہ تھا کہ اس مقدس دَور کے علمائے حق اخلاص اور للّٰہیت کا مجسمہ تھے۔ آج علماء کا باہمی تحاسد وتباغض دیکھ کر زندگی سے نفرت ہونے لگتی ہے۔ کاش اپنی زندگی میں ہم بھی یہ رحمت والا دَور دیکھتے مگر افسوس کہ ہم ایسے زمانے میں پیدا ہوئے

چھوٹوں میں اطاعت ہے نہ شفقت ہے بڑوں میں
پیاروں میں محبت ہے، نہ یاروں میں وفا ہے!

(۱۹۶)

ڈھونڈا ہے آسماں نے انہیں خاک چھان کر

ایک دفعہ حافظ نور احمد خاکوانی (قبلۂ عالم علیہ الرحمۃ کی خدمت میں) حاضرِ خدمت ہوا اور بارہ ہزار روپیہ حضرت صاحب کی نذر کیا اور عرض کیا: "قبلہ میں نے منت مانی تھی کہ جو کچھ مجھے اس ملازمت میں ملے گا' اپنے پیر کی نذر کروں گا۔"

حضرت صاحب نے وہ روپیہ خدا بخش لانگری کو دے دیا جب نمازِ فجر سے فارغ ہوئے تو خدا بخش کو بلایا' مستحق افراد کے نام لکھ دیئے اور فرمایا: "ان کو تقسیم کر دو۔"

سات ہزار روپیہ حضرت قبلہ عالم کی خانقاہ پر بھیجا اور لکھ دیا کہ اتنے فلاں صاحب زادہ صاحب کو اور اتنے فلاں صاحب زادہ صاحب کو۔ میاں عبداللہ صاحب مہاروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: "میں ایک ہزار روپیہ کا مقروض تھا' حضرت صاحب نے اس کاغذ پر میرے لیے ایک ہزار ہی لکھا تھا اور بقیہ پانچ ہزار حسب الارشاد تونسہ شریف کے علماء اور مستحق افراد میں تقسیم کر دیئے جب خدا بخش نے آ کر خبر دی تو فرمایا: "الحمدللہ! حق تعالیٰ نے اس بلا کو مجھ سے دُور کر دیا۔"

(مناقب المحبوبین "مترجم" ص ۱۹۰ مترجم نجم الدین سلیمانی)

☆......جب خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ کی حیثیت سے وہ تونسہ شریف پہنچے تو عسرت کا یہ عالم تھا کہ سرکنڈوں کی جھونپڑی میں اپنا سر چھپاتے تھے اور فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے۔ گڑگوجی میں ان کی کچھ زمین تھی لیکن خواجہ نور محمد صاحب کے ارشاد کے بموجب اسے ویسے ہی چھوڑ آئے تھے۔ کچھ عرصہ بعد فتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ دنیا کی ہر

نعمت ان کے قدموں میں آ گئی لیکن استغناء کا وہی عالم رہا اور انہوں نے کبھی فارغ البالی کی زندگی بسر نہیں کی جو کچھ ان کی خانقاہ میں پہنچتا تھا' فوراً تقسیم کر دیتے تھے۔ اپنے لیے کچھ نہ رکھتے تھے۔ لکھا ہے: "حضرت قبلہ بن قدس سرہ العزیز سلطان التارکین بود ہزاراں نقود و اسپاں و شتراں و دیگر چیز ھا از احتہ و اقمشہ کہ مریدان در نذر آور دندے ہماں لحظہ عطامی نمودند۔ ہیچ چیز با خود نمی داشتند۔" (نافع السالکین)

مرداں چنیں کنند

ایک مرتبہ ایک شخص محمد واصل جس نے عرب وعجم کی سیر کی تھی' نے حضرت کے اس عطاو کرم کی تعریف کی تو فرمانے لگے: "میاں واصل! میں تو وہی ہوں جو تونسہ میں کتے والے مکان سے کھانا لے کر کھاتا تھا۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے۔"

شاہ صاحب کی طبیعت میں حفاظت اور توکل کا جذبہ حد درجہ تھا' ہر قسم کی فتوح ان کے دروازے تک آتی تھی لیکن وہ ایک ہاتھ سے لیتے تھے اور دوسرے سے تقسیم کر دیتے تھے۔ حجرہ مبارک میں صرف ایک بوریا تھا اس پر نماز نوافل پڑھتے تھے اور اسی کو سونے کے وقت تخت پر بچھا لیتے تھے' گرمیوں میں لنگی سرہانے رکھ کر استراحت فرماتے تھے۔ جاڑوں میں اس لنگی کو استراحت کے وقت جسم مبارک پر ڈال لیتے تھے۔ شاہ صاحب اپنے مریدوں کو بھی یہی ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ وہ صابر و شاکر و قانع بنیں۔

(تاریخ مشائخ چشت: ص۶۲۴۔۶۲۵)

☆ ...... خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۰۵ھ کے ممتاز خلیفہ خواجہ محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہ کا لنگر ابتدائی زمانے سے ہی جاری تھا' طلبہ اور فقراء کو اس سے کھانا ملتا تھا لیکن ایک زمانہ قاضی صاحب پر ایسا بھی گزرا تھا کہ مسلسل فاقہ رہتا تھا اور لنگر کے سب متعلقین فقراء اور طلباء کو یہ مصائب برداشت کرنا پڑتے تھے۔ خواجہ گل محمد احمد پوری اس تنگی اور عسرت کے زمانہ میں قاضی صاحب کی خانقاہ میں رہتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ جب فتوح میسر نہ آتی تو کچھ نہ پکتا تھا جب کچھ آ جاتا تو کھانے کا انتظام ہو جاتا لیکن خود خواجہ عاقل صاحب کا یہ عالم تھا کہ جب تک تمام متعلقین درویش اور طالب علم کھانا نہ کھا لیتے خود کھانے کو ہاتھ تک نہ لگاتے

تھے۔

خواجہ گل محمد ہی نے لکھا ہے کہ ان کے متعلقین وغیرہ کی تعداد پانچ سو تھی اور یہ تعداد اس وقت تھی جب فقروفاقہ کے مصائب بھی برداشت کرنے پڑتے تھے جب باب فتوح کھل گیا تو لنگر سے کھانے والوں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی کہ اندازہ لگانا مشکل ہو گیا۔ لکھا ہے:

''درآں وقت نہ واردین را تعداد بود' نہ طعام را انداز' یکید ربار شاہنشہی بود''

''اس وقت نہ آنے والوں کا شمار تھا' نہ کھانے کا اندازہ ایک شاہی دربار تھا جو چلتا رہتا تھا۔''

(تاریخ مشائخ چشت' ج ۵' ص ۳۰۵' ادارہ ادبیات دلی' بحوالہ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۴۹)

☆...... والد بزرگوار کے وصال کے بعد شیخ صدرالدین جب رُشد و ہدایت کی مسند پر بیٹھے تو ترکہ میں سات لاکھ نقد ملی مگر ساری رقم ایک ہی روز فقراء و مساکین میں تقسیم کرادی اور اپنے لیے ایک درہم بھی نہ رکھا۔ کسی نے عرض کی: ''آپ کے والد بزرگوار اپنے خزانے میں نقد جنس جمع رکھتے تھے اور اس کو تھوڑا تھوڑا صرف کرنا پسند کرتے تھے آپ کا عمل بھی انہی کی روش کے مطابق ہونا چاہیے تھا۔''

شیخ نے ارشاد فرمایا: ''حضرت بابا دنیا پر غالب تھے اس لیے دولت ان کے پاس جمع ہو جاتی تھی مگر مجھ میں یہ وصف نہیں اس لیے اندیشہ رہتا ہے کہ دنیا کے مال کے سبب سے دنیا کے فریب میں مبتلا نہ ہو جاؤں اس لیے میں نے ساری دولت علیحدہ کردی۔''

(بزمِ صوفیہ' ص ۱۰۷)

شاہ رکن الدین ملتانی کا شاہی استقبال

سلطان علاؤالدین خلجی کے زمانے میں حضرت خواجہ رکن الدین ملتانی علیہ الرحمۃ ایک بار ملتان سے دہلی تشریف لائے تو سلطان نے شاہی وفد کے ساتھ دہلی سے باہر ان کا استقبال کیا اور بڑے اعزاز و اکرام سے ان کو دہلی لایا اور دو لاکھ ٹنکے نذر کیے پھر رخصت کے وقت پانچ لاکھ نذر کیے۔ حضرت شیخ رُکن الدین نے دہلی چھوڑنے سے پہلے یہ کل رقم

فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دی۔ سلطانِ وقت کی طرف سے اس اعزاز واکرام کے باوجود فرماتے ہیں' ملتان سے دہلی صرف حضرت نظام الدین اولیاء کی محبت اور شوق ملاقات میں آتا ہوں۔ حضرت نظام الدین اولیاء کو بھی ان سے قلبی لگاؤ تھا جب وہ سلطان کی دعوت پر دہلی آئے تو اگر ایک طرف ان کے استقبال کے لیے سلطانِ وقت اپنے خدم وحشم کے ساتھ تھا تو دوسری طرف مومن علائی کے پاس سلطان الاولیاء بھی اپنی جلالت اور عظمت کے ساتھ ان کے لیے چشم براہ تھے۔

(بزمِ صوفیہ' ص ۲۶۳)

☆...... حضرت صاحب (حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ) کے پاس بکثرت سائل آتے اور کوئی محروم نہ جاتا۔ آپ سب کو علی قدر مراتب عطا فرماتے۔ ایک بار احقر (تھانوی) حاضر تھا کہ ایک سائل آیا۔ آپ نے دے کر رخصت کیا چونکہ اس وقت شاید کوئی مضمون دلچسپ بیان ہو رہا تھا۔ بعض خدام نے تنگ دِلی کے لہجہ میں عرض کیا:

"اس قدر کثرت سے یہ لوگ آتے ہیں اور موقع محل کچھ نہیں دیکھتے۔"

حضرت صاحب نے ارشاد فرمایا: "بھائی سائلوں سے تنگ نہ ہونا چاہیے تم کو خبر بھی ہے کہ یہ لوگ حمال ہیں' تمہارے ذخیرہ اور مال کے آخرت کی طرف' اگر یہ لوگ صدقات کو قبول نہ کریں تو بڑا حصہ خیرات کا آخرت میں پہنچنا محال ہو تو واقعہ میں یہ لوگ ہمارے محسن ہیں کہ ہمارا بوجھ اُٹھا اُٹھا کر وہاں پہنچا رہے ہیں۔"

(کتاب' کمالات الامدادیہ' ص ۴۴ تا ۱۴۳' کمال نمبر ۱۵)

لنگر میں روزانہ ہزار من آٹا پکتا

☆...... مناظر احسن گیلانی نے لکھا ہے: "ہندوستان کی اکثر تاریخوں میں ملے گا کہ جلال الدین خلجی کے عہد میں مولہ نامی دِلی میں ایک درویش تھے۔ ملا عبدالقادر بداؤنی نے لکھا ہے کہ ان کی خانقاہ میں: "ہزار من میدہ و پانصد من مسلوخ (گوشت بنا بنایا) وسہ صد من شکر خرچ یومی شیخ بود کہ در لنگر بکار می رفت" (ص ۱۷۰)

(ظفر الوالہ جو گجرات کی عربی زبان میں ایک مبسوط تاریخ ہے' ا میں اس لفظ

''مولہ'' کا تلفظ درج کرتے ہوئے لکھا ہے: ''بتشدید اللام المفتوحہ لفظ ''مولہ'' کا صحیح تلفظ ہے اس میں شیخ مولہ کے متعلق لکھا ہے کہ کان سیدی مولہ مع سعۃ تصرفہ یقتصر فی الملبوس علی رداء من قطن وازار وفی الماکول علی قرص خبز من دقیق الارز وقلیل الادم من جنس البقول الحب کثیر الریاضۃ والمجاھدۃ لا زوجۃ لہ ولا غلام یخدمہ ولا یقبل الفتوح' ص ۲۶۷ ج ۲ یعنی سیدی مولہ ان تصرفات کے باوجود خود سادہ لباس رکھتے تھے۔ ایک سوتی چادر' ایک لنگی' کھانے میں چاول کی روٹی کسی ترکاری کے ساتھ جس میں گوشت وغیرہ نہ ہوتا۔ مجاہدہ اور ریاضت کے سختی کے ساتھ پابند تھے۔ ان کی نہ بیوی تھی' نہ کوئی غلام خدمت کرنے والا' لوگوں سے نذر ونذور فتوحات بھی نہیں لیتے تھے۔'')

اگر من سے وہی چالیس سیر والا ہندوستانی من مراد ہے اور غالباً وہی مراد ہے بھی کہ اور جہاں کہیں بھی من کا لفظ اس زمانہ کی کتابوں میں استعمال کیا گیا ہے اس سے وہی ہندوستانی من مقصود ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ ایسی صورت میں ہزار ہزار من آٹے کی روٹیوں اور پانچ پانچ سو من گوشت کے روزانہ کھانے والوں کی تعداد کیا ہوگی اور واقعہ تو یہ ہے کہ بجائے خود یہ اس اولوالعزمی کی دلیل ہے جو اس زمانے میں مسلمانوں کے اندر پائی جاتی تھی۔ اللہ اللہ ہم آج جس چیز کو سوچ بھی نہیں سکتے اسے حکومت نہیں بلکہ مسلمانوں کے عام افراد اسے انجام دیتے تھے آخر روزانہ اتنی بڑی مقدار میں کھانا پکوانا اور کھلانا بغیر کسی معمولی سلیقہ نظم کے ممکن نہیں ہے لیکن قومیں جب زندہ ہوتی ہیں تو ان پر ایسی باتیں بلکہ ان سے بھی عجیب تر باتیں آسان ہو جاتی ہیں اور جب مردنی چھا جاتی ہے تو دو آدمی کے کھانے پینے کا انتظام بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ ملا صاحب نے لکھا ہے کہ رفتہ رفتہ جب سیدی مولہ کے اس ''خوان یغما'' کی خبر بادشاہ وقت (جلال الدین خلجی) کے کانوں تک پہنچی تو خود اسے بھی تعجب ہوا اور شاید کچھ خطرہ بھی' آخر ''شبے بہ لباس ناشناس در خانقاہ اور رفتہ تصرف او را نچہ شنیدہ بود زیادہ یافت''

ملا عبدالقادر نے اس کی تصریح بھی کی ہے کہ سیدی مولہ کا دسترخوان سب کے لیے کشادہ تھا' عام اور خاص کی کوئی تفریق نہ تھی۔

''مردم نامی وسرداران معتبر وسائر خواص وعوام پیوستہ ملازم خانقاہ او بودندے''

شیخ محدث دہلوی نے بھی اخبار الاخیار میں سیدی مولہ کا عنوان قائم کر کے لکھا ہے:

''اتباع ومریداں بسیار داشت و بمردم طعام می داد'' (ص ۷۳)

جیسا کہ میں نے عرض کیا' اپنی مقدار و وسعت کے لحاظ سے سیدی مولہ کا دستر خوان جو کچھ بھی خصوصیت رکھتا ہو لیکن خانقاہی لنگر خانوں کے دروازے عموماً ہر کہ وہ مہ خاص وعام کے لیے کھلے رہتے تھے اس میں ان کی کوئی خصوصیت نہ تھی۔ اکبر کے ابتدائی عہد میں شیخ فخر الدین نامی ایک بزرگ تھے۔ ملا عبدالقادر ہی نے ان کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ سماع کے بعد دستور تھا: ''سفرہ (دستر خوان) می کشیدند شاہ و درویش گرداو برابر بود''

انتہا اس عمومیت کی یہ تھی کہ بیرم خان خاناں جو اس زمانہ میں وزیر ہی نہیں بلکہ مدار کل اور حقیقی معنوں میں وہی حکمران تھا' لکھا ہے: ''بیرم خاں نماز جمعہ اکثر در مسجد اومی گزارد...... و در تناول طعام وسائر آداب مجلس ہیچ امتیاز از سائر الناس نداشت'' (ص ۸' ج ۳)

غربت و امارت کا یہ سنگم یعنی صوفیہ صافیہ کا یہ طبقہ جہاں امراء و غرباء دونوں ایک حیثیت سے حاضر ہوتے تھے اس نظم سے غریب حاجت مند مسلمانوں کی کتنی حاجت روائیاں ہوتی تھیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلامی عہد کا کوئی زمانہ اور ان دنوں ہندوستان کا شاید ہی کوئی صوبہ کوئی علاقہ ایسا ہوگا جہاں تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ وَتُقْسَمُ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ۔

''امیروں سے ان کے لیا جائے اور غریبوں پر بانٹ دیا جائے۔''

کے نبوی فرمان کی تعمیل میں اربابِ صدق وصفا کا یہ طبقہ مشغول نہ تھا خصوصاً جن بزرگوں کو کسی خاص وجہ سے امراء اور اربابِ ثروت پر اثر قائم ہو جاتا تھا۔ یوں سمجھیے کہ غرباء کی قسمت جاگ اٹھتی تھی۔ (ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم وتربیت' ص ۲۱۷ تا ۲۲۰)

(۱۹۷)

عظیم باپ کی عظیم بیٹیاں

حضرت محمد بن سوید طحان علیہ الرحمۃ سے منقول ہے کہ جس دن علم وعمل کے پیکر، مردِ قلندر، امام جلیل امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کو خلقِ قرآن کے مسئلہ پر نہایت بے دردی سے کوڑے مارے جا رہے تھے اور آپ کوہِ استقامت بن کر ظلم وستم کی خطرناک آندھیوں کا سامنا کر رہے تھے اس دن، ہم حضرت سیدنا عاصم بن علی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھے۔ ابن عبید قاسم بن سلام، ابراہیم بن ابولیث کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ وہاں موجود تھے، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں سے فرمایا:

''کیا تم میں کوئی ایسا مردِ مجاہد ہے جو میرے ساتھ ظالم حاکم کے پاس چلے تاکہ ہم اس سے پوچھیں کہ وہ امامِ جلیل رحمۃ اللہ علیہ پر ظلم وستم کیوں کر رہا ہے؟''

حضرت سیدنا عاصم بن علی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ چلنے کے لیے کوئی بھی تیار نہ ہوا۔ ظالم حاکم کے پاس جانے سے سب گریز کر رہے تھے۔ ابراہیم بن ابولیث رحمۃ اللہ علیہ کھڑے ہوئے اور کہا: ''اے ابوالحسن! میں آپ کے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔'' ان کا یہ جذبہ دیکھ کر حضرت سیدنا عاصم بن علی رحمۃ اللہ علیہ نے حیران ہوتے ہوئے کہا:

''اے نوجوان! کیا تم میرے ساتھ چلو گے؟ اچھی طرح سوچ لو کہ ہم کس کے پاس جا رہے ہیں؟'' کہا: ''اے ابوالحسن! میں نے خوب سوچ لیا ہے، میں ضرور بالضرور آپ کے ساتھ اس ظالم حاکم کے پاس جاؤں گا۔ مجھے تھوڑی سی مہلت دیجیے تاکہ گھر جا کر اپنی بیٹیوں کو وصیت اور انہیں دین پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کر آؤں۔''

یہ کہہ کر وہ اپنے گھر کی طرف چلے گئے، ہم سمجھ رہے تھے کہ یہ اپنے لیے کفن وغیرہ کا انتظام کرنے گئے ہیں کیونکہ ظالم حاکم کے پاس جانا موت کو دعوت دینا تھا۔ بہر حال کچھ دیر

بعد واپس آئے تو حضرت سیدنا عاصم رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: ''کیا تم تیار ہو؟''

کہا: ''ہاں! میں بالکل تیار ہوں، بچیوں کو وصیت کر آیا ہوں۔ جب میں نے انہیں بتایا کہ میں حاکم کے پاس جا رہا ہوں تو وہ رونے لگیں، میں انہیں روتا چھوڑ آیا ہوں۔''

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ قاصد حضرت سیدنا عاصم بن علی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحب زادیوں کا خط لے کر آیا۔ خط میں لکھا تھا:

''اے ہمارے محترم والد! ہمیں خبر پہنچی ہے کہ ایک ظالم شخص، امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کو قید کر کے کوڑے لگوا رہا ہے تاکہ وہ یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں کہ کلام اللہ (قرآن پاک) مخلوق ہے۔ اے ابا جان! اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، ہمت و استقامت سے کام لینا، باطل کے سامنے ہرگز ہرگز سر نہ جھکانا، امام جلیل رحمۃ اللہ علیہ کے حوصلہ و ثابت قدمی کو پیشِ نظر رکھنا اگر حاکمِ بد آپ کو ناحق بات کہلوانا چاہے تو ہرگز غلط بات نہ کرنا، خدائے بزرگ و برتر کی قسم! آپ کی موت کی خبر آنا ہمیں اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ آپ موت کے خوف سے ناحق بات تسلیم کر لیں، جان جاتی ہے تو جائے مگر ایمان نہ جائے۔'' والسلام: عظیم باپ کی بیٹیاں۔ (عیون الحکایات)

(سبحان اللہ! کیسی عظیم اولاد تھی اس عظیم ولی کی، یہ سب اچھی تربیت کا نتیجہ تھا۔ حضرت سیدنا عاصم بن علی رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی نہج (طریقہ) پر اپنی عظیم بیٹیوں کی تربیت کی، انہیں دین کی حفاظت کا ذہن دیا، ظلم و جبر کے سامنے نہ جھکنے کی ترغیب دی۔ یہی وجہ تھی کہ وہی بیٹیاں اپنے باپ کا حوصلہ بڑھا رہی تھیں، ظالم کے سامنے ڈٹ جانے کی تلقین کر رہی تھیں، انہیں باپ کی شہادت اس زندگی سے عزیز تھی جو ظالم کے سامنے جھک کر گزرتی۔ وہ واقعی عظیم باپ کی عظیم بیٹیاں تھیں۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ اپنے گھر میں دین اپنانے کا ذہن دے۔ اپنے بچوں کو صلوٰۃ و سنت کا پابند بنانے کے لیے خوب تگ و دو (کوشش) کرے، اللہ تعالیٰ ہماری آنے والی نسلوں کو ایسا جذبہ عطا فرمائے کہ ہر دم دینِ متین کی خدمت کریں اور دینِ اسلام کی سربلندی کے لیے ہر دم کوشاں رہیں۔)

میری آنے والی نسلیں تیرے عشق ہی میں مچلیں
انہیں نیک تم بنانا مدنی مدینے والے!

(۱۹۸)

اللہ تعالیٰ اس کی گھات میں تھا!

اس کی کل پونجی ایک گائے تھی اسی پر اس کی زندگی کا انحصار تھا لیکن مجبوری بڑی بلا ہے' اپنا ردِ عمل ضرور ظاہر کرتی ہے اور اپنا رنگ دِکھلائے بغیر نہیں رہتی اس لیے تو کہتے ہیں:

''مفلسی میں آٹا گیلا''

اس نے مجبور ہو کر بالآخر اپنی گائے بیچ ڈالی۔ گائے کی قیمت ساڑھے تین ہزار درہم لگی اس نے یہ رقم لے کر بڑی احتیاط سے ایک تھیلے میں چھپائی اور اپنے گھر روانہ ہو گیا۔ واپسی کے سفر میں اس کے چہرے پر حسرت و غم کے آثار پھیل گئے' وہ رہ رہ کر سوچ رہا تھا کہ قلاشی ہمارے گلے کا ہار ہو گئی ہے۔ فقر و فاقہ کے دن گزر رہے ہیں' کہیں سے آمدنی کا کوئی امکان نہیں ایسے کڑے وقت میں جب بیوی کو معلوم ہو گا کہ گائے بھی بک گئی ہے تو اس پر کیا بیتے گی؟ اور میں اس کے حسرت ناک سوالوں کا کیا جواب دوں گا؟ اسی فکر و وحشت میں اس کے ڈولتے ڈگمگاتے قدم آگے بڑھتے رہے۔ بالآخر وہ گھر پہنچ گیا' دروازے پر دستک دی' بیوی لپک کر آئی' دروازہ کھولا اور وہ مرجھائے ہوئے دل اور جھکے ہوئے سر کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ یہ حالت دیکھتے ہی بیوی نے تشویش ناک انداز میں پوچھا:

''ارے! آپ خالی ہاتھ آئے ہیں؟'' اُف!...... کیا......؟ کیا آپ نے گائے بیچ ڈالی؟...... صرف یہی ایک گائے تو ہماری آخری پونجی تھی۔''

''گھبراؤ مت بیگم! اللہ تعالیٰ ہمیں اس کا اچھا بدلہ عنایت کرے گا' قادرِ مطلق کے لیے کوئی بات مشکل نہیں۔'' شوہر نے بیوی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

فضا میں شام چھا جانے کو تھی' سورج اپنی شعاعیں سمیٹ رہا تھا' شفق کے سرخ مناظر

اس دن کو آخری سلامی دے رہے تھے اور پھر کچھ دیر بعد دیکھتے ہی دیکھتے دن کی روشنی چھپ گئی اور رات اُترنے لگی' سردی کی لہر اپنے شباب پر تھی۔

ابوحسن اور اس کی بیوی اپنے معمولی سے کمرے میں مغموم بیٹھے تھے' گائے بک جانے کے بعد اب وہ اپنی گزربسر کا کوئی اور ذریعہ ڈھونڈنے کی فکر میں تھے۔ وہ اپنی چھوٹی سی کٹیا آباد رکھنا چاہتے تھے اس دوران اُمِ حسن اپنے لختِ جگر کو شیشی کے دودھ کے ذریعے بہلا پھسلا رہی تھی تا کہ بچے کا دودھ چھڑانے میں کامیاب ہو جائے۔ اتنے میں دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

ابوحسن نے دروازہ کھولا' سامنے ایک آدمی کھڑا تھا' وہ بارش اور سردی کی شدت سے تھر تھر کانپ رہا تھا اس نے نہایت عاجزی سے کہا: "میں اجنبی ہوں' سردی کے شدید طوفان میں تمہاری بستی میں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا ہوں یہاں میری کسی سے جان پہچان نہیں' مجھے حمص جانا ہے لیکن راستے میں مجھے رُکنا پڑا۔"

ابوحسن نے کہا: "ہم آپ کے لیے بھلا کیا مہیا کر سکتے ہیں' ہمارا گھر اس قدر تنگ ہے کہ ہمیں مہمانوں کے استقبال کی اجازت نہیں دیتا۔"

اجنبی بولا: "صرف سردی سے بچنے کا بندوبست کر دو' میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ بس رات گزارنے کی اجازت دے دو' مجھے اور کسی چیز کی حاجت نہیں' میں تم پر کسی خرچ کا بوجھ نہیں ڈالوں گا۔"

ابوحسن نے اسے بتایا: "ہمارے پاس صرف یہی ایک ننھا سا کمرہ ہے اس میں میرے ساتھ میری بیوی اور ہمارا چھوٹا سا بچہ سو رہا ہے اس لیے ہم آپ سے معذرت خواہ ہیں۔ افسوس! ہم آپ کی خدمت نہیں کر سکتے۔"

اجنبی نے کہا: "میں کمرے کے ایک کنارے سو رہوں گا' تم دوسری جانب سو جانا' تم میرے اور اپنے درمیان کوئی پردہ ڈال لو' اللہ تعالیٰ تمہیں اجر دے گا۔"

یہ عاجزانہ باتیں سن کر اُمِ حسن کا دل پسیج گیا اس نے شوہر سے کہا: "اے ابوالحسن! اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے گا۔ ممکن ہے اس اجنبی مہمان کے ساتھ حسنِ سلوک کے صلے میں اللہ

تعالیٰ ہماری مصیبتوں کا پہاڑ ٹال دے۔''

پھر دونوں میاں بیوی نے اجنبی مہمان کا پُر تپاک استقبال کیا جو کچھ اوڑھنا بچھونا میسر تھا' مہمان کو فراہم کر دیا۔ خود بستر پر لیٹ رہے' چند ہی لمحے گزرے تھے کہ ابوالحسن اور اس کی بیوی دونوں ایسی غفلت اور غلبے کی نیند سوئے کہ خراٹے لینے لگے اس کی وجہ یہ تھی کہ دونوں میاں بیوی دن بھر کی زبردست محنت ومشقت کے باعث بہت تھکے ہوئے تھے۔

دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است

ادھر اجنبی گھر والوں کو بغور تاڑ رہا تھا جب اسے یقین ہو گیا کہ دونوں میاں بیوی دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر گہری نیند میں غرق ہو چکے ہیں اور ان کے پہلو میں ان کا دودھ پیتا بچہ بھی مزے سے سو رہا ہے تو وہ نہایت آہستگی سے اُٹھا اور دبے پاؤں چلتا ہوا بچے کی جگہ تلاش کرنے لگا پھر جلدی بچے کو اُٹھایا اور کمرے سے باہر آنگن میں ڈال آیا...... پھر جلدی سے اپنے بستر پر آ کر اس طرح لیٹ گیا جیسے گہری نیند سو رہا ہو...... باہر کھلی فضا میں بچے کو سردی لگی تو وہ رونے اور چلانے لگا۔ بچے کے رونے کی آواز سن کر ماں فوراً جاگ اُٹھی۔ بچے کو ڈھونڈا لیکن بچہ بستر پر موجود نہ تھا اس نے شوہر کو جگایا اور کہا: ''شاید ہمارا بیٹا کھسکتے کھسکتے آنگن میں چلا گیا ہے' آیئے جلدی اُٹھیے اسے اُٹھا کر بستر پر لے آئیں ورنہ اسے ٹھنڈ لگ جائے گی۔''

دونوں میاں بیوی لپک کر بستر سے اُٹھے اور بچے کو لینے آنگن میں گئے۔ ماں نے بیٹے کو دیکھتے ہی چھاتی سے چمٹا لیا اور کہنے لگی: ''میرے پیارے! میرے لختِ جگر! میرے بچے! اس کڑاکے کی سردی میں تو بستر سے یہاں کیوں آ نکلا؟...... ابھی دونوں میاں بیوی اپنے لختِ جگر کو لے کر کمرے کی طرف بڑھ ہی رہے تھے کہ یکا یک اس کی چھت دھڑام سے گر پڑی اور پھر پورا گھر منہدم ہو گیا۔ میاں بیوی سکتے کے عالم میں جہاں تھے وہیں کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔

پڑوسیوں نے چھت گرنے کا شور سنا تو فوراً مدد کے لیے آ پہنچے۔ ابوحسن نے بلند آہنگی سے کہا: ''لوگو! ہمارے گھر میں ایک مہمان ہے' اسے بچانا ہمارا فرض ہے۔''

پھر ابوالحسن اور چند پڑوسی مکان کا ملبہ اُٹھا اُٹھا کر ابوالحسن کی چارپائی تک پہنچے وہاں

مہمان کی لاش ملبے تلے دبی پڑی تھی اس کے ہاتھ میں نقدی کی وہ تھیلی موجود تھی جس میں ابوالحسن نے گائے کے عوض ملنے والی رقم چھپا رکھی تھی۔ اجنبی ابوالحسن کے تکیے کے نیچے سے یہ تھیلی اُٹھا کر رفو چکر ہونے والا تھا کہ ملبے تلے دب گیا۔

دراصل اس چور نے ابوالحسن کو بازار میں گائے بیچ کر اس کی قیمت تھیلے میں رکھتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور طے کر لیا تھا کہ کسی نہ کسی طرح وہ یہ تھیلا ہتھیا کر رہے گا چنانچہ اس نے یہ مال اُچکنے کی منصوبہ بندی کی اور ابوالحسن کے پیچھے پیچھے چل پڑا جب اس نے ابوالحسن کو گھر میں داخل ہوتے دیکھا تو کچھ دیر بعد وہ دروازے پر آیا' دستک دی اور حیلہ سازی کی۔ اسے گھر والوں کی جانب سے رات گزارنے کی اجازت مل گئی پھر اس نے ابوالحسن اور اس کی بیوی کے سو جانے پر ان کی توجہ بچے کی طرف مبذول کرانے کے لیے بچے کو بستر سے اُٹھا کر باہر صحن میں ڈال دیا اور اسے روتا ہوا چھوڑ دیا تاکہ میاں بیوی بے قرار ہو کر بچے کو لینے کے لیے کمرے سے نکل جائیں اور اسی دوران وہ تھیلے پر ہاتھ صاف کر لے۔

اس چور نے ابوالحسن کو تھیلا تکیے کے نیچے رکھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ اس غریب کی رقم اُچکنے کی فکر میں تھا جب کہ اللہ تعالیٰ اس کی گھات میں تھا اور اس احسان فراموش انتہائی گیرے کی تدبیر کے پیچھے پیچھے اللہ تعالیٰ کی تدبیر بھی چل رہی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس مجرم کو جلد ہی اس کے عبرت ناک انجام تک پہنچا دیا اور وہ ملبے کے ڈھیر میں دب کر ہمیشہ کی نیند سو گیا جب کہ بچے کے ساتھ ساتھ اس کے غریب والدین کو اللہ نے اس بُرے انجام سے بچا لیا۔

انسان یقیناً غافل ہو سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ ہرگز غافل نہیں ہو سکتا جو ہمیں ہر دَم دیکھ رہا ہے لوگوں پر جب اصل بھید کھلا اور وہ اس احسان فراموش مجرم کے کرتوت سے آگاہ ہوئے تو کہنے لگے: ''گناہ اپنا تاوان لیے بغیر نہیں رہتا جب یہ چور چوری کر کے بھاگنے والا تھا تو اس سمیع وبصیر پروردگار کی نگران نگاہ اسے دیکھ رہی تھی جسے نیند آتی ہے نہ اونگھ! اس نے ذرا بھی دیر نہیں لگائی اور اس بدمعاش کو فوراً کیفرِ کردار تک پہنچا دیا۔'' دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است!

(قصص هادفة من واقع الحياة لمحمود درويش (معمولی تصرف کے ساتھ)

(۱۹۹)

مجھے توان کے مقدر پہ رشک آتا ہے

شاہ بھیک قدس سرہ جن کا اصل نام سید محمد سعید تھا' حضرت شاہ ابوالمعالی (انبیٹھا) سہارن پور کے ارشد خلفاء میں سے ہیں۔ بہادر شاہ کے انتقال کے بعد جب معزالدین جہاندار شاہ دلی کے تخت پر قابض ہو گیا تو اس زمانہ کا ایک امیر ظفر خان حضرت سے مشورہ گیر ہوا کہ جہانداد شاہ کے مقابلہ میں فرخ سیر جو اُٹھ کھڑا ہوا ہے' میں کس کا ساتھ دوں؟ آپ نے فرخ سیر کی رفاقت کا مشورہ دیا۔ وہ اپنی فوج کے ساتھ فرخ سیر سے جاملا۔ جیسا کہ معلوم ہے قسمت نے دِلی کے تخت کا فیصلہ فرخ سیر کے لیے کیا۔ ظفر خان کی بن آئی اور نواب روشن الدولہ ظفر خان کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ سہ ہزاری کا منصب بخشی گیری کا عہدہ فرخ سیر کی طرف سے ان کو عطا ہوا چونکہ یہ کامیابی حضرت والا کے مشورہ کی راہ سے روشن الدولہ کو حاصل ہوئی تھی۔ قدرتاً وہ شاہ بھیک صاحب کے انتہائی عقیدت کیشوں میں تھا اور نواب روشن الدولہ کی وجہ سے فرخ سیر خود اور اس کے دربار کے امراء حضرت کے معتقدوں میں شریک ہو گئے۔ ان کے تذکرہ میں جس کا نام ''ثمرۃ الفوائد'' ہے اور ان کے براہِ راست مرید مولوی محمد لطف اللہ مرحوم کی تصنیف ہے اس کتاب میں حضرت شاہ بھیک کے دادو دہش کے قصوں کی ایک طویل فہرست درج ہے۔ مولوی لطف اللہ نے لکھا ہے:

''حضرت کی خانقاہ میں ذاکرین وشاغلین کی تعداد' پانصد کس دراوائل حال بدائرہ (خانقاہ) شریف...... بیادالٰہی مشغول بودند'' ان کے سوا ''ہمیں قدر مجمع صادر ووارد ہر روز تا ہزار کس بودہ باشد'' (ص ۱۷۲) اور دونوں وقت انسانوں کی اتنی بڑی تعداد کو حضرت کی

خانقاہ سے کھانا پہنچایا جاتا تھا۔"

اسی کتاب میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ روشن الدولہ خود حضرت والا کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوا کہ حضرت کی خانقاہ کی شان دار عمارت تعمیر کرائے، اپنے ساتھ مبلغ ہفتاد ہزار روپیہ بجہت روضہ شریفہ آوردہ اور عرض گزار ہوا: "ایں قدر زر را ہمراہ آوردہ انچہ دیگر مطلوب خواہد باشد طلبیدہ می شود"

شاہ بھیک نے روشن الدولہ سے یہ سن کر فرمایا: "بافعل مبلغ را یک جا جمع دارند شما آرام کنید بوقت سہ پہر آں نمودہ معماراں را طلبیدہ شروع عمارت کردہ خواہد شد"

روشن الدولہ ستر ہزار کی ان تھیلیوں کو حضرت کے پاس چھوڑ کر اپنی بارگاہ کی طرف آرام کے لیے چلا گیا ادھر شاہ بھیک صاحب نے "درویشاں را طلبیدہ زر نذکور خانہ بخانہ بیوہ زناں و محتاجاں و مسکیناں ساکنان انبالہ و تھانیسر و سرہند و پانی پت وغیرہ تقسیم نمودند کہ یک حبہ باقی نگذاشتند" (ص ۱۱۹)

روشن الدولہ بیچارہ سہ پہر کے وقت حاضر ہوتا ہے اور آپ فرماتے ہیں:

"بناء خانقاہ را چہ قبولیت شدہ کہ بچندیں گوشہ نشیناں و محتاجاں رسیدہ...... ما فقیر را عمارت عالی چہ کار است"

روشن الدولہ نے یہ سن کر عرض کیا: "بسیار مستحسن و بجا شد خزانہ دیگر ہم موجود است"

اسی کتاب میں لکھا ہے: "روزے قاصد مرسلہ بادشاہ محمد فرخ سیر و نواب روشن الدولہ و نواب عبداللہ خان مع عرائض و ہنڈیات مبلغ سہ لک روپیہ رسید"

شاہ صاحب کو خبر ہوئی تو ارشاد ہوا کہ حسب استحقاق لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے:

"بموجب امر عالی قصبہ پانی پت و رام پور و کرنال و انبیٹھ و گنگوہ وغیرہ قسمت نمودہ۔" (ص ۱۱۹)

اسی میں لکھا ہے کہ حضرت شاہ بھیک کا: "معمول چناں بود کہ در سفر و حضر تا نصف اللیل دروازہ باز می ماند و سائلے کہ می آمد محروم نمی رفت از نقد و جنس و طعام و پارچہ ہر چہ میسر و موجود بودے انعام می فرمودے۔" (ص ۱۱۸)

اس کتاب میں آپ کے داد و دہش اور عام بذل و کرم کے جو قصے درج ہیں اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل مضمون بن سکتا ہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ کتنی بیوہ عورتوں کی لڑکیوں کی شادیاں حضرت نے کرائیں۔ کتنوں کو ان امیروں کے پاس نوکریاں دِلوائیں' کتنے مظلوموں کو ظالم حکام کے پنجوں سے اپنے اثر سے کام لے کر آپ نے خلاصی دِلوائی۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ کسی ایک شخص کا حال نہ تھا' ان بزرگوں کے دیگر مشاغل و مکاسب میں ایک اہم چیز یہ بھی تھی ان ہی دنوں میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے شیخ سیف الدین بن عروۃ الوثقی شیخ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کا قیام عموماً دِلی میں رہتا تھا' لکھا ہے: ''محمد اورنگ زیب و شاہزادگان و امراء را بخدمت ایشاں ارادتے پیدا شد در امر معروف و نہی منکر کوشش بلیغ می داشتند۔''

لیکن امراء کی ارادت سے جو نفع اُٹھایا جاتا تھا وہ یہ تھا: ''یک ہزار و چہار صد کس را موافق رغبت و فرمائش ہر یک از خانقاہ ایشاں ہر روز دو وقت طعام عنایت می شد''

(مناقب العارفین)

خانقاہِ شاہ بولن علیہ الرحمہ

ایک دلچسپ کہیے یا دل دوز واقعہ کہ تیرہویں صدی کے ایک بزرگ جن کا عرفی اور مشہور نام شاہ بولن تھا' سہارہ کے رہنے والے تھے۔ صاحب مناقب العارفین جوان کے دیکھنے والوں میں ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے:

''در خانقاہ خود وارد و صادر را طعام می دادند' گویا لنگر خانہ وے حضرت سفرہ عام بود چہ دشمن و چہ دوست دریغ نمی داشتند''

اتفاق سے اسی زمانہ میں غدر کا فتنہ ہندوستان میں شروع ہوا لیکن اس زمانہ میں بھی شاہ بولن کا لنگر خانہ جاری رہا اسی کتاب میں ہے:

''در ایام غدر ہندی در لنگر خانہ وے حضرت دوست و دشمن می آمدند و طعام می خوردند و می رفتند۔''

انگریزی حکومت اور اس کے ارباب حل وعقد اسلامی فقراء کے اس طرزِ عمل سے واقف نہ تھے۔ ان تک یہ خبر پہنچی کہ شاہ بولن نامی فقیر سرکار کے باغیوں کو کھانا کھلاتا ہے حالانکہ ان بے چارے کو کیا خبر کہ کون باغی ہے اور کون غیر باغی۔ بقول صاحب مناقب:

''دے حضرت با کسے حاجتے وکارے نداشتند''

لیکن حکومت کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ امیروں سے لے کر مفت غریبوں میں کھانا بلاوجہ تقسیم کرنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ شاہ صاحب پر بھی بغاوت کا مقدمہ قائم ہوا اور:

''بجرم آں کہ دشمنانِ حاکم را مدارات می کردند وطعام می دادند...... باعث گرفتاری و رسانیدوے حضرت در جزیرہ مذکور (انڈمان) شدہ بود۔''

(مناقب ص ۵۴۷)

''در جزیرہ انڈمان مدفون گشتند''

ہر شخص کی رغبت اور فرمائش کے مطابق ہزار ہزار چودہ چودہ سو آدمیوں کو روزانہ کھانا کھلانا کیا کوئی معمولی بات ہے لیکن وہ بیٹھے اسی لیے تھے کہ منجملہ دیگر مہمات کے ایک مہم ان غریبوں تک روزی پہنچانے میں ذریعہ بننا بھی تھا۔

اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کی زندگی کے نمونے:

''تَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتُعِيْنُ الْاَخْرَقَ۔''

کی اتباع میں ان کو جو لذت ملتی تھی، دردنا آشنا قلوب اس کی حلاوتوں کو کیا محسوس کر سکتے ہیں؟

(مسلمانوں کا نظامِ تعلیم وتربیت ص ۲۲۳ تا ۲۲۴ طبع حیدرآباد دکن)

محدث علی پوری علیہ الرحمہ اور اہلِ مدینہ کی خدمت

انسانی اخلاق وکمالات میں غنا اور جود وسخا ایک خدائی صفت ہے جو اللہ کریم اپنے محبوب اور خاص بندوں کو عنایت فرمایا کرتا ہے

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری میں جود وکرم کا وصف کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا' زندگی بھر کچھ جمع کر کے نہیں رکھا حتیٰ کہ ترکہ صرف دو روپے چھوڑے اور یہ بھی شیروانی کی جیب میں شاید بھولے سے رہ گئے ہوں گے جو کچھ آتا راہِ خدا میں خلقِ خدا پر خرچ کر دیتے تھے۔ فرماتے تھے:

''قرآن مجید میں رب تعالیٰ نے ''انفقوا'' (خرچ کرو) فرمایا ہے۔ ''اجمعوا'' (جمع کرو) کا حکم نہیں دیا۔''

ساری عمر شرعی طور پر نہ زکوٰۃ فرض ہوئی نہ حج (سیرت امیر ملت ص ۹۱۔۹۲) کبھی سائل کو رد نہ فرمایا حتیٰ کہ بعض اوقات قرض لے کر بھی سائل کی حاجت کو پورا کرتے۔ متعلقین اس پر اعتراض کرتے تو فرماتے: ''یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے کہ اس نے ان کو میرے پاس بھیجا ہے۔''

روزانہ سینکڑوں اور عرس کے موقع پر ہزاروں لوگ لنگر میں مہمان ہوتے۔ مہمانوں کو کھلا کر خوش ہوتے' انہیں زیادہ سے زیادہ کھانے کی ترغیب دیتے رہتے۔

اپنے وطن میں تو یہ جود وکرم کا سلسلہ دن رات چلتا ہی رہتا تھا' اپنے پرائے سب مستفیض ہوتے تھے جب کبھی حج وزیارت کے سلسلہ میں حرمین شریفین جانا ہوتا تو اس دریائے جود وکرم میں طغیانی آجاتی۔ سیرت امیر ملت میں اہلِ مدینہ کی خدمت کے عنوان کے ماتحت صاحب زادہ سید اختر حسین شاہ صاحب نے لکھا ہے: ''جب مدینہ شریف قریب آجاتا تو حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا چہرہ مبارک ہشاش بشاش نظر آنے لگتا سب ساتھیوں سے ارشاد ہوتا: ''اب وقت آگیا ہے خوب تقسیم کرو' بہت اجر ملے گا۔'' یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے ہمسائے ہیں' یہ بہت مستحق ہیں' ہم ان کی خدمت کے لیے ہی آتے ہیں۔ ہر روز یہ موقع کہاں نصیب ہوتا ہے۔''

خود بھی اتنا دیتے کہ لوگ لیتے لیتے تھک جاتے۔ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی اتباع میں ہمراہی بھی کھلے دل سے خرچ کرتے تو آپ بہت خوش ہوتے۔ جو کوئی جتنا زیادہ خرچ کرتا' اسے اتنا زیادہ شاباش دیتے اور فرماتے: ''ڈرو مت کھلے دل سے خرچ کرو مجھے یہاں

سے قرض مل جاتا ہے میں یہاں سے لے کر دے دوں گا۔"

مدینہ منورہ میں تو خصوصاً حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا دروازہ ہر کہ دمہ کے لیے چوبیس گھنٹے کھلا رہتا جو شخص خدمتِ والا میں حاضر ہوتا اسے خالی ہاتھ نہ جانے دیتے اس کی توقع سے زیادہ عطا فرماتے تا کہ اہلِ مدینہ کی خوشنودی حاصل ہو۔ عوام میں مشہور تھا کہ حضرت کے علاوہ کوئی بادشاہ بھی یہاں آ کر اس طرح اپنا دروازہ ہر وقت کھلا نہیں رکھ سکتا۔ شاہی خزانہ بھی ختم ہو جائے اور وہ کنگال ہو جائے۔ مدینہ شریف میں آپ کا قیام عموماً کئی ہفتے اور کئی مہینے تک طویل ہوتا تھا۔ سائلین کا ہجوم شب و روز یکساں رہتا اور آپ کا ہاتھ بھی کبھی نہ رُکتا اگر کوئی کہہ دیتا کہ یہ سائل تو ابھی لے کر گیا تھا تو آپ فرماتے: "ہمارے پاس کونسی کمی آ گئی ہے اس کو اور زیادہ دو شاید اس کی زیادہ ضرورت ہو اس لیے دوبارہ آیا ہے۔"

سیّد کا رگڑا

ایک دفعہ مدینہ میں مہر حاکم دین صاحب رحمۃ اللہ علیہ حاضرِ خدمت تھے' سائلوں کا بڑا ہجوم ہوا وہ اُٹھ کر جانے لگے تو آپ نے فرمایا: "مہر جی بیٹھو"

مہر صاحب نے عرض کیا: "یہ اجاڑہ میں نہیں دیکھ سکتا۔"

فرمایا: مہر جی ان کو اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے' میں بلانے نہیں جاتا یہ اس کا فضل و کرم ہے کہ اس نے ان کو میرے پاس بھیجا ہے اگر وہ مجھے انکے پاس بھیجنا چاہتا ہو تو اس کے لیے یہ بھی بعید نہ تھا۔"

ماسٹر نواب دین صاحب لکھ پتی آدمی تھے ایک دن مدینہ شریف میں انہوں نے خیال کیا کہ آج میں بھی حضرت کی طرح تقسیم کروں گا۔ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مساکین آئے تو ایک بار تو انہوں نے بھی حضور کے برابر ہی ان کو دیا کمرہ پھر دوسری دفعہ بھر گیا تو اب کے ماسٹر صاحب نے حضرت سے ایک ایک روپیہ کم کر دیا۔ یہ جماعت رخصت ہوئی تو کمرہ پھر بھر گیا حضور تو معمول کے مطابق اب بھی سب کو مساوی تقسیم فرماتے رہے۔ ماسٹر صاحب نے اب کے دو دو روپے کم کر دیئے اور اس کے بعد اُٹھ کر چلنے لگے۔ حضور نے فرمایا: "ماسٹر جی! آپ تو لکھ پتی ہیں' سید کا ایک رگڑا تو برداشت کرتے۔"

ماسٹر صاحب نے عرض کیا: ''ہم تو دنیادار لوگ ہیں' آپ کا ہاتھ خدائی خزانے میں ہے۔''

حاجی بشیر احمد ولد حاجی مہر حاکم دین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا سب روپیہ لاکر قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے اسی وقت سب کا سب روپیہ ایک ہی آدمی کو عطا فرمادیا اور مجھ سے کہا: ''حاجی بشیر احمد کو جتنی ضرورت پڑے' دیتے رہو انہیں کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔''

آپ فرماتے تھے: ''آج تک جتنے آدمی میرے ساتھ حج کو آئے ہیں' ان میں سے دو افراد ایک بخشی مصطفیٰ علی خان صاحب اور دوسرے مہر حاکم دین صاحب نے بادشاہوں سے زیادہ خرچ کیا ہے۔''

سیرت امیر ملت از صاحب زادہ سید اختر حسین شاہ پروفیسر طاہر فاروقی (ص ۱۲۳۔۱۲۵ مطبوعہ علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ ۱۹۰۱ھ)

(۲۰۰)

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعداء تیرے

ریاض کی شمالی جانب سے عینیہ نامی شہر کی طرف آپ سفر کریں تو راستے میں جبیلہ نامی بستی سے پہلے بہت بڑا کھلا میدان آتا ہے جسے عقرباء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ جگہ خاص گہری ہے، بارش ہوتی ہے تو اردگرد سے پانی اکٹھا ہو کر اس جگہ جمع ہو جاتا ہے اور یہ میدان جھیل کی شکل اختیار کر جاتا ہے یہاں کھیتی خوب اُگتی ہے۔ سرسبز ہرے بھرے کھیتوں کا منظر بڑا خوب صورت معلوم ہوتا ہے یہاں سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر عینیہ آتا ہے، یہ جگہ جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں، ایک زمانے میں یہاں بنی حنیفہ کا بہت بڑا باغ تھا اس باغ میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دَور میں صحابہ کرام علیہم الرضوان اور مسیلمہ کذاب کے مابین زبردست جنگ ہوئی جس میں مسیلمہ کذاب کو شکستِ فاش ہوئی اس کے بڑے بڑے سرداروں سمیت دس ہزار مرتد قتل ہوئے۔ مسیلمہ کی جھوٹی نبوت کا بھانڈا پھوٹ گیا اور اس کی طاقت ہمیشہ کے لیے پاش پاش ہوگئی اس جنگ میں مسلمانوں کے چھ سو مجاہد شہادت پا گئے جن میں سابقین اوّلین کے علاوہ اکثریت حفاظِ کرام کی تھی۔ ان شہادت پانے والوں میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بھائی زید بن خطاب اور مشہور انصاری صحابی ابودجانہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ یہ جنگ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی زندگی کی اہم ترین جنگوں میں سے ایک تھی اس میں مسلمانوں نے جرأت وشجاعت کے ایسے جوہر دکھائے کہ اس علاقے میں مرتدین کا مکمل صفایا ہوگیا۔

مسیلمہ کذاب کا قصہ

مسیلمہ کذاب کا قصہ بڑا دلچسپ ہے اس کا نام مسیلمہ بن ثمامہ بن کثیر بن حبیب تھا۔ یہ خاندان بنوحنیفہ سے تعلق رکھتا تھا جو ریاض کے قرب و جوار میں آباد تھا۔ یہ شخص نہایت مکار اور شعبدے باز تھا' شاعر تھا' نبوت کے آخری دَور میں یہ بنوحنیفہ کے بارہ اشخاص پر مشتمل ایک وفد کے ساتھ مدینہ طیبہ آیا۔ وفد کے لیڈر کا نام سلمٰی بن حنظلہ تھا' یہ لوگ انصار کی ایک عورت مسلمہ بنت حارث کے گھر اُترے اس نے ان کی ضیافت کی' صبح و شام ان کی ضیافت روٹی گوشت' دودھ اور کھجوروں سے ہوتی تھی جب یہ لوگ مسجد نبوی میں آئے تو مسیلمہ کو اپنی رہائش گاہ ہی پر چھوڑ آئے اور خود مسلمان ہو گئے جب انہوں نے واپسی کا ارادہ کیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں چاندی کے پانچ پانچ اوقیے بطورِ عطیہ مرحمت فرمائے۔ مسیلمہ کو بھی ان کے برابر عطیہ دیا کیونکہ انہوں نے آپ ﷺ سے کہا تھا کہ وہ ان کی قیام گاہ پر موجود ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''وہ مقام و منزلت کے لحاظ سے تم سے بُرا نہیں۔''

مسیلمہ کذاب نے کہا: ''اگر محمد ﷺ اپنے بعد مجھے حکومت دے دیں تو میں ان کی پیروی کروں گا۔'' اللہ کے رسول ﷺ کے ہاتھ میں کھجور کی ٹہنی کا ایک ٹکڑا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''اگر وہ مجھ سے کھجور کی ٹہنی کا (ایک) ٹکڑا بھی مانگے تو وہ بھی نہیں دوں گا۔''

اللہ کے رسول ﷺ نے خواب دیکھا جس کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں' اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''میں سویا ہوا تھا' میں نے اپنے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن دیکھے اس معاملے نے مجھے پریشان کر دیا۔ پس مجھے کہا گیا کہ انہیں پھونک مارو' میں نے انہیں پھونک ماری تو وہ (دونوں کنگن) اُڑ گئے۔ میں نے اس کی تاویل یہ کی کہ میرے بعد دو کذاب ظاہر ہوں گے' ایک اسود عنسی اور دوسرا مسیلمہ مگر دونوں ناکام و نامراد ہوں گے۔''

بنوحنیفہ کا یہ وفد واپس یمامہ پہنچا تو یہ اللہ کا دشمن مرتد ہو گیا اور اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ کہنے لگا: ''میں محمد ﷺ کے ساتھ شریکِ امر ہوں۔''

مدینہ آنے والے وفد میں ایک شخص رجال بن عنفوہ بھی تھا' یہ مسلمان ہو گیا' کچھ عرصہ

رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہ کر کچھ قرآن بھی سیکھا مگر یہ بدبخت بھی مرتد ہو گیا اور اس نے مسیلمہ کے لیے جھوٹی گواہی دی کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے شریکِ امر کر لیا ہے۔ اسے جو قرآن یاد تھا اس نے اس میں سے کچھ حصہ مسیلمہ کو پہنچا دیا اس نے اسے اپنی طرف منسوب کر لیا جس سے بنو حنیفہ میں بڑا فتنہ پیدا ہوا۔

مسیلمہ نے اللہ کے رسول ﷺ کو خط لکھا' مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف: ''اما بعد! مجھے آپ کے ساتھ شریک امر کیا گیا ہے لہٰذا نصف حکومت ہماری اور نصف قریش کی لیکن قریش ایسی قوم ہے جو زیادتی کرتی ہے۔''

یہ خط مسیلمہ کے دو ایلچی لے کر آئے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے پوچھا: ''کیا تم دونوں بھی وہی بات کہتے ہو جو وہ کہتا ہے۔'' انہوں نے جواب دیا: ''ہاں!''

ارشاد ہوا: ''اللہ کی قسم! اگر ایلچیوں کو قتل نہ کرنے کا اصول نہ ہوتا تو میں تم دونوں کو قتل کرا دیتا۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''اس وقت بھی اصول رائج تھا کہ ایلچیوں کو قتل نہ کیا جائے۔''

مسیلمہ کے خط کا جواب

اللہ کے رسول ﷺ نے اس خط کا جواب اس طرح دیا: ''محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کی طرف...... اس شخص پر سلامتی ہو جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اما بعد!...... زمین کا اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے' اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا مالک بنا دیتا ہے اور بہترین انجام کار متقین کے لیے ہے۔''

مسیلمہ کذاب نے اپنے مریدوں کو متاثر کرنے کے لیے یہ دعویٰ بھی کیا کہ اس پر وحی نازل ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ میں بنو حنیفہ کی ایک مسجد کے پاس سے گزرا تو وہ ایسی قرأت پڑھ رہے تھے جو اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ پر نہیں اُتاری۔ قرآن پاک کے بے شمار اعجازات میں ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ اس کا چیلنج ہے کہ ساری دنیا کے جن و انس مل کر بھی قرآن جیسی ایک سورت نہیں بنا سکتے۔ قرآن کے

مقابلے میں جو ہفوات مسیلمہ نے بیان کیں۔ ذرا ان کی ایک جھلک دیکھیے غالباً یہ سورۂ عادیات کے مقابلے میں بنائی گئی تھی: ''اور قسم ہے اچھی طرح پینے والیوں کی اور آٹا گوندھنے والیوں کی اور روٹی پکانے والیوں کی اور ثرید بنانے والیوں کی اور لقمے لینے والیوں کی۔''

ذرا ان الفاظ پر غور کریں' کیا ان کا کوئی معنی اور مفہوم ہے؟ یہی وجہ ہے کہ اس کے ہفوات کو ذرا بھی سمجھ رکھنے والے افراد نے قبول نہیں کیا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اپنے دَور کے نہایت ذہین اور فطین آدمی تھے۔ اسلام لانے سے پہلے زمانہ جاہلیت میں مسیلمہ کے پاس گئے اس نے ان سے پوچھا: ''اس وقت تمہارے ساتھی پر کیا کلام اُترا ہے؟''

عمرو بن العاص نے جواب دیا: ''ایک مختصر مگر نہایت بلیغ سورت ان پر نازل ہوئی ہے۔'' اس نے کہا: ''ذرا سناؤ! وہ کیا ہے؟''

انہوں نے سورۂ عصر سنادی۔ مسیلمہ نے کچھ دیر سوچا پھر اپنا سر اُٹھایا اور کہنے لگا:

''مجھ پر بھی اس جیسی ایک سورت نازل ہوئی ہے۔''

عمرو نے پوچھا: ''وہ کیا ہے؟''

تو مسیلمہ نے کہا: یَاوَبْرُ یَاوَبْرُ اِنَّمَا اَنْتَ اُذُنَانِ وَ صَدْرٌ وَّسَائِرُكَ حَفْرٌ نَقْرٌ ۔

''اے وبر! (نیولے اور خرگوش سے ملتا جلتا ایک جانور ہے جو لبنان میں زیادہ ہوتا ہے) اے وبر! تیرے صرف دو کان اور سینہ ہے اور باقی تو مٹی اور لاغری ہے۔''

اب مسیلمہ نے داد طلب نگاہوں سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور پوچھا:

''ہاں عمرو! تمہارا کیا خیال ہے؟''

عمرو نے کہا: وَاللّٰہِ اِنَّكَ لَتَعْلَمُ اَنِّیْ اَعْلَمُ اَنَّكَ تَكْذِبُ ۔

''اللہ کی قسم! تمہیں معلوم ہے کہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس ایک وفد بنی حنیفہ کا آیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اصرار پر انہوں نے مسیلمہ کا یہ کلام سنایا: ''اے مینڈکی! جو دو مینڈکوں کی بیٹی ہے

تمہارے لیے پانی صاف ہے اور تو پانی کو گدلا نہیں کرتی اور نہ پینے والے کو منع کرتی ہے۔
تیرا سر پانی میں اور دُم کیچڑ میں ہوتی ہے۔"

اس قسم کی بے معنی اور فضول گفتگو کو کون سی عقل ہے جو قبول کرے مگر شیاطین ان چیزوں کو اتنا مزین کر کے پیش کرتے ہیں کہ بعض سمجھ دار لوگ بھی راہِ راست سے بھٹک جاتے ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہر نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہے جو ہمیں یہ دائمی دعا سکھاتی ہے: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۔

"اے اللہ! ہمیں سیدھی راہ دِکھا۔"

مسیلمہ کے "معجزات"

مسیلمہ نے اللہ کے رسول ﷺ کی نقالی کرنے کی پوری کوشش کی۔ اسے کسی نے بتایا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کسی کنویں میں اپنا لعاب مبارک ڈالا تو اس کا پانی بڑھ گیا اس نے بھی ایک کنویں میں تھوکا تو اس کا پانی بالکل خشک ہو گیا۔ ایک اور کنویں میں تھوکا تو اس کا پانی کڑوا ہو گیا اس نے وضو کیا اور وضو کے بچے ہوئے پانی سے کھجور کے ایک درخت کو سیراب کیا تو وہ خشک ہو گیا اس کے پاس بچے لائے گئے کہ ان کے سر پر ہاتھ پھیرو اس نے ہاتھ پھیرا تو وہ گنجے ہو گئے اور بعض کی زبان ہکلانے لگی۔ ایک ایسا شخص لایا گیا جس کی آنکھوں میں تکلیف تھی اس نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو وہ اندھا ہو گیا۔

بعض اوقات علاقائی تعصب انسان کو اندھا کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ حق سے محروم ہو جاتا ہے مثلاً سیف بن عمر و یمامہ آیا اس نے پوچھا: "مسیلمہ کہاں ہے؟"

لوگوں نے کہا: "خاموش ہو جاؤ اور رسول اللہ کہو۔"

اس نے کہا: "جب تک میں اسے دیکھ نہ لوں رسول اللہ نہیں کہوں گا۔"

جب اس نے مسیلمہ کو دیکھا تو کہا: "کیا تم مسیلمہ ہو؟"

اس نے کہا: "ہاں!"

اس نے پوچھا: "تمہارے پاس کون آتا ہے؟"

وہ بولا: "میرے پاس رحمٰن آتا ہے۔"

اس نے پوچھا: ''وہ نور میں آتا ہے یا ظلمت میں؟''

اس نے جواب دیا: ''ظلمت میں۔''

اس نے فوراً کہا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ تو کذاب ہے اور محمد ﷺ صادق ہیں لیکن ربیعہ کا کذاب ہمارے لیے مضر کے صادق سے زیادہ پسندیدہ ہے اور یہ اُجڈ بدو مسیلمہ کا پیروکار بن گیا اور اسی کے ساتھ عقرباء کے روز قتل ہو گیا۔

مسیلمہ کذاب عورتوں کا رسیا تھا' اس کے دَور میں سجاح نامی ایک عورت نے نبیہ ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ یہ عرب کے عیسائیوں میں سے تھی اس کی قوم اس کی مطیع ہو گئی' ان لوگوں نے یمامہ کا رُخ کیا تا کہ مسیلمہ کذاب سے نبوت چھین لیں۔ مسیلمہ نے اسے امان کا پیغام بھیجا اور پیش کش کی کہ اگر تو واپس چلی جائے تو قریش کی نصف زمین تمہیں دینے کی ضمانت دیتا ہوں۔ آپس میں خط و کتابت ہوئی' مسیلمہ نے سجاح کو لکھا کہ میں اپنی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ انؔ کی ملاقات ایک خیمے میں ہوئی جو تین دن جاری رہی خلوت کی اس ملاقات کا نتیجہ دونوں کی شادی کی صورت میں برآمد ہوا تین دن کے بعد سجاح اپنی قوم کے پاس گئی۔ قوم نے سوال کیا: ''کیا تمہیں حق مہر دے دیا گیا ہے؟''

اس نے کہا: ''مجھے تو کوئی مہر نہیں ملا۔''

قوم نے کہا: ''یہ نہایت بُری بات ہے کہ تمہارے جیسی عورت بغیر مہر کے کسی سے نکاح کرے۔''

وہ کہنے لگی: ''میں ابھی ایک شخص کو بھیجتی ہوں جو مسیلمہ سے میرے مہر کے بارے میں پوچھے گا۔''

اس نے شبث بن ربعی کو بھیجا اس نے جواب دیا: ''اپنی قوم میں اعلان کر دو کہ مسیلمہ بن حبیب نے تم لوگوں سے فجر اور عشاء کی وہ دونوں نمازیں ساقط کر دی ہیں جو محمد ﷺ لائے تھے بس یہی سجاح کا مہر ہے۔''

مسیلمہ کی سرکوبی

ادھر اس فتنے کا مقابلہ کرنے کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عکرمہ بن ابوجہل

رضی اللہ عنہ کو بھیجا' دشمن کی کثیر تعداد کے پیشِ نظر انہیں ہدایت کی گئی کہ لڑائی میں جلدی نہ کریں بلکہ خالد بن ولید اور شرحبیل بن حسنہ کا انتظار کریں مگر جذبۂ جہاد سے لبریز عکرمہ بن ابو جہل نے حملہ کرنے میں جلد بازی سے کام لیا۔ مسیلمہ نے بنو حنیفہ کو اکٹھا کیا اور ان سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ''آج غیرت کا دن ہے' اپنے شرف کی حفاظت کرو' اپنی عورتوں کو بچاؤ۔''

غرض جنگ ہوئی' بنو حنیفہ کا پلہ بھاری رہا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہزیمت کی خبر ملی تو سخت ناراض ہوئے۔ تھوڑے دنوں کے بعد حضرت خالد بھی اپنی فوج لے کر پہنچے۔ لڑائی کے لیے دونوں فوجیں آمنے سامنے آ گئیں اب پھر مسیلمہ نے اپنی فوج سے خطاب کیا' غیرت دِلائی اور عزت و شرف کا واسطہ دیا۔ لڑائی شروع ہوئی اس روز مہاجرین کا جھنڈا سالم مولیٰ ابو حذیفہ اور انصار کا جھنڈا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہما کے پاس تھا۔ لڑائی کے پہلے ہلے میں مسلمانوں کو شکست ہوئی حتیٰ کہ بنو حنیفہ حضرت خالد بن ولید کے خیمے میں داخل ہو گئے وہاں ان کی اہلیہ اُم تمیم موجود تھیں' انہیں قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ مجاعہ بن مرارۃ نے انہیں روکا اب انہوں نے انہیں قیدی بنانے کا ارادہ کیا' اتنے میں خالد بن ولید وہاں پہنچ گئے انہوں نے آتے ہی بنو حنیفہ کو للکارا: ''کون ہے جو میرا مقابلہ کرے؟''

اس مبارزت کے جواب میں جو بھی آیا' وہ حضرت خالد کی تلوار کا لقمہ بن گیا اب انہوں نے مسیلمہ کو للکارا' وہ بھاگ کر ایک باغ میں پہنچ گیا اس روز بنو حنیفہ نے ایسی جنگ لڑی جس کی مثال نہیں دیکھی گئی۔ مسلمانوں کے علم بردار ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے زمین میں نصف پنڈلیوں تک گڑھا کھودا' انہوں نے کفن پہنا' خوشبو لگائی اور اس گڑھے میں اپنے آپ کو گاڑھ لیا اور نہایت ثابت قدمی سے لڑائی کی حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔

ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں بڑی تفصیل سے اس جنگ کا ذکر کیا ہے اس میدانِ کارزار میں صحابہ علیہم الرضوان نے جس استقلال کا مظاہرہ کیا' وہ بے مثال تھا۔ وہ دشمنوں کی طرف مسلسل پیش قدمی کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح عطا فرمائی اور کفار پیٹھ پھیر کر بھاگے' وہ ان کا تعاقب کرتے ہوئے انہیں موت کے باغ تک لے گئے۔ بنو حنیفہ کو اس باغ میں پناہ لینے کا مشورہ محکم بن طفیل نے دیا تھا وہاں مسیلمہ بھی موجود تھا۔ محکم بن طفیل

اپنی قوم کو جنگ پر اُبھار رہا تھا۔ وہ تقریر کر رہا تھا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر نے اس کی گردن میں تیر مارا تو وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ بنو حنیفہ نے اس قلعہ نما باغ کا دروازہ بند کر دیا۔ صحابہ علیہم الرضوان نے اس کا محاصرہ کر لیا۔ باغ میں داخل ہونے کا کوئی راستہ نہ تھا' دروازے بند تھے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے بھائی براء بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: ''مجھے چمڑے میں لپیٹ کر نیزوں سے اوپر اُٹھاؤ اور دیوار کے اوپر لے جا کر اندر پھینک دو۔''

حضرت وحشی کا کارنامہ

چنانچہ مسلمانوں نے اسی طرح انہیں باغ کے اندر پہنچا دیا۔ انہوں نے دروازے پر مامور فوجیوں سے لڑائی کر کے قلعے کا دروازہ کھول دیا۔ مسلمان قلعہ کے اندر داخل ہو گئے۔ ابن کثیر کے قول کے مطابق مسیلمہ کی فوج ایک لاکھ تھی' مسلمانوں کی تعداد صرف دس ہزار تھی۔ ان میں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل وحشی بھی شامل تھا اس نے سوچا' آج موقع ہے کہ میں اپنے گناہ کا کفارہ ادا کروں اس نے مسیلمہ کا نشانہ لیا اور اپنے نیزے سے حملہ کر دیا۔ مسیلمہ شدید زخمی ہو گیا اور زور سے دھاڑا۔ حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ اس کے سر پر پہنچ گئے۔ انہوں نے پوری قوت سے اس کے سر پر تلوار ماری اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے اس وقت اس کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ جنگ میں مسیلمہ کا وزیر اور کمانڈر رجال بن عنفوہ بھی واصلِ جہنم ہو گیا۔

بنو حنیفہ کے ایک سردار مجاعہ بن مرارہ کی حکمتِ عملی سے بہت سے لوگ قتل ہونے سے بچ گئے، انہوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے صلح کی درخواست کی جو قبول کر لی گئی۔ انہیں دعوتِ اسلام دی گئی تو وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے اور حق کی طرف رجوع کر لیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جن عورتوں کو قید کر لیا تھا' ان میں بعض کو ان کے اہلِ خانہ کی طرف واپس بھیج دیا اور بقیہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک لڑکی کو لونڈی بنایا' وہی آپ کے بیٹے محمد کی ماں ہے جسے تاریخ محمد ابن الحنفیہ کے نام سے یاد کرتی ہے۔

(البدایہ والنھایہ ۳۲۲/۶ وشذرات الذھب ۲۳/۱ وتاریخ الطبری ۲۶۸/۲۔۲۸۵)